ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
aanchalpk.com aanchalnovel.com

اکتوبر 2017ء کے شمارے کی ایک جھلک
تیری زلف کے سر ہونے تک
شب ہجر کی پہلی بارش
جنون سے عشق تک
ذرا مسکرا میرے گمشدہ
ابھی پھولوں میں خوشبو ہے
اقرا صغیر احمد کا سلسلے وار ناول
نازیہ کنول نازی کا سلسلے وار ناول
سمیرا شریف طور کے قلم سے خوب صورت مکمل ناول
فاخرہ کے قلم سے خوب صورت مکمل ناول
یاسمین نشاط کا خوب صورت مکمل ناول
نظیر فاطمہ، سمیرا سرفراز، صبا ایشل، راشدہ رفعت
عمارہ خان، خدیجہ جلال، ندا حسین کی خوب صورت تحریریں
مستقل سلسلوں میں پڑھیے
آپ کی صحت، ڈش مقابلہ، بیوٹی گائیڈ، غزلیں
نظمیں، بیاض دل، دوست کے پیغام آئے ودیگر
women.magazine
womenmagazine
aanchalpk.com
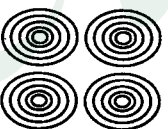
ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	02
شمارہ	12
اکتوبر	2017

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس

پاکی اسٹیڈیم کراچی/ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400
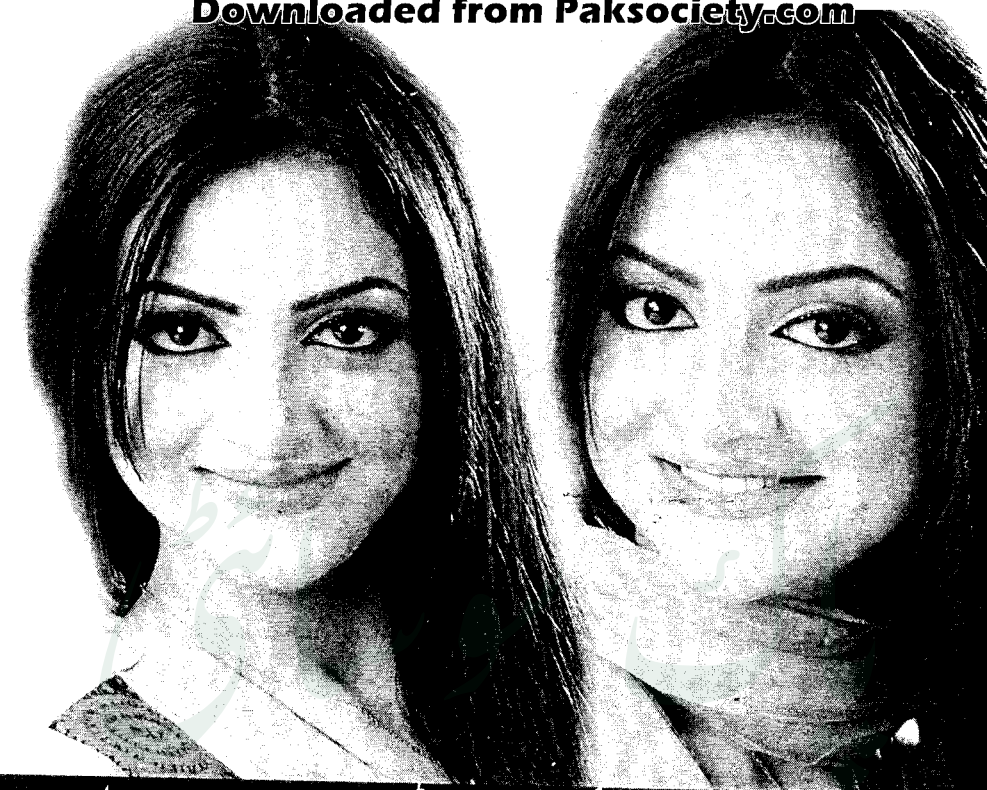
سرورق: شزاخان ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اکتوبر ۲۰۱۷ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

آج یہ سطور لکھتے ہوئے دل بہت اداس ہے ابھی ابھی اخبار اور ٹی وی پر دیکھا دل دہل کر رہ گیا ہے آج کا مسلمان کہاں سو رہا ہے اسے کیا ہوگیا ہے سیکڑوں مسلمان خواتین کو برما میں جس طرح بے عزت بے آبرو کیا جارہا ہے ایسی ہیبت ناک حرکت وہاں قانون کے محافظ افواج برما کر رہی ہے۔ برما کی فوج نے اپنی ذلالت کی انتہا کردی ہے روہنگیا مسلم خواتین کی فریاد سننے والا کوئی نہیں کسی کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی ایسا اگر غیر مسلم خصوصاً کسی مسیحی فرقے کے ساتھ ہوتا تو اب تک دنیا بھر کی طاقتیں برما کی سرکوبی کے لیے اٹھ کھڑی ہوتیں، ہوسکتا ہے اب تک برما کی اینٹ سے اینٹ بج چکی ہوتی روہنگیا کے مسلمانوں، بیٹیوں، بہنوں، ماؤں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے مسلم ممالک کے تمام ہی حکمران تقریباً سیکولرازم کے مارے ہوئے ہیں۔ تمام طاغوتی طاقتیں روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام اور ظلم و بربریت پر تماشائی بنی ہوئی ہیں کہیں سے کوئی گرم سانس تک نہیں سنائی دے رہی۔ روہنگیا مسلم آج کے سیکولر دور میں کسی محمد بن قاسم کے منتظر ہیں کسی سلطان صلاح الدین ایوبی کے متلاشی ہیں دنیائے اسلام میں ایک دو نہیں ہزاروں فلاحی تنظیمیں یعنی این جی اوز کی طرف سے بھی کوئی مذمت نہیں کی جارہی ہے بس' بے سہارا مسلمانوں کی مدد تو دور کی بات ہے بنگلہ دیش جیسا مسلمان ملک بھی بھارت کے اشاروں پر ناچ رہا ہے مسلم ممالک اگر کچھ واویلا نہیں کرسکتے تو کم از کم مسلم بیٹیوں کی بے گور وکفن لاشوں کی تدفین کا تو بندوبست کرسکتے ہیں برما کی خاتون وزیر اعظم جو نوبل امن انعام یافتہ ہیں بلکہ انعام باختہ ہیں اسے اپنی زمین پر ہونے والے مظالم اور تشدد نظر ہی نہیں آرہا وہ دن دور نہیں جب اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور ظالم کو ایسی عبرت ناک سزا ملے گی کہ وہ عبرت کا نشان بن کر رہ جائے گا ان شاء اللہ۔ آئیں ہم سب بہنیں مل کر روہنگیا مسلمان بہنوں کے لیے دستِ دعا دراز کریں۔

تمام بہنیں نوٹ فرمالیں حجاب کا اگلا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا تمام بہنیں اپنی نگارشات جلد از جلد ارسال کریں تاکہ سب بہنوں کی شرکت کو یقینی بنایا جاسکے اس حوالے سے خصوصی سروے بھی اندرونی صفحات پر ملاحظہ کریں۔

آئیے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔

تحسین انجم انصاری' سلمٰی غزل' نسرین اختر ضیاء' صائمہ قریشی' ثمرین نعیم سرہیو' صبا احمد خان' سمیہ عثمان' عروسہ عالم' اقرا اعجاز۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس کے سوا تیرا
اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا
گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا
بندے سے مگر ہو گا حق کیونکر ادا تیرا
محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نا محرم
کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
چھپتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پر محیط ان کو
جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلہ تیرا
نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بے خود
جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا
ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے
کچھ رنگ بیاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

الطاف حسین حالی

نعت

لب پر نعت پاک کا نغمہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
میرے نبیؐ سے میرا رشتہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
اور کسی جانب کیوں جائیں اور کسی کو کیوں دیکھیں
اپنا سب کچھ گنبد خضرا کل بھی تھا اور آج بھی ہے
پست وہ کیسے ہوسکتا ہے جس کو حق نے بلند کیا
دونوں جہاں میں ان کا چرچا کل بھی تھا اور آج بھی ہے
جن کے فیض سے بنجر سینوں نے شادابی پائی ہے
موج میں وہ رحمت کا دریا کل بھی تھا اور آج بھی ہے
فکر نہیں ہے ہم کو کچھ بھی غم کی دھوپ کڑی تو کیا
ہم پر ان کے فضل کا سایہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
بتلا دو گستاخ نبیؐ کو غیرت مسلم زندہ ہے
ان پر مر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
جن آنکھوں سے طیبہ دیکھا وہ آنکھیں بیتاب ہیں پھر
ان آنکھوں میں ایک تقاضا کل بھی تھا اور آج بھی ہے
سب ہو آئے ان کے در سے جا نہ سکا تو ایک صبیح
یہ کہ اک تصویر تمنا کل بھی تھا اور آج بھی ہے

صبیح الدین رحمانی

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

زائرہ اکبر

السلام علیکم آنچل اسٹاف اور تمام پیاری پیاری فرینڈز کو آداب میرا نام زائرہ اکبر ہے۔ میں کبیر والا کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتی ہوں جو گاؤں کم اور شہر زیادہ ہے کیونکہ یہاں پر ہر سہولت موجود ہے۔ ۱۱ اکتوبر کو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دنیا میں بھیجا میرا اسٹار میزان ہے میزان والی ساری خوبیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں (خامیوں کا پتا نہیں) ہم چار بہنیں ہیں اور ہمارا ایک بھائی ہے میں سب سے چھوٹی ہوں اس لیے گھر بھر کی لاڈلی ہوں میں اپنی ساری فیملی سے ہی بہت محبت کرتی ہوں خاص طور پر امی اور بھائی سے شرارتی بہت ہوں اس لیے بچوں کی من پسند آپی ہوں۔

اب بات کرتی ہوں اپنی پسند ناپسند کی گلاب کا پھول اچھا لگتا ہے رنگوں میں پنک اور وائٹ پسند ہیں کھانے میں پلاؤ پسند ہے آئسکریم کی دشمن خاص ہوں خود بھی سادہ رہتی ہوں اور سادہ لوگ ہی اچھے لگتے ہیں لمبے بال مجھے بہت اٹریکٹ کرتے ہیں چند خوبیاں اور ڈھیر ساری خامیاں بھی مجھ میں موجود ہیں میں بہت نرم دل ہوں کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی اور زیادہ دیر کسی سے ناراض بھی نہیں رہ سکتی۔ میں ہر کسی پر بہت جلد اعتبار کر لیتی ہوں اور نقصان بھی اٹھاتی ہوں یہی میری بڑی خامی ہے دوستی کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ ثانیہ، فاطمہ اور سدرہ میری بہترین دوستیں ہیں۔ ہر مہینے حجاب کا بڑی شدت سے انتظار ہوتا ہے اور ایک دن میں ہی سارا ختم کر لیتی ہوں۔ اس لیے خواہش ہے کہ حجاب ہر روز شائع ہوتا کہ میں روز پڑھ سکوں، حجاب کی تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں اور ہمیں ہر کہانی پڑھ کر کوئی نہ کوئی اچھا سبق ملتا ہے میری تمنا ہے کہ میں بھی رائٹر بنوں۔ مستقبل میں وکیل بننے کا بہت شوق ہے اور سب کہتے ہیں کہ جس قدر میں بولتی ہوں ضرور وکیل بن جاؤں گی اس کا اندازہ تو آپ کو بھی ہو گیا ہوگا کہ میں کتنا بولتی ہوں ہمارے ملک پاکستان پر اس وقت بہت سی آفات ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا خاص کرم کرے اور ہمارے گناہ معاف فرمائے اور حجاب کو مزید ترقی و کامرانی سے ہمکنار کرے آمین۔ مجھے امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ مجھے حجاب میں ضرور جگہ ملے گی (ملے گی ناں) ہاں یہ ہوئی ناں بات اپنے پسندیدہ شعر کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں بتایئے گا ل کر کیسا لگا۔

ضرورت توڑ دیتی ہے غرور بے نیازی کو
نہ ہوتی کوئی مجبوری تو ہر بندہ خدا ہوتا

سونیا سحر صدیق

نہیں محتاج تعارف کا
جسے خوبی خدا نے دی

(خود شعر بنایا ہے، ہاہاہاہاہا)

ڈیئر ریڈر اینڈ رائٹرز السلام علیکم! میرے نام سے تو آپ واقف ہو گئے مزید یہ کہ ماںدولت کو پیار سے (خوب صورت ہونے کی وجہ سے) سوہنی بھی کہا جاتا ہے بلکہ محلے والے گھر والے رشتہ دار سب ہی سوہنی کہتے ہیں لیکن میری اسکول، کالج کی دوستیں سونیا صدیق ہی کہتی ہیں۔

میں ضلع مظفر گڑھ کی ایک تحصیل جتوئی میں رہتی ہوں آپ کے لیے جتوئی نیا نہیں ہے ہر ماہ جتوئی سے ہماری کوئی نا کوئی بہن ضرور آنچل میں انٹری دیتی ہے۔

ہم ماشاءاللہ نو بہن بھائی ہیں میرا نمبر چوتھا ہے دو بہنوں کی شادی ہو چکی ہے ہمیں خالہ جانی بننے کا شرف بھی حاصل ہے احمد رضا اور علیشہ میرے کیوٹ سے بھانجا بھانجی ہیں۔

تو جناب اب آتے ہیں اپنی خوبیوں (جو کہ لاتعداد ہیں) اور خامیوں کی طرف (جو کہ امی کے بقول ہزاروں ہیں)

جیسا کہ میرے نام سے ظاہر ہے سوہنی اسی طرح خدا نے خوب صورت چہرے سے نوازا ہے اور دل کی بھی بہت اچھی ہوں غصہ تو مجھے آتا ہی نہیں بلکہ غصہ کرنے والے بہت برے لگتے ہیں ہاں البتہ بولتی بہت ہوں سننے سے زیادہ بولنا اچھا لگتا ہے کسی اجنبی کو بھی بور نہیں ہونے دیتی (بقول میری دوستوں کے یہی خوبی میری شخصیت کا خاصہ

ہے کھانے میں کڑھی، چاول، گوشت زیادہ شوق سے کھاتی ہوں پھلوں میں آم اور انناس میرے فیورٹ پھل ہیں سبزی بھنڈی اور پالک تو میں بہت رغبت سے کھاتی ہوں دودھ بالکل پسند نہیں لباس کے معاملے میں خاصی چوزی ہوں فیشن کے مطابق ہی کپڑے سلواتی ہوں پینٹ شرٹ پہننے والی لڑکیوں سے بھی نفرت ہے۔

لوگوں سے ہنس کر ملنے والے انسان بہت اچھے لگتے ہیں، خاموش اور کم گو انسان سے الرجک ہوں حلقہ احباب کافی وسیع ہے لیکن یہاں صرف اپنی بیسٹ فرینڈ انعم چوہدری کا ہی ذکر کروں گی انعم یو آر سو سوئٹ سمارٹ اور مائی گریٹ فرینڈ ہمیشہ ایسی ہی رہنا۔

سب سے پسندیدہ شخصیت میرے لیے میرے مرشد کریم حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری کی ہے اللہ انہیں طویل عمر عطا فرمائے، آمین۔ پسندیدہ کتاب فیضان سنت ہے پسندیدہ رائٹرز عمیرہ احمد، شازیہ چوہدری، نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف، سعدیہ امل کاشف ہیں فیورٹ ناول پیر کامل بہاروں کے سنگ سنگ، محبت دل پہ دستک، شہر چارہ گراں، دل، دریا، دہلیز، شہر دل کے دروازے، زندگی گلزار ہے آخر میں اس شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

کچھ لوگ میری زندگی میں خوشبو کی طرح ہیں
محسوس تو ہوتے ہیں دکھائی نہیں دیتے

نادیہ عباس دیا

پیارے حجاب کے ریڈرز اینڈ رائٹرز کو محبتوں بھرا پر خلوص سلام پیش خدمت ہے۔ آنٹی جی اپنے پیارے سے گھر آنچل میں، ہم ناچیز کو انٹر ہونے کی اجازت تو دے دیں میں ہوں نادیہ عباس دیا 15 اپریل 1994ء کو موسیٰ خیل میں پیدا ہوئی میرا اسٹاف Ariesz ہے میں نے ابھی حال ہی میں سیکنڈ ایئر کے پیپرز دیے ہیں، ہم ماشاء اللہ چار بہنیں ہیں اور ایک بھائی ہے میں لاسٹ پر ہوں سب بہن بھائی شادی شدہ ہیں میری امی کی ڈیتھ ہوگئی ہے تب میں صرف پانچ سال کی تھی۔ رنگوں میں مجھے بلیک اور پنک پسند ہے بلیک کی تو دیوانی ہوں کھانے میں مجھے چاول سبزیوں میں پالک اور بھنڈی کے علاوہ کچھ نہیں پسند زیادہ تر سبزیاں بالکل نہیں کھاتی کریلے اور بینگن زندگی میں کبھی نہیں کھائے پھل سب اچھے لگتے ہیں لیکن آم بہت پسند ہے۔

میں بچوں کے میگزین جو کہ ''فکشن میگزین'' کے نام سے کراچی سے نکالا جاتا ہے میں کہانیاں لکھتی ہوں کہانیاں لکھنا میں نے آٹھویں جماعت سے شروع کیا تھا اب تو شاعری بھی کرتی ہوں اور جو بھی غزل لکھتی ہوں وہ اپنی پیاری فرینڈ حلیمہ کو سینڈ کرتی ہوں میری پسندیدہ رائٹر عمیرہ احمد ہیں، عمیرہ احمد کا ہر ناول میرے دل کو چھوتا ہے اور پیر کامل اور امر بیل موسٹ فیورٹ ہیں امر بیل پڑھنے کے بعد میں ایک ہفتے تک روتی رہی ہوں اور اب بھی یاد کر کے رونا آجاتا ہے میں بہت حساس ہوں رونا بہت جلدی آجاتا ہے دکھی کہانیاں اور ڈرامے دیکھ کر رونے لگتی ہوں پاکستانی ایکٹرز میں ناہید شبیر، فرحانہ مقصود اور رابی پیرزادہ بہت پسند ہیں اور انڈین میں مادھوری، کترینہ کیف اور کرینہ کپور اور اجے فیورٹ ہیں چلو اب خوبیاں اور خامیاں بتاتی ہوں چلوں جیسا کہ ہر بندے میں خامیاں اور خوبیاں تو ہوتی ہی ہیں اس طرح مجھ میں بھی ہیں میری سب سے بڑی خامی یہ کہ نماز باقاعدگی سے نہیں پڑھ پاتی دوسروں پر بہت جلد اعتبار کر لیتی ہوں غصہ بہت جلد آتا ہے اور گھر کے کام کرنے میں بالکل دلچسپی نہیں ہے اس بات پر بڑی ڈانٹ پڑتی ہے گھر والوں سے لیکن میں ایک کان سے سنتی ہوں اور دوسرے کان سے نکال دیتی ہوں خوبیوں میں یہ کہ فرینڈز سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی فوراً منا لیتی ہوں کنول سے خوبیاں خامیاں پوچھیں تو اس نے یہ بتائیں تم دوستوں کے معاملے میں ناراضگیوں میں انا کا معاملہ پیدا نہیں کرتی منا لیتی ہو جیسی ہو ویسی دکھتی ہو، اندر باہر کے دو روپ نہیں ہیں اور سچ بولتی ہو خامیاں کبھی کبھی بہت روکھا بول جاتی ہوں اچانک اجنبی بن بیٹھتی ہو مگر کبھی کبھی فضول باتوں پر ضدی بن بیٹھتی ہو ضدی ہو تھوڑی عید پر کال بھی نہیں کرتی (اس بار کنول تجھے ضرور کروں گی) کنول کہتی ہے کبھی اپنی فیلنگز شیئر نہیں کرتی کسی بھی معاملے میں بھی یہ بات مجھے خوبی لگتی

ہے اور کبھی خامی اور بقول کنول کے میرے سب سے بڑی خامی یہ کہ مجھ میں خامیاں بہت کم ہیں لو جی اب سارہ کی سنو طوطے کی طرح بولتی ہو، دل کی بہت اچھی ہو اور سارہ کو مجھ میں کوئی خامی نظر نہیں آتی، فرینڈز، اپنی دوستوں سے خوبیوں اور خامیاں پوچھنے کی سزا یہ ملی کہ مجھے بھی ان کی خوبیاں اور خامیاں بتانا پڑیں جو کہ بہت مشکل کام تھا۔

فارغ وقت میں بلکہ ہر وقت دوستوں سے باتیں کرتی ہوں رسالے پڑھتی ہوں ٹی وی دیکھتی ہوں ہر وقت صبح سے رات تک میسجنگ کرنے والا کام ہے حجاب میں نے فرینڈ سے لے کر پڑھنا شروع کیا مگر اب اپنا لیتی ہوں اور ان شاء اللہ تاحیات لیتی رہوں گی نک نیم میں کوئی نادو کہتا ہے کوئی نادی کہتا ہے میری فرینڈ حلیمہ دیا کہتی ہے اور یہی مجھے بہت پسند ہے۔

ناول لکھنے کا بہت شوق ہے رائٹر تو ہوں ہی ناول بھی لکھوں گی میری فرینڈز کہتی ہیں کہ ناول لکھو لیکن ٹائم نہیں ملتا کیا کروں ایک ناول اسٹارٹ کیا تھا لیکن ٹائم نہ ہونے کی وجہ سے اختتام پزیر نہ ہوسکا پڑھائی پر اتنی توجہ نہیں دیتی رسالے بہت پڑھتی ہوں پھر بھی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اچھے نمبرز سے پاس ہوجاتی ہوں بقول ابو کہ اگر جو ٹائم ٹی وی اور رسالے پڑھنے میں لگاتی ہوں اگر اپنی پڑھائی میں لگاؤ تو ٹاپ کرسکتی ہو لیکن کیا کروں کہ میں ٹی وی اور رسالوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

میری بہت سی فرینڈ ہیں لیکن نجانے کیوں مجھے ایسی فرینڈ کی تلاش ہے جو ایک نظر میں میرے سارے دکھ درد جان جائے بن بتائے وہ میری پریشانی محسوس کرے اور میری خوشیوں میں میرا ہمیشہ ساتھ دے میری خوشی میں خوش ہو اور میری پریشانی کو دور کردے لباس میں مجھے پینٹ شرٹ پہننے کا بہت شوق ہے مگر کبھی پہنی نہیں۔

لوگ چاند کو پسند کرتے ہیں میں یہ نہیں کہتی کہ مجھے چاند بھی پسند ہے لیکن مجھے سورج سے محبت ہے انسان کو سورج کی طرح ہونا چاہیے روشن اور باکردار کوئی اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکے انسان کے عزائم کو پختہ ہونا چاہیے اس کو صاف اور کھرا ہونا چاہیے بہتی ندیا کی طرح لگتا ہے آپ میری باتوں سے بور ہوگئے ہیں ٹھہرو یار اپنے پسندیدہ شاعر تو بتادوں محسن نقوی، احمد فراز اور وصی شاہ اور شاکر نیازی میرے فیورٹ شاعر ہیں اس سے پہلے کہ آپ صفحہ پلٹ کر آگے بڑھ جائیں اجازت چاہتی ہوں۔

فائمہ سلیم

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ آنچل پڑھنے اوڑھنے والیوں آئی ہوپ سب فٹ فاٹ ہوں گی میں بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں ارے بھئی ایسے گھور کیوں رہے ہو، میں ہوں یار مانا کہ پہلی بار شرکت کررہی ہوں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ سب مجھے گھور گھور کر دیکھو (یار کنفیوژن ہو رہی ہے سمجھا کرو) چلیں میں اپنا تعارف کرا ہی دیتی ہوں کیا یاد کروگے کہ کس سخی دل سے پالا پڑا ہے تو جناب میں ہوں فائمہ سلیم میں خانیوال میں رہتی ہوں ویسے میرا برتھ سٹی سیالکوٹ ہے میں 26 دسمبر کی ٹھنڈ سرد راتوں میں دسمبر کے حسن کو چار چاند لگانے اس دنیا میں وارد ہوئی میرے نک نیم بہت زیادہ ہیں جیسے فیم، سیم، فیماں، فیموں اور پتا نہیں کیا کیا ہیں لیکن مجھے اپنے نک نیم سب کے سب بہت زیادہ پسند ہیں اسپیشلی جب پاپا جانی آئمہ آپی فیم یا سیم اور صائمہ آپی فیم سسٹر کہتی ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے، ہم چار بہنیں اور چار بھائی ہیں میرا نمبر پانچواں ہے لیکن پھر بھی پورے گھر کی لاڈلی ہوں اسپیشلی پاپا کی تو میں جان ہوں میرے پاپا دنیا کے بیسٹ پاپا ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے پاپا جانی کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔ آنچل سے بہت گہرا تعلق ہے جب ساتویں کلاس میں تھی تو آپی اور مما سے چوری چوری پڑھا کرتی تھی اب میں ایف ایس سی کر رہی ہوں آپی مما سب کے سامنے حجاب پڑھتی ہوں اور جب تک زندگی رہی ضرور پڑھتی رہوں گی حجاب کے علاوہ کبھی کبھار پاکیزہ اور خواتین بھی پڑھ لیتی ہوں لیکن جو مزہ حجاب پڑھنے میں ہے وہ کسی اور رسالے میں نہیں ہے فیورٹ رائٹر یار ساری ہیں لیکن ٹاپ لسٹ پر عفت سحر طاہر، سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی اور اقرا صغیر احمد ہیں

فیورٹ ناول محبت دل پہ دستک، یہ چاہتیں یہ شدتیں اور بھیگی پلکوں پر ہے اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف تو جناب میرے اندر جتنی خامیاں ہیں اتنی ہی زیادہ خوبیاں بھی ہیں (خوش فہمی) خامیاں سوچ کے بتانی پڑیں گی بقول میری آپیوں اینڈ مما جانی سسٹر کے ڈھیٹ بہت زیادہ ہوں غصہ بہت زیادہ کرتی ہوں اور جب غصہ آتا ہے تو دل ودماغ پر سوار ہوجاتا ہے ایک انسان کا غصہ کسی دوسرے بندے یا بندی پر نکال دیتی ہوں جس کی وجہ سے بعض دفعہ بہت پیارے دوستوں کو بھی ناراض کردیتی ہوں مجھ سے غصہ کنٹرول ہی نہیں ہوتا میں کی کراں خوبیاں ذرا سب سے پوچھ کے بتاتی ہوں آ آ فرسٹ ون تو یہ کہ میں کسی سے زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکتی اگر کوئی ناراض ہوجائے تو فوراً سوری کہہ دیتی ہوں چاہے غلطی میری ہو یا نہ ہو، ضد بالکل بھی نہیں کرتی ہوں بولتی بہت زیادہ ہوں مما جانی کہتی ہیں کہ فیم کم بولا کرو لیکن جب نہیں بولتی تو پھر سب پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے کالج میں کسی سے لڑائی ہوگئی وغیرہ وغیرہ، عادی بھائی (عدنان بھائی) کہتے ہیں کہ فیم تم مسکراتے ہوئے اچھی لگتی ہو اس لیے مسکراتی رہا کرو اینڈ میری قریبی ساری فرینڈز بھی یہی کہتی ہیں۔ میری بہت ساری فرینڈز ہیں ان میں آمنہ آپی صائمہ آپی، کشف آپی، کومل آپی، صدف، سعدیہ، کومل، انعم، سدرہ کرن، تحریم، سدرۃ المنتہیٰ، شجیلہ آپی، مہرین آپی، صفیہ اور عمارہ شامل ہیں اگر کسی کا نام رہ گیا ہو تو سوری یار، کلر سارے فیورٹ ہیں قدرت کے چاروں موسم بے حد پسند ہیں سبزیاں اور پھل سب کچھ کھالیتی ہوں (اچھی بچی ہوں نا) ریڈ روز میرا فیورٹ پھول ہے لباس میں لانگ شرٹ کے ساتھ پاجامہ اور لمبا سادو پٹا پسند ہے جیولری میں صرف کانچ کی چوڑیاں پسند ہیں ہاں آپ پنک کلر میرا فیورٹ کہہ سکتے ہیں کیونکہ بے بی پنک کلر میری آمنہ آپی اور ایک فرینڈ کا فیورٹ کلر ہے سو میرا بھی ہے مجھے دلہنوں کے ہیوی میک اپ اور ہیوی جیولری سے بہت الجھن ہوتی ہے انہیں دیکھ دیکھ کر میرا دل گھبراتا ہے کہ پتا نہیں کیسے پہن لیتی ہیں لڑکیاں یہ سب کچھ مجھے آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ لڑکیاں شادی کے بعد چینج کیوں ہوجاتی ہیں (میری آمنہ آپی اور کشف آپی بھی ہوگئی ہیں) مجھے سیاست میں آنے کا بڑا ہی شوق ہے میری خواہش ہے کہ پاکستان کی صدر بنوں میری کومل آپی، مہرین آپی، شجیلہ آپی، انعم اور ادریس سر کہتے ہیں کہ تم کچھ بھی کرلو ہم تمہیں ووٹ نہیں دیں گے بلکہ ہم ایک گروپ بنائیں گے اور جو لوگ تمہیں ووٹ دیں گے ان کی خوب پٹائی کروں گی (ہاہاہا) کشف آپی کہتی ہیں کہ فیم اگر تم سیاست میں گئی تو ہم سے سارے رشتے ناتے توڑ کے جانا مجھے کوئی بھی سیاستدان پسند نہیں ہے سوائے قائداعظم اور اپنے آپ کے لیے (ہائے رے خوش فہمی) کرکٹ بہت زیادہ شوق سے دیکھتی ہوں دسویں تک کھیلی بھی تھی اب تھوڑا بہت کھیل لیتی ہوں ویسے تو پوری پاکستانی ٹیم میری فیورٹ ہے لیکن وسیم اکرم موسٹ فیورٹ وہ بھی اس لیے کہ ایک فرینڈ کا فیورٹ پلیئر ہے سو میرا بھی فیورٹ ہے اس فرینڈ نے مجھے کہا تھا کہ فائمہ یہ دنیا دھوکے باز ہے یہاں کوئی کسی کا نہیں ہے سب مطلبی ہیں اس لیے زندگی میں کچھ بھی کرنے سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں سوچنا جو تم سے بہت پیار کرتے ہیں اور تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں میں اپنے دوست کی اس بات کو آج تک نہیں بھولی ہوں اور نا ہی دوست کو بھولی ہوں وہ تو میری سانسوں میں ہے اور جو لوگ سانسوں میں بستے ہیں انہیں بھولا نہیں جاتا ارے یہ کیا آپ لوگ بور ہورہے ہیں چلیں کوئی بات نہیں میں بھی کبھی کبھار آپ لوگوں کے تعارف پڑھ کے بور ہوجاتی ہوں (ہاہاہا مذاق کررہی ہوں یار) او کے جی چلتی ہوں تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا آپ کی رائے کا انتظار رہے گا اس چھوٹی سی بات کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ آنسو بہت قیمتی موتی ہیں انہیں اگر لوگوں کے سامنے بہائیں گے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اگر اپنے پروردگار کے سامنے بہائیں گے تو نہ صرف ہمارا خدا ہم سے خوش ہوگا بلکہ یہ آنسو ہماری آخرت میں بھی کام آئیں گے۔ اللہ حافظ

سوال: آپ کا تعارف، تعلیم، علاقہ، مشغلہ، وغیرہ؟

جواب: میں نے کیمسٹری میں ایم ایس سی کی ہے اور چھانگا مانگا کے قریب ایک قصبے نما شہر چونیاں سے تعلق رکھتی ہوں۔ مجھے کتابیں پڑھنا، لکھنا اور لوگوں کی نفسیات کو سمجھنا بے حد پسند ہے۔

سوال: آپ کے لکھنے کی ابتدا کس طرح اور کس عمر میں ہوئی؟

جواب: میٹرک کے بعد اپنی کاپی نما ڈائری میں اپنے خیالات لکھتی رہتی۔ اپنی خوشیاں اپنی شیئرنگ اپنی فرسٹریشن سب میں کاپی کے صفحات پر اتارتی جب ماسٹرز میں آئی تو مجھے لگا کہ جو کہانیاں میں پڑھتی ہوں اسی طرح کی کہانیاں میں اپنے اردگرد بھی محسوس کرتی ہوں سو مجھے بھی لکھنا چاہیے پھر میں نے افسانہ لکھا اور پہلا افسانہ ہی پبلش ہوگیا اور یونہی سلسلہ چلتا رہا۔

سوال: ادبی دنیا میں کن شخصیات سے آپ متاثر ہیں؟

جواب: ادب میں بہت کم لوگوں کو پڑھا لیکن جن کو پڑھا مزہ آ گیا نسیم حجازی، آل ٹائم فیورٹ ہیں، مستنصر حسین تارڑ، امجد اسلام امجد، طارق اسماعیل ساگر، عمیرہ احمد، نمرہ احمد، ابو یحییٰ یہ سب بہت پسند ہیں۔

سوال: آپ کا اثاثہ؟

جواب: میری فیملی۔

سوال: محبت کیا ہے؟

جواب: محبت وہ آفاقی جذبہ ہے کہ اگر یہ دل کی تمام سچائیوں کے ساتھ آپ اپنا لو تو دنیا کا نقشہ بدل جائے دلوں کو تسخیر کرنے کے لیے محبت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔

سوال: مزاجاً کیسی ہیں؟

جواب: خوش اخلاق اور رحم دل ہوں لوگوں کی تکلیفوں پر جلدی رو پڑتی ہوں کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ حتیٰ کہ چرند پرند کو بھی۔

سوال: غصہ آتا ہے، اگر آتا ہے تو کن لوگوں پر آتا ہے اور کن باتوں پر آتا ہے؟

جواب: غصہ آتا ہے اور ان لوگوں پر آتا ہے جو غلط بات کر کے اس پر ڈٹے رہتے ہیں جو دوسروں کی دل آزاری کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور جن میں کچھ بھی نہ ہو پھر بھی وہ اپنے کچھ نہ ہونے پر بھی متکبر رہتے ہیں۔

سوال: کیا آپ مزاجاً بہت جذباتی ہیں یا ٹھہراؤ ہے آپ کے مزاج میں؟

جواب: میرے مزاج میں ٹھہراؤ ہے۔

سوال: کیا آپ اچھی رازدان ہیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: مرد اور خاتون رائٹر کی طرز تحریر میں بنیادی فرق کیا محسوس ہوتا ہے؟

جواب: مرد اور خاتون رائٹر کی تحریر میں بنیادی فرق میری نظر میں سینس آف اسٹیبلیٹی ہے مجھے لگتا ہے مرد خیالات کی رو میں ایک سمت بھٹکتا ہے جبکہ عورت لکھتے ہوئے کئی سمتوں میں بٹ جاتی ہے عورت

جذبات و احساسات کے صحرا میں بھٹکتی ہے اور مرد احساسات کی سیدھی گلیاں اور شاہراہیں بنالیتا ہے۔

سوال: اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ لکھنا چھوڑ دیں تو؟

جواب: تو مجھے یوں لگے گا جیسے میں سانس لینا چھوڑ چکی ہوں۔

سوال: کن کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟

جواب: ہر ایک کیڑے سے۔

سوال: اپنی غلطی کا اعتراف کرلیتی ہیں؟

جواب: جی۔

سوال: دل کی سنتی ہیں یا دماغ کی؟

جواب: باوقت ضرورت دونوں کی سن لیتی ہوں ویسے دل کی سننا زیادہ پسند ہے پر اس سوسائٹی میں رہنے کے لیے دماغ کی بھی سنی پڑتی ہے۔

سوال: بوریت کس طرح دور کرتی ہیں؟

جواب: بہنوں سے باتیں کرکے، دوستوں سے باتیں کرکے کچھ پڑھ کر قرآن کے لیکچر سن کر۔

سوال: نصیحت جو بری لگتی ہے؟

جواب: جب کوئی زیادتی کرے تو آگے سے بڑے، بہن بھائی یہ کہہ دیں تمہیں صبر کرنا چاہیے حوصلہ کرنا چاہیے بعض دفعہ کہنا آسان لگتا ہے اور کرنا مشکل۔

سوال: آپ صاف گو ہیں؟

جواب: خطرناک حد تک صاف گو اور اسی صاف گوئی کی بنیاد پر بہت سارے خطرات مول لے لیتی ہوں اتنا صاف گو نہیں ہونا چاہیے کہ رشتے داؤ پر لگ جائیں پر غلط بات اور غلط بیانی سے مجھے شدید نفرت ہے۔

سوال: وقت کی پابندی کرتی ہیں؟

جواب: بہت شرمندگی کے ساتھ بتاؤں گی کہ وقت کی پابندی مجھ سے نہیں ہوتی اللہ مجھ میں یہ عادت ڈال دے۔

سوال: ہاتھ سے کھانا پسند ہے یا......؟

جواب: ہاتھ سے کھانا پسند ہے۔

سوال: ایک شخصیت جن کو اغوا کرنا چاہتی ہوں؟

جواب: بھارت اور اسرائیل کے صدر اور وزیر اعظم ان کو اغوا کر کے سمندر میں پھینکنا پسند کروں گی کیونکہ فلسطین اور کشمیر کے حالات رلاتے ہیں اب تو شام کے وزیر اعظم اور صدر کو بھی دل کرتا ہے ماؤنٹ ایورسٹ سے دھکا دے دوں

سوال: خدا کی بہترین تخلیق؟

جواب: ماں اور بہن۔

سوال: پیسہ محنت سے ملتا ہے یا قسمت سے؟

جواب: دونوں طریقوں سے۔

سوال: دن کے کس حصے میں خود کو فریش محسوس کرتی ہیں؟

جواب: مغرب کے بعد فجر سے پہلے۔

سوال: اپنے تجربے سے سیکھتی ہیں یا دوسروں کی غلطیوں سے؟

جواب: دوسروں کی غلطیوں سے۔

سوال: طبیعت میں ضد ہے؟

جواب: نہیں۔

سوال: ماں کا دیا ہوا بہترین تحفہ؟

جواب: عاجزی، سادگی۔

سوال: مخلص کون ہے؟

جواب: اللہ اور ماں۔

سوال: چھٹی کا دن کہاں گزارنا پسند ہے؟
جواب: جہاں میری بہنیں ہوں، دوستیں ہوں۔
سوال: ڈریسز میں کیا پسند ہے؟
جواب: شلوار قمیص۔
سوال: گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟
جواب: اپنے کمرے میں۔
سوال: کس کے ایس ایم ایس کا فوری جواب دیتی ہیں؟
جواب: بھائی کے......خاوند کے۔
سوال: زندگی سے کیا سیکھا یا یوں کہیے آپ کی زندگی کا نچوڑ کیا ہے؟
جواب: زندگی جہد مسلسل کے سوا کچھ نہیں، کبھی ہار نہ مانیں کبھی کمزور نہ پڑیں زندگی کو وہی لوگ صحیح طرح جی سکتے ہیں جو اللہ پر ہر اچھے برے وقت میں کامل یقین رکھتے ہیں۔ یقین کو پتھر سے بھی زیادہ مضبوط رکھیں اور بے یقینی کی گنجائش بھی نہ پیدا ہونے دیں تو زندگی بے حد حسین ہے۔
سوال: مشکل یا پریشانی میں ہوں تو کیا کرتی ہیں؟
جواب: اللہ سے رجوع کرتی ہوں۔
سوال: آپ کے خیال میں اچھا ادب کیا ہے؟
جواب: اچھا ادب وہ ہے جس سے آپ معاشرے میں تبدیلی دیکھو ایسا ادب جو علامہ اقبال نے تحریر کیا اور مردہ قوم میں روح پھونکی ایسا ادب جو عمیرا نے تخلیق کیا اور گھریلو عورت کو خاص بنا دیا ایسا ادب جو نمرہ لکھتی ہے تو اسلام سے محبت پیدا کر دیتی ہے ادب وہ جو تبدیلی دکھائے جو روح سے ابھر کر آپ کی حرکات و سکنات میں نظر آئے آپ کے لیے معاشرتی شعور کی روشنی پیدا کردے۔

سوال: آج کے ملکی حالات پر رائے کا اظہار کیجیے؟
جواب: ملکی حالات دیکھ کر ہمیشہ سے مایوسی ہی ہوتی رہی ہے لیکن اب کوئی امید بندھی ہے عمران خان کے تبدیلی کے نعرے کو دیکھ کر۔
سوال: اپنے آپ کو مستقبل میں کس جگہ، کس مقام پر دیکھتی ہیں؟
جواب: مستقبل میں اپنے آپ کو ایک اچھی ڈرامہ نگار کے طور پر دیکھتی ہوں۔
سوال: لوگوں سے کس حد تک ملنا پسند کرتی ہیں کیا خود کو ملنسار کہہ سکتی ہیں؟
جواب: میں ریزرو فطرت کی ہوں لوگوں سے ملتی ہوں بس ایک حد تک لیکن جس سے فرینک ہو جاؤں اس سے کافی ملنسار ہو کر ملتی ہوں۔
سوال: مہمان نواز ہیں؟
جواب: جی ہاں۔
سوال: اپنے ملک کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟
جواب: میں سوچتی ہوں کہ ہمارا ملک دنیا کا ایک خوب صورت خطہ ہے جسے سنوارنے کے لیے مخلص ایماندار اور محب وطن لوگوں کی اشد ضرورت ہے۔
سوال: بچپن میں گڑیوں سے کھیلتی تھیں؟
جواب: جی ہاں، مجھے گڑیوں سے کھیلنا بہت اچھا لگتا تھا۔
سوال: گھر میں سب سے زیادہ کس سے اٹیچ ہیں؟
جواب: اپنی دو بہنوں اور ایک بھتیجی باسرہ سے بہت اٹیچ ہوں۔
سوال: کون ہے جس سے دل کی ہر بات کہہ دیتی ہیں؟
جواب: اللہ سے۔

سوال: زندگی کا خوب صورت لمحہ؟

جواب: جب میری پہلی تحریر شائع ہوئی۔

سوال: کوئی ایسی بات جس پر پچھتاوا ہو؟

جواب: کہ میں نے ہاسٹل لائف زیادہ گزاری اور اپنی امی کے ساتھ زیادہ وقت نہ گزارا اور جب وہ دنیا چھوڑ گئیں تو یہ بات میرے دل میں کانٹے کی طرح چبھنے لگی۔

سوال: زندگی سے کوئی گلہ؟

جواب: کہ میرے والدین اتنی جلدی چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔

سوال: شادی کے بعد لکھنے کے لیے فیملی سپورٹ ملی؟

جواب: جی ہاں صرف شوہر کی سپورٹ ملی۔

سوال: اگر فیملی سپورٹ نہ ہوتو آپ کے خیال میں ایک رائٹر کو لکھنا چھوڑ دینا چاہیے۔

جواب: ہرگز نہیں، اسے اچھے وقت کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا اور قلم سے ناطہ بالکل نہیں توڑنا چاہیے۔

سوال: کس جگہ سیر کرنے کو دل چاہتا ہے؟

جواب: پوری دنیا گھومنے کو دل کرتا ہے۔

سوال: ٹی وی کے لیے لکھ رہی ہیں؟

جواب: جی ایک ڈرامہ سیریل پر کام ہو رہا ہے اور ایک ٹیلی مووی لکھی ہے۔

سوال: فیس بک کے بارے میں آپ کے خیالات؟

جواب: فیس بک کو امن کی جگہ بنا کر ہی استعمال کرنا چاہیے لیکن آج کل فیس بک پر صرف لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں ایف بی کم دنگل کھیلنے کا میدان زیادہ لگتا ہے۔

سوال: نوجوان لڑکیوں کے لیے کوئی نصیحت؟

جواب: اپنی انا اور وقار کے ساتھ کبھی کمپرومائز نہ کریں جب تک آپ اپنی عزت خود نہیں کریں گی کوئی آپ کی عزت نہیں کرے گا لڑکیوں کو لچکیلی شاخ کی مانند نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایک مضبوط چٹان کی طرح بہادر اور مضبوط کردار کا حامل ہونا چاہیے۔

سوال: کن ڈائجسٹ میں اب تک لکھا ہے اور مزید کہاں لکھ رہی ہیں؟

جواب: میں نے شعاع، خواتین، کرن اور ایک آن لائن ڈائجسٹ الف کتاب کے لیے لکھا ہے اور اب ٹی وی چینلز کے لیے کام کر رہی ہوں۔

سوال: بڑے انسانوں کی نشانی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیچھے ورثہ چھوڑ جاتے ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ورثہ میں کیا چھوڑیں گی؟

جواب: نیک اولاد اور اچھی تربیت تاکہ ورثا میں چھوڑی چیز صرف ایک زمانے کے لوگوں کے لیے فائدہ مند نہ ہو بلکہ ہر نسل کے اندر اچھی ویلیو پروان چڑھے۔

سوال: اللہ اور دعا پر کتنا یقین ہے؟

جواب: بے حد دعا ہی تو یقین کامل ہے اور ایک دوستی ہے جو انسان اور اللہ کے رشتے کو مزید مضبوط کرتی ہے۔

الفت دا لونا

تحسین انجم انصاری

چک ۴۲ ڈھول والا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس چھوٹے سے گاؤں کے ایک چھوٹے سے گھر میں اس چھوٹی سی لڑکی نے جیسے ہی جنم لیا پورا حلق پھاڑ کر جو رونا شروع کیا تو پھر چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیا۔ زلیخاں نے حیرت سے شادو کی طرف دیکھا۔

"نی شادو...... ذرا دیکھ تو اس نکی جئی شتونگری کو...... کیسی کراری آواز ہے' جا اسے باہر کسی کو پکڑا دے...... اس کی ماں کو بھی دیکھنا ہے' وچاری مرن جوگی ہوگئی ہے۔"

شادو نے دروازہ ذرا سا کھول کر باہر دیکھا۔ دس سالہ سورج اپنے فٹ بال کے ساتھ صحن میں نت نئے کرتب دکھانے میں مصروف تھا۔

"وے سورج پتر...... ذرا ادھر تو آ۔" سورج آیا تو شادو نے ننھی بچی کو اس کے بازوؤں میں تھما دیا۔

"ذرا تھوڑی دیر اسے دیکھ' میں ابھی لے لوں گی۔"

سورج نے گڑبڑا کر بوکھلاہٹ میں اسے تھاما اور بے تحاشا روتی بچی کو لے کر جلدی سے چارپائی پہ بیٹھ گیا کہ وہ ہاتھوں سے گر نہ جائے۔ سورج کی نظر اس کے زردی مائل چہرے سے ہوتی ہوئی آنکھوں پہ ٹھہر گئی۔ براؤن آنکھیں' جو پوری کی پوری کھلی تھیں۔ بچی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی' رونا تو اس نے سورج کے تھامتے ہی بند کر دیا تھا' سورج اسے دیکھ کر مسکرایا' اسے یوں لگا بچی بھی ذرا سا مسکرائی ہو' اسی وقت سورج کا باپ گھر میں داخل ہوا۔

"ابا...... ابا...... ذرا دیکھ تو...... یہ ثریا چاچی کی بیٹی ہے ہنس رہی ہے' ابا تم تو کہتے تھے اتنے چھوٹے بچے ہنستے نہیں ہیں...... اور آنکھیں بھی نہیں کھولتے۔ اس کی تو پوری آنکھیں کھلی ہیں۔" محمد دین نے بچی کو سورج سے لے کر اپنی گود میں لٹا لیا۔

"پتر' میں ٹھہرا پرانے زمانے کا آدمی...... ہمارے زمانے میں تو یہی ہوتا تھا...... پر اب نیا زمانہ ہے' نئے زمانے کی نئی باتیں۔ آج کل کے بچے تو پیدا ہوتے ہی پٹاخہ ہو جاتے ہیں۔" سورج بڑے شوق سے اس کے ننھے منے زردی مائل سنہرے چہرے اور بڑی بڑی براؤن آنکھیں دیکھ رہا تھا۔ یہ سب اس کے لیے دلچسپی کا باعث تھا۔

"ابا...... بالکل سورج مکھی کا پھول لگ رہی ہے۔" محمد دین نے غور سے بچی کو دیکھا۔ سورج ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ چھوٹا سا معصوم چہرہ دیکھ کر وہ آبدیدہ ہوگیا' آج احمد دین زندہ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا۔ مگر اس کے نصیب میں اللہ نے اولاد کا چہرہ دیکھنا نہیں لکھا تھا۔ شادی شدہ زندگی کی خوشیاں بھی نہیں لکھی تھیں۔ صرف چار ماہ ہوئے تھے ثریا سے شادی ہوئے اور چوہدری کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اب جانے یہ بچی کیسے نصیب لے کر دنیا میں آئی ہے۔ وہ افسردہ ہوگیا۔

"ابا اس کا نام سورج مکھی نہ رکھ دیں۔"

"یہ کیا نام ہوا' پہلے کسی کا نام سورج مکھی نہیں سنا۔"

"تو ابا اور پھولوں کے ناموں پہ نام رکھے جاسکتے ہیں۔ جیسے گلاب' چنبیلی' نرگس' تو سورج مکھی بھی تو پھول ہے' سورج مکھی نام کیوں نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ بالکل سورج مکھی کا پھول لگ رہی ہے۔ اس کا یہی نام ہونا چاہیے۔" سورج مصر تھا۔

"چل پتر جو تیری مرضی۔ پر اس کی ماں سے تو پوچھ لے پہلے۔"

"چاچی مان جائے گی۔" وہ خوشی سے بولا۔ "وہ مجھے بہت پیار کرتی ہے' میری بات کبھی نہیں ٹالے گی۔" سورج ٹھیک ہی کہہ رہا تھا' وہ گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ایک ہی تو چراغ تھا سب اس کے گرد پروانہ وار نثار تھے۔

پھر واقعی اس کا نام سورج مکھی رکھا گیا۔ جس نے بھی سنا حیران ہوا۔ بعض لوگوں نے تو ناک چڑھایا' یہ بھی کوئی نام ہے بھلا' سورج کی ماں نذیراں بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھی۔ اسے پہلے ہی اپنے گھر والے سے شکایت تھی'

جب سورج کا نام رکھنے کا مرحلہ آیا تھا تو محمد دین نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اپنے جگری دوست سورج کے نام پہ اپنے بیٹے کا نام رکھوں گا۔ سورج اس کا ایک بہت پیارا ہندو دوست تھا‘ جو عین جوانی میں داغ مفارقت دے گیا تھا۔ اب نذیراں کو شکایت تھی کہ اس گھر کی قسمت میں شاید سورج کا نام لکھا گیا ہے۔ ایک سورج ہے تو دوسری سورج مکھی۔

سورج مکھی گھر میں کیا آئی‘ سب کو ایک کھلونا ہاتھ آ گیا۔ ایک جیتا جاگتا کھلونا۔ ماں‘ تائی‘ تایا اور سورج سب اس کے عاشق تھے۔ سورج اسکول سے آتے ہی بستہ ایک طرف پھینکتا اور اسے گود میں اٹھا لیتا...... وہ بھی اسے دیکھتے ہی ہمک کر اس کی طرف بڑھتی‘ جتنی دیر اس کی گود میں رہتی‘ اس کا چہرہ دیکھتی رہتی اور جب وہ کھانا کھانے یا ہوم ورک کرنے ساتھ والی چارپائی پہ بیٹھتا تو ٹانگیں چلاتے ہوئے اسی کو دیکھے جاتی۔ وہ کسی غرض سے کسی طرف بھی جاتا سورج مکھی کی آنکھیں اس کا پیچھا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی سورج ہنس پڑتا۔

”ارے پگلی‘ کیا دیکھتی رہتی ہے میری طرف۔“ سورج مکھی ہنس کر چہرہ دوسری طرف گھما لیتی لیکن پھر فوراً ہی اس کی طرف دیکھنے لگتی۔ تھوڑی سی بڑی ہوئی تو سورج اسے کندھوں پہ بٹھا کر گاؤں میں سیر کرانے لے جاتا۔ وہ اچھل اچھل کر خوشی کا اظہار کرتی۔

”ارے بابا آرام سے بیٹھو گر گئی تو چوٹ لگ جائے گی اور میری شامت الگ آئے گی۔“ چلنا شروع کیا تو سورج اس کی انگلی پکڑ کر سارے صحن میں چلنے کی پریکٹس کرواتا۔ چلتے چلتے بھی وہ بار بار منہ اٹھا کر اسے دیکھنا نہ بھولتی۔

”ارے نیچے دیکھ...... ورنہ ٹھوکر لگ جائے گی۔“ وہ بہت کہتا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسے دیکھنے لگتی۔ ثریا ہنستی۔

”سورج تیری شکل دیکھے بغیر اسے چین نہیں آتا۔ مت ٹوکا کر اسے۔“ اماں بھی پیار سے سورج مکھی کی طرف دیکھتیں۔

”تیرے ساتھ شروع سے ہے۔ بہت پیار کرتی ہے تجھ سے۔“

”ارے اماں...... مجھے بھی تو چین نہیں آتا اس کھلونے کے بغیر...... میں بھی بہت پیار کرتا ہوں اس سے۔ سارا دن اسکول میں یہی سوچتا ہوں کب گھر جاؤں گا اور اسے دیکھوں گا۔“ سورج تیرہ سال کا ہوا تو آٹھویں جماعت پاس کر چکا تھا۔ اس کی خواہش تو تھی اور پڑھنے کی مگر ابا شہر بھیجنے پہ راضی نہ تھا۔

”تو شہر چلا گیا تو ہم سب اکیلے ہو جائیں گے۔ بس اب میرے ساتھ زمینوں پہ کام کیا کر۔ مجھے بڑی ضرورت ہے تیری۔“ سورج نے زیادہ ضد نہیں کی‘ باپ کے ساتھ زمینوں پہ جانے لگا۔ وہ چلا جاتا تو سورج مکھی کی نظریں بس دروازے پہ لگی رہتیں۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوتا اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکنے لگتیں۔ وہ بھاگ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ جاتی۔ سورج بھی بے چینی سے اسے گود میں اٹھا لیتا۔ تین سال کی عمر تک وہ توتلی زبان میں باتیں کرنا شروع ہو گئی‘ جب بولنا شروع کیا تو سب سے پہلے سورج کا لفظ ہی زبان سے نکلا۔ اب تو وہ بار بار اماں سے پوچھنا شروع ہو گئی۔

”اماں سورج بھائی کب آئے گا؟...... تائی آج بھائی سورج کے لیے کیا پکایا ہے؟...... تائی میں بھائی کے لیے روٹی پکاؤں؟“ تائی ہنس پڑتی۔

”جلدی کیا ہے تجھے بڑی ہو گی تو سب کچھ تجھے ہی کرنا ہے۔“ پانچ برس کی ہوئی تو ایک روز سورج ایک بڑا سا لفافہ لیے آیا۔

”سورج مکھی‘ دیکھ تو آج کیا لایا ہوں تیرے لیے؟“ وہ گڑیا پھینک کر اس کی طرف بھاگی۔

”کیا لائے ہو؟“ اشتیاق سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سورج نے لفافے سے چیزیں نکالیں‘ ایک بستہ اور چند کتابیں۔

”یہ کیا ہے؟“ وہ حیران ہوئی۔

”یہ بستہ ہے‘ کتابیں اور پنسلیں ہیں‘ کل سے تو

اسکول جائے گی۔"
"اسکول؟" اس نے بڑی بڑی براؤن آنکھیں پوری کھول کر اسے دیکھا۔
"اسکول......" تایا اور تائی کے ساتھ ثریا نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔
"ہمارے گھروں کی لڑکیاں اسکول نہیں جاتیں پتر......سورج مکھی اسکول نہیں جائے گی۔"
"تمہاری ماں اور تمہاری چاچی نے اسکول کا منہ نہیں دیکھا' اسے بھی کوئی ضرورت نہیں۔" نذیراں نے بھی گھر والے کی تائید کی۔ ثریا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔
"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں آپا نذیراں' اسے گھر ہی رہنے دو۔"
"گھر میں رہ کر کیا کرے گی چاچی؟"
"لو جو ساری لڑکیاں کرتی ہیں' گڈے گڑیا کی شادی رچائے گی' سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھولے گی' گھر کے کام سیکھے گی۔"
"ارے چاچی......اب وہ پرانا زمانہ نہیں رہا اور نہ ہی سورج مکھی پرانے زمانے کی لڑکی ہے اب لڑکیوں کو بھی پڑھنا چاہیے ورنہ زمانے کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گی' نئے زمانے کی نئی ضرورتیں ہوتی ہیں ابا' ہمیں سورج مکھی کو جاہل نہیں رکھنا۔"
"تو گویا تم کہہ رہے ہو تمہاری اماں اور چاچی جاہل ہیں۔"
"میرا یہ مطلب نہیں ہے ابا' انہوں نے اپنی زندگی اپنے وقت کے حساب سے گزار لی اب وہ وقت نہیں رہا' اب وقت کی ضرورت ہے کہ علم حاصل کیا جائے اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی تو کہا ہے کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے اور آپ تو اپنے گاؤں کے اسکول میں بھی نہیں بھیجنا چاہتے۔ یہ تو زیادتی ہے سورج مکھی کے ساتھ۔" سورج مکھی جو بڑے غور سے سب سن رہی تھی ایک دم بول اٹھی۔
"میں اسکول جاؤں گی اماں......سورج بھائی تم مجھے اسکول چھوڑا کرو گے ناں۔" اس نے آس بھری براؤن آنکھیں سورج کے چہرے پہ جما دیں تو ثریا نے اسے دھموکا مارا۔
"وہ تو جیسے ویلا ہے ناں' ہزاروں کام ہوتے ہیں اس اکیلی جان کو۔"
"اسے مت مارا کر چاچی...... مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" پھر سب کو سورج کی مرضی کے آگے سر جھکانا پڑا' وہی تو تھا اس خاندان کا پڑھا لکھا لڑکا' سب کو اپنی دلیلوں سے قائل کر لیتا تھا۔ آٹھویں پاس' ابا کے کہنے پہ شہر تو نہیں گیا تھا مگر شہر سے میٹرک کی کتابیں منگوالی تھیں اور شام کو گھر آ کر پرائیویٹ امتحان کی تیاری بھی کر رہا تھا۔
سورج مکھی اسکول جانے لگی۔ پڑھائی میں اس کا دماغ خوب چلتا تھا۔ اس کی بہترین سہیلی شنو سے بھی زیادہ جو ساتھ والے گھر میں رہتی تھی اور پٹر پٹر باتیں کرتی تھیں۔ بچپن میں دونوں نے ساتھ ساتھ گڑیا کھیلی تھیں' جھولے جھولے تھے' سورج مکھی کو دیکھ کر شنو کی ماں نے بھی اسے اسکول داخل کر دیا تھا' اب دونوں ساتھ ہی آتی جاتی تھیں۔ اسکول کے زمانے میں بھی سورج مکھی کو چین نہیں تھا۔ اسکول میں تو توجہ سے پڑھنے میں وقت کٹ جاتا' گھر آ کر کھانا کھاتی' اسکول سے ملا کام کرتی اور پھر اپنی گڑیا لے کر چارپائی پہ دروازے کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتی۔ ہر آہٹ پہ سورج کے آنے کا گمان ہوتا اور جیسے ہی اس کی شکل نظر آتی اس کے جسم میں جان آ جاتی۔ ایک دن اس نے سورج سے پوچھا۔
"سورج بھائی میں اسکول سے واپس آ کر کھیتوں میں آ جایا کروں' تم تو بہت دیر سے آتے ہو۔" تو سورج ایک دم سنجیدہ ہو گیا اور اسے ڈانٹا۔
"نہیں......اسکول سے سیدھی گھر آیا کرو اور گھر میں ہی میرا انتظار کیا کرو' اگر میں نے تجھے کھیتوں کی طرف آتے دیکھ لیا تو تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔" سورج مکھی بری طرح سہم گئی۔ اس نے سورج کو ہمیشہ اپنے لیے پھول برساتے لہجے میں بات کرتے سنا تھا۔ ذرا سی ڈانٹ سے

آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ سورج کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا' بے قراری سے بہلایا' اس کی ناز برداریوں سے وہ بہل تو گئی۔ لیکن سورج کا کہا حکم کا درجہ رکھتا تھا' پر وہ کبھی دوبارہ کھیتوں میں جانے والی بات ہونٹوں پہ نہیں لائی' لیکن اب بھی اس کے گھر واپس آنے کے بعد سائے کی طرح اس کے ساتھ لگی رہتی۔

سورج مکھی توجہ سے تعلیم حاصل کرتی رہی' ادھر سورج میٹرک کا امتحان دینے کے بعد ایف اے کی تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔ اب سورج مکھی اتنی بڑی ہوگئی تھی کہ اسے پڑھتے وقت چائے پکا کر دینے لگی۔ وہ رات دیر تک پڑھتا تھا' وہ جب تک جاگتا رہتا' سورج مکھی کی پلک نہ جھپکتی' کئی بار اسے چائے پکا کر دیتی' اپنی کتابیں لے کر پڑھنے کے بہانے اس کے پاس ہی بیٹھ جاتی اور کبھی کنکھیوں سے اور کبھی پوری آنکھیں کھولے پوری توجہ سے اس کے کتاب پہ جھکے چہرے کو دیکھتی رہتی۔ سورج اس کی نظریں محسوس کرتا تو اوپر دیکھتا اور دھیرے سے مسکرا دیتا۔ اب اس پگلی لڑکی کو سمجھانا بے کار تھا' بچپن کی پکی عادتیں بھلا چھوٹتی ہیں' یونہی ہنستے کھیلتے' پڑھتے لکھتے' سورج کا خیال رکھتے' وقت گزرتا چلا گیا اور وہ سترہ سال کی عمر کو پہنچ گئی۔

❋ ❋ .... ❋ .... ❋ ❋

شنو نے دیوار پہ چڑھ کر اسے آواز دی۔

''اے سورج مکھی...... چلنا نہیں کیا...... تو تو ابھی تک یونہی بیٹھی ہے' تیار بھی نہیں ہوئی۔'' آج ان کی سہیلی کی بڑی بہن رجو کی مہندی تھی۔ سورج مکھی نے لسی کے ساتھ پراٹھا کھاتے سورج پہ ایک نظر ڈالی اور پھر مڑ کر اپنی براؤن آنکھوں سے شنو کو دیکھا۔

''میں نہیں جارہی۔''

''کیوں نہیں جارہی؟'' شنو نے تنک کر کہا پھر نرمی سے بولی۔ ''وہ اپنا پیلا جوڑا پہن لے ناں جس میں تو بالکل سورج مکھی کا پھول لگتی ہے۔''

''دیکھ شنو...... اس وقت بھائی سورج گھر میں ہے' میں نہیں جاسکتی۔'' اس نے دیوار کے قریب آکر آہستہ سے کہا تو شنو نے اس کی چوٹی پکڑ کر زور سے کھینچی۔

''غصہ میری چوٹی پہ کیوں نکالتی ہو؟'' وہ مسکرائی۔

''تو اور کیا کروں؟ تو تو کسی کام کی نہیں رہی...... دیوانی ہوگئی ہے سورج کی۔''

''وہ تو ہوں......'' اس نے مسکرا کر عقیدت سے گردن موڑ کر سورج کی طرف دیکھا' سورج نے کھانا تقریباً ختم کرلیا تھا۔ وہ فوراً مڑی۔

''سورج بھائی کے ہاتھ دھلوانے ہیں۔'' سورج نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''شنو تو اسے بالکل ناکارہ کردے گی...... کسی کام کا نہیں رہے گا...... پھر ساری عمر اس کی دیکھ بھال کرتی رہنا۔''

''خوشی سے کروں گی شنو...... یہی تو میری آرزو ہے کہ اس کی داسی بن کر رہوں۔'' شنو نے ماتھا پیٹ لیا۔

''تو تو گئی کام سے...... اچھا بتا سوئیں گے کب سورج صاحب۔''

''آج دیر سے آئے ہیں' شاید جلدی سو جائیں۔''

''اس کے سونے کے بعد چلے گی؟''

''ہاں چلوں گی...... اب ہاتھ چھوڑ اور جانے دے۔''

''دیکھ مکھیا...... تو اچھا نہیں کررہی۔''

''شنو......'' سورج مکھی غصے سے بولی۔ ''تجھے کتنی بار کہا ہے مجھے میرے اصلی نام سے بلایا کر۔''

''تیرا نام بہت لمبا ہے' کیا کروں؟''

''تو پھر مت بلایا کر مجھے...... ختم کرلے دوستی۔''

''تو اس کی خاطر دوستی ختم کرلے گی مجھ سے......'' شنو نے صدمے سے کہا۔

''تجھ سے کیا...... ساری دنیا سے...... سب کو چھوڑ سکتی ہوں اس کے لیے۔'' اس کے لہجے کی مضبوطی اور استقامت اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ شنو بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس کا مرجھایا چہرہ دیکھ کر سورج مکھی کو ترس آ گیا۔

''دیکھ شنو...... میرے نام کا پہلا حصہ مجھے بے حد عزیز

ہے۔۔۔۔۔جب کوئی مجھے سورج مکھی کہہ کر بلاتا ہے تو میرے دل میں سکون اتر آتا ہے، مجھے لگتا ہے سورج سے میرا ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ قیامت تک قائم رہے گا۔ لیکن جب تو مجھے مکھیا کہتی ہے تو مجھے لگتا ہے میں ادھوری ہوگئی ہوں۔ سورج سے ٹوٹ کر الگ ہوگئی ہوں، اس سے میرا دل بیٹھ جاتا ہے، جسم سے جاں نکلنے لگتی ہے، پھر تو ایسا کیوں کرتی ہے تجھے علم تو ہے میرے جذبات کا پھر۔۔۔۔۔؟" وہ سراپا احتجاج بنی شنو کو دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔ شنو کسی انجانے خدشے سے خوف زدہ ہوگئی۔۔۔۔۔ اگر جو کبھی انہیں الگ ہونا پڑا تو۔۔۔۔۔؟ کیا سورج مکھی یہ سہہ سکے گی۔

❁ ❁ ...... ❁ ...... ❁ ❁

اگلے دن رجو کی شادی تھی۔ بارات ایک گلی سے دو گلیاں چھوڑ کر جانی تھی۔ لیکن صبح سے بینڈ باجے والوں نے بلند آواز میں باجے بجا کر ناک میں دم کردیا تھا۔ شنو تیار ہوکر آئی تو سورج مکھی ابھی تیار ہورہی تھی۔

"تو ہمیشہ دیر کردیتی ہے۔" وہ چڑی۔

"اور تجھے ہمیشہ جلدی ہوتی ہے۔" سورج مکھی آنکھوں میں کاجل کی دھار لگاتے مسکرائی۔

"کس پہ بجلی گرانے کا ارادہ ہے آج؟" شنو شرارت سے بولی۔

"مجھے کس پہ بجلی گرانی ہے۔۔۔۔۔ بجلی تو خود مجھ پہ گری ہے۔"

"وہ کب۔۔۔۔۔؟"

"جب سے آنکھ کھولی ہے۔ تب سے گھائل ہوں۔"

"پڑھ لکھ کر باتیں خوب بنانے لگی ہو۔"

"پڑھ لکھ کر۔۔۔۔۔؟ یہ آٹھویں تک پڑھا بھی کوئی پڑھنا ہوتا ہے۔ یہ تو بس بھائی سورج کی عنایت ہے جو مجھے ایسی باتیں سوجھتی ہیں۔۔۔۔۔" اس نے گوٹے والا دوپٹہ ٹھیک سے سر پہ جماتے ہوئے کہا اور پھر آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔

"پھر وہی سورج۔۔۔۔۔ تیری نظریں ہر وقت سورج بھائی پہ رہتی ہیں۔۔۔۔۔ ہر وقت اس کے بارے میں سوچتی ہے، ہر وقت اس کی باتیں کرتی ہے پھر بھی دل نہیں بھرتا۔"

"یہ تو میرے نصیب میں لکھا ہے شنو۔"

"کیا نصیب میں لکھا ہے؟"

"یہی کہ سورج کی طرف دیکھتی رہوں۔ وہ سورج ہے اور میں سورج مکھی' سورج مکھی کا پھول یہی تو کرتا ہے' جدھر سورج جائے اپنا چہرہ ادھر ہی موڑ لیتا ہے' اسی لیے تو اس کا نام سورج مکھی ہے' میرا نام بھی سورج مکھی ہے' میں بھی تو ادھر ہی دیکھتی ہوں جدھر سورج کا منہ ہوتا ہے۔ میں کوئی انہونی تو نہیں کررہی۔" اس وقت سورج مکھی کے چہرے پہ محبت اور عقیدت کے ایسے تاثرات تھے کہ شنو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"اور رات کو سورج مکھی کیا کرتی ہے؟"

"رات کو میں اس طرف منہ کر کے سو جاتی ہوں' جدھر اس کی چارپائی ہوتی ہے۔"

"تو واقعی پاگل ہے مکھیا۔"

"تو نے پھر میرا نام بگاڑا....." اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا تو شنو نے اپنے ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیئے۔

"غلطی ہوگئی..... معاف کردے..... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"معاف کیا..... لیکن ایک بار پھر سن لے' میں نہیں چاہتی سورج کا نام ایک لمحے کو بھی میرے نام سے جدا ہو۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

"تو پاگل ہی نہیں دیوانی بھی ہے۔ لیکن اسے بھی تیرا کوئی خیال ہے یا تو ہی مری جاتی ہے؟"

"بہت خیال کرتا ہے لیکن اگر نہ بھی کرے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یہ کیا بات ہوئی.....؟"

"میرے لیے اتنا ہی کافی ہے شنو کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ وہ میری نظر کے سامنے ہوتا ہے۔ میری آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں..... میرا دل بس اسی خیال سے روشنی سے بھرا رہتا ہے۔"

"تو تو دیوانوں سے بھی بڑھ کر ہے..... اگر محبت کا جواب محبت سے نہ ملے تو انسان کیسے زندہ رہ سکتا ہے..... میں تو کبھی ایسا نہیں کرسکتی..... میری جب سے راجو سے منگنی ہوئی ہے میں تو سونخرے کرتی ہوں..... اور وہ میرے سو سو ناز و انداز برداشت کرتا ہے۔"

"میں نے کہا نا' یہ میرا نصیب ہے..... سورج کو پروا نہیں ہوتی سورج مکھی کے پھول کی..... اسے خبر نہیں ہوتی کہ وہ اس کی خاطر کیسے اس کی تپش سارا دن برداشت کرتا ہے..... لیکن کیا پھول کو فرق پڑتا ہے اس بات کا..... وہ تو پھر بھی سارا دن اپنا کام کیے جاتا ہے۔ کبھی شمع کو پروا ہوتی ہے کہ پروانہ اس کی آگ میں کہیں جل کر راکھ نہ ہوجائے' کبھی چاند کو پروا ہوتی ہے کہ چکور اپنی ہزار کوششوں کے باوجود اس تک پہنچ نہ سکے گا؟" اس کی سوالیہ نظروں میں جانے کیا تھا کہ شنو کچھ نہ بول سکی..... دل دوبارہ کسی انجانے خدشات سے خوف زدہ ہوگیا تھا۔

"تمہاری باتیں میری تو سمجھ میں نہیں آتیں..... میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ ہر چیز کی زیادتی بری ہوتی ہے..... اور اللہ کے علاوہ کسی اور سے اتنی محبت کرنا' خیر چھوڑو اور اٹھو دیر ہورہی ہے۔"

"ہاں چلو..... مجھے سورج بھائی کے آنے سے پہلے واپس پہنچنا ہے۔" شنو تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

✽ ..... ✽ ..... ✽

اماں دودھ لائیں تو سورج مکھی کپڑوں کا ڈھیر سامنے رکھے استری لگائے بیٹھی تھی۔ تائی دوپہر کے لیے ساگ پکا رہی تھیں۔

"یہ تو کیا ڈھیر لگا کر بیٹھ گئی ہے۔ اب کتنی بجلی پھونکے گی..... میں نے کہا تھا صحن میں جھاڑو لگا دے۔"

"اماں..... سورج بھائی کے سارے کپڑے استری کے بغیر پڑے ہیں..... تجھے تو پتہ ہے رجو کی شادی تھی اس لیے مجھے وقت نہیں ملا..... اب سورج بھائی آئیں گے تو آتے ہی نہائیں گے..... ایک بھی جوڑا استری نہیں ہے..... تو فکر مت کر کپڑے استری کرلوں گی تو جھاڑو بھی لگادوں گی اور صحن بھی دھودوں گی۔" تائی نے تشکر آمیز

نظروں سے اسے دیکھا۔

"اللہ تجھے لمبی حیاتی دے پتر...... تو نے میرے سر سے سارے بوجھ ہٹا دیئے ہیں۔ سورج کے کاموں کی فکر تو مجھے بالکل ختم ہوگئی ہے۔"

"مجھے بھی یہی لگ رہا ہے تائی۔" سورج مکھی مسکرائی۔

"اسی لیے تو ساگ پکا رہی ہے‘ تجھے پتہ ہے سورج بھائی کو ساگ بالکل پسند نہیں۔"

"تو اسے پسند نہیں تو کیا گھر میں ساگ نہیں پکے گا۔ تیرے تایا کو اور ہم سب کو تو بہت پسند ہے اور سچ بتاؤں تو وہ بھی صرف نخرے کرتا ہے...... تاکہ اسے گوشت یا قیمہ مل جائے...... ورنہ گاؤں کے کسی گھبرو کو ساگ پسند نہ ہو یہ نہیں ہوسکتا‘ بیٹا ہماری تو زندگی یہی کھاتے گزر جاتی ہے۔" سورج مکھی نے قمیص کے کالر کی تہہ جماتے ہوئے منہ بسورا۔

"جب سے مجھے پتہ چلا ہے سورج بھائی کو ساگ زیادہ پسند نہیں‘ مجھے بھی اتنا پسند نہیں رہا۔ تائی تم مجھے قیمہ منگوا دو...... میں قیمہ مٹر پکاؤں گی سورج بھائی کے لیے۔"

"ہے جھلی نہ ہو تو...... اب تو اس کی پسند پہ اپنی پسند قربان کردے گی؟" تائی پیار سے مسکرائیں۔

"ہاں تائی...... تجھے تو پتہ ہے وہ میرے گرو ہیں۔"

اسی وقت سورج دروازہ کھول کر اندر آیا سب کے ساتھ سورج مکھی بھی ٹھٹک گئی۔

"آج اتنی جلدی کیسے آگئے۔ پتر طبیعت تو ٹھیک ہے؟" تائی شفقت سے بولیں۔

"بس اماں سر میں درد ہے۔ جسم بھی ٹوٹ رہا ہے۔ لگتا ہے بخار ہونے والا ہے۔"

"ہائے میں مرگئی...... چل ادھر آ...... چارپائی پر لیٹ جا میں سر دباتی ہوں۔" وہ لیٹ گیا تو تائی ہولے ہولے سر دبانے لگیں۔ سورج مکھی استری کا پلگ نکال کر قریب آئی۔

"میں چائے پکا کر سر درد کی گولی لاتی ہوں تائی۔ درد بھی ٹھیک ہوجائے گا اور بخار بھی اتر جائے گا۔" وہ پھرتی سے چائے کے ساتھ دو گولیاں لیے ادھر آئی تو وہ بے خبر سو رہا تھا یا شاید غنودگی میں تھا۔

"لے بیٹا‘ تیری چائے آگئی۔" تائی نے اس کا کندھا ہلانا چاہا تو وہ جلدی سے بولی۔

"نہ تائی...... سو رہا ہے تو نہ جگاؤ...... سونے سے آرام آتا ہے۔"

"چائے ٹھنڈی ہوجائے گی تو پھر کہاں پیے گا وہ‘ تو جانتی تو ہے۔"

"تو فکر نہ کر تائی...... میں اور پکا دوں گی۔" وہ دوبارہ استری میں مشغول ہوگئی۔ لیکن بے قرار نظریں ہر دو سیکنڈ کے بعد سورج کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ اس کا بس چلتا تو اس کی تکلیف خود جھیل کر ایک دم سے اسے تندرست کردیتی۔ تائی اسے سوتا چھوڑ کر کام نمٹانے اندر چلی گئیں۔ استری سے فارغ ہوکر وہ چارپائی کے قریب آکر ایک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ ہلکی سی داڑھی‘ چھوٹی مونچھیں‘ بڑی بڑی آنکھیں جو اس وقت بند تھیں اور سورج مکھی کو لگ رہا تھا ان کے بند ہونے کی وجہ سے سارے اجالے اندھیروں میں بدل گئے ہوں۔ بھرے ہونٹ اور چوڑی پیشانی پہ آئے پسینے سے چپکے بال...... سورج مکھی کا دل بھر آیا۔ بڑی براؤن آنکھیں نیلے پانیوں کی جھیلوں کی مانند بھر گئیں۔ اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے...... سورج کے وجود نے کیسے اس کے دل کو آباد کر رکھا تھا۔ یہ سورج شاید نہیں جانتا تھا۔ اس کی تو اس گھر میں موجودگی ہی اس کے دل کے قرار کا باعث ہوتی تھی۔ وہ اس سے بات نہ بھی کرے‘ اس کی طرف نہ بھی دیکھے‘ بس اس آنگن میں موجود رہے یہی بہت تھا۔

"یہ کیا جل رہا ہے سورج مکھی......" ثریا کی آواز پہ اس نے گھبرا کر دیکھا۔ کھیس پہ استری رکھی تھی اور وہ سوئچ نکالنا بھول گئی تھی۔

"اوہو...... اماں میں سوئچ نکالنا بھول گئی۔" اس نے جلدی سے استری کو ان پلگ کیا‘ ان کی آوازوں سے سورج کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جلدی سے دوبارہ چائے لے آئی اور

گولیاں بھی اسے کھلا دیں۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''اتنی پریشان مت ہوجایا کرو، معمولی بخار ہے۔'' سورج نے پیار سے کہا تو اس نے بے اختیار نظریں جھکالیں۔ شام تک اس کا بخار اتر گیا۔ لیکن وہ یونہی لیٹا رہا، اسے کام کرتے دیکھتا رہا۔ اس نے صحن میں پانی سے چھڑکاؤ کیا اور پھر اس کے پاس آبیٹھی۔

''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہوں، تم ایک بات بتاؤ...... میٹرک کا پرائیویٹ امتحان دوگی؟''

''تم چاہو گے تو ضرور دوں گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی، تمہاری کوئی اپنی مرضی، اپنی خواہش نہیں؟''

''تیری مرضی اور خواہش ہی میری مرضی اور خواہش ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہہ کر نظریں جھکالیں تو سورج نے غور سے اسے دیکھا۔

''کیا بات کرتی ہو؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں، وہ جی کڑا کر کے بولی۔ آزما کر دیکھ لو۔'' سورج سوچوں میں گم ہوگیا۔ پھر سب سوچیں جھٹک کر بولا۔

''میری میٹرک کی کتابیں لکڑی کے صندوق میں رکھی ہیں۔ انہیں نکال کر پڑھنا شروع کردے۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو مجھ سے پوچھ لینا۔ بلکہ شام کو ایک گھنٹہ میں تمہیں پڑھا دیا کروں گا۔ جو چیز نہ آئے اس پہ نشان لگا دیا کرو۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ وہ چارپائی پہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''میں تمہارے لیے قیمہ اور مٹر پکانے جارہی ہوں۔ کہیں جانا نہیں۔'' سورج مکھی کی براؤن آنکھوں میں اتنی چمک تھی کہ وہ کھو سا گیا۔ اسی وقت شنو نے اسے دیوار پار سے بلایا۔

''یہ سورج بھائی اس وقت کیا کررہا ہے گھر پہ۔''

''اس کے سر میں درد تھا اس لیے آیا ہے۔''

''تو اب ٹھیک ہے؟''

''ہاں، میں نے چائے کے ساتھ دو گولیاں دی تھیں، بخار اتر گیا۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''بہت خدمت ہورہی ہے؟'' شنو نے آنکھیں مٹکائیں۔

''تجھے کیوں جلن ہورہی ہے...... تجھے پتہ ہے میں پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دوں گی۔''

''اچھا......!'' اس نے دیدے پھاڑ کر دیکھا۔ ''یہ بھی سورج بھائی کا کارنامہ ہوگا۔''

''ہاں...... اسی نے کہا ہے۔''

''سورج بھائی نے کہا اور تو فوراً تیار ہوگئی۔''

''تجھے تو پتہ ہے اس کی ہر بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔''

''اور تو......؟ تیرا اپنا کوئی وجود نہیں۔ کوئی خواہش نہیں؟''

''تو ٹھیک کہتی ہے۔ میرا اپنا کچھ بھی نہیں، میں تو زندہ بھی اس کی وجہ سے ہوں۔''

''پھر تو سورج مکھی کیوں کہلاتی ہے۔ تیرا نام تو چندر مکھی ہونا چاہیے تھا۔''

''وہ کیوں؟''

''کیونکہ چاند سورج کی وجہ سے زندگی پیدا کرتا ہے۔ اس سے اپنی روشنی لیتا ہے، تجھے یاد نہیں کورس کی کتابوں میں پڑھا تھا۔'' سورج مکھی نے پُرسوچ نظروں سے شنو کو دیکھا۔

''کہتی تو ٹھیک ہے تو...... ایک لحاظ سے میں چندر مکھی بھی ہوں...... ایک لحاظ سے سورج مکھی بھی ہوں، لیکن میں سورج مکھی کہلانا زیادہ پسند کرتی ہوں۔ کیونکہ اس طرح سورج کا نام میرے نام کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔''

''پتہ ہے تجھے......'' شنو نے اپنے منہ کا زاویہ جان بوجھ کر بگاڑا۔ ''یہ تیرا نام لے کر میرا منہ تھک جاتا ہے۔''

''تو مت لیا کر میرا نام...... ختم کرلے دوستی...... میں

نے تو کہا تھا تجھ سے۔"

"مجھے تو لگتا ہے تو واقعی سورج کی وجہ سے دوستی ختم کرنا چاہتی ہے۔" شنو کو غصہ آ گیا۔ "سورج نہ ہوا کوئی دیوتا ہو گیا۔"

"دیوتا ہی تو ہے وہ۔"

"پھر پوجا کرتی رہا کر دن رات اس کی۔"

"یہی تو کرتی ہوں۔ عبادت کے کئی طریقے ہوتے ہیں شنو..... وہ میرے دل کے اندر دیوتا بن کر بیٹھا ہے اور میں ہر دم اس پہ اپنی پوجا کے پھول نچھاور کرتی ہوں۔"

"اب تو نے ہندوؤں جیسی باتیں شروع کر دیں۔" شنو افسردگی سے بولی۔ "میں تیرے لیے بہت ڈرتی ہوں سورج مکھی..... میں ڈرتی ہوں، کہیں وہ تیرا دل نہ توڑ دے۔"

"ایسا نہیں ہوگا شنو۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ آخر وہ بھی ایک مرد ہے اور مرد بے وفا ہی ہوتے ہیں۔"

"دیکھ شنو....." سورج مکھی بڑے سکون سے بولی۔ "ایسا وہاں ہوتا ہے جہاں کسی سے ایسی توقع وابستہ کر لو جو پوری نہ ہو..... تب دل ٹوٹتا ہے، لیکن میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سورج مجھ سے محبت کرتا ہے یا نہیں۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ میں اسے دیکھ سکتی ہوں، اسی بات سے میرا دل روشن رہتا ہے۔ میری آنکھیں ٹھنڈی رہتی ہیں۔ میرا دماغ مطمئن رہتا ہے۔ مجھے اس سے کچھ نہیں چاہیے۔"

"اگر تو..... تو یہ سمجھتی ہے تو خود کو دھوکہ دے رہی ہے۔"

"نہیں شنو سچی محبت یہی ہے۔ اس میں کوئی شرط نہیں ہوتی۔ میں نے اس سے محبت اس لیے تو نہیں کی کہ وہ ضرور جواب میں مجھے محبت دے۔ محبت میں نے کی ہے۔ میں یہ نہیں جانتی کہ اس نے بھی کی ہے۔"

"اس کا تو یہ مطلب ہوا تو اس سے بھائیوں والی محبت کرتی ہے۔" ایک لمحے کو سورج مکھی کے چہرے کا رنگ بدلا۔ پھر وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔

"بھائی تو میں نے اسے کبھی نہیں سمجھا..... پتہ نہیں کیا سمجھتی ہوں اسے..... میں بس اتنا جانتی ہوں جس صبح اسے نہ دیکھوں میرا دن نہیں ہوتا..... رات کو اسے نہ دیکھوں تو ساری رات سو نہیں سکتی..... ہر وقت اس کی تصویر آنکھوں میں رہتی ہے۔ اس کا سایہ ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے وہ میرے اندر ہی کہیں رہتا ہے۔ اب میں تجھے کیسے سمجھاؤں شنو مجھے تو خود سمجھ نہیں آتی کہ وہ کیا ہے میرے لیے۔"

❁ ❁ ..... ❁ ❁ ❁
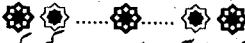
کبھی کوئی سوال سمجھنے کے بہانے، کبھی کسی شعر کی تشریح کی خاطر وہ سورج کے پاس کتابیں لیے بیٹھی رہتی، گھر آنے کے بعد تھوڑی دیر اسے آرام کا موقع دیتی کیونکہ اس کا آرام اور اس کی ضروریات اس کے لیے بہت اہم تھیں۔ جیسے ہی وہ اپنی نیند پوری کر کے اٹھتا، وہ اس کے سامنے کتابیں لیے موجود ہوتی۔ وہ جتنی دیر اسے سمجھاتا وہ ہاتھوں کے پیالوں میں چہرہ ٹکائے اسے دیکھے جاتی۔ وہ بولتے بولتے چونک جاتا۔

"یوں کیا دیکھ رہی ہو، کچھ دماغ میں آیا یا میری شکل پڑھ رہی ہو۔"

"آ گیا سمجھ میں۔" وہ گڑبڑا کر سیدھی ہوتی اور سوچتی کچھ سنوں گی تو سمجھ میں آئے گا نا اور نہ بھی آئے تو کیا فرق پڑتا ہے، میں تو تمہارے قریب بیٹھنے، چہرہ دیکھنے آتی ہوں، تیرا ایک ایک دلبرانہ نقش آنکھوں میں جذب کرنا چاہتی ہوں۔ وہ اس عرصے کو لمبا کیے جاتی سوال سمجھا دیتا تو کچھ اور سامنے رکھ دیتی۔

"تجھے کچھ آتا بھی ہے یا سب کچھ مجھ سے ہی سیکھنا ہے؟" وہ معصومیت سے اسے دیکھتی۔ لیکن معصومیت کے ساتھ ساتھ کچھ ایسا ہوتا ان آنکھوں میں جس سے وہ گڑبڑا جاتا..... ماتھے پہ پسینا آ جاتا..... ایسے میں وہ جان بوجھ کر اسے بچہ سمجھ کر نظر انداز کر جاتا..... اس روز بھی وہ پڑھا کر باہر نکلا تھا کہ شنو آ گئی۔

''کبھی تو بھی آجایا کر ہمارے گھر۔ بس میں ہی چکر لگاتی رہتی ہوں۔'' ثریا' نذیراں اور محمد دین تینوں ہی ہنس پڑے۔ محمد دین حقہ پرے کرتا ہوا بولا۔

''کیا فرق پڑتا ہے کڑیوں...... ملنا ہوتا ہے تم دونوں نے...... وہاں نہ سہی ادھر سہی...... اور سورج مکھی تو بھی چلی جایا کر کبھی اس کے گھر' سکھی ہے تیری۔''

''تایا یہ آنا کم کرے تو میں جاؤں نا۔'' وہ شوخی سے بولی۔

''کیا کہا؟'' وہ مصنوعی غصے سے اسے مارنے دوڑی تو سورج مکھی جلدی سے اندر دوڑ گئی' وہ بھی پیچھے ہی آ گئی۔

''آج ساجی کے گھر ڈھولکی ہے سب لڑکیاں جائیں گی تو بھی چل۔''

''چلو ٹھیک ہے۔''

''اتنی جلدی کیسے مان گئی تو......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''آج سورج بھائی دوستوں کے ساتھ گیا ہے ناں...... ذرا دیر سے ہی آئے گا۔ اس لیے سوچا چلی جاؤں۔''

''دیکھ سورج مکھی آج وہ سنہری گوٹے والا کالا سوٹ پہن لے تیرے سنہرے رنگ پہ بہت اچھا لگتا ہے' قسم سے آج تو سورج تجھ پہ ضرور ہی عاشق ہو جائے گا پھر دیکھنا تجھے ہی دیکھتا رہے گا' تیری طرح۔''

''میں تو یہ چاہتی ہی نہیں کہ وہ ہر وقت مجھے دیکھتا رہے......'' سورج مکھی سنجیدہ ہوگئی۔

''لو جی یہ کیوں؟''

''اگر وہ میری طرف دیکھتا رہا تو پھر میں کیسے دیکھوں گی اس کی طرف...... اور اگر میں اس چہرے کی طرف نہ دیکھ سکی تو میری آنکھوں کی پیاس کیسے بجھے گی۔ میری آنکھیں کیسے سیراب ہوں گی؟'' سورج مکھی نے لہرا کر ذرا شوخی سے شنو کی چوٹی کھینچی۔

''تیرے عشق کی مجھے تو سمجھ نہیں آتی۔''

''مجھے خود بھی نہیں آتی۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔ ''چلو تم بتاؤ کون سا سوٹ پہنوں......؟''

''بتایا تو ہے کالا گوٹے والا۔''

''کالا سوٹ ڈھولکی پہ اچھا لگے گا؟'' وہ متذبذب ہوئی۔

''کوئی بات نہیں...... آج کل کالے رنگ کا فیشن ہے۔'' مجبوراً سورج مکھی کو کالا سوٹ پہن کر جانا پڑا۔ اس کی سنہری رنگت دمک اٹھی اور جب اس نے اپنی بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں کاجل کی دھار لگائی تو جیسے قیامت ڈھانے لگی۔ باہر آئی تو اماں اور تائی دونوں نے بلائیں لیں۔ تایا نے شفقت سے سر پہ ہاتھ رکھا...... سب سکھیاں ساجی کے گھر جمع تھیں' گانے بجانے اور مذاق میں کافی وقت گزر گیا۔ اس کا دل وہاں بھی نہ لگا' اللہ اللہ کر کے سب ختم ہوا تو وہ گھر کی طرف لپکی۔

بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ سورج واپس آ چکا تھا اور چارپائی پہ بیٹھا جانے کیا سوچ رہا تھا۔ اس کے بھاگتے قدم ایک دم رک گئے۔ کاجل بھری آنکھوں میں چاند اتر آئے۔ وہیں کھڑی پروانہ وار اسے دیکھے گئی۔ سورج اس کی وارفتہ نظروں اور سجے سجائے قاتل روپ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو وہ گھبرا کر پلٹی اور پھر گھوم کر اندر چلی گئی۔ سورج گم صم کتنی دیر سوچوں میں گم بت بنا بیٹھا رہا۔ اگلے دن اکیلے دیکھ کر سورج مکھی کو پکڑ لیا۔

''سورج مکھی ادھر آ میری بات سن۔''

''کیا بات ہے؟'' وہ اشتیاق سے کسی معمول کی طرح کھنچی چلی آئی۔

''دیکھ تو ابھی بہت چھوٹی اور معصوم ہے۔'' سورج نے ذرا سنبھل کر الفاظ کا انتخاب کیا۔

''میں اب اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں۔ انیس سال کی ہوگئی ہوں۔''

''ہاں......'' اس نے اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرا جیسے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔ ''لیکن مجھ سے کتنی چھوٹی ہے تو' ...... کچھ پتہ ہے؟''

''پتہ ہے دس سال چھوٹی ہوں تجھ سے۔'' وہ ذرا بھی نہ گھبرائی۔

"پھر اتنی چھوٹی ہو کر اتنی بڑی بڑی سوچوں کو دل میں جگہ نہ دے تیرے لیے اچھا نہیں ہے۔"

"کون سی سوچیں؟"

"دیکھ میں بیوقوف نہیں ہوں' بہت بڑا ہوں تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے' بہت تجربہ ہے مجھے اور تیری نظروں کو بھی پہچانتا ہوں' تیری عمر ابھی ایسی باتوں میں پڑنے کی نہیں ہے تو سمجھ رہی ہے ناں......؟"

"میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ رہی......" وہ سمجھ رہی تھی لیکن چاہتی تھی سورج کی زبان سے آج اس کے خیالات جان ہی لے۔ "تم صاف صاف کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"توبہ کتنی بے وقوف ہے تو......" سورج جھنجلا گیا۔ "ذرا سی بات سمجھ میں نہیں آرہی۔" وہ غصے میں منہ دوسری طرف کرکے لیٹ گیا۔ سورج مکھی کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ساری رات سورج نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ سورج مکھی کی وارفتہ بولتی نظروں نے اسے حواس باختہ کردیا تھا۔ وہ بہت زیادہ بے چین تھا۔

وہ بچپن سے اسے بے حد عزیز تھی۔ بہت زیادہ قیمتی متاع سمجھ کر اس کی حفاظت کی تھی اس نے' وہ اپنی ذات سے اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس کے دکھ کا باعث نہیں بننا چاہتا تھا۔ آج وہ جس راہ پہ چل پڑی تھی اسے فکرمند کرنے کے لیے کافی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تو پہلے دن سے ہی اس کی دیوانی تھی۔ اس کی پجاری تھی۔ ایسی پجارن جو پچھلے انیس سال سے اس کی پرستش کررہی تھی۔ کسی صلے اور بدلے کے بغیر اس کی محبت کی آگ میں جل کر کندن ہوگئی تھی۔ صبح رت جگے سے سرخ آنکھیں لیے کھیتوں کی طرف جانے سے پہلے ایک بار پھر اسے سمجھانا اپنا فرض سمجھا سورج نے۔

"دیکھ سورج مکھی تو کم عمر ہے' معصوم ہے' تجھے زندگی کی بے رحمی کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں اور بہت سی تلخ اور اذیت ناک حقیقتیں ایسی ہیں جو تو بالکل نہیں جانتی اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تجھے ایسی کسی بات کا پتہ چلے' جس سے تجھے تکلیف ہو' تجھے پتہ ہے ناں تو مجھے بہت عزیز ہے

اور تیری ذراسی تکلیف میں برداشت نہیں کرسکتا۔" سورج مکھی نے بڑی بڑی براؤن آنکھیں کھول کراس کی طرف دیکھا۔

"مجھے پتہ ہے...... پر تو کون سی بات کا ذکر کررہا ہے جو میں نہیں جانتی اور مجھے اس کے جاننے سے تکلیف ہوگی۔" وہ بے حد سنجیدہ ہوئی۔

"اگر تجھے بتادیا تو تجھے تکلیف ہی ہوگی ناں؟"

"نہیں......" وہ مضبوطی سے بولی۔"اگر تو مجھے نہیں بتائے گا تو زیادہ تکلیف ہوگی۔"

"چل زیادہ عقل مند نہ بن۔" سورج نے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا۔"تیرے دل میں جو آج کل الٹے سیدھے خیال آنا شروع ہوگئے ہیں ان سے پیچھا چھڑانے کی سوچ۔ وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچانے والے۔" سورج مکھی نے براؤن آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑدیں۔

"فائدے اور نقصان کے بارے میں تو میں نے نہیں سوچا...... اور نہ ہی میں کسی فائدے کے لیے کچھ کررہی ہوں۔" آج اس نے بہادر بننے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ سورج نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"آج تجھے ایک بات بتادوں...... میں تجھ سے اپنے لیے کچھ نہیں چاہتی...... تجھ سے کچھ مانگوں گی بھی نہیں...... کوئی صلہ یا بدلہ بھی نہیں چاہیے مجھے...... بس اتنا کرم کردو میرے جذبات بہت قیمتی اور انمول ہیں میرے لیے انہیں میرے پاس ہی رہنے دو۔ اگر یہ چھین لیے تو نے تو میرے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ مجھے اس کے علاوہ تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ انہیں میرے دل سے الگ کرنے کی کوشش نہ کرو۔" سورج مکھی کی براؤن آنکھوں سے دو موتی نکل کر گالوں پہ لڑھک گئے۔ جنہیں صاف کرنے کی کوشش کیے بغیر ہی وہ اندر مڑ گئی۔ سورج نے سر موڑ کر ساکت نظروں سے اسے دیکھا اور بوجھل قدموں سے باہر نکل گیا۔

سورج مکھی کا کسی کام میں دل نہیں لگا...... سورج کے جانے کے بعد وہ بے جان سی چارپائی پہ بیٹھ گئی۔ بار بار آنکھوں میں آنسو آتے جنہیں وہ دوپٹے سے صاف کرتی۔ پھر خود کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف کرلیا لیکن قرار نہ آیا۔ سب کام ختم ہوگئے تو گھبرا کر باہر نکلی، رخ شنو کے گھر کی طرف تھا۔ شنو آٹا گوندھ رہی تھی۔ سورج مکھی کی شکل دیکھتے ہی جان گئی کہ کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔

"کیا ہوا...... سورج سے لڑائی تو نہیں ہوئی؟"

"تیری حسرت پوری ہوگئی......" وہ جل کر بولی۔

"اسے پتہ چل گیا۔"

"کیا پتہ چل گیا؟"

"کہ میں کیا سوچتی ہوں اس کے بارے میں۔"

"سچ......؟" شنو خوشی سے اچھل پڑی۔"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے پھر......؟"

"خاک اچھی خبر ہے۔ وہ ناراض ہوگیا ہے اور کل سے نصیحتوں پہ نصیحتیں کرتا جارہا ہے۔"

"کہتا کیا ہے آخر؟" شنو نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کہتا ہے چھوٹی ہوں، ناسمجھ ہوں، ایسی باتوں سے دور رہوں۔"

"ہیں...... یہ کہا اس نے؟"

"ہاں اور اب میں زیادہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتی، کیونکہ وہ یہ دیکھنے کے لیے میری طرف دیکھتا رہتا ہے کہ کہیں میں اسے تو نہیں دیکھ رہی۔" شنو زور سے قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور پھر ترنگ میں آکر شوخی سے گانے لگی۔

"کیسے کھیلیں گے اب آنکھ مچولی

لے جا آکر میرے گھر سے میری ڈولی

پر وہ تیرے گھر ڈولی لینے کیسے آئے گا...... تم تو ایک ہی گھر میں رہتے ہو۔"

"شنو میں مذاق نہیں کررہی......" وہ چیخی۔ موٹے موٹے آنسو گالوں پہ آن گرے۔

"روتی کیوں ہو؟" شنو نے اسے گلے لگالیا۔"میں نے تو کہا تھا یہ سودا بہت مہنگا ہے اور جن راہوں پہ تو چل

رہی ہے آسان نہیں ہیں۔“

”جب مجھے کوئی صلہ چاہیے ہی نہیں‘ میں کچھ مانگ نہیں رہی اس سے تو پھر اسے اعتراض کیوں ہے؟ کیا الجھن ہے اسے آخر؟“

”دیکھ سورج مکھی...... اسے واقعی تیری پروا ہوگی‘ وہ تجھے تکلیف نہیں دینا چاہتا۔“

”مجھے کیا تکلیف ہوگی‘ میں کوئی بچی ہوں‘ سب سمجھتی ہوں‘ میں کوئی اس سے شادی کا مطالبہ تو نہیں کررہی‘ جو وہ پریشان ہے۔“ وہ رونے لگی۔

”چل چھوڑ یہ باتیں‘ کیوں دل جلاتی ہے خوامخواہ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ لیکن سورج مکھی کے دل کو قرار نہ آیا۔

❋ ❋ ...... ❋ ❋

پچھلے پندرہ دن سے سورج اور تایا کے درمیان تناؤ کی کیفیت تھی۔ دونوں آپس میں بات نہیں کررہے تھے۔ اگر تایا کھیتوں پہ جاتا تو سورج کسی اور طرف نکل جاتا۔ اگر دونوں جھگڑا بھی کرتے تو اپنے کمرے میں بند ہوکر کرتے‘ سورج مکھی کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ سورج تو تایا کا انتہائی فرماں بردار تھا۔ ان کے سامنے اونچی آواز میں بولنا گناہ سمجھتا تھا۔ پھر آخر ایسی کیا بات ہوگئی‘ جو وہ یوں ہتھے سے اکھڑ رہا تھا۔ سورج مکھی کا کھانا پینا‘ سونا جاگنا جیسے حرام ہوگیا۔ سارا دن خاموش بیٹھی سوچتی رہتی۔ رات کو چارپائی پہ کروٹیں بدلتی رہتی‘ اماں اور تائی بھی کچھ نہیں بتارہی تھیں‘ ان کا جھگڑا ہوتا تو وہ بے چینی سے صحن میں ٹہلنے لگتی دل جیسی مٹھی میں آجاتا۔ ساری رات بے چینی سے کروٹیں بدلنے کے بعد صبح فجر کے وقت آنکھ لگی تو ثریا نے جگادیا۔

”اماں سونے دے ناں۔ ساری رات نیند نہیں آئی۔“

”کیوں چوکیدار کی جگہ تو پہرہ دیتی رہی ہے۔“ ثریا کو غصہ آگیا۔

”یہی سمجھ لے۔“ اس نے رنگین کھیس سر تک اوڑھ لیا۔ اماں باہر چلی گئیں۔ تبھی کھڑکی سے باتوں کی آواز آنے لگی۔ اماں اور تائی محوِ گفتگو تھیں۔

”تجھے کیا بتاؤں ثریا...... سورج نے تو حد ہی کردی ہے۔“ سورج مکھی کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ جلدی سے اٹھی اور آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔

”کیا کیا سورج نے؟“ ثریا کی آواز تشویش سے بھرپور تھی۔

”تجھے تو پتہ ہے ہم نے شروع سے طے کر رکھا ہے سورج مکھی اور سورج کا رشتہ......“ سورج مکھی کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔

”اب کہتا ہے سورج مکھی سے شادی نہیں کروں گا۔ بہت چھوٹی ہے وہ۔“ اماں کی طرف سے اب بھی خاموشی تھی۔

”وہ اسکول کی ماسٹرنی ہے ناں......“ تائی کی زہریلی آواز آئی۔ ”رجو کے گھر میں کمرہ کرائے پہ لے رکھا ہے‘ کیا بھلا سا نام ہے اس کا۔“

”فائزہ۔“ اماں کی آواز دھیمی تھی۔

”ہاں وہی تو...... شہر سے آئی ہے‘ رج کے فیشن کرتی ہے۔ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے کہتا ہے پیار کرتا ہوں میں اس سے۔“ تائی کا لہجہ بگڑ گیا۔

”تو مان لو ناں اس کی بات۔“

”ایسے ہی مان لوں۔“ تائی چیخ کر بولیں۔ ”میں نے تو آج تک اپنی گڑیا کے علاوہ سورج کے لیے کسی اور کا نہیں سوچا۔ اس کی وہٹی بنے گی تو صرف سورج مکھی۔“

”زبردستی تو نہیں آپا نذیراں...... آج کے بچے اپنی بات منوا کر دم لیتے ہیں اور پھر میری سورج مکھی مجھ پہ بھاری تو نہیں‘ خود زبردستی سورج کے سر پر تھوپ دوں۔“ ثریا کو غیرت آئی۔

”کیسی غیروں والی بات کرتی ہے ثریا۔“ تائی بھڑکیں۔ ”مجھے اپنی گڑیا سے زیادہ کوئی پیارا نہیں۔ ویسے بھی وہ ماسٹرنی تو مانتی نہیں‘ یہی دیوانہ ہورہا ہے۔“

”ماسٹرنی کیوں نہیں مانتی‘ ہمارے سورج میں آخر کیا

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی
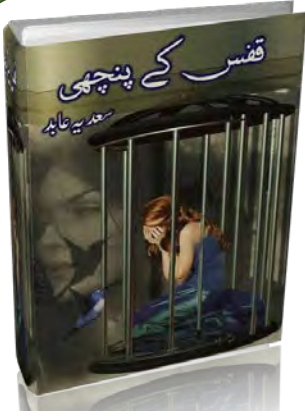
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، **کتابی شکل** میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھیئے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟
اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ **مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔**

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

کمی ہے۔" اب ثریا سورج کی حمایت میں بولی۔ تو سورج مکھی کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"ارے شہری لڑکی ہے' گاؤں والوں کو گنوار سمجھتی ہے۔"

"گنوار ہوگی خود...... سورج جیسا شہزادہ اسے کہیں نہیں ملے گا۔" یہ سن کر سورج مکھی باہر آ گئی۔

"تجھے تو نیند آ رہی تھی۔" ثریا بولی۔

"تو نے تو ساری نیند خراب کر دی اماں۔ اب خاک سوؤں گی۔"

"چل پھر جلدی سے ناشتہ تیار کر لے تایا نے کھیتوں پہ جانا ہے۔"

"سورج بھائی نہیں جائیں گے۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"کیا پتہ اس کے موڈ کا...... دماغ زیادہ خراب ہو رہا ہے آج کل۔"

"دیکھ تائی تو سورج کے بارے میں ایسا مت بول' ورنہ میں ناشتہ نہیں پکاؤں گی۔"

"چل بڑی آئی اس کی ہمدرد۔"

"وہ تو ہوں میں۔" ناشتے کے بعد وہ سیدھی شنو کے گھر پہنچ گئی۔

"شنو تو ماسٹرنی فائزہ کو جانتی ہے؟"

"وہ جو رجو کے گھر رہتی ہے کرائے پہ؟"

"ہاں وہی...... میرے ساتھ چل رجو کے گھر۔"

"کیا بات ہے اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ صبح سویرے کسی کے گھر جانا...... کوئی مسئلہ ہے؟" سورج مکھی خاموش رہی۔ رجو کے گھر کا دروازہ کھلا ہی تھا۔

"سلام خالہ......" دونوں نے کورس میں سلام کیا۔

"ماسٹرنی ہے اندر؟" خالہ نے سر ہلا کر کچھ پوچھنا چاہا لیکن وہ جلدی سے دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آ گئیں۔

فائزہ کرسی پہ بیٹھی پاؤں میں نیل پالش لگا رہی تھی۔ ساتھ ہی ریڈیو پہ گانے سن رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئی پھر ریڈیو بند کر کے سوالیہ نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

سورج مکھی بہادری سے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ سورج میں آخر کیا برائی ہے کہ آپ نے اس سے شادی سے انکار کر دیا؟" فائزہ نے سلیقے سے بات کرتی اس پیاری سی لڑکی کی طرف دلچسپی سے دیکھا۔

"اوہ تم یقیناً سورج مکھی ہو۔"

"ہاں لیکن آپ کو کیسے پتہ چلا؟" اس کی بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں حیرت در آئی۔

"سورج اکثر تمہاری باتیں کرتا ہے۔ تم بالکل ویسی ہو جیسی میں نے سوچا تھا۔"

"کیسی باتیں کرتا ہے؟" سورج مکھی کے چہرے پہ شفق پھیل گئی۔ اس نے گڑبڑا کر فائزہ کی طرف دیکھا اور بات بدلنے کی خاطر جلدی سے بولی۔

"ہاں تو آپ کو انکار کس بات پہ ہے؟" فائزہ نے مسکراتی آنکھوں سے چند لمحے بے حد غور سے سورج مکھی کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"کس نے کہا مجھے انکار ہے؟" سورج مکھی حیران پریشان اسے اور اس کے پراعتماد انداز کو دیکھتی رہ گئی۔

"تو آپ کو انکار نہیں؟"

"بالکل نہیں۔"

"آپ سورج بھائی سے شادی کرنے کو تیار ہو۔"

"بالکل تیار ہوں۔"

"لیکن تایا تو کہہ رہا تھا' ماسٹرنی نہیں مان رہی۔" وہ فائزہ سے بالکل الگ انداز میں بات کر رہی تھی۔ آپ اور جناب کے ساتھ اور یہ اس تعلیم کی وجہ سے تھا جو وہ حاصل کر رہی تھی۔ لیکن اپنے گھر کی بات آتے ہی پھر وہی انداز اپنا لیا۔ کیونکہ شروع سے اس طرح بولنے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔

"تمہارے تایا کو غلط فہمی ہوئی ہوگی' میں تو راضی ہوں'

دیکھ لو اسی لیے میں نے سورج کی تصویر بھی اپنی میز پہ رکھی ہے۔" اس کی نظروں کے تعاقب میں سورج مکھی نے بیڈ کی سائیڈ پہ رکھی ٹیبل کی طرف دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی میز کے قریب آئی اور تصویر اٹھالی......

سورج کی بے حد خوب صورت تصویر تھی اور تصویر کے نیچے خوب صورت لکھائی میں لکھا تھا "الفت دیوتا" وہ چند لمحے ٹرانس کی حالت میں آنکھیں تصویر پر جمائے کھڑی رہی اور پھر اسی طرح دھیرے دھیرے چلتی ہوئی فائزہ کے قریب آ گئی۔ اس کی نظریں ابھی بھی تصویر پہ تھیں......

فائزہ نے چند لمحے اسے دیکھا اور پھر نرمی سے بولی۔

"تم شاید ان الفاظ پہ حیران ہو رہی ہو جو میں نے تصویر کے نیچے لکھے ہیں۔" سورج مکھی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم دسویں جماعت تک پڑھی ہو ان کا مطلب تو تمہیں معلوم ہی ہوگا 'الفت دیوتا۔ یعنی محبت کا دیوتا۔"

"ہاں' معلوم ہے' آپ نے بالکل ٹھیک لکھا ہے' وہ الفت دیوتا ہی ہے۔"

"ویسے میں اس تصویر کے نیچے اپالو لکھنا چاہتی تھی' یونانی مائتھالوجی میں اپالو سورج کے دیوتا کا نام ہے' وہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے بھی مشہور ہے' سورج اپالو تو ہے ہی اور میں چونکہ اس سے محبت کرنے لگی ہوں' اس لیے میں نے اسے الفت دیوتا کا نام دے دیا' وہ میرے لیے محبت کا دیوتا ہی تو ہے' تمہارا کیا خیال ہے سورج مکھی...... یہ نام ٹھیک ہے ناں سورج کے لیے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" وہ بہت آہستہ سے بولی۔

"سورج سے بہتر یہ نام کسی اور کے لیے موزوں ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ بہت چپ چپ سی لگ رہی تھی۔ شنو بے چین کھڑی تھی۔ اس نے تصویر واپس میز پہ رکھ دی اور فائزہ کے قریب آ ئی۔

"تو پھر میں سورج کو یقین دلا دوں کہ آپ اس سے شادی کریں گی؟"

"ہاں۔" سورج مکھی نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے اور بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"آپ بہت اچھی ہیں سورج کا دل ٹوٹنے سے بچ جائے گا اور اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔" وہ شنو کے ساتھ جلدی سے باہر نکل آئی۔

"تمہارا دماغ بالکل خراب ہوگیا ہے' تو نے اپنے ہاتھوں سے اسے سورج بخش دیا۔ تو بالکل ہی پاگل ہوگئی ہے۔ دیکھ لینا بعد میں پچھتائے گی۔ میری مان تو ابھی بھی واپس جا کر اسے بتا دے کہ سورج تیرا ہے اور ہمیشہ تیرا ہی رہے گا۔ اس لیے وہ سورج کے خواب دیکھنا چھوڑ دے۔"

لیکن سورج مکھی اس کی باتوں سے بے نیاز اپنے گھر کی طرف مضبوط قدموں سے چلتی آ رہی تھی۔ اسے سورج کو خوش خبری سنانی تھی۔

"تجھ سے زیادہ بے وقوف لڑکی میں نے پوری دنیا میں نہیں دیکھی۔"

"تو نے دنیا دیکھی کہاں ہے شنو......" وہ سنجیدہ تھی' لیکن شنو نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے عین سامنے کھڑا کیا۔

"ایک بات سچ سچ بتائے گی؟"

"ہاں بول۔"

"اگر کبھی سورج بہت محبت سے تیرے گرد اپنے بازو لپیٹ کر تجھے اپنے سینے سے لگالے تو......؟" ایک لمحے کو سورج مکھی نے ساکت نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ کئی رنگ بدل گیا۔ پھر وہ دھیرے سے سرگوشی میں بڑبڑائی۔

"اگر ایسا ہو جائے شنو تو انہی بازوؤں میں میری جان نکل جائے گی۔" شنو کے دل پہ بوجھ آن گرا...... کیا بنے گا اس پاگل لڑکی کا۔

گھر آئی تو خلاف معمول سورج گھر پہ تھا اور کمرے میں منہ سر لپیٹے پڑا تھا۔ سورج مکھی نے اس کے سر سے چادر کھینچی۔

"سورج...... سورج' ماسٹرنی مان گئی ہے۔ وہ تجھ سے شادی کرنے پہ راضی ہے۔" اس کی بات پوری ہوتے ہی

ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پہ پڑا۔
''ساری تمیز بھول گئی ہے کیا......؟'' سورج چیخا تو اسے یاد آیا کہ وہ خوشی میں سورج کے ساتھ بھائی لگانا بھول گئی تھی۔ اپنے گال پہ ہاتھ رکھے بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں پانیوں کا سمندر لیے اس نے سورج کو دیکھا۔ سورج ان جھیلوں میں ڈوبنے لگا تھا کہ وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی اور اپنے کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آج پہلی بار اس کے دیوتا نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا' جس نے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی مارنے کا تصور نہیں کیا ہوگا۔ دیوتا پہ اسے الفت دیوتا والی تصویر یاد آ گئی۔ نہیں وہ میرا دیوتا نہیں ہے وہ تو فائزہ کا دیوتا ہے۔ پھر اس کے دل کی دنیا کیوں تہہ و بالا ہوگئی ہے۔ وہ کیوں بکھر رہی ہے۔ اگلے روز شنو نے اسے ایک عجیب بات بتائی۔
''پتہ ہے اماں کہہ رہی تھی' بڑے ابا کو چوہدری لوگوں نے قتل کیا تھا؟'' سورج مکھی نے حیرت اور صدمے سے اسے دیکھا' کتنی دیر وہ بولنے کے قابل نہ ہوسکی ذرا حواس بحال ہوئے تو کانپتے لبوں سے سوال کیا۔
''کیوں قتل کیا تھا؟''
''تمہارے ابا کی بڑی اچھی اور زرخیز زمینیں چوہدری کی زمینوں سے ملی ہوئی تھیں۔ چوہدری تمہارے ابا سے یہ زمینیں منہ مانگے داموں خریدنا چاہتا تھا لیکن تمہارا ابا بڑا جی دار تھا اور پکا زمیندار بھی' وہ اپنی زمینوں سے بڑی محبت کرتا تھا' اس کے انکار پہ چوہدری نے اپنے لوگوں سے اسے مروا دیا۔ تمہارے تایا کو اپنے چھوٹے بھائی سے بہت محبت تھی' تمہارے ابا کے مرنے پہ وہ بہت رویا تھا اور عہد کیا تھا کہ سورج بڑا ہوگا تو چوہدری کے بیٹے کو قتل کر کے اپنے چاچے کا بدلہ لے گا۔''
''نہیں......'' وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ''سورج اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا...... میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گی...... مجھ سے سب کچھ اسی لیے چھپایا گیا...... اماں کہتی تھیں ابا ہیضہ ہو جانے سے مر گیا' لیکن مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔''
سورج شاید اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ شنو کو وہ بالکل خواب کی سی کیفیت میں الجھی لگ رہی تھی۔
''اماں کہتی ہے سورج بالکل اپنے چاچے پہ گیا تھا۔'' شنو آہستہ سے بولی۔ لیکن وہ کہاں سن رہی تھی۔ شنو چلی بھی گئی تو وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ تایا' تائی اور اماں میں سے کوئی گھر میں نہیں تھا کہ وہ کچھ پوچھ سکتی۔ اسی وقت سورج گھر میں داخل ہوا۔ سورج مکھی کو یوں دنیا سے بے خبر دیکھ کر ادھر ہی آ گیا۔
''دیکھ سورج مکھی' مجھے معاف کر دے میں شرمندہ ہوں تمہیں تھپڑ مارنے پہ۔''
''کوئی بات نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''تیرے ہاتھ کا تھپڑ میرے لیے پھولوں سے کم نہیں۔''
''چاچی اور اماں کہاں ہیں؟'' وہ اس کے جواب سے جھنجلا گیا۔
''شادو خالہ کے ہاں گئی ہیں۔''
''چل پھر میرے لیے کھانا لے آ۔'' سورج مکھی نے کھانا اس کے سامنے رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ اسے اتنا سنجیدہ اور افسردہ دیکھ کر سورج کو الجھن ہو رہی تھی۔
''آج مجھے پتہ چل گیا ہے کہ ابا اصل میں قتل ہوا تھا۔ چوہدری کے ہاتھوں۔'' سورج کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ اس نے گھبرا کر اسے دیکھا۔
''اور یہ بھی پتہ چلا ہے کہ تم بدلہ لینے کے لیے چوہدری کے بیٹے کو قتل کرو گے۔'' سورج ساکت بیٹھا رہا۔
''کیا یہ ٹھیک ہے؟'' سورج خاموش تھا۔
''تم لوگوں نے اتنے سال مجھ سے سب چھپایا تو شاید ٹھیک کیا' لیکن اب تم جو کرنے جا رہے ہو وہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ نہیں ہوسکتا۔''
''تو ان معاملات میں دخل نہ دے۔''
''کیوں نہ دوں؟ کیا میرا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں' کیا قتل ہونے والا میرا باپ نہیں تھا؟ میں انہیں معاف کرتی ہوں' بدلے کے لیے تیری جان خطرے میں نہیں

ڈال سکتی۔"

"تمہارا اس میں کوئی ہاتھ نہیں۔ میں خود کو خطرے میں ڈال رہا ہوں۔"

"تو ایسا نہیں کرسکتا..." وہ شدت جذبات سے کھڑی ہوگئی۔ "ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو پڑھ لکھ کر بھی یہ نہیں سمجھ سکا' اس طرح یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔"

"تو کیا بزدل بن کر بیٹھ جاؤں؟"

"تو نے پڑھا نہیں معاف کردینا بہادری ہے' بزدلی نہیں۔"

"دین نے بھی آنکھ کے بدلے آنکھ کا سبق دیا ہے۔"

"لیکن دین نے معاف کردینے کو زیادہ بہتر کہا ہے۔"

"دیکھ سورج مکھی...... معاملہ طے ہوچکا ہے' اب ہم لوگ اپنی بات سے پھریں گے تو اس میں ہماری بے عزتی ہے۔ سب میری طرف انگلیاں اٹھائیں گے۔"

"دنیا کی فکر کرنے والے ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ تو کیا سمجھتا ہے اگر تو عزت کی خاطر قتل کردے گا تو دنیا واہ واہ کرے گی' منہ پہ کچھ بھی لے پیٹھ پیچھے باتیں ہی بنائے گی۔"

"سورج مکھی اب سب کچھ طے ہوچکا ہے۔" وہ زچ ہوکر بولا۔

"تم اس خاندان کے اکلوتے چراغ ہو' تائے اور تائی کا کیا بنے گا' اگر تجھے کچھ ہوگیا تو...... ہمارا تو خاندان ختم ہوجائے گا اور میں...... میں......" وہ بول ہی نہ سکی۔

"بس کر سورج مکھی اب فیصلہ ہوچکا ہے۔" وہ چڑ کر بولا اور کھڑا ہوگیا۔

"تو باز نہیں آئے گا؟"

"نہیں۔"

"میری بات نہیں مانے گا؟ تو پھر میرا فیصلہ بھی سن لے اگر تو نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تو میں کنویں میں چھلانگ لگا کر جان دے دوں گی' پھر جو مرضی ہو کرنا۔"

"اللہ کے لیے میرا دماغ مت کھا......" اس نے ہاتھ جوڑے اور پھر غصے میں باہر نکل گیا۔ وہ پیچھے بھاگی۔

"کہاں جارہا ہے؟"

"گاؤں سے باہر میلا لگا ہے سب دوست میرا انتظار کررہے ہیں اور اللہ کے لیے میرے پیچھے آ کر مجھے تنگ مت کرنا۔" وہ جلدی سے شنو کے گھر آ گئی۔

"شنو میلہ دیکھنے چلے گی۔" وہ انتہائی پرسکون لہجے میں بولی۔ شنو خوش ہوگئی۔

"یہ تو کہہ رہی ہے تو تو ہر بات سے اکتائی رہتی ہے۔"

"ہاں میں ہی کہہ رہی ہوں۔" وہ بے زاری سے بولی۔ "تو بحث بہت کرتی ہے' چلتی ہے یا اکیلی ہی چلی جاؤں؟"

"آج تو تو ہوا کے گھوڑے پہ سوار ہے' مجھے کپڑے تو بدل لینے دو۔"

"تو ان کپڑوں کو کیا ہے' اچھے بھلے تو ہیں' صاف ستھرے۔"

"تجھے کچھ زیادہ ہی جلدی ہے۔ لگتا ہے سورج ادھر ہی گیا ہے۔"

"ہاں گیا تو ادھر ہی ہے' پر تو جلدی کر۔"

میلے میں خوب رونق تھی۔ بڑے قہقہے لگا رہے تھے' جھولے جھول رہے تھے' نت نئی شاپنگ میں مصروف تھے۔ بچے اپنے من پسند کھیلوں میں مشغول تھے۔ اس کی نظریں میلے میں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ آخر کار ان بے قرار آنکھوں کو اپنا مرکز مل گیا۔ سورج اپنے چند دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ لیکن چہرے پہ کوئی رونق نہیں تھی۔ سورج مکھی کے جسم میں جیسے جان نہ رہی' ٹانگوں نے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کردیا...... وہ جلدی سے ایک پتھر پہ بیٹھ گئی۔

"یہاں کیوں بیٹھ گئی...... چل ناں کچھ مزہ کریں۔"

شنو نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"شنو مجھ سے چلا نہیں جارہا...... میرا دل بیٹھ رہا ہے...... ایسا لگتا ہے جیسے کچھ...... کچھ ہونے والا ہے...... کچھ بہت خراب...... کچھ......"

ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ فائر کی آواز سنائی دی۔ شنو نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا...... سورج مکھی کا ہاتھ اپنے دل تک پہنچا۔

"سورج...... سورج کو دیکھ شنو...... سورج کو کچھ ہوگیا ہے۔"

"کیوں بری باتیں منہ سے نکالتی ہو۔" شنو ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی۔

"میں نے کہا ناں سورج کو کچھ ہوگیا ہے۔" وہ پوری قوت سے چیخی اور پھر پوری قوت جمع کر کے اٹھی اور لوگوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اس ہجوم کی طرف بڑھی۔ سورج خون میں لت پت پڑا تھا۔ کسی نے ہوائی فائر کرنے کی کوشش کی تھی لیکن پیچھے سے دھکا لگ جانے سے نشانہ چوک گیا اور پستول کا رخ بدل کر سورج کی طرف ہوگیا۔

"سورج......" سورج مکھی کے منہ سے دلدوز چیخ نکلی اور وہ شنو کے بازوؤں میں جھول گئی۔ صورت حال کو سمجھنے سے قاصر شنو ساکت نظروں سے کبھی سورج کو دیکھتی اور کبھی سورج مکھی کو۔

گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ ایسا سوہنا' ایسا بانکا سجیلا گھبرو نوجوان تھا' وہ یاروں کا یار' مٹیاروں کی عزتوں کا مان تھا۔ ہر آنکھ اشک بار اور ہر دل سوگوار تھا۔ اس کی لاش گھر پہنچائی گئی۔

سورج مکھی ہوش میں آنے کے بعد کسی سائے کی طرح ساتھ چل رہی تھی۔ اس کی چارپائی صحن میں رکھی تھی۔ پورا گاؤں ٹوٹ کر امڈا تھا' تائے اور تائی کو تو کوئی ہوش ہی نہ تھا۔ سورج مکھی بس ایک ٹک اسے دیکھے جارہی تھی۔ لٹھے کی مانند سفید چہرہ اور ہونٹ لیے لبوں سے ایک لفظ نہیں نکلا تھا' آنکھ سے ایک آنسو نہیں ٹپکا تھا۔ اسے نہلا دھلا کر کفن پہنایا گیا۔ پھولوں سے سجایا گیا' تائی کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے اور تایا لاش کے پاس پتھرائے بیٹھے تھے۔ سورج مکھی ہوش میں رہ کر ہوش سے بیگانہ بس سورج کے چہرے پہ نظریں جمائے دیوانگی کے عالم میں اسے دیکھے جارہی تھی۔ جنازہ اٹھا تو کہرام مچ گیا۔ سورج مکھی پتھرائی بیٹھی رہی' شہر سے تائی کے رشتے دار بھی آئے تھے' ان کے بھائی اس کی بیوی اور بچے...... شنو کا دل پھٹ رہا تھا' سورج مکھی کا کیا ہوگا' اسے پتہ تھا وہ اس کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے' وہ بہت فکرمند تھی اس کے لیے' ہر دم اس کے ساتھ ساتھ تھی' جانے کیوں اسے خدشہ تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی جان نہ لے لے' لیکن سورج مکھی بس گھر میں صحن کے ایک کونے کی طرف منہ کیے کھڑی تھی' گھر میں بے شمار مہمان تھے' لیکن اسے کوئی پروا نہ تھی' شنو کو الجھن ہونے لگی۔

"یہاں کیوں کھڑی ہے سورج مکھی......؟"

"اس طرف قبرستان ہے شنو' میں سورج کی قبر دیکھ رہی ہوں۔" شنو بے اختیار رو پڑی۔

"تجھے کیا ہوگیا ہے' سورج مکھی' اس طرح تو تھک جائے گی۔ اس طرح کھڑے ہونے کا کیا فائدہ...... تجھے قبرستان نظر تو نہیں آرہا ناں' بیچ میں اتنے گھر ہیں۔"

"تو کعبہ کس کو نظر آتا ہے' پھر بھی لوگ ادھر منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"اب تو شرک کرے گی' مانا کہ تمہارا غم بہت بڑا ہے لیکن......"

"میں شرک کیسے کررہی ہوں شنو...... میں قبرستان کی طرف منہ کر کے نماز تو نہیں پڑھ رہی...... اگر تم چاہتی ہو میں یہاں نہ کھڑی ہوں تو میرے ساتھ قبرستان چلو...... میں سورج کی قبر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس پہ فاتحہ پڑھنا چاہتی ہوں۔ چلے گی؟" اس کی آنکھوں میں ایسی منت بھری التجا تھی کہ شنو کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"اس وقت...... رات گئے قبرستان جاؤ گی؟"

"میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں شنو...... میرے ساتھ چلو...... میں سورج کی قبر آخری بار دیکھنا چاہتی ہوں۔" سورج مکھی نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"آخری بار......؟" شنو چونکی۔ "کیا مطلب ہے تیرا؟ دیکھ سورج مکھی تمہاری ساری برادری جمع ہے۔ لوگ شہر سے بھی آئے ہیں' تیرے تایا اور تائی نڈھال ہیں' ان

میں بالکل ہمت نہیں ہے کسی کو دیکھنے کی' تمہاری اماں سب سے بڑھ کر نڈھال ہورہی ہیں' تم ان سب کی مدد نہیں کروگی' سب کا دکھ نہیں بانٹو گی۔"

"میں قبرستان جانا چاہتی ہوں شنو اور میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تو شنو نے اسے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"تو اتنی خود غرض نہ بن سورج مکھی...... تجھے بس اپنے غم کی فکر ہے' تائی اور تائے کا کوئی خیال نہیں...... ان کا جوان بیٹا مر گیا...... ان کی کوئی پروا نہیں تجھے۔ انہیں کون دیکھے گا' سورج کیا سوچے گا...... تو اتنی خود غرض ہوگئی ہے کہ اس کے ماں باپ کا غم بٹانے کے بجائے مرنا چاہتی ہے' انہیں اور اپنی اماں کو ایک اور غم دینا چاہتی ہے اور پھر تو سورج کی قبر پہ جا کر روئے گی تو اس کی روح کو کتنی تکلیف ہوگی۔ تو اسے اب بھی تکلیف دینا چاہتی ہے۔"

شنو کی باتیں سن کر وہ ایک دم جیسے ہوش میں آگئی۔ حقیقت کی دنیا میں پہنچ گئی۔ پھر شنو نے دیکھا وہ اپنا درد دل میں چھپائے کسی روبوٹ کی طرح مصروف ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت کے سائے تھے' لبوں پہ جامد چپ تھی۔ آنکھیں بالکل خشک اور ویران تھیں' لیکن اب اس میں اتنی توانائی آگئی تھی کہ وہ مسلسل مہمانوں کے لیے انتظامات کررہی تھی۔ شنو کے ساتھ مل کر چارپائیاں بچھائیں' ان پہ کھیس ڈالے کھانا گاؤں کے کئی گھروں سے بھجوایا گیا تھا' تائی اور تائے کو تو کچھ ہوش نہیں تھا' اسی نے اماں کے ساتھ مل کر سب دیکھنا تھا۔ اماں کا دکھ بھی بہت بڑا تھا' لیکن تائی اور تائے کا تو وہ جگر کا ٹکڑا تھا۔ کھانے کا وقت آیا تو سب کو کھانا کھلایا' رات تک لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ سورج کی خوبیاں اور نیکیاں یاد کرتے رہے۔ وہ جبر سے خود کو سنبھالے سنتی رہی۔

شنو اس کی شکل دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتی رہی' آدھی رات تک زیادہ تر لوگ اگلے دن آنے کے لیے چلے گئے۔ شہر سے باہر سے آنے والے رشتے دار اپنی اپنی چارپائیوں پہ لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں سب سو گئے تو وہ صحن کے اسی کونے میں آکر کھڑی ہوگئی جس طرف دور کہیں قبرستان تھا' سینے سے ایک گہری سینہ چیر دینے والی آہ نکلی' لیکن آنکھوں سے ایک آنسو نہ ٹپکا۔ شنو اس کے لیے بے انتہا فکر مند تھی۔ اس کے نہ رونے نے اس کے دل میں ہزاروں خدشات پیدا کردیئے تھے۔ وہ اس کے پیچھے چلی آئی' اماں نے اسے آج رات سورج مکھی کے پاس رہنے کی تاکید کی تھی۔ شنو آئی تو وہ پتھریلے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔

"اگر تو بھی دو نوالے کھالیتی تو اچھا تھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ایک دن نہیں کھاؤں گی تو مر نہیں جاؤں گی......" اس نے شنو کی طرف دیکھے بغیر کہا اور پھر دوبارہ بغیر پلٹے سخت آواز میں بولی۔ "اب تو بھی جا کر آرام کر اپنے گھر' سارے دن کی تھکی ہوئی ہے۔"

"تم بھی تو تھکی ہوئی ہو۔"

"میری فکر نہ کر' میں ٹھیک ہوں اور اس وقت مجھے تنہائی چاہیے۔" اس کا لہجہ سپاٹ اور تحکمانہ تھا۔ شنو انکار کی جرأت نہ کرسکی اور بادل ناخواستہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ شنو کے جاتے ہی خود پہ لگائے گئے جبری پہرے نے ساتھ چھوڑ دیا۔ سارے بند ٹوٹ گئے' آنسوؤں کا رکا ہوا سیلاب تمام حفاظتی پشتے توڑ کر بے دردی سے آنکھوں کے راستے باہر نکل آیا' وہ بے آواز رونے لگی۔ ٹانگیں بری طرح کانپنے لگیں۔ اس نے بمشکل درخت کے تنے کا سہارا لیا اور پتھر پہ بیٹھ گئی' ضبط کا یارا نہ رہا تو گھٹنوں میں منہ چھپا کر اس بے دردی سے روئی کہ کوئی بھی ہوتا سینہ شق ہوجاتا...... درد میں کچھ تو کمی آئی' بے قراری اور بے چینی نے کوئی رستہ تو پایا۔

"ایک تکیہ مل سکتا ہے پلیز......؟" ایک مدھم سی آواز پہ اس نے بڑی مشکل سے اپنا بوجھل سر اٹھایا اور آنسوؤں سے دھندلائی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کے ہوش و حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے...... وہ کچھ سمجھے بغیر اس شخص کی طرف دیکھتی رہی جس نے سوال کیا تھا۔

نظریں اس کے چہرے پہ یونہی جمی تھیں۔ وحشت زدہ نظریں۔

''ایکسکیوزمی......'' اس شخص نے اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا تاکہ ان نظروں کا جمود ٹوٹ سکے' سورج مکھی چونک گئی۔

''ایک تکیے کا سوال ہے محترمہ......'' اس نے سورج مکھی کی طرف دیکھا اور آنسوؤں سے بھیگے چہرے پہ نظر جم سی گئی۔ درد کی داستاں کچھ اس طرح رقم تھی اس پہ کہ اس شخص کی قوت گویائی سلب ہوگئی۔

درد کا احساس لیے وہ بڑی بڑی مقناطیسی براؤن آنکھیں۔ جنہیں آنسوؤں کے روشن دیوں نے کچھ اور بھی پرکشش بنا دیا تھا۔ دونوں کی نظریں کئی لمحوں تک ایک دوسرے کی آنکھوں پہ جمی رہیں۔ وہ تو ہوش وخرد سے بیگانی تھی' عادل کو ہی ہوش میں آنا پڑا۔

''میں کہہ رہا تھا اگر ایک تکیہ مل جاتا تو......'' وہ رک گیا پھر شرمندگی سے بولا۔ ''آپ بھی سوچ رہی ہوں گی کس قدر نازک مزاج شخص ہے' تکیے کے بغیر سو نہیں سکتا' اصل میں تکیے کے بغیر سوؤں تو گردن میں بل پڑ جاتا ہے' اس لیے اگر......'' وہ پھر رک گیا۔ سورج مکھی کی آنکھوں کی کیفیت میں کوئی فرق نہ آیا۔

''چلو کوئی بات نہیں۔ بھول جائیں میں نے کوئی تقاضا کیا ہے۔'' وہ گڑبڑا کر فوراً پلٹا۔

''عادل......'' اتنی مدھم آواز تھی' پھر بھی عادل سن کر بے اختیار پلٹا اور اس کے قریب آیا۔

''آپ نے مجھے پہچان لیا......؟'' اس کی کشادہ آنکھوں میں حیرت تھی۔

''تم عادل ہو۔'' اس کی آنکھوں میں سوال تھا؟ پرانی والی کیفیت ختم ہوگئی تھی۔ اس کی جگہ شناسائی نے لے لی تھی۔

''ہاں میں عادل ہوں۔ آپ کو یاد ہے میں آپ اور سورج اس صحن میں اکٹھے کھیلا کرتے تھے؟'' سورج کے نام پہ سورج مکھی کا سارا جسم تن گیا۔ شناسائی نے سرد مہری سے جگہ بدل لی۔

''کیا چاہیے' تکیہ...... میں ابھی لاتی ہوں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہتی اٹھی' اندر سے تکیہ لائی اور اس کی چارپائی پہ رکھ دیا۔

عادل بوجھل قدموں سے چارپائی تک آیا تو وہ مڑ کر پھر اسی کونے کی طرف جاچکی تھی۔ اس سے لاتعلق اور بے نیاز جیسے اسے جانتی تک نہ ہو۔ عادل جو بے انتہا دکھی دل لیے ساری شام اسے روبوٹ کی طرح کاموں میں مشغول دیکھتا رہا تھا' ایک لمحہ کے لیے اس سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ بوجھل دل کے ساتھ چارپائی پر لیٹ گیا۔ لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اسے بچپن کے وہ معصوم اور خوب صورت دن یاد آرہے تھے جب وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں یہاں آنے کے لیے بیتاب رہا کرتا تھا۔ ماما کو یہ پسند نہیں تھا لیکن بابا کی وجہ سے اجازت مل جاتی۔ وہ سورج سے پانچ سال چھوٹا تھا اور سورج مکھی سے پانچ سال بڑا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی اس کا معصوم دل سورج مکھی کے معصوم چہرے کو دل میں بسا بیٹھا تھا۔ وہ اسے بہت اچھی لگتی تھی' اس کی ہر بات ماننا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا' اس کے ساتھ کھیلنا اس کی زندگی کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ گاؤں آتا ہی اسی کے لیے تھا تو غلط نہ ہوتا۔ سورج کی دوستی تو ایک بہانہ تھی۔ گاؤں سے واپس جاتا تو ہر وقت سورج مکھی کے بارے میں سوچتا رہتا۔ اس کی باتیں یاد کرکے لبوں پہ مسکراہٹ آجاتی...... وہ اسے دل وجان سے عزیز تھی۔ وہ ان دنوں سوچا کرتا تھا کہ وہ سورج مکھی کی خوشی کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے' اپنی جان بھی دے سکتا ہے' لیکن جوں جوں وہ بڑے ہورہے تھے اس کے دل میں انجانے خدشات نے جنم لینا شروع کردیا...... اور ایک دن اس پہ انکشاف ہوا کہ سورج مکھی تو سورج کی دیوانی ہے' عادل کی حیثیت محض ایک دوست کی ہے' وہ چہکتی مینا ہر دم اس سے سورج کی باتیں کرتی' اس کا تو اوڑھنا بچھونا ہی سورج کی محبت تھی' سورج کو وہ دیوتا کا درجہ دیتی تھی' بلکہ اس دیوتا کی پوجا کرتی تھی' اسے اپنی زندگی

سمجھتی تھی۔ اس کی باتیں کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں لاکھوں قندیلیں روشن ہوتیں اور چہرے پہ مقدس روشنی پھیلی ہوتی...... عادل کا دل ٹوٹ گیا لیکن وہ سورج مکھی سے سچی محبت کرتا تھا' اس کی خوشی عادل کی پہلی ترجیح تھی۔

وہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی تو کیا ہوا وہ تو اس سے اب بھی محبت کرتا ہے' اسی محبت اور سورج مکھی کی خوشی کی وجہ سے وہ اس سے دستبردار ہوگیا' ان کے راستے سے ہٹ گیا۔ اس نے گاؤں آنا بھی بند کردیا' پھر پاپا نے اسے پڑھنے کے لیے باہر بھیجنا چاہا تو وہ خوشی سے چلا گیا۔ پورے پانچ سال بعد ڈگری لے کر واپس آیا' ابھی چند ہی روز تو ہوئے تھے اسے واپس آئے ہوئے کہ اس نے یہ روح فرسا خبر سنی تھی۔ پھپو کے غم نے اسے فکر مند کردیا' لیکن سورج مکھی کا سوچ کر اس کا دل کٹنے لگا۔ اس کا کیا حال ہوگا' وہ تصور کرسکتا تھا' اس کے دکھ کا سوچ کر وہ بے قرار ہوگیا' وہ اڑ کر وہاں پہنچ جانا چاہتا تھا' ماما نے اسے روکنا چاہا کہ دونوں چھوٹی بہنوں کے فائنل پیپر ہو رہے تھے' لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ سورج کا دوست ہے اور آخری بار اس کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سورج کو تو وہ دیکھنا چاہتا تھا' لیکن اصل میں اس کا دل سورج مکھی کے دکھ پہ کٹ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا اس کا درد بانٹنا چاہتا تھا' اس کا دل چاہ رہا تھا اس کے پارہ پارہ وجود کو اپنے بازوؤں میں چھپا کر سینے سے لگالے...... اس کا ہر دکھ لے لے اور اپنی ہر خوشی اسے سونپ دے اور اس پیارے چہرے کو ایک بار پھر مسکراتا ہوا دیکھے جس نے اس کے دل کی دنیا میں روشنی کر رکھی تھی۔ اس کے دل میں چار سو پھول کھلا رکھے تھے۔ یہی سوچتے ہوئے جانے کب نیند کی مہربان دیوی نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا...... دو گھنٹے کی بے چین نیند میں بھی وہ اس کے درد سے بے حال چہرے کو دیکھ کر پریشان ہوتا رہا۔ پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔

عادل کی نظر بے اختیار اس کونے کی طرف گئی' لیکن سورج مکھی وہاں نہیں تھی' وہ فوراً اٹھ کر ادھر آیا وہ دیوار کے پاس ہی پتھر کے ساتھ سر لگائے سو رہی تھی...... نیند تو سولی پہ بھی آجاتی ہے' اس کے گالوں پہ آنسو جمے تھے' گاہے بگاہے ایک سسکی آہ کی صورت میں لبوں سے نکل رہی تھی۔ عادل کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ ''کاش...... کاش وہ اپنا درد اسے دے دے۔''

✿ ✿ ...... ✿ ✿ ...... ✿ ✿

ناشتہ بھی گاؤں کے کئی گھروں سے آگیا تھا۔ سورج مکھی شنو کے ساتھ مل کر پراٹھوں کی چنگیریں اور لسی کے بڑے بڑے گلاس سب کے آگے رکھ رہی تھی۔ عادل کی باری آئی' اس نے پراٹھے کی چنگیر تو لے لی لیکن لسی واپس کردی' سورج مکھی تو آگے بڑھ گئی لیکن شنو وہیں رک گئی۔

''لسی نہیں پیو گے؟''

''میں لسی نہیں پیتا۔'' وہ شائستگی سے مسکرایا۔

''شہری بابو ہو' چائے پیو گے؟''

''اگر مل جائے تو اچھا ہے' ورنہ ضروری نہیں۔''

''ہم گاؤں والے بہت مہمان نواز ہوتے ہیں باؤ' مہمانوں کی پسند کا خیال رکھتے ہیں۔'' پھر وہیں سے آواز لگائی۔

''ماسی زہرہ...... کچھ لوگوں کے لیے ہمارے گھر سے چائے لے آ اور ایک کٹوری میں اچار ڈال کر اس بابو کو دے جاؤ...... بے چارا خالی پراٹھا کیسے کھائے گا۔''

سب کے سامنے ناشتہ رکھ کر سورج مکھی نڈھال سی اسی پتھر پہ آ کر بیٹھ گئی اور دکھتی کمر کو درخت کے تنے کے ساتھ لگالیا...... عادل کی نظریں اسی کے تعاقب میں تھیں۔ اس کا نچڑا ہوا بے رنگ چہرہ اور متورم آنکھیں دیکھ کر دل کونئے سرے سے چوٹ لگی۔ نوالہ حلق سے نیچے اتارنا مشکل ہوگیا۔ شنو نے اسے چائے دی تو پیالہ ہاتھ میں لیے وہ سورج مکھی کے پاس آیا' آہٹ پہ اس نے خالی بے تاثر نظروں سے عادل کو دیکھا۔

''میں یہ چائے لایا ہوں آپ کے لیے......'' وہ کچھ خجل سا ہو کر بولا تو سورج مکھی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ جانے کیوں اپنی تنہائی میں جو سورج کی سوچوں سے آباد تھی اس کی مداخلت اسے بری لگی تھی۔

"تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تکلیف کیسی......؟" اس نے دھیمی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ "میں نے کون سا پہاڑ ہلائے ہیں اپنی جگہ سے۔ شنو نے مجھے دی تو سوچا مجھ سے زیادہ آپ کو ضرورت ہے اس کی۔" سورج مکھی بس ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"دیکھو...... غم اپنی جگہ اور کھانا پینا اپنی جگہ' بلکہ غم سے رشتہ جوڑنے کے لیے بھی طاقت چاہیے ہوتی ہے...... نیم مردہ جسم بھلا کیسے غم کرے گا' طاقت کھانے پینے سے آتی ہے' اس وقت میں تمہیں فی الحال کھانے کے لیے مجبور نہیں کروں گا...... بس یہ چائے پی لو' جسم میں تھوڑی توانائی آجائے گی۔" سورج مکھی اب بھی کچھ نہ بولی۔ لیکن آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ سر جھکا کر چپل سے زمین کریدنے لگی۔

"کب سے بھوکی ہو؟" عادل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یاد نہیں......" اس کے لب تھرتھرائے۔ عادل گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا اور چائے کی پیالی اس کے پاس پتھر پہ رکھ دی۔

"آپ شاید سمجھ رہی ہیں کہ میں بھوکا پیاسا رہ کر سورج سے وفاداری نبھا رہی ہیں' لیکن ایسا کچھ نہیں ہے' سورج بے خبر سو رہا ہے اسے کچھ علم نہیں ہوگا کہ آپ نے بھوک ہڑتال کی ہوئی ہے' ہاں اس کی روح آپ کی حالت سے ضرور بے چین ہوگی' کیا آپ اس کی بے چینی کم نہیں کرسکتیں؟"

"تم...... تم غلط سمجھ رہے ہو' مجھے بس بھوک نہیں ہے۔"

"کچھ کھائیں گی تو بھوک محسوس ہوگی' اگر سورج سمجھ سکتا یا اس وقت آپ کو دیکھ سکتا کہ آپ اس کی وجہ سے اتنا غم کررہی ہیں اور فاقہ کررہی ہیں تو اسے کتنی تکلیف ہوتی۔" سورج مکھی نے اسے دیکھا۔ چند لمحے اس کے چہرے پہ جانے کیا تلاش کرتی رہی' شاید سچائی' خلوص یا دوستی اور پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر چائے کی پیالی پکڑلی اور گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارنے لگی۔ چائے ختم ہوئی تو پیالی اسے واپس کردی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے...... میرے جسم میں جان سی آ گئی ہے۔" عادل مسکراتا ہوا کچھ کہے بغیر پیالی لے کر چلا گیا' سورج مکھی کی پُرسوچ نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا...... ایسے لگا جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا ہو......

اسے اپنی اور عادل کی بچپن کی دوستی یاد تھی' اسے سورج کے بارے میں ڈھیروں باتیں کرنا یاد تھا۔

"آہ...... سورج......" اس کی آنکھوں کے پیالے پھر سے بھر گئے' تبھی شنو قریب آ گئی۔

"یہ کون ہے سورج مکھی؟" اسے تجسس ہوا۔

"عادل' سورج کا کزن عادل...... شہر سے آیا ہے۔"

"اوہ تو یہ وہ عادل ہے...... بچپن میں تو کھڑوس سا ہوتا تھا...... اب تو گھبرو جوان بن گیا ہے۔"

"ہاں......" سورج مکھی بے خیالی میں بولی۔ "وقت بدلتا ہے تو سب بدل جاتا ہے۔ تو عادل کو چائے کی ایک اور پیالی دے آ' اپنی چائے تو وہ مجھے دے گیا۔ شہری لوگوں کو چائے کی عادت ہوتی ہے اس کے بغیر ان کا دن ہی نہیں چڑھتا۔" شنو اٹھی تو وہ پھر بولی۔

"گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے' ناشتے کے برتن سمیٹنے ہیں' بستر اٹھا کر چارپائیاں بھی کھڑی کرنی ہیں اور پھر دوپہر کے کھانے کا وقت ہوجانا تھا۔ پورے تین دن اس طرح گزرتے تو تب سب مہمانوں نے ہلنا تھا جانے کے لیے...... مفت کے کھانے کون چھوڑتا ہے بھلا۔"

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

تیسرے دن سب مہمان چلے گئے تھے...... سب کے جانے سے ایک دم ہو کا عالم چھا گیا...... سورج مکھی تو اس تنہائی سے خوش تھی' اسے سورج کی یادوں کے ساتھ چراغاں کرنا ہوتا تھا...... زندگی روکھی پھیکی کچھوے کی رفتار سے چل رہی تھی۔ درد کے سائے میں جکڑی ہوئی' تائی اور تایا ابھی تک گم صم تھے۔ تائی تو جیسے بستر سے لگ گئی تھیں' تایا بھی کھیتوں میں جانے کی ہمت نہ پاتا' ثریا اور سورج

مکھی ہی سب کا خیال رکھتے‘ شنو بھی اکثر وہیں وقت گزارتی‘ سورج کی موت کے تیسرے دن ماسٹرنی فائزہ بھی آئی‘ اس کے ہاتھ میں وہی تصویر تھی‘ اس نے وہ سورج مکھی کے ہاتھ میں دے دی۔

”یہ اب تم رکھ لو...... میرے کس کام کی...... سورج تو چلا گیا‘ اسے گھر میں کہیں سجا دینا‘ تمہارا دل بہلائے گی۔“ سورج مکھی تصویر ہاتھوں میں لیے کتنی دیر گم صم دیکھتی رہی‘ پھر اس کے نیچے لکھے الفاظ ”الفت دیوتا“ پہ نرمی سے انگلیاں پھیرتی رہی‘ آنکھوں سے بے شمار آنسو نکلے‘ کچھ اس کے گالوں سے ڈھلک کر تصویر پہ بھی گرے...... جیسے اسے خراج عقیدت پیش کر رہے ہوں...... تصویر وہ گھر میں کہیں نہیں سجا سکتی تھی...... تایا تائی روزانہ دیکھتے تو شاید کبھی نہ سنبھل سکتے‘ چپکے سے اپنی الماری میں چھپا دی۔

تائی اور تایا تو سورج مکھی کو دیکھ کر ہی آبدیدہ ہو جاتے تھے‘ ان کے لیے تو وہ سورج کی دلہن تھی‘ اسے دیکھ کر دل سے آہیں نکلتیں‘ اس گھر کے ہر فرد نے برسوں یہ خواب دیکھا تھا لیکن تعبیر کا وقت آیا تو سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا‘ درمیان میں ایک دو بار عادل آیا...... لیکن چند گھنٹوں کے بعد واپس چلا گیا‘ اسے اپنا نیا آفس سیٹ کرنا تھا‘ اپنے خاندانی کاروبار کو نئے انداز سے نئی روح کے ساتھ شروع کرنا تھا‘ وہ بے حد مصروف تھا پھر بھی چکر لگا لیتا۔ سورج مکھی دن رات تائی تائے اور اماں کی خدمت کرتی‘ خوراک برائے نام ہو گئی تھی‘ صحت بھی اسی وجہ سے خراب ہو رہی تھی‘ شنو اسے لاکھ بہلانے کی کوشش کرتی‘ اسے کھانے پہ مجبور کرنا چاہتی‘ لیکن اس کے حلق سے نوالہ اترتا ہی نہیں تھا...... بس اتنا کھا لیتی جو زندہ رہنے کے لیے کافی تھا‘ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے۔ گالوں کے پھول مرجھا گئے‘ آنکھوں میں ویرانیاں سمٹ آئیں۔ شنو نے مشورہ دیا کہ مصروف رہنے کے لیے ایف اے کے امتحان کی تیاری کر لے تاکہ ذرا دھیان بٹے۔

”اب کس لیے پڑھوں شنو‘ جسے شوق تھا مجھے پڑھانے کا وہی نہیں رہا تو کیا کروں گی پڑھ کر۔“ پھر بھی شنو کے چلے جانے کے بعد جانے کس جذبے کے تحت اس نے سورج کے سامان سے ایف اے کی کتابیں نکالیں اور کتنی دیر انہیں دیکھتی رہی‘ پھر جانے کیا سوچ کر انہیں جھاڑ پونچھ کر اپنے کمرے میں رکھ لیں۔

دو چمکدار سیاہ جوتے اس کے عین سامنے رکے تو بے ساختہ اوپر دیکھا۔ وہ عادل تھا۔ اتنی لمبی روکھی پھیکی سیاہ رات کے بعد عادل کا روشن چہرہ دیکھ کر سورج مکھی کے چہرے پہ رونق سی آ گئی۔ جبکہ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

”تم کب آئے؟“ عادل نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بازو سینے پہ لپیٹے سنجیدگی اور شکایتی انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ سورج مکھی تو نہیں تھی جو اس کی روح میں بسی تھی۔ یہ تو ایک سایہ تھا۔

”یہ کیا حالت بنا لی ہے آپ نے؟“

”کیوں کیا ہوا؟“ اس کی نظریں جھک گئیں۔

”کبھی آئینہ دیکھا ہے؟“ وہ ابھی تک سنجیدہ اور ناراض تھا۔

”آئینہ دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہی چہرہ ہے‘ وہی میں ہوں‘ کچھ نیا تو نہیں۔“

”اگر دیکھا ہوتا تو کچھ نیا نظر آتا ناں...... اور وہ بھی نظر آتا جو پہلے تھا اور اب نہیں ہے۔“

”کیا نہیں ہے اب؟“ وہ اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

”آنکھوں میں وہ چمک اور زندگی نہیں ہے۔ گالوں پہ وہ گلاب نہیں ہیں‘ ہونٹوں پہ وہ مسکراہٹ نہیں ہے‘ کافی ہے یا کچھ اور بتاؤں؟“ سورج مکھی کے سینے سے ایک آہ سی نکلی اور وہ عادل اس کے سامنے بڑی مشکل سے درخت کا سہارا لے کر بیٹھا۔

”دیکھو سورج مکھی...... زندگی اللہ کی طرف سے انسان کے لیے ایک بہت خوب صورت تحفہ ہے‘ ایک قیمتی انعام ہے‘ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی قدر کریں‘ اس کی حفاظت کریں۔ ایک شخص کے لیے جو اب اس دنیا میں نہیں رہا اس کے لیے خود کو سزا نہیں دے سکتیں‘ آپ کو اپنے لیے

زندہ رہنا ہے آپ کی ذات اہم ہے بہت سے لوگوں کے لیے بھی مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ نے اپنے فرض سے غفلت برتی' اس پہ آپ اللہ کو کیا جواب دیں گی' ذرا اپنے چہرے کو دیکھیں' ان سیاہ حلقوں کی طرف دیکھیں' ان ویران آنکھوں کو دیکھیں' آپ بہت ناانصافی کررہی ہیں اپنے ساتھ۔'' سورج مکھی نے حیرت سے اپنی براؤن آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

''میں اصل میں بہت مصروف ہوگیا تھا۔ اس لیے زیادہ چکر نہیں لگاسکا' اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ خود سے یہ سلوک کریں گی تو میں سب کچھ چھوڑ کر آجاتا' بزنس کی مجھے کوئی پروا نہیں' لیکن آپ خود کو اس حال تک پہنچالیں' یہ قطعاً میری برداشت سے باہر ہے؟'' وہ پورے غصے سے اس سے خفا ہورہا تھا۔ پورے استحقاق سے ناراض تھا۔

سورج مکھی سوچ رہی تھی بھلا اسے کیا فرق پڑتا ہے..... وہ کس حق سے اتنا ڈانٹ رہا ہے' اسے کیا میں مروں یا جیوں..... وہ دھیرے سے کھڑی ہوئی۔

''تم اتنے غصے میں کیوں ہو' تمہیں میری زندگی میں اتنا دخل دینے کا حق کس نے دیا' میں کچھ کھاؤں یا نہ کھاؤں' مروں یا جیوں' تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟'' عادل ایک دم بیک آؤٹ ہوا۔

''معاف کرنا..... میں شاید کچھ زیادہ کہہ گیا۔ لیکن یہ آپ نے کیوں کہا کہ مجھے فرق نہیں پڑنا چاہیے' میری اور آپ کی بچپن کی دوستی ہے..... ہے یا نہیں؟''

''ہونہہ دوستی ہے' اگر اتنی ہی دوستی تھی تو اتنے برس کہاں غائب رہے' دوستوں کو یوں چھوڑ کر تو نہیں جاتے۔''

''اوہ.....'' عادل کھل اٹھا۔ ''تو آپ میرے اتنا لمبا عرصہ غائب رہنے پہ ناراض ہیں؟''

''یہ بات نہیں.....'' وہ شرمندہ ہوئی۔ ''میں نے تو یونہی غصے میں کہہ دیا۔ ظاہر ہے تم نے پڑھنے کے لیے جانا ہی تھا۔ میں کون ہوتی ہوں ناراض ہونے والی۔'' عادل جواب میں جانے کیا کچھ کہہ دینا چاہتا تھا' شاید دل کے سارے راز کھول دینا چاہتا تھا لیکن بڑی مشکل سے صرف اتنا کہہ سکا۔

''میری دوست..... میری بچپن کی دوست کو حق ہے ناراض ہونے کا۔'' سورج مکھی خاموش رہی' تو عادل دوبارہ بولا۔

''یوں بھی میں نے سورج سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ کو کبھی میری ضرورت پڑی تو آپ کی مدد کروں گا۔ اب سورج اس دنیا میں نہیں رہا لیکن اس کی خواہش تو ہوگی کہ آپ اس کے لیے خود کو غم کے سمندر میں نہ ڈوبنے دیں' زندگی کی خوبصورتیوں سے منہ نہ موڑیں۔ کسی بھی طرح سہی خوش رہیں' تو میں سورج کی مدد کررہا ہوں' اس کے لیے مجھے آپ کو زندگی کی طرف لوٹانا ہے۔ پھر سے جینا سکھانا ہے' دنیا ایک سورج پہ ختم نہیں ہوجاتی۔''

''مجھے زندگی کی کوئی ضرورت نہیں' میں تو صرف اماں' تائی اور تائے کی خاطر زندہ ہوں۔''

''تم شاید اسے زندگی کہتی ہو' میں تو نہیں کہہ سکتا' یہ مرنے سے بدتر ہے..... دیکھو سورج مکھی..... مایوسی گناہ ہے اور زندگی بے حد خوب صورت' وہ خوب صورت تبھی ہو سکتی ہے اگر ہم اسے خوب صورت بنائیں' یہ پھول' جگنو' ستارے' چاند' یہ لہلہاتے سرسبز کھیت' جن کی خوشبو دور تک پھیلی ہے' یہ دریا' نہریں' یہ کنوؤں سے نکل کر تالابوں میں گرتا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی' آسمان سے برستے بارش کے قطرے یہ سب خوبصورتیاں اور نعمتیں ہیں اللہ کی ہیں' ان چیزوں سے مزہ لینا ہی اصل میں زندگی ہے' آنکھیں کھولو اور اپنے چاروں طرف دیکھو' خود کو زندگی کے حسن کے حوالے کردو' پھر دیکھنا آپ کیسے ہلکی پھلکی ہوجاتی ہیں' دل میں آس وامید کی کوئی ننھی سی کونپل پھوٹنے تو دیں' پھر دیکھیں وہ کیسے تناور درخت بنتی ہے۔''

''میرے لیے تو یہ سب خوب صورت چیزیں سورج کے ساتھ ہی ختم ہوگئیں.....'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''کسی کے جانے سے زندگی ختم نہیں ہوتی۔'' وہ بے حد نرمی سے بولا۔ اس کی نرم آواز جادو بخش تھی' کوئی بات تھی

اس آواز میں جو زخموں پہ مرہم کی طرح لگتی تھی۔

''سورج چلا گیا..... اس کی وفات ہوگئی' مگر آپ تو زندہ ہیں' دل میں امنگیں ہیں آرزوئیں ہیں' جب تک انسان کے جسم میں زندگی ہوتی ہے' امنگیں قائم رہتی ہیں' ان امنگوں کے سہارے زندہ رہنا آسان ہوجاتا ہے' کیا ہوا جو آپ کے خواب ٹوٹ گئے' آپ اپنے لیے نئے خواب پیدا کرلیں' امنگیں مرگئیں تو کیا ہوا' نئی امنگوں کو دل میں جگہ دیں' دل کو خالی نہیں رکھا جاسکتا' اللہ نے جو زندگی ہمارے لیے لکھ دی ہے' وہ ہمیں لازمی جینی ہے' چاہے رو کر گزاریں چاہے ہنس کر' پھر ہم رو رو کر زندگی کو اپنے لیے مصیبت کیوں بنالیں' جانے والے چلے جاتے ہیں لیکن پیچھے رہنے والے تو نہیں مرتے پھر وہ وقت سے پہلے خود کو مردہ کیوں تصور کریں' خود کو جیتے جی مار لینا گناہ ہے' اسلام میں صرف تین دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے۔''

جانے کیا سوچ کر سورج مکھی کا سر جھک گیا' عادل اس جھکے سر کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا۔

''اچھی ہے یا بری میری زندگی ہے' میرا جو دل چاہے گا کروں گی' تمہیں اس سے کیا؟''

''میں دوست ہوں آپ کا..... مجھے بہت فکر ہے آپ کی' اب جلدی سے چائے پلائیں اور کھانا بھی کھاؤں گا' وہ بھی آپ کے ہاتھ کا۔'' سورج مکھی نے گھور کر اسے دیکھا اور چائے بنانے چل دی۔

''آپ کو چاہیے خود کو کسی کام میں مصروف کرلیں تاکہ ہر وقت یادیں تنگ نہ کریں۔''

''تو تم چاہتے ہو میں سورج کو بھلادوں؟''

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ویسے ان یادوں کو بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے جو دکھ کا باعث ہوں اور زندگی کو ایک مرکز پہ کھڑا کردیں۔''

''میں سورج کو نہیں بھول سکتی۔'' سورج مکھی کا لہجہ مضبوط تھا۔

''بھولو مت' لیکن اس یاد کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا مت بناؤ۔'' وہ بھی مضبوطی سے بولا۔

''کیا مطلب..... تم بہت مشکل زبان بولتے ہو۔''

''میری مشکل زبان سمجھنے کے لیے آپ کو مزید پڑھنے کی ضرورت ہے۔'' وہ مطلب پر آگیا۔ ایک لمحہ کو وہ خاموش رہی۔

''سورج کی بھی یہی خواہش تھی۔''

''چلو تو ایسا کریں اس کی یاد میں خود کو برباد کرنے کی بجائے اس کی خواہش ہی پوری کردیں' اس طرح آپ کا بھی کچھ فائدہ ہوجائے گا۔''

''وہ کیسے.....؟''

''میں چاہتا ہوں آپ خود کو زیادہ اہمیت دیں' کیونکہ سورج محض ایک یاد ہے اور آپ ایک جیتی جاگتی خوب صورت زندگی سے بھرپور لڑکی ہیں۔ اگر آپ خود پہ توجہ نہیں دیں گی تو اپنی زندگی کو کیسے سنواریں گی' اتنی لمبی پہاڑ سی زندگی کسی یاد کے سہارے نہیں گزاری جاسکتی۔'' وہ سوچوں میں گم تھی۔ شاید عادل نے اسے سوچنے کے لیے ایک نیا پہلو عطا کیا تھا۔

''لیجیے پھوپو اب مجھے مزیدار سی چائے بھی چاہیے اور اپنی پسند کا کھانا بھی۔''

''ضرور پتر.....'' آج تائی بہت دنوں بعد افسردگی کے خول سے باہر نکلی تھیں۔ ''تم بیٹھ جاؤ اس موڑھے پہ میں خود تمہارے لیے کھانا پکاؤں گی۔''

''نہیں پھوپو' کھانا تو میں سورج مکھی کے ہاتھ کا کھاؤں گا' سنا ہے بہت مزیدار کھانا پکاتی ہے' ذرا میں بھی تو ٹیسٹ کروں' بات ٹھیک ہے یا بس یونہی چرچے ہیں۔'' سورج مکھی نے غصے سے گھور کر اسے دیکھا اور چائے پکانے چلی گئی' عادل مسکرادیا' یہ ہی تو وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے خول سے باہر نکلے' تھوڑی دیر میں وہ چائے کا کپ لیے آئی تو تائی بسکٹ منگوا چکی تھیں' اماں بھی باہر آگئیں' وہ چائے رکھ کر جانے لگی تو بول اٹھا۔

''آپ کہاں جارہی ہیں؟''

''میں یہیں ہی ہوں تم چائے پیو۔''

''اکیلے ہی..... مجھے اکیلے چائے پینا بالکل پسند نہیں'

آپ کو ساتھ دینا ہوگا۔“
”لیکن..... میں تو۔“
”لیکن ویکن کچھ نہیں‘ آپ کو دیکھ کر لگ رہا ہے اس چائے اور بسکٹ کی مجھ سے زیادہ آپ کو ضرورت ہے۔ کیوں خالی آپ اسے فاقہ کیوں کروا رہی ہیں۔“
”دیکھو مجھے مجبور نہ کرو‘ میرا دل کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا۔“
”تو پھر یہ سب لے جائیں اور پانی میں بہا دیں‘ میں نہیں پیوں گا۔“ سورج مکھی نے بے بسی سے اسے دیکھا اور مجبوراً اپنی چائے بھی لے آئی۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکرایا تو وہ جل ہی تو گئی۔ پھر اسے بسکٹ بھی کھانے پڑے اور چائے بھی پینی پڑی۔ چائے پینے کے بعد وہ بولا۔
”پھر آج کیا کھلا رہی ہیں؟“ وہ چپ رہی۔ اس سے تھوڑی ناراض جو تھی۔ وہ جب سے آیا تھا اس کے ساتھ زبردستی کر رہا تھا۔ اس کی تنہائی میں مخل ہو رہا تھا۔
”اچھا یہ بتائیں سورج کو کیا پسند تھا؟“ سورج مکھی نے چونک کر اسے دیکھا۔ رنگ ایک دم اڑا تھا۔
”تو آپ کو پتہ ہی نہیں سورج کو کھانے میں کیا پسند تھا۔“ اسے خاموش دیکھ کر اس نے بغور اسے دیکھا۔
”کیوں نہیں پتہ۔“ وہ تنک کر بولی۔
”پھر بتائیں ناں.....“ وہ شرارت سے مسکرایا۔
”سورج کو قیمہ مٹر پسند تھا‘ کوفتے بھی شوق سے کھاتا تھا۔“
”واہ کیا حسین اتفاق ہے۔“ وہ خوش دلی سے مسکرایا۔
”مجھے بھی یہ دونوں چیزیں بہت پسند ہیں۔ اگر آپ کچھ نہ بتاتیں تو میں یہی فرمائش کرنے والا تھا۔ بس تو پھر طے ہے ناں یہی دونوں چیزیں پکیں گی اور ہم سورج کے ساتھ مل کر کھائیں گے۔“
”سورج کے ساتھ.....“ اس کا رنگ فق ہوا۔
”بھئی جب ہم سورج کی اور میری پسندیدہ ڈشز کھاتے ہوئے اس کی باتیں کریں گے تو سمجھو وہ بھی کھانے میں شامل ہوا ناں؟“ عادل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا‘ سورج مکھی بے اختیار مسکرا اٹھی اور عادل کو اپنی محنت وصول ہوگئی۔
عادل فوراً قیمہ لے آیا‘ اس نے فوراً ہانڈی چڑھائی‘ تائی تھک گئی تھیں اماں انہیں سہارا دے کر اندر لے گئیں۔ سورج کے بعد وہ بے حد کمزور ہوگئی تھیں۔ سورج مکھی نے جلدی جلدی سب کام نمٹائے اور پھر جانے کیا سوچ کر اندر سے سورج کی کتابیں نکال لائی اور عادل کے سامنے رکھ دیں۔
”یہ کیا ہے؟“
”یہ سورج کی کتابیں ہیں..... ایف اے کی..... ابھی کچھ دن پہلے ہی نکالی تھیں۔“
”تو آپ کا ارادہ ہے آگے پڑھنے کا.....؟“
”پتہ نہیں.....“ وہ کنفیوز تھی۔ ”ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا۔“
”ان شاء اللہ آپ سب کرلیں گی‘ مجھے پورا یقین ہے۔“ وہ مضبوط لہجے میں بولا اور پھر یونہی سرسری انداز میں کتابوں کو اٹھا کر دیکھنے لگا۔ تبھی سوج کی وہ تصویر گر پڑی‘ جو فائزہ نے واپس کی تھی‘ عادل نے جھک کر تصویر اٹھائی۔ عادل نے غور سے تصویر کو دیکھا اور پھر اس کے نیچے لکھی تحریر کو دھیرے سے دھرایا۔
”الفت دیوتا.....“ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ بدلا..... بلکہ سورج مکھی کو یوں لگا جیسے سارے رنگ اس چہرے سے رخصت ہوگئے ہوں..... آنکھوں کی خوب صورت جوت ماند پڑ گئی ہو..... اس نے جلدی سے کتابیں اکٹھی کیں اور اندر جانے لگی۔
”اپنی تصویر تو لیتی جائیں.....“ عادل مدھم سنجیدہ آواز میں بولا تو سورج مکھی نے غور سے اسے دیکھا اور تصویر تھام لی‘ پھر کتابیں وہیں رکھ کر بیٹھ گئی اور تصویر کو غور سے دیکھنے لگی‘ عادل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
”تمہیں پتہ ہے یہ تصویر مجھے کس نے دی؟“
”یہ کون سا مشکل سوال ہے۔“ عادل کی آواز پھیکی تھی۔

''مشکل تو نہیں ہے' لیکن تم قیامت تک اس کا صحیح جواب نہیں دے سکتے۔'' عادل نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تو کیا سورج نے نہیں دی؟''

''نہیں' یہ اسکول کی ماسٹرنی نے مجھے دی تھی اور نیچے یہ الفت دیوتا بھی اسی نے لکھا ہے۔'' عادل ہکا بکا اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ کہتی تھی سورج کا دیوتا اپالو ہوتا ہے' اپالو بہت خوب صورت تھا' لیکن میں سورج کو الفت دیوتا کا نام دوں گی' کیونکہ وہ سورج سے محبت کرتی تھی۔'' عادل ساکت بیٹھا یہ انکشافات سن رہا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے سورج ماسٹرنی سے شادی کرنا چاہتا تھا' اسی وجہ سے آخری دنوں میں تائے کی اس کے ساتھ ان بن چل رہی تھی؟''

''اور آپ..... آپ کو تو بہت دکھ ہوا ہوگا؟''

''نہیں تو..... مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا' مجھے تو بس اس بات سے فرق پڑتا تھا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ وہ کسی سے بھی شادی کرے' لیکن میرے دل میں جو محبت تھی' وہ تو کوئی نہیں چھین سکتا تھا۔'' عادل حیرت زدہ اس کی باتیں سن رہا تھا اور اسے سورج مکھی کسی وفا کی دیوی کی مانند لگ رہی تھی۔

''پھر ماسٹرنی نے تصویر کیوں واپس کی؟''

''پتہ نہیں..... '' سورج مکھی نے شانے اچکائے۔

''کہتی تھی اب اسے اس کی ضرورت نہیں رہی۔'' وہ کتابیں اور تصویر اندر لے گئی' کھانا تیار ہو چکا تھا۔ سب نے مل کر کھایا' لیکن عادل نے جو سورج کی باتیں کرنے کا پروگرام بنایا تھا وہ بیچ میں ہی رہ گیا۔ وہ اور سورج مکھی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ عادل تو دم بخود تھا' آخر سورج کو ماسٹرنی سے کیسے محبت ہوگئی' اس نے سورج مکھی کے ساتھ ایسا کیوں کیا..... ان دونوں کی شادی تو بچپن سے طے تھی اور یہ دونوں کو معلوم تھا۔ اگر سورج مکھی سورج کی دیوانی تھی تو سورج بھی اسے عزیز رکھتا تھا۔ پھر بیچ میں ایسا کیا ہوا کہ اسے سورج مکھی کا دل توڑنا پڑا' لیکن سورج مکھی کا دل تب تو سلامت ہی رہا تھا' توڑا تو اسے سورج کی موت نے تھا' کہیں نہ کہیں کوئی ایسی کڑی ہے جو بیچ میں سے غائب ہے' پزل کا کوئی ایسا ٹکڑا ہے جو کہیں گم ہوگیا ہے۔ کھانے کے بعد وہ دونوں بیٹھے تھے کہ اچانک عادل نے سوال کیا۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''سو پوچھو۔''

''تم مجھے آپ کیوں کہتے ہو؟ حالانکہ تم سے پوری پانچ سال چھوٹی ہوں۔'' عادل بھرپور طریقے سے مسکرایا۔

''ایک بات میں بھی پوچھوں؟''

''ہاں۔''

''آپ مجھے ہر وقت تم کیوں کہتی ہیں' حالانکہ میں پورے پانچ سال بڑا ہوں۔'' سورج مکھی کھلکھلا کر ہنس دی۔ عادل نے گھوم کر حیرت سے اسے دیکھا' آج وہ پہلی بار کھل کر مسکرائی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی ہنس رہی تھیں۔ ہونٹ بھی مسکرا رہے تھے۔

''اصل میں گاؤں میں تو ایسے ہی بولتے ہیں سب اس لیے میں بھی تم کہہ لیتی ہوں۔ میں نے تو کبھی غور ہی نہیں کیا' سورج کو بھی تم ہی کہتی تھی' حالانکہ وہ دس سال بڑا تھا۔''

''تو اب غور کرلو.....'' وہ محظوظ ہوا اور دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جھینپ گئی۔

''چلو ایک ڈیل کرتے ہیں۔ تم مجھے آپ کہا کرو اور میں تمہیں تم کہوں گا' کیا خیال ہے؟''

''خیال تو ٹھیک ہے' لیکن ذرا وقت لگے گا' میری تو عادت بہت پکی ہے۔''

''لیکن میں بہت آسانی سے کہہ لوں گا' تمہیں تم کہنے سے زیادہ اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔''

''آپ.....'' وہ کوشش کرکے مسکرائی۔ ''واپس کب جارہے ہیں؟''

''کیوں بڑی جلدی ہے مجھے واپس بھیجنے کی.....؟'' وہ بے ساختہ بولا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔

''میری موجودگی تمہیں پسند نہیں۔''

''پسند ہے' بہت پسند ہے' دل بہلا رہتا ہے' وقت

جلدی کٹ جاتا ہے۔" وہ سادگی سے مسکرائی۔ "میں تو یونہی بات کرنے کی غرض سے کہہ رہی تھی۔"

"کوئی اور موضوع نہیں رہا تمہارے پاس...... میں تو سمجھ رہا تھا سورج کی باتوں کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ ہے تمہارے پاس۔"

"ہاں میں بھی یہی سمجھتی تھی، لیکن سارے ذخیرے آخر کبھی نہ کبھی تو ختم ہوجاتے ہیں اگر ان میں کچھ نیا نہ ڈالا جائے اور سورج کی یادوں کا تو بس اتنا ہی ذخیرہ ہے جتنی اس کی زندگی تھی، بار بار ایک ہی بات دہرانے سے کیا فائدہ؟" وہ افسردہ ہوئی۔

عادل سانس روکے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی معصومیت اور سادگی میں سورج کی باتیں کررہی تھی...... کتنی دیر وہ ساکت کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

"آپ اتنے خاموش کیوں ہیں۔" وہ رہ نہ سکی۔

"وہ میں کچھ سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے؟"

"یہی کہ تم مجھے جب کہو میں بہت خوشی سے آیا کروں گا۔" سورج مکھی نے جھجک کر اسے دیکھا۔

"سورج بہت اچھا انسان تھا۔ دنیا میں اور بھی اچھے انسان ہوں گے اس سے اچھے نہ سہی اس جیسے تو ہوں گے، ہوسکتا ہے اللہ نے تمہارے زندگی میں کوئی اور اچھا انسان لکھا ہو۔" سورج مکھی بالکل خاموش اسے دیکھتی رہی تھی۔

"تم کیا جانو...... اللہ نے تمہاری قسمت میں کسے لکھا ہے...... کیونکہ جوڑیاں تو اوپر والا بناتا ہے، ہمیں اس کی چوائس پہ لبیک کہنا ہوتا ہے، تنا تو ماننی ہوناں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو...... میرا مطلب ہے آپ...... لیکن ابھی میرا دل نہیں مانتا...... میرا دل ایسی کوئی بات سوچنا بھی نہیں چاہتا...... مجھے لگتا ہے ایسا سوچوں گی تو بے وفائی ہوگی۔"

"بے وفائی تو اس نے کی تمہارے ساتھ...... ماسٹرنی سے محبت کرکے۔"

"اس نے کی تو کیا میں بھی وہی کروں؟"

"ٹھیک ہے، ابھی مت سوچو اس بارے میں، لیکن آگے پڑھائی کے بارے میں تو سوچو۔" سورج مکھی خاموش رہی۔

"تمہارے پاس جو کتابیں ہیں انہیں پڑھا کرو...... چھ ماہ بعد ایف اے کے امتحان ہونے والے ہیں، وہ تم پرائیویٹ دے لینا، اس کے بعد میں شہر کے کالج میں تمہارا بی اے میں ایڈمیشن کروادوں گا۔"

"شہر......!" وہ حیرت زدہ کھڑی ہوگئی...... "آپ کا مطلب ہے میں تائی، تائے، اماں اور سورج کو چھوڑ کر شہر چلی جاؤں...... میرے پیچھے سے سورج کا کیا ہوگا؟"

"یقین کرو کچھ نہیں ہوگا؟ وہ یہیں موجود رہے گا۔"

"مجھے پتہ ہے وہ کہیں نہیں جائے گا؟" وہ غصے سے بولی۔ "لیکن میں اسے دیکھے بغیر کیسے زندہ رہوں گی؟"

"تم کہاں دیکھتی ہو اسے؟" عادل سنجیدگی سے بولا۔

"اس کی یادیں ہے یہاں، اس کی باتیں ہیں، اور سب ہی کچھ تو ہے یہاں، اسی سے مجھے سکون حاصل ہوجاتا ہے۔"

"تو ایسا کرو اس کی قبر پہ ایک خوب صورت مقبرہ بنوالو اور وہاں مجاور بن کر بال کھول کر بیٹھ جاؤ...... لوگ اپنی منتیں اور مرادیں مانگنے آیا کریں گے تمہارے پاس، اپنی مراد تو تمہاری پوری نہیں ہوئی دوسروں کی سہی۔"

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" اس نے بڑی بڑی براؤن چھلکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"نہیں سورج مکھی......" وہ ایک دم نرم ہوا۔ "میں تمہارا مذاق کیوں اڑاؤں گا میں دوست ہوں تمہارا، ہمدرد ہوں، میں چاہتا ہوں تم خوابوں کی دنیا سے نکل آؤ اور حقیقت کا سامنا کرو، سورج جا چکا ہے، تم کچھ بھی کرلو وہ واپس نہیں آئے گا، تم اس کی وجہ سے اپنی زندگی برباد نہ کرو۔"

"میری زندگی سورج کی وجہ سے برباد نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کی وجہ سے آباد ہے، مجھے سمجھ میں نہیں آتا آپ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں، سورج مر چکا ہے اب اس کی وجہ سے مجھے کیا نقصان ہوسکتا ہے، اچھی بھلی ہماری

زندگی گزر رہی تھی لیکن آپ نے آکر پُرسکون ٹھہرے پانی میں کنکر پھینک دیا۔ بے سکون کررہے ہیں خوامخواہ۔"

"سورج مکھی میری بات سمجھنے کی کوشش کرو' پانی اگر زیادہ دیر ٹھہرا رہے تو بدبودار ہو جاتا ہے' اسی طرح زندگی کو ساکن نہیں کیا جاسکتا زندگی میں بھی حرکت اور تبدیلی بہت ضروری ہے اور تمہاری ابھی عمر ہی کیا ہے' تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں' اس کے بجائے تم غم میں ڈوبی رہتی ہو' سارا دن گھر میں بیٹھی ایک ہی روٹین سے زندگی کو زنگ لگ جاتا ہے' تمہیں تو ابھی بہت لمبا سفر کرنا ہے اور سورج کے علاوہ تم کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تو تمہیں اتنا لمبا سفر طے کرنے کے لیے زادراہ کی ضرورت ہے' کچھ بننے کی ضرورت ہے' تم اپنی پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کرلو۔"

"اور اس میں آپ کا کیا فائدہ ہے' جو آپ اپنی اتنی طاقت صرف کررہے ہیں مجھے راضی کرنے کے لیے۔ آپ کو اتنی پروا کیوں ہے کہ میرا سفر کیسا کٹتا ہے' کیسے نہیں کٹتا؟" عادل ایک دم کھڑا ہو گیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آج مجھے ایک بار ہی بتادو؟"

"کیا بتادوں؟"

"کہ مجھے کتنی بار تمہیں بتانا پڑے گا' کہ میں تمہارا دوست ہوں اور دوست ہونے کے ناطے تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں' ویسے بھی میں خوب صورت لوگوں کو ضائع ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔" وہ شرارت سے بولا تو اس نے بھی مصنوعی حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔

"کون سے خوب صورت لوگ' یہاں تو کوئی نہیں۔" وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور اس کے مذاق سے بے حد محظوظ ہوا' اگلی صبح اس نے اپنے بیگ سے ایف اے کے ایگزام کے لیے فارمز نکالے تو وہ حیران ہوئی۔

"تو آپ پکا ارادہ کرکے آئے تھے کہ مجھے امتحان ضرور دلوائیں گے۔"

"بالکل پکا ارادہ....." وہ فارم فل کروا کے تائی اور تائے کو اللہ حافظ کہہ کر باہر آیا تو شنو نے اپنے گھر سے نکل کر اس کا پیچھا کیا۔

"میری بات سن کر جاؤ عادل بابو۔" وہ رک گیا۔ "تم سورج مکھی کے ساتھ کیا کررہے ہو؟" وہ تیکھے انداز میں بولی۔

"کیا کررہا ہوں؟" عادل معصومیت سے بولا۔

"دیکھ بابو' سورج مکھی بہت دکھی ہے' اس کی دنیا لٹ گئی ہے' مجھے امید ہے تم اسے جھوٹی آس دلا کر اور دکھی نہیں کرو گے۔" عادل بے اختیار مسکرا دیا۔

"تم جیسی وفادار سہیلی کے ہوتے ہوئے کوئی سورج مکھی کو کیسے دکھ دے سکتا ہے؟"

"پھر تم کیا کرنے آتے ہو یہاں۔"

"شاید تم جانتی نہیں کہ میں اپنی پھوپو کے گھر آتا ہوں' انہیں دلاسا دینے۔"

"اور تمہارا سارا وقت تو سورج مکھی کو دلاسا دیتے گزرتا ہے' تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔"

"میری توبہ جو ایسی جرأت کروں....." عادل نے شرارت سے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"میں مذاق نہیں کررہی بابو۔"

"دیکھو..... میں تمہاری سہیلی کو ماضی سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لانے کی کوشش کررہا ہوں' اسے دوبارہ خوش رہنے کے لیے تیار کررہا ہوں' تو اس میں غلط کیا ہے۔"

"مگر تم ایسا کیوں کررہے ہو۔ کیا مقصد ہے تمہارا؟"

"کیا صرف اچھی نیت اور انسانیت کے ناطے ایسا نہیں کیا جاسکتا؟"

"آج کل اپنے مطلب کے بغیر کون کسی کے کام آتا ہے' تم بھی اصل مقصد مجھے بتادو تو اچھا ہے۔"

"میں اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں اور بس۔"

"کیوں خوش دیکھنا چاہتے ہو' کوئی تو وجہ ہوگی اس کی؟"

"کیا مطلب.....!" وہ حیران ہوا۔

"تمہیں شاید اس کا جواب معلوم نہ ہو پر مجھے معلوم ہے۔" شنو نے آنکھیں مٹکائیں۔ عادل نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ "اگر چاہو تو تمہیں بھی بتادوں۔" عادل ابھی بھی خاموش رہا اور بے حد غور سے اسے دیکھا۔

"اس کا جواب اتنا مشکل بھی نہیں بابو تمہارے چہرے پہ لکھا ہے کہو تو آئینہ دکھادوں۔" شنو شوخی سے اسے دیکھ کر بولی۔ عادل نے کنفیوز ہو کر اسے دیکھا تو وہ ذرا اور قریب آئی۔

"تم سورج مکھی سے محبت کرنے لگے ہو..... ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔" عادل نے کوئی جواب نہ دیا' سنجیدہ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اب وہ اسے کیسے بتاتا کہ وہ تو نجانے کب سے اس سے محبت کرتا آرہا ہے' اس کی محبت لہو بن کر رگوں میں گردش کر رہی ہے' اسی محبت کی وجہ سے وہ راستے سے ہٹا تھا اور اب اسی محبت کی وجہ سے واپس آیا ہے' اس کے دکھ سمیٹنے کے لیے' اس کا درد اپنے دل میں بسانے کے لیے' اس وقت شہر جاتے ہوئے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بہت طاقتور مقناطیس سے اپنی پوری قوت صرف کر کے دور جارہا ہو ورنہ اس تک پہنچنے کے لیے تو کچے دھاگے بھی کافی تھے۔

راستے میں بچوں کو اسکول جاتے دیکھا تو وہ بھی ساتھ ہولیا' اسکول کے دروازے پہ پہنچ کر اس نے مس فائزہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی' اس کا دل اور ذہن الجھن کا شکار تھے جو فائزہ ہی دور کر سکتی تھی' عادل کے خیال کے مطابق سورج کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ سورج مکھی کو چھوڑ کر فائزہ کی محبت میں گرفتار ہو جاتا اور فائزہ نے واقعی اس بات کی تصدیق کردی' سورج نے اپنی چچا کی موت کا بدلہ چوہدری سے لینا تھا اور اس بدلے میں اس کی اپنی جان بھی جاسکتی تھی' اس لیے وہ سورج مکھی کو جھوٹی آس نہیں دلانا چاہتا تھا' اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ جھوٹی محبت کا کھیل کھیل کر اسے خود سے متنفر کردیتا' اسے کیا معلوم کہ سورج مکھی کی محبت وصل کی زنجیروں سے آزاد تھی' اسے بدلے میں کچھ نہیں چاہیے تھا' فائزہ نے اس سے التجا کی کہ وہ سورج مکھی کو کبھی یہ بات نہ بتائے۔

"اگر اسے پتہ چل گیا کہ سب جھوٹ تھا اور اصل میں سورج کو سورج مکھی سے ہی محبت تھی تو وہ جواب بڑی مشکل سے سنبھلی ہے پھر سے غم کے سمندر میں ڈوب جائے گی اور اب کے اس سے نکلنا زیادہ مشکل ہوگا۔" وہ وعدے کے ساتھ باہر آیا تو دوبارہ شنو کی جھلک نظر آئی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو بابو۔" شنو کی نظریں بے حد مشکوک تھیں۔

"تم سورج مکھی کی سہیلی ہو یا جاسوس؟" اسے ہنسی آ گئی۔

"تم میرے سوال کا جواب دو؟" وہ تھانیدارنیوں کی طرح رعب سے بولی۔

"بھئی مجھے کام تھا یہاں ......اب میں اپنا ہر راز تو تمہیں نہیں بتا سکتا۔" وہ مسکراتا ہوا چلا گیا تو وہ کتنی دیر اسے جاتے دیکھتی رہی پھر اندر چلی گئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

عادل کی پھوپو نذیراں بالکل ان پڑھ تھیں' اس زمانے میں تو لڑکیوں کے لیے اسکول کا نام لینا بھی ممنوع تھا لیکن نذیراں کے باپ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خوب پڑھایا تھا' اس کی وجہ سے بعد میں شہر منتقل ہو گئے تھے۔ نذیراں کی شادی تو سولہ سال کی عمر میں ہی کردی تھی' بیٹے کی شادی شہر کی ایک پڑھی لکھی لڑکی سے کردی۔ ان کا اپنا سرجری کے آلات کا کاروبار تھا جو خوب چل نکلا تھا۔ زندگی آسودگی سے گزر رہی تھی' عادل اور اس کی دونوں بہنیں بھی پڑھ رہی تھیں' عادل کے پاپا محمد افضل کی خواہش تھی وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور کسی باہر کی اچھی یونیورسٹی سے بہترین ڈگری حاصل کرے عادل نے ان کی خواہش کو پورا کیا تھا یوں بھی وہ سورج مکھی کی یاد سے بچنا چاہتا تھا' اس لیے اس سے دور چلا گیا تھا' لیکن وہاں بھی کوئی ایسا پل نہیں تھا کہ وہ اسے یاد نہ آئی ہو' ہاں جب جب وہ یاد آتی دل میں درد سا ہونے لگتا' تشنگی بڑھ جاتی' یہ سوچ ہی کتنی تکلیف دہ تھی کہ وہ کسی اور کا مقدر ہے لیکن پھر آہستہ آہستہ اسے قرار آ گیا'

محبت صرف وصل کا نام تو نہیں' کیا ہوا اگر وہ اس کا نصیب نہیں' اس کے دل نشین وجود نے اس کے دل کا ہر کونہ روشنی سے منور کر رکھا ہے' اس کے بارے میں آنے والے ہر خیال کے ساتھ دل میں ایک پھول کھل جاتا ہے' اس کا دل ایک ایسا گلزار بن گیا تھا جو ہر وقت سورج مکھی کے احساس سے مہکتا رہتا تھا اور جب اسے سورج کی موت کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا خیال دل میں جو آیا وہ سورج مکھی اور اس کے غم کا تھا' وہ بے اختیار ہی کھنچا چلا آیا' یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ اسے غم سے نمٹنے کے لیے تنہا چھوڑ دیتا' وہ تو اس کے سارے غم و درد اپنی جھولی میں سمیٹ لینا چاہتا تھا' سورج مکھی بے حد سلجھی ہوئی عادات کی مالک تھی' اس کی شخصیت میں ایک وقار اور تمکنت تھی' پورے پانچ سال کے بعد اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا۔ غم کے احساس نے اس کے چہرے کو ایسا سوز عطا کیا تھا جس نے اس کی کشش میں بے پناہ اضافہ کردیا تھا' چہرے کو کندن بنادیا تھا' دل کے سوئے تقاضے پھر سے جاگ اٹھے تھے۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ اسے زندگی کی طرف لوٹائے گا' ان ہی تقاضوں کے ہاتھوں مجبور وہ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرکے اس کی شخصیت کو چار چاند لگانا چاہتا تھا' وہ ایف اے کا امتحان دے لیتی تو اسے زبردستی شہر کے کالج میں ایڈمیشن دلوانا تھا اور وہ یہ جانتا تھا کہ یہ مشکل ترین مرحلہ ہوگا' وہ سورج اور اس کے گاؤں کو چھوڑ کر جانے کے لیے کیسے راضی ہوگی' یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

❁ ❁ .... ❁ .... ❁ ❁

ایف اے کے امتحان کی تیاری مشکل تھی' بار بار دھیان سورج کی طرف منتقل ہوتا' تائی' تائے اور اماں کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگتی' کبھی کبھی عادل کا خیال بھی آجاتا تو لب ذرا کے ذرا مسکرا دیتے پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہوجاتی' آہستہ آہستہ پڑھائی میں دل لگنے لگا' دل بہلنے لگا' اماں نے اس کی بھرپور مدد کی' سارے کام اپنے ذمے لے لیئے' تایا اور تائی تو کسی قابل نہ رہے تھے' عادل جاتے جاتے ان کی زمینیں ایک قابل بھروسہ جوان کے سپرد کرگیا تھا وہ سورج کا دوست بھی تھا اور محنتی انسان بھی' اس طرح روزگار کا مسئلہ بھی حل ہوگیا اور زمینیں بھی محفوظ ہوگئیں' ورنہ بہت سے لوگ تھے جو بے آسرا سمجھ کران پہ قبضہ کرنا چاہتے تھے' ہر طرف سے مطمئن ہوکر وہ یکسوئی سے پڑھائی میں مشغول ہوگئی۔ اکثر شنو بھی آکر اسے چائے پکا کردے دیتی اور ثریا کے ساتھ کام بھی کروا دیتی' عادل اس عرصے میں ایک بار بھی نہیں آیا' وہ اس کی یکسوئی میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا' حالانکہ سورج مکھی نے کئی بار سوچا کہ کاش وہ آجاتا تو وہ اس سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھ لیتی جو اسے نہیں آتی تھیں' عادل نے ان دنوں پوری توجہ اپنے کاروبار کی طرف مبذول کررکھی تھی۔ لیکن سورج مکھی کے خیال سے کبھی غافل نہیں رہا تھا۔ گاؤں میں ایک دو اور لڑکیاں بھی پرائیویٹ امتحان دے رہی تھیں' امتحانوں کے دنوں میں تائے نے ان کو پرائیویٹ تانگہ لگوادیا تھا' عادل کو سورج کے دوست ارشد کی زبانی سب معلومات ملتی رہتی تھیں' ایک دوبار اس نے اپنی گاڑی میں چھپ کر سورج مکھی کو دیکھا اور اپنی آنکھوں میں اس کا چہرہ جذب کیا۔ پھر امتحان ختم ہوئے تو ڈھائی ماہ رزلٹ کا انتظار کرنا تھا' جیسے ہی رزلٹ آیا اگلے دن عادل مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ موجود تھا۔

''بہت بہت مبارک ہو سورج مکھی' تم نے تو کمال کردیا۔'' وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ ''پھوپو آپ کو بھی مبارک ہو اور خالہ آپ کو بھی۔''

''یہ سب تمہاری مہربانی ہے بیٹا' ورنہ ہم تو کچھ نہ کرسکتے۔'' عادل نے مسکراتی نظروں سے سورج مکھی کی طرف دیکھا۔

''اماں اور تائی ٹھیک کہہ رہی ہیں' آپ نہ ہوتے تو یہ ممکن نہیں تھا۔''

''تو پھر میرا شکریہ تو ادا کرو۔'' سورج مکھی اسے دیکھ کر رہ گئی' زبان نے ساتھ نہ دیا۔

''بھئی اچھی سی چائے پکا کر شکریہ ادا کرو۔ اتنی دور سے آیا ہوں اور ایسے کھڑی ہو جیسے کوئی بت ہو' میں نے تو سنا تھا

گاؤں کے لوگ بہت مہمان نواز ہوتے ہیں۔'' وہ خوامخواہ شوخ ہورہا تھا۔ وہ بوکھلا کر مڑی اور کچن کی طرف چل دی۔ چائے لے کر آئی تو دو کپ لانا نہ بھولی' پچھلی بار اس نے اکیلے پینے سے انکار کردیا تھا۔ وہ دو کپ دیکھ کر بھرپور طریقے سے مسکرایا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے میری باتوں کو یاد رکھنا شروع کردیا ہے۔''

''آپ کی مہربانی کا کچھ تو صلہ ہونا چاہیے تھا۔'' وہ بھی بے ساختہ بولی۔

''صلے کے بارے میں بعد میں فیصلہ کریں گے۔'' وہ کسی شہنشاہ کی مانند سینے پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ تائی' تایا اور ثریا مسکراتے ہوئے اس کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ چائے پی کر وہ بولا۔

''میں رات کو بریانی کھاؤں گا۔ پھوپو بتارہی تھیں تمہارے جیسی بریانی کوئی نہیں پکاتا۔''

''ضرور ملے گی۔'' وہ سخاوت دکھاتے ہوئے بولی۔

وہ بریانی پکانے چلی گئی تو وہ کتنی دیر تینوں بزرگوں سے باتیں کرتا رہا۔ مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا رہا' رات کا کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا' عادل کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جبکہ وہ خاموش پرسوچ نظروں سے گاہے بگاہے اس کے چہرے پہ نظر ڈال لیتی' جیسے ہی عادل دیکھتا نظریں اپنی پلیٹ پہ ڈال دیتی' عادل اس آنکھ مچولی سے محظوظ ہورہا تھا۔

''چائے پئیں گے؟'' کھانا ختم کرنے کے بعد اس نے آہستہ سے پوچھا۔ دل کو جانے کیسا انجانا سا دھڑکا لگا تھا۔ چائے کے بعد عادل بولا۔

''اب ذرا صلے کی بات ہوجائے۔'' وہ ٹھٹکی۔ تائی تائے اور ثریا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ سورج مکھی کے حلق میں کچھ اٹکنے لگا۔ عادل نے اپنے بیگ سے چند کاغذات نکالے۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ گھبرا کر بولی۔

''یہ بی اے میں ایڈمیشن کے پیپرز ہیں۔ اب تمہیں شہر جانے کی تیاری کرنی ہے۔'' وہ ایک دم اٹھ کر کھڑی ہوگئی' بے حد سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''بس بہت پڑھ لیا' مجھے اور نہیں پڑھنا۔''

''اچھا..... تو تمہیں اور نہیں پڑھنا۔''

''نہیں۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

''یعنی پڑھنا نہیں' دوسرا کام کرنا ہے۔'' وہ بھی سینے پہ بازو لپیٹ کر کھڑا ہوگیا۔

''کون سا دوسرا کام؟''

''شادی..... یا تو پڑھنا ہے یا پھر شادی کرنی ہے۔ خالہ کوئی اچھا سا لڑکا تلاش کریں اس کے لیے' یہ تو شادی کرنا چاہتی ہے۔''

''چپ رہیں آپ.....'' وہ غصے سے بولی۔ ''نہ پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ شادی کرلو۔ میں گھر میں رہ کر اماں' تائی اور تائے کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔''

''ان لوگوں سے بھی پوچھا ہے کہ وہ تمہیں گھر میں رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں' میں جانتی ہوں۔'' اس کی آواز بھیگ گئی۔

''میری بیٹی کسی پہ بوجھ نہیں ہے۔'' تائی آبدیدہ ہوگئیں۔ ''اگر آج سورج زندہ ہوتا تو کسی کی مجال تھی کہ اسے بوجھ سمجھتا۔''

''دیکھا..... رلا دیا نا تائی کو..... بہت برے ہیں آپ۔'' اس نے تائی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''بس یہ باتیں ختم کریں' میں کہیں نہیں جانے والی۔''

''دیکھو بیٹی۔'' ثریا بھی گفتگو میں شامل ہوئی۔ ''اگر شادی نہیں کرنی تو عادل کی دوسری بات مان لو' شہر میں داخلہ لے لو' فارغ بیٹھنا اچھا نہیں۔''

''یہ ہوئی بات.....'' عادل خوش ہوا۔ ''خالہ آپ کتنی عقل مند ہیں۔''

''اماں آپ بھی؟'' اسے صدمہ پہنچا۔

''ہاں ہم سب چاہتے ہیں کہ تم شہر کے کالج میں داخلہ لے لو۔''

"میں نہیں جانے والی سب سن لیں۔"

"سورج کو چھوڑ کر....." عادل نے لقمہ دیا۔

"آپ جو دل چاہے سمجھیں، میں سب کو اور گاؤں کو چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔"

"گاؤں چھوڑنے کو کون کہہ رہا ہے وہاں پہلے بی اے کرنا، پھر ماسٹرز کرنا اور پھر واپس آجانا۔ ورنہ وہیں جاب کرلینا، تائی، تائے اور خالہ بھی وہیں شفٹ ہوجائیں گے۔"

"اور سورج..... آپ چاہتے ہیں ہم سورج کو اکیلا کردیں؟" وہ تڑپ کر بولی۔

"اسے اللہ نے اکیلا کیا ہے سورج مکھی، اس کی قسمت میں یہی تھا، اتنی ہی زندگی لکھوا کر لایا تھا، تم بار بار سورج کا ذکر کرکے پھوپو کو آزردہ کررہی ہو..... پلیز سوچو ذرا تمہارے مزید پڑھنے سے سورج کی روح کو کتنا سکون ملے گا، تمہیں یہ بات کیوں سمجھ نہیں آتی۔ تمہیں پہاڑ سی زندگی جینی ہے اور اگر شادی بھی نہیں کرنی تو ہاتھ میں کوئی ہنر، کوئی وسیلہ ہونا چاہیے، جو تمہیں مصروفیت عطا کرے، اس ہنر کو دوسروں میں منتقل کرکے خوشی ہو، چراغ سے چراغ چلانا سیکھ لوگی تو خوشیاں تمہارا مقدر بن جائیں گی..... تمہیں سکون بھی ملے گا اور وقت بھی کٹ جائے گا۔" اگلے روز عادل چلا گیا اور اس کے لیے سوچ کے نئے دروا کرگیا تھا، کاغذات سورج مکھی نے بھر دیئے تھے۔ انہیں عادل نے جمع کرانا تھا، تائی اور تائے نے اسے بہت سمجھایا، اماں تو پہلے ہی یہی چاہتی تھیں، شنو نے بھی تھوڑا بہت اپنا حصہ ڈالا، آہستہ آہستہ وہ ذہنی طور پر جانے کے لیے تیار ہورہی تھی اور جب ایک ماہ بعد عادل آیا تو وہ پوری طرح تیاری تو تھی لیکن دل بیٹھا جارہا تھا، آنکھوں کے کٹورے پانیوں سے بھرے جارہے تھے۔ عادل نے بے چینی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"میں نے تمہارے داخلے کا بندوبست بھی کردیا ہے ہاسٹل میں روم بھی مل گیا ہے، تم اپنی تیاری مکمل کرلو صبح ہمیں جلدی نکلنا ہے۔" وہ آہستگی سے بولا۔ اس کے دکھ کا احساس تھا، اس لیے نہ تو زیادہ باتیں کیں اور نہ ہی شوخی وشرارت سے کام لیا۔

صبح سب کو اللہ حافظ کہتے ہوئے وہ زرد ہورہی تھی، جسم میں جیسے جان نہیں تھی، ٹانگیں بھی کانپ رہی تھیں، اس کی حالت کے پیش نظر عادل نے نکلنے میں جلدی کی، بیگ گاڑی میں رکھا اور سب کو اللہ حافظ کہا وہ سب سے باری باری لپٹ کر روتے ہوئے گاڑی میں آبیٹھی۔

"سورج کو اللہ حافظ نہیں کروگی۔" وہ جان بوجھ کر بولا۔

"میں نے رات کو ہی اسے اللہ حافظ کہہ دیا تھا۔" وہ روتے ہوئے بولی تو عادل کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دیکھو..... تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہر نیا قدم خوفزدہ کرتا ہے یہ انسان کی فطرت ہے، پھر ہم عادی ہوجاتے ہیں دھیرے دھیرے اور تمہارے پاس تو میں ہوں ناں، تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت پڑے تو مجھے کہو، میں روزانہ چکر لگالیا کروں گا، تم مجھے سارے دن کے واقعات سنایا کرنا، میرا بھی دل بہلا رہے گا، مجھے قصے کہانیاں سننے کا بہت شوق ہے۔" وہ بے آواز روتی رہی۔

"تم اس طرح روتی رہوگی تو میں ڈرائیو کیسے کروں گا؟" سورج مکھی خاموش رہی۔

"میں جانتا ہوں یہ وقت تمہارے لیے انتہائی مشکل ہے لیکن کچھ حاصل کرنے کے لیے قیمتی چیزوں کی قربانی دینی پڑتی ہے، وہاں تمہاری اماں، پھوپو اور پھوپا نہیں ہوں گے شنو بھی نہیں ہوگی اور....." وہ تھوڑی دیر کے لیے رکا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔

"اسی طرح آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ نئی دوستیں بن جائیں گی تو زندگی نارمل ہونے لگے گی۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ آہستہ آہستہ سب آسان ہوجاتا ہے، اللہ نے یہ بات ایک نعمت کے طور پر انسان کو عطا کی ہے، ورنہ پیاروں کے مرنے کے بعد تو سب ساتھ ہی مرجائیں۔"

سورج مکھی کا غم اس وقت اتنا زیادہ اور شدید تھا کہ وہ کوئی دلیل سننے کو تیار نہیں تھی، اس نے روتے ہوئے غصے سے

اسے دیکھا۔

"یہ تم ہی ہو جو مجھے اتنا بڑا دکھ دے رہے ہو تمہاری وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے کیوں کر رہے ہو تم یہ سب تمہیں کیا فرق پڑتا ہے میری زندگی کیسی گزرتی ہے میں روؤں یا ہنسوں تمہیں کیا۔ مجھے تم نے گھر سے بے گھر کردیا...... بالکل نئے لوگوں میں پتہ نہیں کہاں پھینک دو گے۔ آخر تم یہ سب کیوں کر رہے ہو کیا فائدہ کیا مقصد ہے تمہارا مجھے اصلی وجہ بتاؤ؟" عادل دم بخود رہ گیا۔

"تمہیں میرے مقاصد پہ شک ہے؟"

"ہاں ہے...... کوئی کسی کے لیے ایسے ہی اتنا کچھ نہیں کرتا۔" وہ کتنی دیر خاموشی سے اپنے سامنے سڑک کے کنارے پھیلے زرد پتوں کو دیکھتا رہا۔

"تم نے مجھے بہت صدمہ پہنچایا ہے سورج مکھی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تم میرے بارے میں ایسا سوچتی ہو۔ کیا صرف کسی کی خوشی کی خاطر کچھ نہیں کیا جاسکتا؟"

"یہی تو بات ہے۔" وہ اس کی طرف مڑی......

"سوری میں نے غصے میں آپ کو تم کہہ دیا...... آپ شاید مجھے گاؤں کی ایک گنوار سی بیوقوف لڑکی سمجھتے ہیں لیکن میں بے وقوف نہیں ہوں میں سب سمجھتی ہوں سامنے والے انسان کو پہچانتی ہوں...... اس کے دل میں کیا ہے وہ بھی جانتی ہوں اس کی آنکھوں میں چھپے راز سمجھ سکتی ہوں اور آپ......" وہ جھجک کر خاموش ہوگئی۔ عادل نے دلچسپی سے اس کے بدلتے رنگ کو دیکھا۔

"اگر آپ نے انجانے میں مجھ سے کوئی امیدیں وابستہ کرلی ہیں تو......" وہ ایک دم چپ ہوگئی۔

"کیسی امیدیں؟" عادل کے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ تھی۔ وہ بے حد محظوظ ہو رہا تھا۔ سورج مکھی کا چہرہ سرخ ہوگیا لیکن اسے جو کہنا تھا وہ ضروری تھا۔

"آپ جانتے ہیں...... عورت اور مرد ایک دوسرے سے کیا چاہتے ہیں۔"

"کیا چاہتے ہیں...... میں نے تو آج تک سوچا ہی نہیں کبھی کسی ڈھنگ کی عورت سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تمہیں ہی مجھے مطلب سمجھانا پڑے گا۔" اس نے بڑی مشکل سے مسکراہٹ دبا رکھی تھی۔ سورج مکھی نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے ہوئے بولی۔

"آپ میرے لیے اتنا کچھ کر رہے ہیں اس کے بدلے میں کچھ چاہیے تو نہیں مجھ سے۔"

"ہوں......" اس نے ہوں کو لمبا کرکے آنکھوں کی شرارت کو آنکھوں میں ہی چھپالیا اور سنجیدہ ہوگیا۔

"تو یہ مطلب تھا تمہارا...... ہاں چاہیے تو ہے کچھ تم سے میں یونہی تو خوار نہیں ہو رہا۔" اس نے اپنی بڑی بڑی براؤن آنکھیں کھول کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا......؟" اس کی آواز مری مری سی تھی۔

"تمہاری پُرخلوص دوستی...... تمہاری خوشی...... اور کچھ نہیں۔"

"کچھ نہیں......" وہ سکون سے بولی۔ "یعنی آپ کو میری ذات سے تو کوئی دلچسپی نہیں ناں۔"

"اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔" وہ سنبھل کر بولا۔

"یہ ایک بالکل مختلف سوال ہے اور تمہیں اندازہ ہے تم نے کتنا مشکل سوال کردیا ہے؟"

"اچھا کیا دلچسپی ہے آپ کو میری ذات سے؟" وہ آج کھل کر سب جان لینا چاہتی تھی۔

"میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"صرف یہی بات ہے...... اس خوشی میں سے آپ کو کچھ حصہ تو نہیں چاہیے ہوگا بھی......؟"

"کیوں نہیں چاہیے ہوگا......؟ جب تم خوش ہوگی تو میں بھی خوش ہوں گا مجھے حصہ خود بخود مل جائے گا۔"

"آپ بہت چالاک ہیں سیدھا جواب نہیں دیں گے۔"

"کاش تم مجھ سے سیدھا اور دوٹوک سوال کرتی۔" وہ چپ ہوگئی۔ کچھ نہ کہہ سکی۔

"سورج مکھی...... تمہیں میری طرف سے کوئی خدشہ نہیں ہونا چاہیے اگر تمہارے دل کے خدشات صحیح بھی ہوں تو میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ میں تمہیں ہمیشہ خوش

دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ تمہیں یہ خوشی صرف میری ذات سے حاصل ہو...... کچھ آیا سمجھ میں......؟'' سورج مکھی خاموش ہوگئی اس کے دل پہ جیسے بارش سی ہونے لگی۔

''کبھی میں سورج کے لیے ایسا سوچا کرتی تھی اس کی ایسے ہی خوشی چاہتی تھی، چاہے اسے یہ خوشی فائزہ سے ہی کیوں نہ ملے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ ہمارے خیالات اتنے ملتے ہیں۔''

''آپ واقعی بہت اچھے ہیں، آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں ملنی چاہئیں اور کسی بہت اچھی لڑکی سے شادی کرلینی چاہیے۔''

''فکر نہ کرو...... اگر وہ اچھی لڑکی مان گئی تو ضرور شادی کروں گا میرا ساری عمر کنوارا رہنے کا کوئی ارادہ نہیں۔''

''کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں...... میرا مطلب ہے کسی کو جانتے ہیں؟''

''ہاں...... میں بچپن سے ہی عاشقانہ مزاج رکھتا ہوں۔'' وہ شرارت سے بولا۔ ''اور لڑکپن سے ہی ایک لڑکی پہ نظر رکھی ہوئی ہے بس اسے ہی پتہ نہیں چل سکا۔''

''اچھا۔'' وہ دلچسپی سے بولی۔ ''کون ہے وہ؟''

''پہلے میرے لیے دعا کرو کہ وہ لڑکی مجھے مل جائے۔''

''میں دل کی گہرائیوں سے دعا کرتی ہوں کہ وہ لڑکی آپ کو مل جائے۔'' وہ خلوص سے بولی لیکن دل کے ایک چھوٹے سے کونے میں ہلکی سی کسک کو وہ سمجھ نہ سکی۔

''اب بتائیں کون ہے وہ؟''

''دیکھو سورج مکھی، میں جتنی زیادہ اس سے محبت کرتا ہوں اتنا ہی اس سے ڈرتا بھی ہوں اس لیے اس کا نام لیتے ہوئے میری زبان لڑکھڑا جاتی ہے، مجھے خدشہ ہے کہ بات اس کے کانوں تک پہنچ گئی تو وہ میرے سر پر ایک بال نہیں رہنے دے گی۔'' وہ مصنوعی انداز میں ڈرتے ہوئے بولا۔

''ایسی بھی کیا بات ہے، کیا تھانیدارنی ہے وہ؟''

''نہیں بہت نرم مزاج ہے، بہت پیاری ہے محبت کرنے والا دل بھی رکھتی ہے۔''

''تو پھر کیا ساری عمر اسے بے خبر ہی رہنے دیں گے؟''

''اصل میں میں چاہتا ہوں، میری محبت کی شدتوں کا وہ خود احساس کرے، میری جذبات کی گرمی اسے خود بخود پگھلنے پہ مجبور کردے اور جب تک ایسا نہیں ہوتا میں کسی کو اس کا نام نہیں بتاؤں گا میں اپنی اتنی عزیز ہستی کو بدنام نہیں کرنا چاہتا۔''

''بہت چالاک ہیں آپ۔'' وہ روٹھے انداز میں بولی۔

''اب میں بھی آپ کو کوئی بات نہیں بتاؤں گی، دیکھ لینا۔''

''تمہاری سب باتیں تو میں پہلے ہی جانتا ہوں، کہ تم سورج کی یاد میں عمر بتادینا چاہتی ہو۔''

''کیا کروں، میرا نام سورج مکھی ہے...... میرا کام ہی یہی ہے۔''

''افوہ...... پھر وہی بچوں والی بے کار بات...... مجھے لگتا ہے میری پر مغز باتوں کا تمہارے بے مغز کی کھوپڑی پہ کوئی اثر ہی نہیں ہوتا...... نہ تو تم اصلی سورج مکھی کا پھول ہو اور نہ ہی وہ اصلی سورج تھا۔ اس لیے تمہارا یہ عقیدہ ویسے ہی جھوٹ ہوگیا، ٹھس ہوگیا بالکل اور یوں بھی نام میں کیا رکھا ہے اگر کسی بدصورت شخص کا نام گلفام رکھ دو تو وہ خوب صورت تو نہیں ہوجائے گا اگر ببول کا نام گلاب ہوتا تو کیا اس میں گلاب کی سی خوشبو ہوسکتی تھی؟ تم جانے کس خود ساختہ فلسفے پہ زندگی گزار رہی ہو مجھے پتہ ہے تم ایسا کیوں کرتی ہو؟''

''کیوں کرتی ہوں، یہ بھی بتادیں۔''

''تاکہ تم خود کو ایک خول میں بند کرسکو اور کوئی اس خول کو توڑ کر اصل سورج مکھی تک نہ پہنچ سکے۔''

''اور اصل سورج مکھی کیا ہے؟''

''اصل سورج مکھی ایک جیتی جاگتی خوب صورت لڑکی ہے اس کے دل میں بھی دوسری لڑکیوں کی طرح محبت اور امنگوں بھرا دل ہے، وہ بھی چاہے جانے کی تمنا رکھتی ہے اسے بھی کوئی محبت کرنے والا ایسا ساتھی چاہیے جو اس کی آنکھوں میں ستارے بھردے گالوں پہ پھول کھلادے دل کو دھڑکنا سکھادے اسے روشن مستقبل کی آس دے

سکے' سوچ وہی شخص ہوگا جو تمہاری خوشیوں بھری زندگی کا ضامن ہوگا۔ تمہاری زندگی میں خوب صورت رنگ بھرے گا' تمہارے دل کے سارے موسموں کا ساتھی ہوگا' وہی شخص تمہاری زندگی کا سورج ہوگا چاہے اس کا کوئی بھی نام ہو۔" سورج مکھی پُرسوچ انداز میں اس کی باتیں سن رہی تھی اور جانے کیوں یہ باتیں اس کے دل کو لگ رہی تھیں' وہ ایک لفظ نہ بولی' اسے ایک بار نہیں جھٹلایا' نہ ہی سورج کی یاد سے چمٹے رہنے کی ضد کی۔

عادل سورج مکھی کو ہاسٹل چھوڑ کر سیدھا گھر آیا' اس کی ضرورت کی ہر چیز وہ پہلے ہی خرید کر اس کے کمرے میں رکھوا چکا تھا۔ کورس کی تمام کتابوں کے علاوہ بے شمار نوٹ بکس' پنسلیں' پن' ریزرز اور اسے تاکید کی تھی کہ کسی بھی ضرورت پہ اسے کال کرنے سے نہ گھبرائے' اپنا نمبر بھی اسے دے دیا تھا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ سیدھا اپنے کمرے میں جائے اور دو تین گھنٹوں کے لیے سو جائے' لیکن اس وقت سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے تھے' پاپا اخبار میں مصروف تھے' صائمہ اور نائمہ ٹی وی دیکھ رہی تھیں اور ماما کسی میگزین میں سر دیئے بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم!" اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا۔

"ارے بیٹا...... گاؤں سے واپس آگئے۔ کیا حال تھا نذیراں کا؟"

"جیسی ہوسکتی ہیں پاپا' جوان بیٹے کی موت کے بعد ایک ماں کا سنبھلنا مشکل ہی ہوتا ہے۔"

"اسے کچھ دن کے لیے ساتھ لے آتے' ذرا بہل جاتی۔" فیروزہ نے اسے اس سوال کا جواب نہ دینے دیا۔

"تم گاؤں کچھ زیادہ نہیں جانے لگے؟" ان کے انداز میں ایک کاٹ تھی' بیٹے کا گاؤں جانا انہیں کبھی اچھا نہیں لگا تھا تب بھی نہیں جب وہ بچہ تھا۔

"ماما آپ جانتی ہیں' مجھے بچپن سے گاؤں جانے کا شوق رہا ہے' مجھے وہاں کا ماحول بہت پسند ہے' کھلی فضا' لہلہاتے کھیت' بیلوں کے گلوں میں بجتی گھنٹیاں' ٹیوب ویل کا چمکدار پانی' میں پانچ سال کے لیے باہر چلا گیا تھا' لیکن یہ سب بھولا نہیں تھا' اب واپس آکر وہیں سے سلسلہ جوڑ لیا ہے اور پھوپو اتنی آزردہ اور دل گرفتہ ہیں کہ ان کی مدد کرنا میرا فرض بنتا ہے' بلکہ آپ کو بھی کبھی کبھی وہاں جانا چاہیے پاپا کے ساتھ' اب تو کاروبار بھی میں نے سنبھال لیا ہے وقت بھی ہے آپ کے پاس۔"

"بھائی وہاں ایک لڑکی بھی تو رہتی تھی؟" نائمہ نے پوچھا۔ "کیا بھلا سا نام تھا' کسی پھول پہ رکھا تھا' میں بھی ایک دو بار گاؤں گئی تھی تو اس کے ساتھ کھیلتی تھی' بڑی پیاری سی تھی خاص طور پر بڑی بڑی براؤن آنکھیں اور براؤن بال مجھے بہت اچھے لگتے تھے۔"

"سورج مکھی کی بات کر رہی ہو؟"

"سورج مکھی......؟" صائمہ نے قہقہہ لگایا۔ "گاؤں میں کتنے پینڈو نام رکھتے ہیں۔"

"سورج مکھی نے شہر کے ایک کالج میں داخلہ لے لیا ہے' بی اے میں' میرے ساتھ ہی آئی تھی اسے ہاسٹل چھوڑ کر آرہا ہوں۔"

"اچھا' یہ کیا سوجھی بھلا اسے؟" جانے کیوں انہیں اچھا نہ لگا۔ "اتنا پڑھانے کی کیا ضرورت پڑ گئی اس کی ماں کو' وہیں گاؤں میں کوئی لڑکا دیکھ کر شادی کر دیتی۔"

"ماما اچھا ہے۔" نائمہ نے سورج مکھی کی حمایت کی۔ "پڑھ لے گی تو زندگی بن جائے گی' مجھے بہت شوق ہے اس سے ملنے کا۔ بھیا مجھے لے چلیں گے' اب کس طرح کی ہوگئی ہے؟"

"خود ہی دیکھ لینا۔" عادل کے لبوں پہ پھیلی مسکراہٹ نے فیروزہ کو پتنگے لگا دیئے۔

"ہاں بیٹا یہ تم نے اچھا کیا۔" بابا بولے۔ "کسی کی مدد کرنا بہت اچھی بات ہے۔"

"اب بس بھی کریں یہ بے وقت کی تعریفیں اور عادل تم نے کیا سوچا ہے' میں نے جو تصویریں پچھلے ہفتے تمہیں دکھائی تھیں ان میں سے کوئی پسند آئی یا نہیں' اب تو تم نے بزنس بھی سیٹ کر لیا ہے' اب میں کوئی انکار یا بہانہ نہیں سنوں گی' بہت ہوگئی خدمت خلق اب حقیقت کی دنیا میں

واپس آجاؤ۔"

"ماما ان تصویروں میں سے تو مجھے ایک بھی پسند نہیں آئی' سب کے لباس انتہائی قابل اعتراض تھے اور منہ پہ جیسے پینٹ کیا ہوا ہو۔" صائمہ اور نائمہ کے لبوں پہ مسکراہٹ نے فیروزہ کو اور غصہ دلایا۔

"تم پانچ سال باہر کے ماڈرن ماحول میں رہ کر آئے ہو پھر بھی بیک ورڈ ذہنیت کا مظاہرہ کررہے ہو؟"

"باہر اتنا عرصہ گزار کر آیا ہوں ماما' اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔"میں نے وہاں بے حیائی کے اتنے مظاہرے دیکھ لیے ہیں کہ مزید گنجائش نہیں رہی' مجھے بیوی کے نام پہ کوئی ماڈل یا ایکٹریس نہیں چاہیے۔"

"تو کیا کسی گنوار لڑکی سے شادی کرو گے۔" وہ تلخی سے بولیں۔"تم تو اپنے باپ سے بھی چار ہاتھ آگے نکل رہے ہو' دنیا کی کوئی چیز ان کے دل کو نہیں بدل سکی' میں نے کہا سن رہے ہیں اپنے بیٹے کے خیالات۔"

"آخر بیٹا کس کا ہے۔" افضل فخر سے بولے۔"جیو میرے بیٹے' دل خوش کردیا۔"

"ہاں آپ تو خوش ہوں گے کہ اپنے اصل کی طرف لوٹ رہا ہے سپوت۔" فیروزہ نے ایک بار پھر شوہر کے گاؤں کے تعلق پہ چوٹ کی۔

"ماما پلیز' آپ اتنی جلدی میری شادی کی فکر نہ کریں' میں ابھی شادی نہیں کروں گا۔"

"کیسے نہیں کرو گے۔" وہ چیخ کر بولیں۔"جانتے ہو کتنے اونچے اونچے مال دار خاندانوں کی نظریں تم پہ ہیں' کیسے کیسے اعلیٰ لوگ تمہیں اپنا داماد بنانا چاہتے ہیں۔ میری مانو گے تو فائدے میں رہو گے۔ راتوں رات اسٹیٹس بن جائے گا' آسمانوں پہ پہنچ جاؤ گے۔"

"ماما' میری پیاری ماما۔" عادل نے پیار سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔"اپنے اتنے اچھے اور خوبرو بیٹے کو آپ اتنے سستے داموں بیچنا چاہتی ہیں' کسی امیر نک چڑھی مغرور بگڑی ہوئی لڑکی کا غلام بنانا چاہتی ہیں۔ کیا مجھ پہ بھروسہ نہیں' کس چیز کی کمی ہے ہمارے پاس اور میرے قوت بازو پہ کوئی شک ہے آپ کو' میں آپ کا بیٹا ہوں اور آپ جانتی ہیں میں اس قسم کا انسان نہیں ہوں' میں چور راستوں سے دولت کمانا گناہ سمجھتا ہوں اور یوں بھی پہلے ان دونوں چڑیلوں کی شادی کروں گا' پھر بیوی کو گھر لاؤں گا۔" عادل نے دونوں کی طرف شرارت سے دیکھا تو دونوں چیخ پڑیں۔

"بھائی پہلے اپنا راستہ صاف کرنا چاہتے ہیں' تاکہ نندیں کہیں ان کی پیاری بیوی کو تنگ نہ کریں' کیوں بھائی؟" صائمہ شرارت سے بولی۔

"میں تو ایسا نہیں ہونے دوں گی' پہلے بھابی گھر میں آئے گی' اچھے اچھے کپڑے بنواؤں گی۔ بھابی سے خوب ناز اٹھواؤں گی' کچھ کچھ نہیں تنگ کروں گی' ایسے سستا نہیں چھوڑوں گی آپ کو۔" نائمہ نے اپنا پورا پروگرام اسے بتایا تو وہ ہنس پڑا۔

"لے لینا جتنے سوٹ لینا چاہو لالچی بلی' لیکن اس وقت میری جان چھوڑ دو' بہت تھکا ہوا ہوں۔"

"ایک شرط پہ چھوڑوں گی۔"

"بولو۔"

"کل آپ مجھے سورج مکھی سے ملوانے لے جائیں گے......منظور؟"

"منظور۔" وہ خوش دلی سے بولا اور اس وقت اس کی آنکھوں کے ساتھ چہرہ بھی خوشی سے روشن ہوا تھا۔ فیروزہ ٹھٹک گئیں۔ دل میں نئے خدشات نے گھر بنالیا۔

❁ ❁ .... ❁ ❁ .... ❁ ❁

پورے دو ہفتے گزر گئے' کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ سورج مکھی سے ملنے نہ جاسکا' حالانکہ دل بہت پریشان تھا کہ وہ جانے نئے حالات سے کیسے نمٹ رہی ہوگی' ضرور سوچتی ہوگی کہ میں اسے ہاسٹل پھینک کر بھول ہی گیا ہوں' آج بھی وہ دن بھر کا تھکا ہوا تھا لیکن زبردستی گاڑی کا رخ ہاسٹل کی طرف موڑا ہی تھا کہ موبائل بج اٹھا' سورج مکھی کا نام دیکھ کر جیسے ساری تھکن دور ہوگئی' دل خوشی کی تال پہ دھڑکنے لگا۔

''ہاں کہو؟''

''مجھے کالج کے لیے کچھ خریداری کرنی ہے اگر آپ فارغ ہوں تو......''

''میں ادھر ہی آ رہا تھا' تم تیار رہو۔'' سورج مکھی کی وزیٹنگ لسٹ پہ پھوپو پھوپا اور ثریا خالہ کے علاوہ عادل کا نام بھی تھا' اسے دیکھ کر عادل کی آنکھیں ستاروں کی مانند چمکنے لگیں' اس کی پُرشوق نظروں سے وہ جھینپ گئی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد اس نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیسی ہو؟''

''آپ کو کیا؟ آپ تو مجھے چھوڑ کر یوں بھاگے جیسے گدھے کے سر سے سینگ' اتنے ہی بیزار تھے تو پہلے بتا دیتے' میں آپ کو تکلیف نہ دیتی۔''

''میں اور تم سے بیزار۔'' اس کے معصوم شکوے پہ عادل کے دل میں ہزاروں چراغ جل اٹھے۔ وہ اس کا انتظار کرتی تھی' اسے مس کرتی تھی' یہ خیال کس قدر جان فزا تھا۔

''یقین کرو' کام بہت زیادہ تھا' ورنہ میں روزانہ کوشش کرتا تھا آنے کی۔''

''جھوٹ۔'' وہ بے اختیار پھر شکوہ کر بیٹھی۔

''کیا قسم کھاؤں...... یا کوئی اور ثبوت پیش کروں؟'' اس کی کشادہ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ وہ خاموش رہی تو عادل نے کیسٹ پلیئر آن کردیا۔

''تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں

جان' بہت شرمندہ ہیں

بہت مدھر موسیقی اور پھر خوب صورت آواز' لیکن الفاظ سن کر عادل نے بے اختیار سورج مکھی کی طرف دیکھا' اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا' اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر اسٹاپ کا بٹن دبایا' سورج مکھی کا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو ڈھلک آئے تھے' اضطرابی کیفیت میں عادل کا پاؤں ایکسیلیٹر پہ تیز ہوگیا' گاڑی فراٹے بھرنے لگی تھی۔ گاڑی کے اندر ایک بوجھل خاموشی چھا گئی تھی۔

''آہستہ کریں پلیز۔'' سورج مکھی نے پہل کی۔

''کہاں چلنا ہے؟''

''بک شاپ۔'' آخر سورج مکھی نے خود کو کمپوز کرلیا تھا۔

''کھانا کھایا تھا دوپہر کو؟'' سورج مکھی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن میرے پیٹ میں تو چوہے دوڑ رہے ہیں۔ آج دیر سے اٹھا تو ناشتہ نہیں کرسکا' آفس میں اس قدر مصروف تھا کہ چائے کی ایک پیالی بھی نہیں پی سکا' سوچا تھا گھر جاتے ہی کھانے پہ دشمن کی فوج سمجھ کر ٹوٹ پڑوں گا' لیکن......''

''پھر میرا فون آگیا......'' سورج مکھی افسوس سے بولی۔ ''اب میری وجہ سے آپ بھوکے ہیں۔''

''تم فون کرنے کی غلطی کا ازالہ کرسکتی ہو۔''

''وہ کیسے؟''

''یہاں قریب ہی ایک ریستوران ہے جہاں سوپ اور سینڈوچز سرو کرتے ہیں اور بہت لذیذ ہوتے ہیں' تم برا نہ مانو تو وہاں جا کر اپنی بھوک مٹالوں۔''

''لیکن......لیکن میں ایسی جگہوں پہ کبھی نہیں گئی۔'' وہ ایک دم نروس ہوگئی۔

''ہر کام کبھی تو پہلی بار کرنا پڑتا ہے۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''آج کا دن ایک نئی جگہ میں جانے کا دن ہے اور پھر میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔''

''لیکن یہ مناسب نہیں ہے' کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا؟'' اس نے نیا بہانہ ڈھونڈا۔

''کیا کہے گا؟'' عادل رسان سے بولا۔

''اف آپ سمجھتے کیوں نہیں' ہمیں اکٹھے دیکھ کر کوئی کیا سمجھے گا؟''

''یہی کہ دو دوست کچھ کھانے پینے آئے ہیں۔''

''ہمارے معاشرے میں لڑکے اور لڑکی کی دوستی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔'' عادل خاموش ہوگیا۔

''ٹھیک ہے' تمہاری مرضی نہیں تو نہ سہی' بھوک تو

برداشت ہوجائے گی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ سورج مکھی نے اس کی خفگی کے ڈر سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بہت افسردہ نظر آرہا تھا' وہ برداشت نہ کرسکی۔

''آپ کو زیادہ بھوک لگی ہے تو چلے چلیں' میں گاڑی میں بیٹھی رہوں گی' آپ اندر جاکر کچھ کھالینا' میں انتظار کرلوں گی۔''

''اس عنایت کا بے حد شکریہ' لیکن میں اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ مہمانوں کو گاڑی میں بٹھا کر خود پیٹ بھرنے اکیلا چلا جاؤں' میرے اصولوں کے خلاف ہے یہ۔''

''آپ تو خفا ہوگئے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''نہیں تو۔'' وہ زبردستی مسکرایا۔ ''بس دل کو تھوڑی ٹھیس لگی کہ تمہیں مجھ پہ اتنا بھی اعتماد نہیں۔''

''بات آپ کی نہیں ہے' بات تو دوسرے لوگوں کی بھی ہے۔''

''دوسرے لوگ تو بس باتیں بنانا ہی جانتے ہیں' کیا اب باتیں نہیں بنائیں گے کہ تمہارے ساتھ یہ حسین اور ہینڈسم نوجوان کون ہے؟'' اس نے بات کو مزاح کا پہلو دیا۔

''برا مت مانیے گا' مگر لڑکیوں کو واقعی محتاط رہنا چاہیے' چلیے آپ بھی کیا یاد کریں گے' ان سب باتوں کے باوجود میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں' آپ کو بھوکا رکھ کر مجھ سے شاپنگ نہیں ہوسکے گی۔''

''بہت شکریہ......'' وہ پورے خلوص سے بولا اور گاڑی ریستوران کے سامنے روک دی۔ مینیو اس کے سامنے رکھ کر عادل نے پوچھا۔

''تم کیا لوگی؟'' اس نے مسکراتے ہوئے مینیو لیا اور تقریباً تمام قسم کے سوپس اور سینڈوچز کے نام پڑھ لیے۔

آرڈر سرو ہوا تو بالکل غیر محسوس طریقے سے سوپ اور سینڈوچ سے ڈیل کرنے کا طریقہ بتایا۔ سورج مکھی بھی عقل مندی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی کاپی کرتی جارہی تھی۔ کھانا اختتام کو پہنچا تو وہ بہت خوش تھی۔

''سب ٹھیک ہوگیا ناں...... میں نے آپ کو شرمندہ تو نہیں کیا؟'' اس نے سادگی اور معصومیت سے پوچھا تو وہ اسے گھور کر مسکرایا۔

''ایک بات ذہن میں رکھو' میں کبھی تمہاری بات سے شرمندہ نہیں ہوسکتا' لیکن اگر تم چاہتی ہو کہ آئندہ بھی کہیں بھی کسی بھی قسم کا ایونٹ بغیر کسی جھجک کے پورے اعتماد کے ساتھ اٹینڈ کرسکو تو میں بخوشی تمہاری ٹریننگ کرنے کو تیار ہوں۔''

''بہت ضروری ہے یہ ٹریننگ؟'' وہ سادگی سے مسکرائی۔

''بہت ضروری تو نہیں' لیکن کافی ضروری ہے' لاعلمی نقصان دہ ہوتی ہے اور باخبری فائدہ مند' زندگی میں حاصل کیا کسی بات کا علم کام آسکتا ہے' کبھی دعا دوگی مجھے۔''

''دعائیں تو اب بھی ہر وقت دیتی ہوں۔''

''اچھا کیا دعا دیتی ہو؟'' وہ دلچسپی سے بولا۔

''یہی کہ اللہ آپ کو جہاں بھی رکھے خوش رہے' کبھی کسی بات سے آپ کا دل نہ دکھے۔''

''مجھے ایک خوشی مل جائے تو سمجھو زندگی میں کوئی دکھ نہیں رہے گا اور میں سمجھوں گا تمہاری دعائیں قبول ہوگئیں۔'' اس کے انداز میں کوئی ایسی بات تھی کہ سورج مکھی پوچھنے کی جرات نہ کرسکی' کہ وہ کون سی خوشی ہے۔

''پوچھوگی نہیں کون سی خوشی؟''

''آپ کی ذاتی زندگی میں دخل دینا مناسب نہیں۔''

عادل نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''کاش تم سمجھ سکو کہ میری ذات تم سے الگ نہیں۔ میں تو ہمیشہ سے تمہیں اپنے دل کا حصہ سمجھتا ہوں اور میری ہر خوشی تمہاری ذات سے وابستہ ہے۔'' مگر وہ یہ باتیں ابھی اس سے نہیں کہہ سکتا تھا' ابھی وہ اپنے خول میں بند تھی اور اس خول کو ٹوٹنے میں کافی وقت لگنا تھا' کتابوں کی خریداری میں کافی وقت لگ گیا' ہاسٹل پہنچ کر سورج مکھی نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

''آپ کی مدد کا بے حد شکریہ۔''

''شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہیے۔''

''کس بات کا؟''

''اپنی کمپنی کی خوشی دینے کا..... تم نے میری پندرہ دن کی تھکن ختم کردی۔'' وہ ابھی تک شکریہ ادا کرنے کے لیے شیشے سے اندر جھانک رہی تھی' اس کی بات پہ گلابی ہوگئی۔

''تم نے تو میری اس ایک خوشی کے بارے میں نہیں پوچھا لیکن میں خود ہی بتا دیتا ہوں' اگر تمہارے دل نے سچے دل سے خوش رہنا شروع کردیا تو مجھے دنیا جہاں کی خوشیاں مل جائیں گی۔'' یہ کہہ کر وہ رکا نہیں گاڑی آگے بڑھا لے گیا..... سورج مکھی پُرسوچ نظروں سے دھول اڑاتی گاڑی کو تھوڑی دیر دیکھتی رہی اور پھر بوجھل قدموں سے اندر چلی گئی۔

❁ ❁ ...... ❁ ...... ❁ ❁

اس روز نائمہ نے ضد پکڑلی کہ وہ سورج مکھی سے ملنے آج ہی جائے گی۔ فیروزہ کو بے حد غصہ آیا۔

''کوئی ضرورت نہیں اس سے ملنے کی اس سے بہتر ہے ڈولی کی طرف چلی جاؤ۔''

''ڈولی...... ہونہہ مجھے وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی' اس کے تو نخرے اوور ایکٹنگ ہی ختم نہیں ہوتی اور پھر اس کا بھائی بھی وہاں ہوتا ہے' ایک دم فضول اور لوفر ہے وہ۔''

''نائمہ ذرا تمیز سے بات کرو۔''

''تم دونوں بھائی بہن ایک جیسے ہو' عقل نام کی شے نہیں دونوں میں' اپنا اچھا برا تو کبھی سوچا ہی نہیں' میرے بنائے ہوئے پلان بھی خراب کرتے ہو ہمیشہ۔''

''تو ماما آپ ایسے پلان بنایا ہی نہ کریں' میں تو آج ضرور جاؤں گی' بھائی آنے والے ہوں گے میں تیار ہونے جا رہی ہوں۔'' فیروزہ کی بڑبڑاہٹ جاری رہی' لیکن افضل آرام سے اخبار پڑھتے رہے انہوں نے بالکل توجہ نہ دی۔

صائمہ عادل سے تین سال چھوٹی تھی' بالکل فیروزہ کی کاپی' خیالات بھی ان سے ہی مستعار لیے لیکن نائمہ سورج مکھی کی ہم عمر تھی اور عادل اور اپنے بابا کی طرح نرم دل اور ہمدرد طبیعت رکھتی تھی' سورج مکھی سے یوں ملی جیسے جنم جنم کی ساتھی ہو' دونوں میں فوراً ہی دوستی ہوگئی' نائمہ کو سورج مکھی بے حد پسند آئی تھی' خاص طور پہ اس کی آنکھوں اور اس کے خوب صورت بالوں کی دیوانی ہوگئی تھی۔ سورج مکھی کو بھی پیاری سی نائمہ بہت اچھی لگی تھی' اس میں عادل کی شباہت تھی' جو صاف بتاتی تھی کہ دونوں بہن بھائی ہیں۔ وہاں بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کیں۔ زیادہ تر وہی دونوں بول رہی تھیں' عادل انتہائی دلچسپی سے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہا تھا' اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ سورج مکھی اس طرح فری انداز میں جوش وخروش سے باتیں کرسکتی ہے۔ واپسی پہ سارا راستہ نائمہ چہکتی رہی۔

''سورج مکھی کتنی پیاری' گریس فل ہے بھائی اور اس کی آنکھیں' ان میں تو ڈوب جانے کو دل چاہتا ہے۔''

(تمہارا بھائی ان میں جانے کب سے ہچکولے کھا رہا ہے' شاید لڑکپن سے' عادل نے دل میں سوچا) ''لگتا ہی نہیں کہ وہ ساری عمر گاؤں میں رہی ہے اور وہ پنک سوٹ اس پہ کتنا کھل رہا تھا' بالکل گلابی کلی لگ رہی تھی۔''

''گاؤں میں رہنے والوں کے سر پہ سینگ ہوتے ہیں کیا؟'' عادل نے اسے چھیڑا۔

''میرا یہ مطلب نہیں ہے بھائی اس کا بات کرنے کا انداز' چلنے کا انداز اس میں ایک تمکنت اور وقار ہے۔''

''ہاں اصل میں تعلیم نے اس کی شخصیت کو نکھار بخشا ہے' ہاسٹل میں رہنے سے بھی کافی تبدیلی آئی ہے۔'' باقی سفر بھی سورج مکھی کی باتوں میں گزرا۔ عادل خوش تھا کہ نائمہ کو وہ بے حد پسند آئی تھی گھر کے دو ووٹ تو اس کے حق میں تھے۔

گھر پہنچے تو فیروزہ تین چار الٹرا ماڈرن امیر کبیر لڑکیوں کی تصویریں میز پہ رکھے اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ تصویریں دکھانے کے بعد ان کی جائیدادوں اور بینک بیلنس کا بھی حوالہ دیا' لیکن عادل نے ایک نظر دیکھ کر پرے کھسکا دیں۔

''کیوں...... کوئی پسند آئی؟''

''ماما ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''میں نے اگلے ہفتے گھر میں پارٹی رکھی ہے' ایک سے ایک ماڈرن' خوب صورت اور دولت مند لڑکی کو دعوت

دی ہے‘ تمہیں یہ پارٹی اٹینڈ کرنی ہے اور کسی ایک کو پسند بھی کرنا ہے۔“

”ماما آپ کو کیا ہوگیا ہے۔ کیوں اپنے بیٹے کی قیمت لگانا چاہتی ہیں۔ آپ جانتی ہیں میں ایسی لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا‘ مجھے بیوی چاہیے‘ سادہ‘ گھریلو اور تعلیم یافتہ جو میری آئندہ نسل کی بہترین طریقے سے پرورش کرسکے‘ شریفانہ لباس پہنتی ہو‘ تمیز سے گفتگو کرے‘ میرے اوپر حکم نہ چلائے اور مجھے اپنا غلام نہ سمجھے...... لیکن برامت مانیئے گا آپ کی منتخب کردہ لڑکیوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں ہے جو میرے معیار پر پوری اتر سکے‘ میرے دل کو تھوڑی سی خوشی بھی دے سکے۔ آپ اپنے اکلوتے بیٹے کو ہمیشہ ناخوش دیکھنا چاہتی ہیں کیا؟“ لاؤنج میں چائے پیتے ہوئے پاپا نے فخر سے اپنے بیٹے کے خیالات کو سنا...... نائمہ بھی بھائی کے خیالات سن کر خوش ہوئی جبکہ صائمہ بے نیازی سے ناخنوں کو نیل پالش سے آراستہ کرتی رہی۔

فیروزہ نے غصہ بھری آنکھوں سے بیٹے کی طرف دیکھا اور زہریلے لہجے میں بولیں۔

”اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ گنوار اور جاہل لڑکی میری بہو بننے کے قابل ہے تو تم بھول کررہے ہو‘ میں کئی دن سے تمہارے تیور دیکھ رہی ہوں اور یقین کرو میری زندگی میں وہ اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتی۔“

”ریلیکس ماما......“ وہ ایک لحہ کو چونکنے کے بعد خود پہ قابو پاکر بولا۔ ”اس جاہل اور گنوار لڑکی نے آپ کے بیٹے میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی‘ وہ شادی ہی نہیں کرنا چاہتی اس لیے آپ یہ خدشہ نکال دیں دل سے۔“

”اوہ گاڈ...... تو یہ خیال تھا تمہارے دل میں......؟“ وہ حیران رہ گئیں انہوں نے تو اپنی طرف سے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔

”میرے دل میں یہ خیال نہ ہوتا تو آپ کے دل میں کیسے آتا؟ مائیں تو بچوں کی رگ رگ سے واقف ہوتی ہیں۔ اب تو آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”لیکن‘ اس نے تمہیں ریجیکٹ کیسے کردیا؟ تمہیں ریجیکٹ کردیا جس کے حصول کے لیے اونچی سوسائٹی کی لڑکیاں بے چین ہیں‘ وہ سمجھتی کیا ہے خود کو۔“

”دس از ناٹ فیر ماما...... وہ مجھے پسند کرے تو بھی آپ کو شکایت‘ وہ مجھے ناپسند کرے تو بھی گلہ۔“

”تو تم اسے پسند کرتے ہو؟“ عادل خاموش رہا‘ ابھی وہ کسی بات کا اقرار نہیں کرنا چاہتا تھا‘ اپنے مقدس جذبات کو یوں ماما کے سامنے بے مول نہیں کرسکتا تھا‘ سورج مکھی کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

”پلیز ماما...... اس طرح کے سوال نہ کریں‘ یہ سورج مکھی کے لیے فیر نہیں ہے‘ پرائی لڑکیوں کی بدنامی ہوتی ہے‘ مجھے اپنی بہنوں کی طرح اس کی عزت بھی پیاری ہے۔“ وہ وہاں سے چلا گیا تو فیروزہ نئے سرے سے نئی ترکیبیں سوچنے لگیں کہ کیسے ان کی پسندیدہ لڑکی بہو بن کر ان کے گھر بھی آجائے اور عادل بھی آسانی سے راضی ہوجائے۔

❀ ❀ ...... ❀ ...... ❀ ❀

سورج مکھی نے فرسٹ کلاس میں بی اے پاس کرلیا تھا۔ وہ تو خوش تھی‘ عادل کی خوشیوں کا ٹھکانہ بھی نہیں تھا‘ اس روز وہ بڑا سا گلاب کا بوکے اور مٹھائی کا ڈبہ لے کر آیا اور اچھے ریستوران میں ڈنر بھی کروایا‘ سورج مکھی کی خوشی سے مسکراتی آنکھیں اور گالوں پہ کھلتی گلابیاں اسے انتہائی دلکش بنارہی تھیں۔ اسے ریستوران میں ذرا بھی جھجک نہیں ہورہی تھی‘ عادل کی دو سالوں کی محنت رنگ لائی تھی اور وہ ایک بااعتماد لڑکی کے روپ میں ڈھل گئی تھی۔ اسے تمام اچھی ڈشز کا نام معلوم تھا اور چھری کانٹے سے کھانے کا سلیقہ بھی آگیا تھا۔ شہر میں اکثر دکانوں اور اہم جگہوں کے رستے معلوم ہوگئے تھے۔ لیکن عادل کی تاکید کی وجہ سے وہ اکیلی نہیں جاتی تھی‘ اس طرح عادل کو اس کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع بھی مل جاتا اور وہ کسی مشکل صورت حال میں پھنسنے سے بچ جاتی۔

کل اسے اپنے سامان سمیت گاؤں واپس جانا تھا‘ کافی عرصے کے بعد گاؤں جانے سے وہ بے حد خوش تھی۔

ایک دو بار ثریا اور تائی اس سے ملنے آئے تھے لیکن زیادہ عادل اسے ہی گاؤں لے جاتا تا کہ بڑوں کو تکلیف نہ ہو۔ گاؤں آتے ہی وہ اماں سے لپٹ گئی، تائی اور تائے کے گلے بھی لگی رہی، وہ سب اسے دیکھ کر بے انتہا خوش ہو رہے تھے اور عادل اس کی خوشیوں پہ خوش تھا۔ عادل کو چائے دے کر ان لوگوں کے پاس بٹھا کر وہ شنو سے ملنے گئی، شنو خوشی سے اس سے لپٹ گئی اور پھر غور سے اسے دیکھا۔

"تُو تو بالکل بدل گئی ہے سورج مکھی...... پڑھائی نے تجھے چار چاند لگا دیئے ہیں۔"

"اچھا...... کیا مطلب ہے تیرا؟"

"تُو تو کسی اور دیس کی شہزادی لگ رہی ہے۔ کبھی آئینے میں شکل دیکھی ہے اپنی، یہ تجھے کس نے بدل دیا؟ پڑھائی نے، شہر نے یا پھر عادل بھائی نے؟" سورج مکھی نے اس کی بات کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا۔

"سب کا تھوڑا تھوڑا حصہ ہے۔ لیکن تو یہ بتا شادی کب ہے، اماں بتا رہی تھیں، تمہاری تاریخ طے ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔" وہ شرمائی۔ "جمعہ کو مہندی ہے، ہفتے کو بارات آئے گی اور اتوار کو ولیمہ ہے۔ اس راجو بے ایمان سے انتظار ہی نہیں ہو رہا۔"

"تو اچھا ہے، انتظار کی کیا ضرورت ہے، کماتا ہے، اب ایسے ہی بیٹھا رہے۔"

"یہ تو ہے، تم بتاؤ شادی کے لیے اچھے کپڑے ہیں ناں۔"

"ہاں اماں نے بنوائے ہیں۔"

"تو نے پورے تینوں دن میرے ساتھ رہنا ہے اور میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔"

"بہانے کی کیا ضرورت ہے مجھے، میں تو خود تیرے پاس رہنا چاہتی ہوں۔" عادل رات کو ہی واپس چلا گیا تھا، وہ بہت تھکی ہوئی تھی، اس لیے جلد ہی سو گئی، صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے سورج کا خیال آیا تو دل دھک سے رہ گیا، پہلے تو وہ گاؤں آتے ہی سب سے پہلے سورج کا ہی خیال آتا تھا، ڈھیروں باتیں کرتی تھی، لیکن اس بار خیال ہی نہیں آیا، وہ بے اختیار اٹھ بیٹھی، کیا وہ سورج کو بھول رہی ہے؟ اس کی یاد آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے، وہاں شہر میں بھی تو اس کے بارے میں سوچنے کا موقع کم ہی ملتا تھا، آہستہ آہستہ شاید وہ حالات سے سمجھوتہ کر رہی تھی، اب اسے سوچتے ہوئے دل کو اس طرح تکلیف نہیں ہوتی تھی، اس نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ وہ جا چکا ہے اور باقی زندگی اس کے بغیر ہی گزارنی ہے، پورے دو سال وہ اس کے خیال سے لپٹی رہی تھی لیکن اب زخم بھرنے لگے تھے، تکلیف کم ہوتے ہوتے برائے نام رہ گئی تھی، اس نے محسوس کیا تھا کہ تایا اور تائی بھی کافی حد تک سنبھلنے لگے ہیں، یہ وقت اور زمانے کا دستور ہے، ساری زندگی مرنے والوں کا سوگ نہیں منایا جا سکتا، چاہے کتنا وقت لگے انسان آخر کار سنبھل ہی جاتا ہے، وہ سورج کے خیال سے باتیں کرنی لگی، اور اپنی شہری زندگی کے بارے میں کافی دیر تک باتیں کرتی رہی اور آخر میں وہ یہ سوچ کر حیران رہ گئی کہ اس کی باتوں کا ایک بڑا حصہ عادل کے متعلق تھا، اس کی بے شمار خوبیوں کے بارے میں تھا، اس کے سورج مکھی کے بے پناہ خیال رکھنے کے بارے میں تھا، اس کی بے پناہ تعریف کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں تم سے بے وفائی نہیں کر رہی سورج، لیکن تم تو مجھے روتا چھوڑ گئے تھے، اس نے مجھے ہنسنے کا سلیقہ سکھایا، تم مجھے بے یار و مددگار چھوڑ گئے تھے، اس نے مجھے دوست بھی فراہم کیا اور سنبھلنے میں بڑی مدد بھی کی، آج میں جو کچھ بھی ہوں اس کی وجہ سے ہوں، اس کی مدد سے ہوں، میں تمہیں قصوروار نہیں سمجھتی، تمہارے مرنے میں تمہارا کیا قصور تھا؟ لیکن اللہ نے سب کچھ ایسے ہی لکھا تھا، تمہاری زندگی اتنی ہی لکھی تھی اور میرے لیے شاید یہی لکھا تھا جو میرے ساتھ ہو رہا ہے، عادل بہت اچھا دوست ہے، اتنا اچھا کہ تم تصور نہیں کر سکتے، وہ نہ ہوتا تو شاید میں تمہارے لیے مر جاتی، اس نے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے، میں دعا کرتی ہوں کہ اس کو اس کے بچپن کی وہ محبت مل جائے جواب تک اس کے دل میں ہے، میں نے تمہیں اپنی زندگی کا سب سے

چمکدار ستارہ سمجھا تھا، تمہیں الفت کا دیوتا سمجھا تھا، لیکن پھر اچانک سب ختم ہوگیا، میں غم کے گہرے سمندر میں ڈوبتی چلی گئی، عادل نے مجھے اس سمندر میں ڈوبنے سے بچایا، نئی زندگی عطا کی، جینے کا ڈھنگ سکھایا، میرے روشن مستقبل کی بنیاد ڈالی، مجھے تعلیم دلوانے کے ساتھ ساتھ میری شخصیت کو سنوار کر نکھار دیا اور اب میں سہولت اور اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی کے راستوں پہ رواں دواں ہوں، یہ نہیں کہ مجھے تمہاری یاد نہیں آتی، میں اب بھی تمہیں یاد کرتی ہوں، لیکن اس یاد میں اتنی شدت اور اذیت نہیں رہی، تم سمجھ رہے ہو ناں میں کیا کہنا چاہتی ہوں، ڈھائی سال ہوگئے ہیں، کہتے ہیں کہ وقت ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے تو میرا زخم بھی بھرتا جارہا ہے۔ میرے درد میں کمی اور ٹھہراؤ آ گیا ہے اور یہ سب عادل کی وجہ سے ہے، میں اس کی احسان مند ہوں، جتنا بھی اس کا شکر کروں کم ہے۔" وہ سورج کے خیال سے باتیں کرتی رہی تھی تو اس شرمندگی میں بھی کمی آتی گئی، اگر وہ عادل کی باتیں کررہی تھی تو اس میں کیا برائی ہے، اپنے محسن کو خراج پیش کرنا گناہ تو نہیں۔

شنو کی شادی کے دو تین دن اس نے خوب انجوائے کیا، اماں سے خاص طور پر لسی اور پراٹھے کا ناشتہ بھی بنوایا، گاؤں کی گلیوں میں پھرنے کی یاد تازہ کی، نہر پہ جاکر بہتے پانی میں پاؤں بھی ڈالے، کھیتوں سے کچی سبزیاں بھی توڑ کر کھائیں، گاؤں کی شفاف تازہ ہوا نے اس کے چہرے کو انوکھی شگفتگی عطا کی، اسے لگ رہا تھا وہ بہت خوش ہے۔ تائی اور تائے سے بھی بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کیں، کالج کے بے شمار قصے سنائے، لڑکیوں کی باتیں، ٹیچرز کے قصے، غرض جتنے دن وہ رہی کسی مینا کی طرح چہکتی رہی، سب اسے دیکھ دیکھ کر جی رہے تھے، ان کے اداس اور بے رونق گھر میں پھر سے زندگی مہکنے لگی تھی۔ ثریا کو اب اس کی شادی کی فکر ستانے لگی تھی، لیکن اپنی جٹھانی اور جیٹھ سے ذکر کرتے گھبراتی تھی، ان کا دکھ یقیناً اس ذکر سے تازہ ہوجانا تھا، ثریا کی نظر ارشد پہ تھی وہ سورج کا دوست تھا، اچھی عادتوں کا مالک تھا، ان کی زمینوں کو بھی سنبھال رہا تھا، شریف انسان تھا، اگر تائی اور تایا مان جاتے تو شاید یہ رشتہ ہوجاتا، بس ایک کمی تھی، اس میں اس نے سورج کے ساتھ میٹرک تک امتحان دیا تھا، لیکن یہ کوئی بات نہیں تھی وہ پرائیویٹ امتحان دے سکتا تھا۔

اس روز کافی دیر بعد سورج مکھی کھیتوں سے مولیاں اور گاجریں توڑنے گئی، پاؤں اور جوتے گیلی مٹی سے بھر گئے، ہاتھ بھی مٹی سے اٹ گئے۔ بالوں کی لٹیں ہاتھ سے پیچھے کرنے کی کوشش میں رخسار پہ بھی مٹی لگ گئی، دروازے سے اندر داخل ہوئی تو سامنے تائی کے پاس عادل بیٹھا تھا، اس کا دل بے ساختہ اچھل کر حلق میں آگیا، شرمندگی سے اپنے حلیے پہ نظر ڈالی، اس کا حلیہ دیکھ کر عادل کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ پھیلی تھی، وہ جلدی سے نل کے پاس گئی منہ ہاتھ دھو کر وہیں چلی آئی۔

"السلام علیکم! آپ کب آئے؟"

"ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے۔" وہ اس کی دھلی ہوئی صورت آنکھوں میں اتارتا ہوا بولا۔ تائی ان کے پاس سے اٹھ کر کسی کام سے چلی گئیں تھیں۔

"تم مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئیں؟" وہ روٹھے انداز میں بولا۔

"آپ نے دیکھا نہیں میں کس حلیے میں تھی۔" وہ ذرا خفگی سے بولی۔ "آپ بھی سوچتے ہوں گے کوئی بھکارن چلی آرہی ہے۔" عادل کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔

"تو میرے سوچنے کا تمہیں اتنا فرق پڑتا ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ "مجھے تو تمہارا حلیہ بہت خوب صورت بہت پیارا لگ رہا تھا، جی چاہ رہا تھا......" وہ ایک دم خاموش ہوگیا۔ حسن کے حضور گستاخی کرنے جارہا تھا۔

"کس لیے آئے ہیں؟" وہ ابھی تک خفا تھی، عادل کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"میرا خیال ہے مجھے واپس جانا چاہیے......تم تو مجھے دیکھ کر کچھ زیادہ ہی ناراض معلوم ہوتی ہو اور بن بلایا ان چاہا مہمان بننا مجھے گوارا نہیں۔" شاید عادل کی عزت نفس پہ چوٹ پڑی تھی۔ وہ اسی لمحے اٹھا اور تیزی سے گھر کی دہلیز

پار کر گیا...... وہ حیرت زدہ صورت حال کی تبدیلی پہ بیٹھی رہ گئی' گم صم...... کافی دیر بعد احساس ہوا تو دل بیٹھ گیا' یہ اس نے کیا کردیا۔

عادل کو ناراض کردیا' وہ اتنی دور سے سفر طے کر کے آیا اور میں نے اس طرح بے گانگی کا ثبوت دیا۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں مسل دیا' آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے بھر گئے' وہ اٹھی اور بے قراری سے صحن میں چکر کاٹنے لگی' ایک لمحہ کے لیے بھی قرار نہ آیا' ابھی تائی اور تایا آئیں گے تو وہ کیا کہے گی......؟ اسے اتنا کیوں فرق پڑتا تھا اگر اس نے اسے اس حلیے میں دیکھ لیا تھا۔ عادل اس کے بارے میں کیا سوچتا ہے' اس کی اہمیت کا اندازہ اسے ہوا تو وہ حیران رہ گئی...... تبھی ثریا چائے کی ٹرے لیے باہر آ گئی۔

''ارے عادل کہاں گیا؟'' وہ گھبرائی۔

''ابھی باہر گئے ہیں' آجائیں گے۔'' وہ جلدی سے اپنے کمرے میں چلی آئی' آنسو تھے کہ بے اختیار ہی سیلاب کی صورت آنکھوں سے گر رہے تھے' دل بھرا ہوا تھا' عادل کی خفگی کسی طور برداشت نہیں ہو رہی تھی' وہ پلنگ کے کنارے پہ بیٹھ گئی۔

''آخر میں اتنی پریشان کیوں ہوں...... میرے دل کو ٹھیس کیوں پہنچ رہی ہے...... میرا انگ انگ بے قرار کیوں ہے؟ اس نے میری اتنی مدد کی' میری ہر ضرورت کا خیال رکھا' مجھے پھر سے جینا سکھایا' اس لیے میں اس کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکی' آخر وہ میرا محسن ہے۔'' اس نے دل کو تسلی دی اور باہر آ کر منہ پہ چند چھینٹے مارے' تائی اور تایا بھی آ گئے تھے۔

''پتہ نہیں لڑکا کدھر چلا گیا' چائے بھی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں اماں میں دیکھتی ہوں' یہیں کہیں ہوں گے۔'' وہ عجلت سے باہر نکل گئی۔

❁ ❁ ...... ❁ ❁
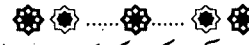
گاڑی نہر سے کچھ دور کھڑی کر کے وہ آزردہ دل لیے نہر کی طرف آ گیا۔ ایک بڑے سے پتھر پہ بیٹھ کر پانی کی طرف دیکھنے لگا۔ آج صبح سے وہ کتنا خوش تھا' اسے دیکھنے کے خیال سے دل میں پھول کھل رہے تھے' جن کی مہک نے اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا' وہ گنگناتا ہوا گاڑی ڈرائیو کرتا اسی کے خیالوں میں گم تھا' آج پورے دو ماہ کے بعد وہ اس دلربا کو دیکھے گا' جس نے اس کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ کتنے ہی رت جگے عطا کیے تھے' لیکن پھر بھی دل میں اسی کے وجود سے روشنی تھی' بہت عرصہ پہلے کی مایوسی کے بعد دل میں اس کے لیے چراغ روشن ہوئے تھے' وہ گاؤں پہنچا تو وہ گھر نہیں تھی' وہ مایوس ہو گیا' سب سے پہلے اسی وجود کو آنکھوں میں بسانا چاہتا تھا اور پھر ہر سو روشنی پھیل گئی' وہ اندر آئی تو مٹی سے لت پت پاؤں اور ہاتھوں سمیت گود میں سبزیوں کا ڈھیر اٹھائے سیدھی اس کے دل میں اتر گئی' چہرے پہ بڑی جاندار مسکراہٹ پھیل گئی' لیکن شاید اسے اس طرح اس کا اچانک آنا اچھا نہ لگا تھا' پھر اسے پتہ چل گیا کہ وہ اپنی حالت کی وجہ سے پریشان تھی' ناراض تھی تو اس کے دل میں کچھ اور روشنی پھیل گئی' اسے اس کے اپنے بارے میں خیالات اور نظریات کا فرق پڑتا ہے' اسے عادل کی رائے کی اہمیت عزیز ہے' لیکن پھر اس کی خوشی ماند پڑ گئی' وہ ابھی بھی سنجیدہ تھی' اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار نہیں کیا اور جب اس نے بیگانی سے پوچھا۔

''کس لیے آئے ہیں......؟'' تو وہ برداشت نہ کر سکا' دل کے نازک آبگینوں کو بری طرح ٹھیس لگی' وہ اتنی دور سے اسے ایک نظر دیکھنے آیا تھا اور اس کی طرف سے سرد مہری کا اظہار اس کے عالم شوق اور بھڑکتے جذبات کو سرد کر گیا تھا اور اس وقت یہاں بیٹھے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کیوں آیا' اسے اپنی عزت نفس بہت عزیز تھی' سورج مکھی سے بے پناہ محبت کے باوجود آہٹ پہ اس نے سر اٹھایا۔ وہ دشمن جان سامنے کھڑی تھی' روئی روئی آنکھیں اور خفت آمیز مسکراہٹ لبوں پہ لیے' شرمندہ شرمندہ سی' عادل نے نظریں پھیر لیں۔ سورج مکھی ایک قدم آگے بڑھی۔

"ناراض ہیں......؟" اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی اور اس میں لرزش تھی۔

"مجھے ناراض ہونے کا کیا حق ہے؟" ابھی بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔

"پورا حق ہے آپ کو ناراض ہونے کا...... اور میں بہت شرمندہ ہوں کہ آپ کا شایان شان استقبال نہ کرسکی' جانے کیا ہوگیا تھا مجھے' آپ مجھے معاف نہیں کریں گے؟"

حسن یوں شرمندہ سر جھکائے کھڑا معافی کا طلب گار ہو اور عشق پہ کوئی اثر نہ ہو' یہ کیسے ممکن تھا' عادل تڑپ کر کھڑا ہوگیا۔

"پلیز ایسے نہ کرو...... تمہارا کیا قصور؟ میں ہی اطلاع دیئے بغیر آ گیا تھا۔"

"آپ کی پھوپو کا گھر ہے' آپ کو حق ہے جب دل چاہے آئیں' میں کون ہوتی ہوں مائنڈ کرنے والی۔"

سورج مکھی کی آنکھیں خوامخواہ چھلک پڑیں۔ عادل بے قرار ہوگیا۔ وہ چاہتا تھا ان آنسوؤں کو اپنی انگلی کی پور پر روک لے۔

لیکن...... لیکن' وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے جذبوں پہ اعتبار نہ رہا تھا کیا پتہ دیوانگی میں یہ گستاخی سرزد ہوجائے۔

"چلو گھر چلتے ہیں سب منتظر ہوں گے۔" سورج مکھی کے دل سے بوجھ ہٹ گیا۔ ہلکی پھلکی ہوگئی۔ حالانکہ یہ سوال ابھی تک الجھن کا باعث تھا کہ اس کی ناراضگی اس کے لیے اتنی اذیت ناک کیوں تھی؟ لیکن اس نے اس سوال کو دماغ سے جھٹک دیا۔

ثریا کو چائے دوبارہ پکانی پڑی' تائی نے شاندار کھانے کا اہتمام کیا' سورج مکھی چہکتی رہی اور عادل اسے چہکتے دیکھ کر خوش ہوتا رہا' اس کے جانے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بریف کیس سے چند کاغذات نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"میں یہ کاغذات لایا تھا' ایم اے کے داخلے شروع ہونے والے ہیں' اسی لیے عجلت میں آنا پڑا' انہیں فل کردو

شمائلہ مرتضیٰ علوی

میرا نام شمائلہ ہے 27 اکتوبر 2008ء کو شادی کے بعد شمائلہ مرتضیٰ علوی ہوگیا۔ گھر والے مجھے کسی وقت بلی بھی کہہ دیتے ہیں' تاریخ پیدائش 2 جنوری 1989ء ہے۔ بی اے کرچکی ہوں' پسندیدہ کا کلر گرین ہے' بہت حساس بھی ہوں بہت جلد رونے لگتی ہوں۔ حج کرنے کے لیے تڑپ رہی ہوں' لباس میں شلوار قمیص پسند ہے' کڑھائی سلائی میں ماسٹر ہوں ہر طرح کے کپڑے بنالیتی ہوں۔ فطرت کے رنگ بہت پسند ہیں' خاص طور پر برستی بارش اور سرسبز کھیت' میری بہترین دوستوں میں دو تو میری بہنیں ہیں تہمینہ اعوان اور ثمینہ اعوان تیسری بہترین سہیلی شبنم ہے۔ آنچل اور اردو ڈائجسٹ پسندیدہ ہیں۔ رائٹرز میں رفعت سراج' بانو قدسیہ' اے حمید شامل ہیں۔ سردیوں کی دھند بہت پسند ہے' کھانا میں شوق سے پکالیتی ہوں اور وہ کھا بھی لیتے ہیں شوق سے۔ سب آنچل پڑھنے والوں کو ایک مشورہ ہے کہ درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھا کریں' برکت ہی برکت ہوجائے گی آپ کی زندگی میں۔ عثمان رشید اور عمر رشید اعوان میرے بھائی ہیں جن سے میں بہت لڑتی بھی ہوں اور پیار بھی کرتی ہوں۔ گرمیوں کی صبح صبح نہر کنارے سیر کرنا مجھے بہت پسند ہے' پی ٹی وی کے پرانے ڈرامے بہت اچھے لگتے ہیں۔ غصہ کی تھوڑی تیز ہوں پر بہت جلد ختم بھی ہوجاتا ہے۔ اب اجازت' اللہ آنچل کے تمام عملے اور پڑھنے والوں کو خوش وخرم رکھے آمین۔

اور اپنی چند تصویریں بھی ساتھ دے دو۔" وہ چونکی...... اور حیرت سے اسے دیکھا۔

"ماسٹرز...... میں نے تو نہیں کہا تھا کہ میں ماسٹرز کروں گی۔"

"تم نے تو نہیں کہا تھا' میں پھر بھی لے آیا۔ اچھا کیا ناں؟"

"لیکن میں تو اور نہیں پڑھنا چاہتی۔"

"کیوں..... اتنے مارکس لیے ہیں، وہ ضائع کردو گی، یہ تو بڑی زیادتی ہوگی، پھوپو اور خالہ بھی میرے ساتھ متفق ہیں۔"

"وہ تو ہر بات میں آپ کے ساتھ ہوتی ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"اور تم ہر بات میں مخالفت کرنا فرض سمجھتی ہو۔" وہ برجستہ بولا۔

"ہر بات میں تو نہیں..... یہ آپ زیادتی کررہے ہیں، خیر لایئے پیپرز۔"

"تھینکس۔" وہ خوش ہوگیا۔

"بیٹا..... میں تو چاہتی تھی اس کی شادی ہوجانے اب....." ثریا تھوڑا جھجک کر بولیں۔

"ہوجائے گی شادی بھی خالہ..... ماسٹرز کرلے تو۔" وہ لاپروائی سے بولا اور پھر سورج مکھی کی طرف دیکھا۔

"ویسے یہ سورج مکھی کی چوائس ہے، کیوں سورج مکھی شادی کرنی ہے یا ماسٹرز.....؟" سورج مکھی نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"جواب مل گیا مجھے، ذرا جلدی کرنا مجھے واپس بھی جانا ہے۔"

"آپ اتنی دور سے صرف فارم فل کروانے آئے ہیں اور اتنی جلدی واپسی؟" وہ حیران ہوئی۔

"بہت اہم کام ہے یہ جناب۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

سورج مکھی کی آنکھیں نم ہوگئیں، سب سے اللہ حافظ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھا تو وہ اسے چھوڑنے آئی۔ کھڑکی کے کھلے شیشے پہ کہنیاں ٹکا کر اندر دیکھا۔

"آپ میرے لیے اتنا اچھا سوچتے ہیں اور میں اتنی بری ہوں آپ کو خفا کردیتی ہوں۔" عادل کا رنگ بدلا اور وہ سنجیدہ ہوگیا۔

"اگر تم گلٹی فیل کرنا بند کردو تو میرا سفر اچھا کٹے گا..... اب ذرا مسکراؤ....." وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"تھینک یو۔" وہ وارفتگی سے اسے دیکھ کر گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

❁ ❁ ❁

ماسٹرز میں سورج مکھی بے حد مصروف ہوگئی، بہت محنت کی ضرورت تھی، یونیورسٹی لائف میں اتنی پابندیاں نہیں تھیں، چند ایک نئی سہیلیاں بھی بن گئی تھیں، کچھ بی اے سے ساتھ ہی آئی تھیں، تایا نے اسے موبائل بھی لے دیا تھا، جب چاہے بات کرسکتی تھی، ان نئی سہیلیوں میں ایک فائقہ تھی، اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والی الٹرا ماڈرن لڑکی، اسے جانے کیوں سورج مکھی پسند آگئی تھی، حالانکہ سورج مکھی کو اس سے خاص دلچسپی نہ تھی، مگر اس نے کسی کا دل توڑنا نہیں سیکھا تھا۔ اس لیے اس کے بڑھے ہاتھ کو تھام لیا۔ فائقہ کو سنہری رنگت اور براؤن آنکھوں، براؤن بالوں والی سورج مکھی نے بہت متاثر کیا تھا، کئی بار اسے گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی لیکن سورج مکھی نے شائستگی سے انکار کردیا تھا کہ وہ کسی کے گھر بھی نہیں جاتی، اصل میں اسے عادل نے منع کررکھا تھا، فائقہ سورج مکھی کو اپنے بھائی کو دکھانا چاہتی تھی، اپنی بھابی بنانا چاہتی تھی، اس بات سے قطع نظر کہ اس کے ماں باپ نے جانے کیا سوچا ہوا اس کے لیے۔

زندگی رسان سے گزر رہی تھی، پہلا سال آرام وسکون سے گزر گیا، اس کی پوری توجہ پڑھائی پہ تھی، رات کو سونے سے پہلے ایک بار گھر ضرور فون کرتی تھی اور دن بھر کی روداد ماں اور تائی کو سناتی تھی، کبھی کبھی نائمہ بھی آجاتی، تو وقت بہت خوشگوار کٹ جاتا، بس ایک بات اس کے دل میں کھٹکتی تھی، جب سے وہ شہر آئی تھی عادل نے ایک بار بھی اسے اپنے گھر چلنے کو نہیں کہا تھا حالانکہ اسی شہر میں رہتا تھا، ایک روز نہ چاہتے ہوئے بھی وہ شکایت کربیٹھی۔ عادل نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں مانتا ہوں میں گناہ گار ہوں، قصور وار ہوں، جو چاہے سزا دے لو۔"

"سزا نہیں دینی، وجہ جاننی ہے۔"

"تمہیں میری نیت پہ شک ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولا تو سورج مکھی نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر یقین کرو اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو میرا دل نہیں چاہتا تم میری خاص مہمان بن کر میرے گھر آؤ' میں وہاں تمہاری ناز برداری کروں' تمہیں اپنا کمرہ دکھاؤں' اس کمرے میں کہاں کہاں بیٹھ کر تمہیں یاد کرتا ہوں' تمہیں سب دکھاؤں' لیکن ان سب خواہشات سے زیادہ مجھے تمہارے نازک احساسات اور تمہاری عزت نفس کی پروا ہے' اس لیے میری نیت پہ کبھی شک نہ کرنا۔"

"اس کا مطلب ہے آنٹی مجھے پسند نہیں کرتیں۔" اس کا چہرہ تاریک ہوگیا تو عادل ڈپریس ہوگیا۔

"میں نے کہا ناں کچھ مت سوچو' کوئی اور سوال نہ کرو' ایک دن آئے گا جب میں تمہیں وہاں لے کر جاؤں گا' پورے اعزاز کے ساتھ۔" اس کے بعد اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کی کوئی مجبوری ہوگی۔

❁ ❁ ......❁ ❁ ❁

عادل پورے ایک مہینے سے اسے وزٹ کرنے نہیں آیا تو اس پہ ایک بڑا انکشاف ہوا' وہ اسے دیکھے بغیر بے چین و بے قرار رہتی ہے' اسے دیکھ کر اس کے جسم میں جان پڑ جاتی ہے' آنکھیں ستاروں کی طرح چمکنے لگتی ہیں اور اگر وہ زیادہ دیر کردے تو اس کے لیے زندگی کی ہر رونق ختم ہوجاتی ہے۔

"تو کیا وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے..... کیا محبت نے ایک بار پھر اس کے دل میں بسیرا کرلیا ہے؟ سورج کو بھول کر وہ عادل سے ناطہ جوڑ بیٹھی ہے..... لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ عادل تو بچپن سے ہی کسی سے محبت کرتا ہے۔ بس اپنی محبت کی قبولیت کا منتظر ہے۔" وہ بری طرح ڈپریس ہوگئی' یہ کیسے ہوگیا؟ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ کیوں ہوگیا' اسے نئی زندگی دیتے دیتے وہ کب اس کی زندگی بن گیا' اسے خبر نہ ہوسکی۔

اوہ میں بھی کتنی بدنصیب ہوں' محبت شاید میرے نصیب میں ہی نہیں' میں اپنے محسن کو کسی قسم کا دکھ نہیں پہنچا

دن سالگرہ کا آیا ہے

شب و روز کا تغیر تیزی سے جاری و ساری ہے۔ ماہ و سال کا سفر تیزی سے رواں دواں ہے اور انہی گزرتے ماہ و سال میں حجاب نے بھی اپنے دو سال کی مسافت طے کرلی ابھی کل کی سی بات لگتی ہے جب ہم آپ نئے پرچے کے لیے مشاورت کررہے تھے اور آج ہمارے اور آپ کے حجاب نے کامیابی کے ساتھ اپنے ابتدائی دو سال مکمل کرلیے اس دوران آپ بہنوں اور بالخصوص ہماری رائٹرز کا بھرپور تعاون ہمیں حاصل رہا جنہوں نے اپنی گلہائے رنگ تحریروں سے حجاب کو زینت و رونق بخشی۔ امید ہے آئندہ بھی آپ کا تعاون ہمارے ہمقدم رہے گا سالگرہ کے اس موقع پر آپ بہنوں کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا ہے جس میں قارئین اور رائٹرز کی شرکت ہمارے لیے کسی تحفے سے بڑھ کر ہوگی آپ کی دلچسپی کو ملحوظ خاطر رکھتے چند سوالات مرتب کیے گئے ہیں۔

۱۔ "ہر بول تیرا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے۔" کے بقول حجاب کی کہانی یا نظم کا کوئی مصرعہ، کوئی اچھی بات جو آپ کے دل میں اتر گئی ہو۔

۲۔ مستقل سلسلوں میں آپ کا پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اور اگر تبدیلی چاہتی ہیں تو کیسی تبدیلی اور نیا سلسلہ کون سا ہو؟

۳۔ اس سال حجاب کی بہترین تحریر آپ کی نظر میں کون سی رہی؟

۴۔ شاعر و ادیب میں سے کسی کا انٹرویو جسے آپ حجاب کے صفحات پر پڑھنا چاہیں؟

۵۔ آئندہ آنے والے ماہ و سال میں کس رائٹر کو حجاب میں پڑھنا پسند کریں گی؟

۶۔ حجاب کی تمام مصنفین یا بالخصوص کسی ایک کے لیے آپ کا پیغام۔

ان سوالات کے جوابات 25 اکتوبر تک ارسال کردیں۔ ای میل کے لیے ایڈریس یہ ہیں۔

نوٹ۔ ای میل کرنی والی بہنیں سروے حجاب ضرور لکھیں۔ info@aanchal.com.pk

سکتی‘ مجھے جلد ہی اس سے کنارہ کشی اختیار کرلینی چاہیے اسے نظرانداز کرنا چاہیے تاکہ وہ یہاں نہ آئے یہاں آ کر اگر وہ میری آنکھوں سے میرے دل کا حال جان گیا تو اسے کتنا دکھ ہوگا۔ ایک روز نائمہ آئی تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

”نائمہ تمہیں پتہ ہے تمہارا بھائی بچپن سے ہی کسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہے۔“

”کیا......؟“ نائمہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”نہیں تو‘ میں تو نہیں جانتی لیکن آپ کو کیسے علم ہوا؟“

”اس نے مجھے خود بتایا تھا۔“

”اچھا کون ہے وہ‘ کیا نام ہے اس کا؟“ وہ ایک دم ایکسائٹڈ ہوگئی۔

”یہی تو بات ہے نام نہیں بتایا‘ کہتا ہے نام بتا کر اسے بدنام نہیں کرنا چاہتا۔“

”لیکن ماما کو تو بتانا ہی پڑے گا وہ تو اس کے لیے ایک سے ایک الٹرا ماڈرن لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں۔ ایک راستہ ہے بھائی اکثر اپنی ڈائری میں کچھ لکھتے رہتے ہیں‘ اگر میں کسی طرح وہ حاصل کرلوں تو شاید پتہ چل جائے‘ لیکن یہ بھی ذرا مشکل ہے وہ الماری لاکڈ رکھتے ہیں اور چابی بھی اپنے ساتھ ہی رکھتے ہیں۔“ سورج مکھی ابھی تک پُرسوچ انداز میں بیٹھی تھی۔

”لیکن تم ذرا سوچو تو‘ کوئی ایسی لڑکی جس سے وہ بچپن سے ملتے رہے ہوں۔“

”ہمارے ملنے والوں میں اتنی زیادہ فیملیز ہیں اور بچپن کی بات مجھے کہاں معلوم ہوگی‘ میں خود تب بچی تھی اور اتنی ساری لڑکیاں‘ اب میں کیا کہہ سکتی ہوں‘ سیدھے سیدھے بھائی سے نہ پوچھ لوں؟“

”نہ......نہ وہ مجھ سے خفا ہوں گے‘ میں نے ان کا اتنا پرسنل راز تمہیں بتادیا‘ کوئی اور طریقہ سوچو۔“

”چلو ٹھیک ہے میں اپنا دماغ لڑاؤں گی‘ اور کوشش کروں گی ان کی الماری اگر کبھی کھلی رہ گئی تو سمجھو یہ جاسوس اپنی صلاحیتیں ضرور آزمائے گی۔“

”اور میں بھی اپنا دماغ لڑاؤں گی۔“

”ویسے بھائی تو بڑے چھپے رستم نکلے۔“ سورج مکھی کے لبوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ تھی‘ جسے اپنے جوش میں نائمہ نہ دیکھ سکی۔

❁ ❁ ......❁...... ❁ ❁

فائقہ کو ایک موقع مل ہی گیا‘ اس کی سالگرہ تھی اور ممی ڈیڈی ایک گرینڈ پارٹی کا اہتمام کررہے تھے جس میں سارے شہر کے روسا کو مدعو کیا جارہا تھا۔ فائقہ نے اس میں اپنی سہیلیوں کے گروپ کو انوائٹ کرلیا۔ اس طرح سورج مکھی بھی انکار نہ کرسکتی تھی‘ عادل نے بھی منع نہیں کیا‘ اسے بس اس کے کہیں اکیلے جانے پہ اعتراض ہوتا تھا۔ فائقہ کے لیے تحفہ خریدنا تھا‘ وہ سہیلیوں کے ساتھ بھی جاسکتی تھی لیکن عادل کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش پہ دل مچل گیا۔ وہ اس وقت بھول گئی کہ اسے نظرانداز کرنا تھا۔ اسے فون کیا تو وہ وعدے کے عین مطابق گاڑی لیے حاضر ہوگیا۔ سورج مکھی شرمندہ سی ہوئی اور معذرت خواہانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”سوری‘ روز روز آپ کو تکلیف دیتی ہوں۔“

”یہ روز روز کی تکلیف مجھے بے انتہا خوشی مہیا کرتی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے برجستہ بولا۔ دونوں چند لمحے خاموش رہے پھر سورج مکھی نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

”کل نائمہ سے ملاقات ہوئی تھی۔“

”اچھا...... یہ تو اچھی بات ہے کہ تم دونوں میں دوستی ہوگئی۔“

”مجھ سے ایک غلطی ہوگئی۔“ وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

”کیسی غلطی؟“ وہ چونکا۔

”میں نے نائمہ سے اس لڑکی کا ذکر کردیا۔“

”کس لڑکی کا؟“ وہ سمجھا نہیں تھا۔

”وہ جس سے آپ بچپن سے محبت کرتے ہیں۔“

”کیا......!“ اسٹیئرنگ پہ اس کے ہاتھ مضبوط ہوئے۔ ”یہ کیا کیا؟ اب وہ ماما کو بتادے گی۔“

"تو پھر کیا ہے' آخر آپ کو آنٹی کو بتانا ہی ہے' بتائیں گے نہیں تو شادی کیسے ہوگی۔" وہ خاموش رہا۔
"نہ ماما کو بتایا نہ اس لڑکی کو بتایا' عجیب منطق ہے آپ کی۔"
"میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ جب تک اس لڑکی کو خود سے میرے جذبات میری محبت کا احساس نہیں ہوتا' میں اسے نہیں بتاؤں گا۔"
"آپ اس سے ملتے رہتے ہیں؟"
"ہاں اکثر۔"
"تو کیسی بے وقوف اور پتھر دل لڑکی ہے کہ اسے کچھ احساس ہی نہیں ہوتا۔" وہ غصے میں بولی۔
"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ زیرلب مسکرایا اور کنکھیوں سے اسے دیکھا۔
"تم میری بات چھوڑو تمہارا شادی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"میں تو آپ کو بتا چکی ہوں کہ کبھی شادی نہیں کروں گی۔"
"پکا ارادہ ہے؟"
"ہاں پکا ارادہ ہے۔"
"تبدیلی کی گنجائش نہیں۔" سورج مکھی نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"آپ کو ایک بات بتاؤں میری قسمت میں شاید محبت نہیں ہے' سورج کے بعد میں غم زدہ رہی لیکن آپ مجھے زندگی کی طرف واپس لے آئے' میرا کچھ کچھ ارادہ بدلنے لگا' مجھے لگا شاید اب میں نارمل ہوگئی ہوں' اب میں شادی کرسکتی ہوں لیکن پھر کچھ ایسا ہوا کہ میں نے پکا ارادہ کرلیا کہ کبھی شادی نہیں کروں گی۔"
"ایسا کیا ہوا سورج مکھی؟" وہ بے چین ہوا۔
"آپ کو نہیں بتاسکتی۔"
"میں دوست ہوں تمہارا۔"
"اسی لیے..... اسی لیے تو نہیں بتاسکتی' آپ کی خوشی دنیا میں سب سے زیادہ اہم ہے میرے لیے' یاد ہے آپ

کیوں پتھر آ کر پھینکا ہے
میری ذات کے منجمد دریا میں
کیوں پتھر آ کر پھینکا ہے
میرے ساکن جذبوں میں
کیوں پتھر آ کر پھینکا ہے
وہ خوابوں کا آباد نگر
وہ خوشیوں کا شاد نگر
کب اجڑ گیا مجھے کیا خبر
میرے سونے جیون میں تم نے
کیوں پتھر آ کر پھینکا ہے
وہ وفا' خلوص کے رشتے
وہ اعتماد و اعتبار کے قصے
جب یہ سب ریزہ ریزہ ہوئے
ہم بکھرے تھے پھر سنبھل گئے
پھر گزری باتوں میں تم نے
کیوں پتھر آ کر پھینکا ہے
شمع مسکان..... جام پور

نے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں سچے دل سے خوش رہوں گی تو آپ خوش رہیں گے۔ اسی طرح میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ آپ اگر خوش رہیں گے تو مجھے دنیا جہان کی خوشیاں ملیں گی' آپ پلیز آنٹی کو اپنی بچپن کی محبت کے بارے میں بتادیں۔"
"بتا تو دوں' لیکن مجھے علم نہیں کہ بدلے میں وہ لڑکی مجھ سے محبت کرے گی یا نہیں؟"
"تو پوچھ لیں ناں اس سے' آپ اتنے بزدل تو نہیں ہیں۔"
"بزدل نہیں ہوں' لیکن محبت کرنے والوں کے دل ذراسی ٹھیس سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ڈرتا ہوں اگر اس نے میرے ہاتھ جھٹک دیئے تو کیا ہوگا؟"
"یہ رسک تو لینا پڑے گا آپ کو۔"
"لوں گا ضرور لوں گا' بس مجھے مناسب وقت کا انتظار

ہے۔"

"اور کتنا وقت لیں گے آپ‘ آپ سمجھتے ہیں بچپن سے لے کر جوانی تک کا وقت کافی نہیں ہے آپ کے لیے؟" وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا‘ ایک لفظ نہ بولا‘ دل عجیب سے جذبات سے لبریز تھا‘ بھی سوچتا ابھی اور اسی وقت اس سے پوچھ لے‘ لیکن جانے کیا چیز اسے ایسا کرنے سے روکتی رہی۔ دونوں نے خاموشی سے خریداری کی۔ اسے ہاسٹل ڈراپ کیا اور زن سے گاڑی اڑا۔ جانے کس طرح وہ کمرے میں آئی اور چپ چاپ اپنے بستر پہ بیٹھ گئی‘ ورنہ دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

❁ ❁ .... ❁ ❁ ❁

فائقہ کی پارٹی کے لیے تیار ہوتے ہوئے بھی وہ مسلسل عادل کے بارے میں سوچ رہی تھی‘ دل میں ہلکی سی کسک ہو رہی تھی‘ اس کا خوب صورت چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے آتا تو یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اس کے نصیب میں نہیں ہے‘ اس کے چہرے پہ دل فریب روشنی بکھر جاتی۔ اس نے خود کو تسلی دی‘ کیا ہوا اگر وہ کسی دن کسی اور کا ہو جائے گا‘ اس کے دل میں تو ہمیشہ اس کی محبت رہے گی‘ روشنی بن کر‘ ہاتھ میں ہمیشہ اس کی خوب صورت باتوں کے جگنو رہیں گے‘ وہ جب بھی بند مٹھی کھولے گی‘ ان کی چمک دل روشن کر دے گی‘ سب لڑکیاں خوب صورت لباس پہنے میک اپ کیے یوں تیار تھیں جیسے کسی فیشن شو میں حصہ لینے جا رہی ہوں۔ ایسی گیدرنگ میں جانا کم ہی نصیب ہوتا تھا جہاں شہر کے سارے امرا موجود ہوں‘ فائقہ نے انہیں لینے اپنی شاندار گاڑی بھیجی تھی اور وہ یہ سب صرف اور صرف سورج مکھی کے لیے کر رہی تھی۔ ورنہ اسے باقی لڑکیوں کی کیا پروا تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

عادل انتہائی بے دلی سے تیار ہوا‘ وہ اس بے مقصد پارٹی کو کسی صورت اٹینڈ نہیں کرنا چاہتا تھا‘ لیکن ماما نے اسے کوئی چوائس نہیں دی تھی‘ سفید بے داغ شرٹ بلیک تھری پیس سوٹ‘ لائٹ رسٹ اور بلیک لائنوں والی ٹائی پہن کر سیاہ چمکدار جوتوں کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو سب لاؤنج میں تیار بیٹھے تھے‘ آج پھر ماما پہ وہی پرانا جنون سوار تھا‘ کسی بہت بڑے رئیس کے گھر دعوت تھی‘ اس کی بیٹی کی سالگرہ تھی‘ ماما کی خواہش تھی عادل اسے ایک نظر دیکھ لے۔ شاید اسے پسند آ جائے تو وہ رشتے کی بات آگے بڑھائیں‘ وہ صرف اس لیے تیار ہو گیا تھا کہ پارٹی اٹینڈ کرنے میں کیا حرج تھا۔ ورنہ انکار کی صورت میں گھر میں ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا‘ لڑکی کو پسند کرنا یا نہ کرنا تو اس کے اپنے اختیار میں تھا۔ وہاں دوستوں سے بھی ملاقات ہو جاتی تو شاید وقت اچھا کٹ جاتا‘ وسیع و عریض مینشن کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ کشادہ لان مکمل بہار کا منظر پیش کر رہا تھا۔ گھاس کسی مخملیں قالین کی طرح نرم و ملائم تھی‘ چاروں طرف رنگا رنگ پھول مہک رہے تھے‘ لمبی خوب صورت روش عبور کر کے اندر آئے تو ہال کی قابل دید سجاوٹ نے فیروزہ کی آنکھیں کھول دیں‘ بے دریغ پیسہ خرچ کیا گیا تھا‘ کافی مہمان آ چکے تھے اور خوب صورت میزوں کے گرد بیٹھے لوگ مشروبات کے ساتھ دل بہلانے کے علاوہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وقار صاحب جو کہ صاحب خانہ تھے‘ گرم جوشی سے ملے‘ خاص طور پر تنقیدی پر شفقت نظروں سے عادل کو دیکھا‘ دروازے پہ ہی پنکی (فائضہ) سے ملاقات ہو گئی تھی‘ جو برتھ ڈے گرل تھی اور پنک سلیولیس چست لانگ ڈریس میں چمک رہی تھی۔ بالوں کو اوپر کر کے بہت خوب صورت اسٹائل بنایا ہوا تھا۔ عادل کو دیکھ کر دلکشی سے مسکرائی‘ لیکن عادل نے سر کے خفیف سے خم سے جواب دینے پہ اکتفا کیا۔ فیروزہ جز بز ہو گئیں‘ جب لڑکی خود ہی مائل بہ کرم تھی‘ تو عادل کو رکھائی دکھانے کی کیا ضرورت تھی۔ انہوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھالیں تو فیروزہ نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"کیسی لگی پنکی؟"

"بہت زیادہ پنک۔" وہ مزاحاً مسکرایا۔

"خوب صورت ہے ناں؟"

"معلوم نہیں ماما۔" وہ بیزاری سے بولا۔ نائمہ اور

صائمہ خوامخواہ ہنس دیں' انہیں شاید بھائی کی بے بسی پہ مزہ آرہا تھا۔ جبکہ پاپا خاموشی سے جائزہ لے رہے تھے۔

عادل بے دلی سے دروازے سے اندر آتے مہمانوں کو دیکھ رہا تھا۔ تبھی اس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آگئیں' جسم ایک دم تن گیا' پنکی عرف فائقہ بھاگتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی اور پُرجوش انداز سے آنے والی ہستی سے لپٹ گئی۔

''اوہ سورج مکھی' شکر ہے تم آگئیں۔ ورنہ مجھے تو ذرا بھی یقین نہیں تھا۔'' سورج مکھی کچھ نروس سی تھی۔

''بھائی ذرا ادھر تو آؤ۔'' اس نے خوشی سے اپنے بھائی کو آواز دی' ایک نوجوان جھومتا ہوا ادھر بڑھا۔

''ارے یہ تو اپنی سورج مکھی ہے۔'' نائمہ نے حیران ہوکر عادل کی طرف دیکھا جو ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا' چہرے پہ ناگواری تھی۔ پنکی کا بھائی سورج مکھی کے قریب آیا' مسکرا کر چند الفاظ بولے اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا' جسے سورج مکھی نے نظر انداز کردیا اور محض سر کے اشارے سے جواب دے کر اپنی دوستوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی' فیروزہ اور پاپا بھی ادھر متوجہ ہوگئے' نائمہ ایک دم اٹھی اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

''سورج مکھی' تم یہاں؟'' سورج مکھی نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر سکون کا سانس لیتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

''اللہ کا شکر ہے تم نظر آگئیں' ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا پاگل خانے میں آگئی ہوں۔''

''تم یہاں کیسے؟''

''فائقہ میری کلاس فیلو ہے ناں' بہت اصرار سے ہمیں بلایا تو آنا پڑا۔''

''تم ہماری ٹیبل پر آجاؤ۔'' سورج مکھی پُروقار چال چلتی اس کے ساتھ ان کی ٹیبل پہ آگئی۔

''ماما سورج مکھی سے ملیں۔''

''السلام علیکم آنٹی' کیسی ہیں آپ؟'' وہ اتنے پیار اور تہذیب سے ان سے مخاطب ہوئی کہ وہ حیران رہ گئیں'

حیرت زدہ تو وہ اسے دیکھتے ہی ہوگئی تھیں' یہ وہ سورج مکھی تو ہرگز نہیں ہوسکتی جو اس کے نام کے ساتھ ان کے تصور میں آئی تھی اور جسے وہ سورج کی وفات پہ دیکھ چکی تھیں' سہمی ہوئی' بکھرے روکھے بالوں اور ویران بے رنگ چہرے والی سورج مکھی' انہوں نے بے یقینی سے دوبارہ اسے دیکھا۔ سیاہ شیفون کے بے حد خوب صورت اسٹائل سے سلے سوٹ میں ملبوس جس کے کناروں پہ سنہری بارڈر اسے خوب صورت بنا رہا تھا۔ شفاف گردن میں نازک سنہری لاکٹ' صبیح گالوں کو چومتے خوبصوت آویزے بڑی بڑی سحر انگیز براؤن آنکھیں اور براؤن بالوں کی خوب صورت لٹیں جو چہرے کے دونوں اطراف پہ جھول رہی تھیں' ہنسنے کا خوب صورت انداز' ایسے لگ رہا تھا ان کی قوت گویائی کسی نے سلب کرلی ہو' پاپا اور صائمہ بھی دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے جبکہ عادل ماما کی حالت پہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔ فیروزہ بے اختیار اٹھ کر اس سے گلے ملیں۔

''انکل آپ کیسے ہیں؟ پھر آئے ہی نہیں ہمارے گاؤں' تائی انتظار کرتی رہتی ہیں۔''

''آؤں گا بیٹا' ضرور آؤں گا۔''

''سچ......؟'' اس کے چہرے پہ شفق سی بکھر گئی' وہ صائمہ سے بھی ملی اور پھر عادل کی طرف دیکھا۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''پرفیکٹ۔''

''گڈ...... میں اپنی سہیلیوں کی طرف جاتی ہوں' اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو......؟''

''ضرور۔'' عادل نے اجازت دی تو وہ دھیمے سے ان کی طرف مڑ گئی۔ فائقہ پھر چہکتی ہوئی آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے بھائی کے پاس لے گئی۔

''ریحان تم کیا کر رہے ہو آخر......؟'' اس نے غصے سے اسے ڈانٹا۔ ''میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ سورج مکھی کو کمپنی دو۔'' وہ اسے سورج مکھی کے پاس چھوڑ کر باقی مہمانوں کی طرف چلی گئی' سورج مکھی نے ناگواری سے ریحان کی طرف دیکھا جس کے منہ سے شراب کی بو اس کے حواس پہ گراں گزر رہی تھی۔

''نائمہ...... سورج مکھی کی ہیلپ کرو۔'' عادل نے کہا تو وہ جلدی سے اٹھ کر ادھر چلی گئی۔ وہ تو پنکی سے واقف تھی' اس کے عیاش بھائی کو بھی جانتی تھی' اس نے فوراً سورج مکھی کا ہاتھ تھام لیا۔

''سورج مکھی تم ہمارے پاس بیٹھو۔'' نائمہ واپس آئی تو فیروزہ اپنے حلقے کی خواتین سے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ پاپا بھی نہیں تھے' عادل دانستہ اپنے دوستوں کے ساتھ تھا' صائمہ تو پارٹی کے شروع میں ہی سہیلیوں کے ساتھ مصروف تھی' وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف ہوگئیں' عادل کی نظریں اپنے دوستوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بھی ادھر ہی بھٹک رہی تھیں۔

''تمہیں پتہ ہے ماما پنکی سے بھائی کی شادی کروانا چاہتی ہیں۔'' اس نے سرگوشی کی تو سورج مکھی کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ ''یہ دیکھو پنکی کی ماما کو دکھانے کے لیے تصویریں بھی ساتھ لائی ہیں۔'' اس نے پرس میں سے چند تصویریں نکال کر میز پہ رکھ دیں۔

''تصویروں کی کیا ضرورت تھی؟ عادل موجود تو ہیں سامنے ہی دیکھ لیں۔''

''لیکن تصویر تو دیں گی نہ انہیں' آنٹی کو بھی اپنے رشتہ داروں کو دکھانی ہوں گی اور پھر پنکی نے بھی پاس رکھنی ہوگی۔'' وہ لفافے میں سے تصویریں نکال کر اسے دکھا رہی تھی۔ ایک سے ایک بڑھ کر تھی تصویر' نائمہ نے لفافہ میز پہ رکھ دیا۔

''اور تم نے کچھ پتہ کیا اس لڑکی کا' جس سے عادل محبت کرتا ہے۔''

''بھائی نے موقع ہی نہیں دیا' کبھی چابی گھر بھول کر جائیں تو میں الماری دیکھوں ناں۔''

''نائمہ اس طرح تو مشکل ہوجائے گی۔''

''یہی تو میں سوچ رہی تھی۔'' اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے اٹھی۔

''تم ذرا بیٹھو میں ایک منٹ میں آئی' میری ایک فرینڈ

ابھی آئی ہے انہیں ہیلو کرلوں۔‘‘ وہ چلی گئی تو وقت گزاری کے لیے لفافہ لے کر تصویریں دیکھنے لگی‘ ہر تصویر میں اسے یوں لگ رہا تھا جیسے عادل شرارت سے مسکرا رہا ہو‘ اس کے لبوں پہ بھی مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر جانے کس جذبے کے تحت ایک خوب صورت تصویر ادھر ادھر دیکھ کر اپنے پرس میں منتقل کرلی‘ تبھی عادل اسے اکیلا دیکھ کر ادھر آ گیا‘ سورج مکھی بری طرح گھبرائی‘ کہیں عادل نے اس کی چوری تو نہیں پکڑلی۔

’’کیا ہوا......؟‘‘ اس کا رنگ اڑتے دیکھ کر وہ فکرمند ہوا۔

’’آپ کو کیا؟ آپ تو مجھے مسلسل نظر انداز کررہے ہیں؟‘‘ وہ گھبراہٹ چھپانے کو بولی۔

’’ایسی بات نہیں ہے‘ مجھے تمہاری ریپوٹیشن کا خیال ہے‘ اس لیے ذرا کم تمہارے پاس بیٹھ رہا ہوں۔‘‘

’’سنا ہے آنٹی فائقہ سے آپ کی شادی کرنا چاہتی ہیں؟‘‘

’’ٹھیک سنا تم نے‘ تمہارا کیا خیال ہے؟‘‘

’’میرا کیا خیال ہوگا‘ آپ کی شادی ہے جس سے مرضی کریں۔ لیکن اس بے چاری لڑکی کا کیا ہوگا جس سے آپ محبت کرتے ہیں؟‘‘

’’پچھتائے گی اور کیا کرنا ہے اس نے‘ اگر میری محبت کا اقرار نہیں کرے گی‘ میرے سچے جذبات نہیں پہچانے گی تو پھر مجھے کھودے گی۔‘‘

’’یہ تو ظلم ہوگا بے چاری لڑکی کے ساتھ۔‘‘ سورج مکھی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ عادل خود کو ان آنکھوں کے طلسم سے آزاد نہ کراسکا‘ دونوں ہی لمحوں کے طلسم میں جکڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے‘ نظریں نہ ہٹا سکے‘ کتنے ہی جادو بھرے لمحے اسی طرح بیت گئے۔ اگر کچھ دیر نائمہ نہ آتی تو شاید ان کا راز کئی لوگوں پہ آشکار ہوجاتا‘ لیکن لمحوں کا طلسم ٹوٹ گیا‘ اس کے بعد سورج مکھی چپ سی ہوگئی‘ گم صم اور نڈھال سی‘ پنکی کے بھائی نے بھی قریب آکر اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تو

نظم

میری عمر ساری گزر گئی
نہ ملا کہیں مجھے اپنا نشاں
اک نامعلوم سی خلش لیے
ذہن ہے کہ فکرزدہ
کہ بتائے کس کو اپنی داستاں؟
کڑی دھوپ میں خود کو جلالیا
نہ آسکا کبھی ہنر بیاں
شب تاریکیوں میں بارہا
آنکھیں ہوئیں دھواں دھواں
چھبتے موسم کی گود میں
اک زندگی ہے رواں دواں

سدرہ فریال...... میانوالی

جیسے محفل میں حاضر ہی نہ تھی‘ وہ کہاں تھی‘ اسے خود بھی پتہ نہیں تھا۔ عادل بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا‘ اسے محسوس ہونے لگا شاید آج قسمت نے یاوری کی ہے‘ اس کا جادو چل گیا ہے‘ پارٹی کب ختم ہوئی‘ کب وہ ہاسٹل آئی اسے کچھ خبر نہ تھی‘ کپڑے بدل کر اس نے اپنے پرس میں سے عادل کی تصویر نکالی اور کتنی دیر اسے دیکھتی رہی‘ پھر اسے الماری میں سورج کی تصویر کے ساتھ رکھ دی۔

❁ ❁ ......❁...... ❁ ❁

وہ امتحانوں میں اس طرح مشغول تھی کہ کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ اتنی محنت کرنے کے باوجود عادل کا خیال دل سے نہ جاسکا‘ اس کی تصویر آنکھوں میں ایسی بجی تھی کہ کبھی دور ہی نہیں جاتی تھی‘ پھر بھی کسی نہ کسی طرح اس نے پڑھائی جاری رکھی اور امتحان دے ہی دیا‘ اب وہ فارغ تھی اور واپسی کی تیاری کررہی تھی‘ دل بے حد افسردہ تھا۔ عادل کو چھوڑ کر جانے کا تصور ہی محال تھا‘ یہاں تو کبھی نہ کبھی ملاقات ہو ہی جاتی...... لیکن اب جبکہ اس نے گاؤں چلے جانا تھا تو وہاں نجانے کب ملاقات متوقع ہوتی‘ باقی سامان تو اس نے پیک کرلیا تھا‘ اب الماری رہ گئی تھی‘ لیکن دل اتنا

آزردہ ہورہا تھا کہ کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا' وہ خاموشی سے بھیگی آنکھوں کے ساتھ بیڈ پہ لیٹ گئی۔

دوسرے روز یونیورسٹی میں نائمہ آندھی اور طوفان کی طرح پورے جوش وخروش کے ساتھ اس سے لپٹ گئی اور اسے پوری قوت سے بھینچ لیا۔

"ارے..... ارے..... میرا سانس رک رہا ہے' کیا ہوا..... کیا کوئی خوش خبری ہے؟"

"ہاں' لیکن بوجھو تو جانوں کہ تم کتنی عقل مند ہو؟"

"بھائی کی شادی طے ہوگئی پنکی سے۔"

"نہیں۔"

"پھر تم خود ہی بتا دو ناں۔" وہ ہار گئی۔

"مجھے بھائی کے راز کا پتہ چل گیا۔" سورج مکھی ایک دم اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

"سچ.....! کیسے؟"

"آج بھائی الماری کی چابی گھر بھول گئے' میں کتنے دنوں سے ٹوہ میں تھی آج موقع مل ہی گیا۔"

"پھر کون ہے وہ؟" سورج مکھی کا دل اندر سے بیٹھا جارہا تھا پھر بھی اس کا تجسس قابل دید تھا۔

"اوہ سورج مکھی میں اتنی خوش ہوں' لیکن تم کبھی گیس نہیں کرسکتیں۔"

"پلیز..... پلیز جلدی بتاؤ' میں مری جارہی ہوں جاننے کے لیے۔"

"اچھا ایسا کرتی ہوں یہ ڈائری میں تمہیں دے جاتی ہوں' ادھر قریب ہی میری ایک دوست رہتی ہے' تم اتنی دیر میں پڑھ لو۔"

"لیکن تم کیوں جارہی ہو؟"

"اس لیے کہ میں چاہتی ہوں تم مکمل تنہائی میں یکسوئی سے یہ ڈائری پڑھو۔" وہ سنجیدہ ہوئی۔ سورج مکھی نروس سی ہوگئی۔ نائمہ کا انداز ہی ایسا تھا۔

"لیکن کیوں نائمہ' کیا میں جانتی ہوں اسے؟"

"اب مزید کوئی سوال نہیں' میں جارہی ہوں' ایک گھنٹے کے بعد آؤں گی۔" وہ چلی گئی سورج مکھی کتنی دیر ڈائری ہاتھ میں تھامے کھڑی رہی' ایک راز سے پردہ اٹھنے والا تھا اور اس وقت جانے کیوں اس میں ہمت نہیں تھی' ڈائری کھولنے کی' کافی دیر کے بعد اس نے خود کو کمپوز کیا اور آہستہ سے ڈائری کو کھولا' ایک تصویر نکل کر زمین پر گری' اس نے جھک کر اسے اٹھایا اور دیکھا' اس کی براؤن آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے تصویر کو گھورتی رہی' ٹانگیں کانپنے لگیں تو جلدی سے زمین پر بیٹھ گئی' تصویر ہاتھ میں تھامے اور جلدی جلدی ڈائری پڑھنے لگی' جوں جوں پڑھتی جارہی تھی' اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان بہتا جارہا تھا اور جب اس نے ڈائری ختم کی تو وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی' اس کا بدن ہلکے ہلکے جھٹکے کھا رہا تھا' کچھ دیر بعد اپنے دوپٹے سے آنسوؤں کو صاف کیا اور تصویر دیکھنے لگی' یہ سورج مکھی کی اس وقت کی تصویر تھی جب وہ پندرہ سال کی تھی' کالے چوڑی دار پاجامے اور قمیض میں بالوں کی دو چوٹیاں آگے ڈالے معصوم سی سورج مکھی' یہ تصویر پورے پانچ سال عادل کے پاس رہی تھی' اس کے سہارے اس نے اپنا وقت کاٹا تھا' وہ تو اس وقت معصوم تھی' وہ جب گاؤں آتا اس کے پیچھے پڑی رہتی۔ وہ ہر وقت کسی مینا کی طرح چہکتی رہتی' اس سے ڈھیروں باتیں کرتی' ان دنوں تو وہ شنو کو بھی بھول جاتی تھی اور وہ ہاتھ کے پیالے میں تھوڑی رکھے انتہائی دلچسپی سے اس کی باتیں سنتا رہتا' کبھی بور نہیں ہوا اور وہ تو زیادہ تر سورج کی باتیں ہی کرتی تھی' بلکہ اس کی باتیں سورج سے شروع ہوکر سورج پہ ختم ہوجاتی تھیں اور وہ تو اس وقت بھی سورج مکھی سے محبت کرتا تھا' لیکن اسے کبھی نہیں ٹوکا' کبھی نہیں کہا کوئی اور بات کرو' اسے علم ہوگیا تھا کہ وہ سورج کی پوجا کرتی ہے' اسی لیے اس کی خوشی کی خاطر اس کے راستے سے ہٹ گیا تھا۔ کیونکہ اسے صرف اس کی خوشی عزیز تھی اور جب اسے پتہ چلا کہ سورج مکھی دکھی ہے زندگی سے بے زار ہے تو وہ پھر سے بوتل کے جن کی طرح نمودار ہوگیا' اسے نئے سرے سے جینے کے انداز سکھائے' تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا' اس کی شخصیت سنوارنے کے لیے' بن کہے ہی وہ سب سمجھ

جاتا تھا‘ اس کی ضروریات کا علم بھی اسے بتائے بغیر ہو جاتا تھا‘ اسے کیا سے کیا بنا دیا تھا اس نے اور بدلے میں کچھ نہیں مانگا‘ ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے‘ اسے اس کی ذات سے کچھ چاہیے‘ اسے تو صرف اس کی خوشی چاہیے تھی اور کچھ نہیں‘ ایک بار غصے میں سورج مکھی نے کہا تھا۔

”کتنی بے وقوف اور پتھر دل ہے وہ لڑکی کچھ سمجھتی ہی نہیں۔“

واقعی وہ کتنی بے وقوف تھی عادل کی ہر بات اس طرف اشارہ کرتی تھی کہ وہ اس کا دیوانہ ہے اور اسے پتہ نہ چل سکا یا پھر وہ جان بوجھ کر نظر انداز کرتی رہی۔ اسے عادل سے محبت بھی ہوگئی تھی‘ لیکن وہ عادل کی خاطر خاموش رہی اسے نہ بتا سکی‘ اگر اسے معلوم ہوتا‘ اگر وہ جان سکتی کہ وہی ہے جس سے عادل محبت کرتا ہے‘ لیکن وہ بھلا کیسے جان سکتی تھی‘ اس کے دل ودماغ پہ تو سورج سوار تھا‘ اس کا کچا ذہن ان دنوں سورج کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہ سکتا تھا‘ وہ شروع سے اس کے ساتھ رہی تھی‘ انسیت اور محبت ہونی تو لازمی تھی‘ اس کا دھیان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا تھا‘ لیکن عادل‘ وہ کتنا عظیم تھا کتنا عالی ظرف بھی‘ اپنی ضرورت اور اپنی خوشی سے زیادہ میری خوشی کو مقدم سمجھا‘ خود کو قربان کردیا مجھ پر اور مجھے پتہ تک نہ چلنے دیا‘ وہ انسان نہیں دیوتا ہے‘ ابھی بھی وہ خود سے مجھے نہیں بتا سکا تاکہ میں یہ نہ سمجھ لوں کہ وہ اپنے احسانات کا بدلہ طلب کررہا ہے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ سامنے ہو تو اس کے سینے سے لگ جائے اور اتنے آنسو بہائے کہ اس کی اتنے برسوں کی محرومیاں اس میں بہہ جائیں‘ اوہ خدایا میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے دوبارہ محبت ملی‘ مجھے سورج کے بعد عادل جیسا انسان ملا‘ عادل انسان نہیں ہے دیوتا ہے‘ قربانی کا مجسمہ ہے‘ وہ تو میرے لیے میرا الفت دیوتا ہے‘ ہاں وہی الفت دیوتا ہے وہ بے قراری سے اٹھی اور دونوں تصویریں نکال لیں‘ ایک لمحے کے لیے سورج کی تصویر کو دیکھا اور ایک کتاب میں چھپا دیا‘ پھر عادل کی روشن چمکتی آنکھوں والی تصویر نکالی اور

نظم

بچھڑے تو قربتوں کی دعا بھی نہ کرسکے
اب کے تجھے سپرد خدا بھی نہ کرسکے
تقسیم ہو کر رہ گئے خود کرچیوں میں ہم
نام وفا کا قرض ادا بھی نہ کرسکے
نازک مزاج لوگ تھے جیسے کہ آئینہ
ٹوٹے کچھ اس طرح کہ صدا بھی نہ کرسکے
ہم منتظر رہے کہ کوئی مشق ستم ہو فراز
تم مصلحت شناس جفا بھی نہ کرسکے

عاصمہ ابراہیم...... شہر تلمبہ، ضلع خانیوال

کتنی ہی دیر نثار ہوتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی‘ پھر الماری سے ایک مارکر نکالا اور تصویر کی پچھلی طرف بڑے خوب صورت الفاظ میں لکھ دیا۔

”میرا الفت دیوتا“

صرف تمہاری سورج مکھی

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر گالوں پہ گررہے تھے‘ لیکن آنسو تھے کہ تھم نہیں رہے تھے‘ شاید اسے خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے چراغاں کررہے تھے۔ اس نے جذبات سے بے قابو ہو کر تصویر کو بے اختیار چوم لیا۔

❁ ❁ ...... ❁ ...... ❁ ❁

”کل میں واپس جارہی ہوں‘ کیا آج آپ مجھے ڈنر پہ نہیں لے جائیں گے؟“ فون کے دوسری طرف عادل حیران ہوا۔

”کیوں نہیں...... تم تیار رہو‘ میں تمہیں آٹھ بجے پک کرلوں گا۔“ سورج مکھی نے اپنا بہترین لباس زیب تن کیا‘ بالوں کو خوب صورت انداز میں سیٹ کیا۔ براؤن آنکھوں کو مسکارا سے مزید خوب صورت بنایا‘ ہونٹوں پہ نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگائی اور جب عادل آیا تو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا‘ وہ جو اس کے جانے کا سوچ کر اداس ہو رہا تھا‘ اسے یوں پوری طرح تیار اور خوش دیکھ کر جانے کیوں افسردہ سا ہوگیا‘ کھانے کے دوران بھی وہ زیادہ گفتگو نہ کرسکا۔

خاموشی سے کھاتا رہا' جبکہ وہ چہکتی رہی' عادل نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"بہت خوش ہو؟"

"نہیں ہونا چاہیے؟" اس نے شوخی سے پوچھا۔

"ضرور ہونا چاہیے' آخر اپنی ماں اور تائی کے پاس جا رہی ہو' خوش تو ہونا ہی چاہیے' اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"

"مجھے یاد کرو گی؟" جانے کس آس پہ وہ پوچھ بیٹھا۔

"اگر کبھی بھول سکی تو ضرور یاد کرنے کی کوشش کروں گی۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا تو عادل نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔

"عادل....." سورج مکھی نے پہلی بار اس کا نام لیا' عادل جیسے بے ہوش ہونے لگا تھا۔

"میں آخری بار اس لڑکی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔" عادل کی نظریں اب بھی اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"آپ کی شرط ہے کہ جب تک اس لڑکی کو خود آپ کی محبت کا احساس نہ ہو' آپ اسے اپنی محبت کے بارے میں نہیں بتائیں گے۔"

"ٹھیک....." وہ ابھی بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"کیوں..... یہ شرط کیوں ہے آپ کی؟"

"بس میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میری محبت میں کتنی طاقت ہے۔ میرے جذبات کی گرمی اگر اس کے دل تک نہ پہنچ سکے تو مجھے اپنی محبت پہ شک ہوگا؟" وہ اس وقت بہت سنجیدہ تھا اور کچھ دل گرفتہ بھی۔ وہ ہال کے ایک نسبتاً کم رش اور کم روشنی والی میز پہ بیٹھے تھے اس لیے انہیں یہ خدشہ نہیں تھا کہ کوئی ان کی باتیں سنے گا۔

"فرض کریں آپ کے جذبات اس کے دل تک پہنچ جاتے ہیں تو....."

"تو اسے مجھے بتانا ہوگا۔"

"واہ یہ اچھی بات ہے' آپ مرد ہوکر اظہار نہیں کرنا چاہتے اور وہ لڑکی ہوکر کیسے کرے؟"

"میں نے اپنی پوری زندگی اسے چاہتے گزاری ہے' بس میری بے انتہا خواہش ہے کہ اس کے لبوں سے اپنی چاہت کا اظہار سنوں۔" سورج مکھی نے بھرپور نظروں سے اسے دیکھا' عادل کا چہرہ اس وقت لمبی اور کڑی مسافتوں کا آئینہ نظر آرہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا اب اس میں زیادہ ہمت نہیں رہی' وہ بے پناہ تھکن کا شکار ہو' اس کی آنکھیں بھی تھکن اور جذبات سے سرخ ہو رہی تھیں اب سورج مکھی بھی اس کا اور امتحان لینا برداشت نہ کرسکی' اس نے اپنے پرس سے اس کی تصویر نکالی' جو ایک لفافے میں بند تھی اور اس کی طرف بڑھا دی۔ عادل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ تحفہ ہے آپ کے لیے میری طرف سے۔" وہ بڑے پیارے انداز میں بولی۔

"کیا ہے یہ؟" وہ اس کے انداز سے کنفیوز ہو رہا تھا۔

"کھول کر دیکھیں تو پتہ چلے۔" عادل نے بے دلی سے لفافہ پھاڑ کر تصویر نکالی اور اسے دیکھ کر پھر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ میری تصویر ہے' تمہارے پاس کیسے آئی؟"

"چرائی تھی کہیں سے' اس کے پیچھے دیکھئے۔" عادل نے تصویر کے پیچھے دیکھا اور سورج مکھی کی تحریر پڑھی' اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا' اس نے سورج مکھی کی طرف دیکھا' وہ مسکرا رہی تھی' اس نے پھر تحریر پڑھی۔

"کیا یہ کسی قسم کا مذاق ہے سورج مکھی..... اگر مذاق ہے تو بہت بے رحمانہ مذاق ہے' میں اسے برداشت نہیں کرسکوں گا۔" اس نے پتھریلے چہرے سے اس کی طرف دیکھا' سورج مکھی نے اس کی سرد نگاہوں کی طرف دیکھا اور پھر میز پہ رکھے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے' عادل کے پورے جسم میں برقی رو دوڑ گئی یہی حال سورج مکھی کا تھا' لیکن اس نے پھر بھی مضبوطی سے ان ہاتھوں کو تھامے رکھا' پھر اپنی بڑی بڑی براؤن آنکھوں سے اس کی تھکی تھکی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں آپ سے مذاق کیوں کروں گی عادل' میں اپنی اور آپ کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت کا مذاق کیوں اڑاؤں گی' میں مر جاؤں گی پر ایسا نہیں کروں گی۔" عادل نے بے اختیار اس کے لبوں پہ ہاتھ رکھ دیئے۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں ایک دم جاندار نظر آنے لگی تھیں۔

"اس خوب صورت وقت' مرنے کی باتیں نہیں کرو۔" سورج مکھی ایک دم شرما گئی۔

"لیکن ایک بات کا جواب دیں مجھے۔"

"اگر آپ ایک لڑکی سے اپنے بچپن کی محبت کا ذکر کرتے رہیں گے اور اسے بتائیں گے کہ آپ اب بھی اس سے محبت کرتے ہیں تو وہ لڑکی محبت ہوتے ہوئے بھی آپ کی محبت کا اقرار کیسے کرے گی؟ وہ تو اسی خوش قسمت لڑکی کا ذکر کرتی رہے گی اور اس پہ رشک کرتی رہے گی۔"

"جیسے تم نے اقرار کیا۔ مجھے بھی ایک اقرار کرنا ہے' اس کے بغیر میرا ضمیر کبھی مطمئن نہیں ہو سکے گا۔"

"وہ کیا؟"

"سورج فائزہ سے محبت نہیں کرتا تھا بلکہ تمہیں ہی چاہتا تھا' فائزہ کا ڈرامہ اس نے خاندانی دشمنی کی وجہ سے رچایا تھا تاکہ تم اس سے کوئی امید نہ رکھو۔"

"میں جانتی ہوں عادل......" وہ رسان سے بولی۔

"اور میں بہت دنوں سے منتظر تھی کہ آخر کب آپ مجھے اس سچائی کے بارے میں بتاتے ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا۔"

"شنو اور فائزہ دونوں جانتی تھیں اور شنو جانتی تھی کہ فائزہ نے آپ کو بھی بتا دیا تھا' اب اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی ایک اقرار کرلوں۔"

"اجازت ہے۔" اس نے پہلی بار پورے استحقاق سے پیار بھری نظریں اس پہ ڈالیں تو وہ شرما گئی۔

"میں کافی دیر سے آپ کی محبت میں گرفتار ہوں' لیکن اس لڑکی کی وجہ سے خاموش تھی جس سے آپ بچپن سے محبت کرتے تھے۔"

"اور تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ تم ہی ہو۔"

"آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟" وہ دلربائی سے مسکرائی۔

"تمہیں پتہ ہے میں تم سے ناراض نہیں ہوسکتا۔" اس نے اس کی براؤن جھولتی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑسا۔

"نائمہ سے بھی ناراض نہیں ہوں گے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"نائمہ......!" وہ حیران ہوا اور پھر سمجھ گیا۔ "تو یہ اس شرارتی بلی کا کارنامہ ہے' آج اس کی خیر نہیں۔"

"آپ نے وعدہ کیا تھا۔" اس نے انگلی اٹھا کر کہا اور پھر پرس سے وہ ڈائری نکال کر اسے دی' اس نے کھول کر اسے دیکھا۔

"اور وہ میری تصویر کہاں ہے؟"

"آپ کی تو اس میں کوئی تصویر نہیں تھی۔" وہ شرارت سے بولی۔

"اچھا میری بہت اپنی دو چوٹیوں والی سورج مکھی کی تصویر کہاں ہے؟"

"شاید آپ کی آنکھوں میں۔"

"اگر تمہیں یہ ڈائری نہ ملتی تو تم اظہار محبت نہ کرتیں۔"

"کبھی نہیں......اور اس میں بھی آپ کا قصور ہے' میں آپ کی محبت دل میں چھپا کر آپ کی خوشی کی خاطر خوش رہنے کی کوشش کرتی۔"

"پھر تو نائمہ نے اچھا کیا۔" اس نے ایک بار پھر لفافے میں سے تصویر نکالی اور اس کی پشت پہ لکھے الفاظ دہرائے' ان پہ نرمی اور محبت سے انگلیاں پھیریں۔

"میرا الفت دیوتا......صرف تمہاری سورج مکھی۔"

اور بے اختیار ان الفاظ کو چوم لیا......ایک مشکل مرحلہ اس نے طے کرلیا تھا۔ اب ماما کو منانے کا دوسرا مشکل مرحلہ باقی تھا' لیکن اسے اب بھی اپنی محبت کی طاقت کا اندازہ تھا کہ اس طاقت سے وہ ہر مشکل کو حل کر سکتا ہے۔

دل جلی

سلمیٰ غزل

"دل تو چاہ رہا تھا کہ آج دل کھول کر اور لگی لپٹی رکھے بغیر سنادوں اور مروت ولحاظ بلائے طاق رکھ کر انہیں بتادوں کہ ہوں گے آپ کہیں کے لاڈ صاحب مگر ہم بھی کسی سے کم نہیں، ہماری بھی کوئی عزت ووقار ہے جب دیکھو کوئی نہ کوئی فرمائش کوئی نہ کوئی کام۔ خود تو جیسے ننھے بچے ہیں پالنا جھولتے ہیں، امریکہ سے پڑھ کر نہیں جھک مار کر آئے ہیں اتنے لمبے چوڑے کندھوں پر عمر کا بوجھ لادے مگر امی پر تو جیسے اظفر کا جادو چل گیا تھا نہ جانے کون سا عمل کیا تھا کہ سگے نہ ہوتے ہوئے بھی امی اپنی اکلوتی سگی بیٹی کو بھول کر ان کے آگے بچھی جارہی تھیں۔" اماں نے آ کر خیالات کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"لاریب اٹھ کر ایک کپ چائے پکا کر لادو اظفر کے سر میں درد ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔" لاریب نے بے رخی سے ٹکا سا جواب دیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے لاریب...... اس طرح پہلے تو کبھی تم نے تڑخ کر جواب نہیں دیا۔" اماں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں تو اس سے پہلے یہ مصیبت بھی تو ہمارے سر پر سوار نہیں ہوئی تھی۔" لاریب جل کر بولی۔ "اب تو آپ کو اس کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا میں بھی نہیں۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"پاگل ہوگئی ہو بن ماں باپ کا بچہ ہے، تم خوامخواہ چڑنے لگی ہو۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا۔

"بچہ......" لاریب دکھ سے کراہی۔ "آپ کو بچے اور بڈھے میں فرق ہی نظر نہیں آتا اگر یہ بچہ ہے تو پھر میں تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی۔" لاریب کی ہنسی نے امی کا غصہ سوا کردیا۔

"دماغ خراب ہے باؤلی تو نہیں ہوگئی ہو، تم سے صرف چھ سال بڑا ہے بس ذرا قد وقامت اور جسامت ایسی ہے کہ بڑا لگتا ہے ورنہ مجھے یاد ہے اظفر کی امی اور میری شادی ایک دو دن کے فرق سے ہوئی تھی۔ میری بچپن کی بہترین دوست جب پہلی بار ماں بنی تو میری گود خالی تھی، اتفاق سے شادی کے بعد بھی ہم دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی تھے تو اظفر سے مجھے جنون کی حد تک عشق تھا کیونکہ بچپن ہی سے بچے میری کمزوری تھے اور میں ہی اس نعمت سے محروم تھی حالانکہ ہم دونوں میاں بیوی کی میڈیکل رپورٹ بالکل ٹھیک تھی مگر اللہ کی مرضی پر چھ سال بعد اللہ نے میری سوکھی کھیتی ہری کردی اور جس دن اظفر کی پانچویں سالگرہ تھی اس دن تم میری گود میں آ گئیں پھر دونوں کے ہاں ہی مزید کوئی اولاد نہ ہوئی اگر مجھے اظفر سے پیار تھا تو بینش کی محبت کا محور بھی تم تھیں پھر اچانک تمہارے ابو ایک ایکسیڈنٹ میں گزر گئے مجھ پر تو جیسے قیامت گزر گئی تھی، اللہ کے سوا کوئی آسرا نہ تھا مگر اللہ تمہارے نانا نانی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، انہوں نے کراچی والا گھر اور تین دکانیں میرے نام کردیں ان کی وفات کے بعد ہم سب کراچی آ گئے اور بینش اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ امریکہ شفٹ ہوگئی کیونکہ بینش کے بھائی نے کافی پہلے اسے اسپونسر کردیا تھا اس طرح بینش سے میرا کوئی رابطہ نہیں رہا مگر محبت اپنی جگہ تھی مگر سننے میں آیا کہ ان دونوں کی بھی ڈیتھ ہوگئی پھر اب اظفر نے آ کر بتایا کہ وہ اپنی امی کی خواہش پر ہی پاکستان میرے پاس آیا ہے وہ تو ہوٹل میں ٹھہرنے کو کہہ رہا تھا مگر میرے دل نے گوارہ نہیں کیا اور میں نے اصرار کر کے روک لیا تو کیا برا کیا۔ اس کا بنگلہ ڈیفنس میں بن رہا ہے جلدی ہی شفٹ ہوجائے گا۔"

"لگتا ہے امریکہ میں کوئی جرم کر کے بھاگے ہیں یہ حضرت ورنہ پاکستان کے ہر جوان کا بس نہیں چلتا کہ امریکہ پہنچ جائے مگر انگور کھٹے ہیں اس لیے اپنی حب الوطنی کے دعوے کرتے رہتے ہیں۔" لاریب نے شرارت سے کہا تو ان کو بھی ہنسی آ گئی۔

❀......❀......❀

یوں تو لاریب بے حد سلجھی ہوئی خوش اخلاق وخوش

مزاج لڑکی تھی مگر امی نے گھر کا ایک کمرہ ہی نہیں محبت اور خلوص کا ایک بھاری حصہ بھی اظفر کے حوالے کر دیا تھا۔ اب تک امی کی تمام محبتوں اور چاہتوں کا محور اور مرکز صرف لاریب تھی مگر جانے کہاں سے یہ حصہ دار آ گیا تھا مگر میری ان سے دشمنی کی اصل وجہ میرا احساس کمتری تھا وہ لمبے چوڑے مردانہ وجاہت کا نمونہ سرخ سفید اور میں گندمی رنگ کی بانس کی طرح لمبی دبلی پتلی معمولی شکل کی لڑکی (یہ میرا اپنے بارے میں خیال تھا) جبکہ کالج میں تمام لڑکیاں میرے لمبے گھنے سیاہ بالوں اور بڑی بڑی غزالی آنکھوں پر مرتی تھیں بقول میری دوست حانیہ کے۔

''پتا نہیں تمہارے رنگ میں کیسی جاذبیت ہے کہ اچھی بھلی گورے رنگ والی لڑکیاں پھیکا شلجم لگنے لگتی ہیں یار یہ اتنا نمک تم نے کہاں سے چرایا؟'' وہ جب لوفرانہ انداز میں ٹھنڈی آہیں بھر کر کہتی تو میرے تن بدن میں آگ سی لگ جاتی۔

''میں جیسی بھی ہوں مجھے معلوم ہے اور مجھے اس پر کوئی احساس کمتری بھی نہیں ہے۔'' کہنے کو تو میں کہہ دیتی مگر جب اظفر سے سامنا ہوتا تو ان کی دبی دبی مسکراہٹ میری جان جلا دیتی صاف لگتا تھا میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ دراصل اماں بے حد خوب صورت تھیں، سرخ سفید اور ابا معمولی شکل کے مگر قد آور اور جاذب نظر اور میں بچپن سے یہی سنتی آ رہی تھی۔

''آئے ہے یہ لاریب کس پر گئی ہے ماں کا تو سایہ بھی نہیں پڑا اس پر۔'' کچھ لوگوں کی نظروں میں گورا رنگ ہی خوب صورتی ہے پھر بچپن میں میں تھی بھی بے حد کمزور اور بیمار لیکن جوں جوں جوانی میں قدم رکھا رنگ صاف ہو گیا اور بے حد پُرکشش بقول اماں کے۔

''میری بیٹی نے کیا روپ نکالا ہے سب کی زبانیں بند کر دیں، بڑے طعنے دیتے تھے کم روئی کے اب گوری چٹیوں سے مقابلہ کر لیں۔'' مگر وہ ماں کی نظر تھی ورنہ مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ صبح وہ کمرے سے نکلی تو سامنے ہی اظفر کھڑا تھا غالباً ناشتا کی میز پر اماں انتظار کر رہی تھیں اس کا منہ بن گیا اسی لمحے حانیہ کا فون آ گیا۔

''پوائنٹ کی بس خراب ہو گئی ہے، میں تو کسی نہ کسی طرح پہنچ رہی ہوں تم بھی پہنچو۔''

''اُف..... آج تو بڑا اہم ٹیسٹ ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کیا ہوا بیٹا پریشان لگ رہی ہو۔'' اماں نے گھبرا کر پوچھا۔

''آج اہم ٹیسٹ ہے کلاس چھوڑ بھی نہیں کر سکتیں اور پوائنٹ کی بس خراب ہو گئی ہے۔'' اس کی شکل رونے جیسی ہو گئی۔

''نو پرابلم میں چھوڑ دوں گا۔'' اظفر نے خلوص سے کہا۔

''شکریہ، میں پبلک ٹرانسپورٹ سے چلی جاؤں گی۔'' اس نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''پاگل ہوئی ہو بچہ چھوڑ دے گا بس تو ہر جگہ رک رک کر پہنچتی ہے کیسے وقت پر پہنچوں گی۔'' اماں نے بگڑ کر کہا تو اظفر کے چہرے پر ایک ناقابل فہم مسکراہٹ پھیل گئی۔

لاریب کا دل جل کر راکھ ہوگیا مگر انکار کی گنجائش نہیں تھی اور لاریب کو اظفر کے سامنے اپنی بے عزتی اماں کے ہاتھوں کرانے کا شوق نہیں تھا۔

''آخر آپ مجھ سے اتنا خار کیوں کھاتی ہیں؟'' راستے میں اظفر نے پوچھا۔

''غلط فہمی کا کوئی علاج نہیں' میں آپ کو اتنی اہمیت نہیں دیتی کہ خار کھاؤں۔'' اس نے جل کر جواب دیا اور اظفر کی بے ساختہ ہنسی نے اس کو سر سے پاؤں تک سلگا دیا۔

''میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا جو آپ یوں منہ پھاڑ کر ہنس رہے ہیں۔'' وہ بگڑ کر بولی۔

''اگر اہمیت نہیں دیتیں تو پھر یہ جلنا اور کڑھنا' بی بی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور جل جل کر آپ......'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ''باقی آپ خود سمجھ دار ہیں۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''آپ مجھے یہیں اتار دیں آپ کو خود پر بڑا غرور ہے مگر میری نظر میں رتی برابر بھی آپ کی اہمیت نہیں' میں تو آپ کو صرف اپنی امی کی وجہ سے برداشت کر رہی ہوں ورنہ اب تک......''

''دھکے دے کر نکال دیتیں۔'' اظفر نے درمیان سے ہی جملہ اچک لیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں تھوڑے دن برداشت کرلیں' میں جلد اپنے گھر میں شفٹ ہوجاؤں گا یہ تو خالہ کی محبت ہے جس نے مجھے باندھ رکھا ہے ورنہ میں کب کا چلا جاتا سچ پوچھئے تو میری امی خالہ کی جتنی تعریف کرتی تھیں اس سے کہیں زیادہ وہ ہمہ صفت ہیں اور میں انجانے میں ہی ان سے انسیت محسوس کرنے لگا تھا جس نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا جس شخص کا کوئی اپنا نہ ہو اپنوں کی محبت نہ ملے اسے تو دور کی محبت بھی قریب لگتی ہے۔ بے شک خالہ سے میرا کوئی خون کا رشتہ نہیں لیکن محبت کے رشتے نے مجھے باندھ رکھا ہے۔'' کھوئے کھوئے لہجے میں جب اظفر نے کہا تو لاریب شرمندہ ہوگئی۔ یونیورسٹی کے سامنے پہنچ کر وہ زن سے گاڑی نکال لے گیا اور لاریب کو شکریہ کرنے کا موقع بھی نہیں دیا مگر لڑکیاں اس کے پیچھے پڑ گئیں۔

''یہ اپالو کا دیوتا' محبت کا مجسمہ اور نادیدہ فلموں کا ہیرو کون تھا؟ اسی کی تم سارے دن برائی کرتی رہتی ہو' مائی گاڈ یہ تو چاہنے کے لائق ہے؟''

''اُف خدایا!'' لاریب نے سر پیٹ لیا۔

''تم پاگل ہوگئی ہو مگر میرے ہوش قائم ہیں' میں صرف اماں کی وجہ سے اسے برداشت کر رہی ہوں ورنہ کب کا نکال باہر کرتی۔''

''حد ہی کرتی ہو تم لاریب۔'' حانیہ بگڑ کر بولی۔ ''اتنا اچھا رشتہ گھر بیٹھے مل رہا ہے اور تم کفران نعمت کر رہی ہو۔''

''اس کی شادی طے ہے روزانہ اماں کے ساتھ جا کر شاپنگ بھی کرتا ہے اور اس قدر شوق سے مجھے چیزیں دکھاتا ہے جیسے میں جیلس ہوجاؤں گی' جلے میری جوتی۔'' لاریب نے بھنا کر کہا تو حیرت سے حانیہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' لاریب کو اس کی حیرت پر ہنسی آ گئی۔

''میں جھوٹ کیوں بولوں گی' روزانہ ہزاروں کی شاپنگ کرتا ہے' دولت تو جیسے اس کے گھر کی لونڈی ہو۔''

''اور اتنا اچھا رشتہ تم نے یوں آسانی سے ہاتھ سے نکلنے دیا' ذرا سی کوشش کرتیں تو وہ آج تمہارا ہوتا۔'' حانیہ نے تاسف سے کہا تو لاریب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''میڈم ذرا اپنے ہوش میں رہ کر بات کرو' اب میں اتنی گئی گزری بھی نہیں کہ اس شخص کے لیے کوشش کرتی جو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ابھی مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میں ان جیسوں کو گھاس ڈالوں' آئندہ اس شخص کا نام میرے سامنے مت لینا میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔''

''تم نے اس کی منگیتر دیکھی' کیسی ہے؟'' حانیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے اماں نے دیکھی ہوگی چلو اب کلاس لے لیں۔'' وہ بھنا کر بولی۔

❁......❁......❁

تھکی ہاری لاریب گھر میں داخل ہوئی تو سب سے

پہلے اس کا سامنا ہوا اور وہ اماں کے اصرار کے باوجود اپنے کمرے میں آ گئی ابھی فریش ہو کر لیٹنے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ اماں نے آوازیں دینا شروع کر دیں اور اسے جانا پڑا پتا چلا موصوف نے اپنی شادی کے لیے جو خریداری کر کے لائے تھے وہ نکالے بیٹھے ہیں اور اماں بڑے چاؤ سے ایک ایک چیز دیکھ رہی تھیں۔

"اماں یہ کیا کر رہی ہیں؟" میں خیالات سے چونکی تو ہاتھ اماں کے ہاتھ میں تھا اور وہ سونے کی چوڑیاں پہنانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"ارے باؤلی ہوئی ہے ہاتھ کیوں کھینچ رہی ہے ڈھیلا چھوڑ ناپ دیکھ رہی ہوں تمہیں صحیح ہوں گی تو دلہن کے بھی آ جائے گی۔ اظفر بتا رہا ہے تقریباً ایسا ہی ہاتھ ہے۔" اظفر بڑے اشتیاق سے اسے چوڑیاں پہنتے دیکھ رہے تھے اور لبوں پر ایک دل جلانے والی مسکراہٹ تھی نہ جانے کیسا خفت کا احساس تھا کہ میں پسینے پسینے ہو گئی اور پھر چوڑیاں اتارتے ہوئے اماں کی جو کیفیت تھی وہ مجھے شرمندہ کر رہی تھی حسرت بھری کھوئی کھوئی نگاہیں۔

اماں کیا سوچ رہی تھیں یہ اندازہ لگانا میرے لیے مشکل نہ تھا بی ایس سی کے بعد اماں مجھے رخصت کرنے کی فکر میں گھلی جا رہی تھیں۔ رشتے بھی آتے تھے پسند بھی کرتے تھے مگر گھر کی حالت دیکھ کر دوبارہ رخ نہ کرتے کہ دو دکانوں اور فکس ڈپازٹ کے علاوہ ہمارے پاس تھا ہی کیا وہ بھی نانا ابا کی مہربانی سے مگر عزت سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ اماں نے بارہا چاہا مکان بیچ کر میری شادی کر دیں مگر میں نے اتنا واویلا مچایا کہ انہیں خاموش رہنا پڑا۔ شادی کا میرے ذہن میں کوئی تصور ہی نہ تھا میں تو جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر ماں کا سہارا بننا چاہتی تھی۔ اظفر اماں کے معیار کے مطابق تھے مگر وہ پہلے ہی کہیں جھولی پسار چکے تھے اماں اندر اٹھ کر چلی گئیں تو میں نے سرسری طور پر پوچھ لیا۔

"آپ نے اپنی دلہن سے ملوایا نہ تصویر ہی دکھائی۔"

"دل میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی"

انہوں نے لہک کر شعر پڑھا پھر متانت سے بولے۔

"اس قدر اشتیاق کیوں ہے شادی پر ایک مرتبہ ہی دیکھ لیجیے گا۔" لاریب کھسیانی ہو کر اٹھ گئی۔

❁.......❁.......❁

نہ جانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب اظفر نے اپنی شادی کے انتظامات شروع کرائے تھے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے شادی ان کی تھی اور تختہ مشق مجھے بننا پڑتا تھا کیونکہ جب کوئی چیز پسند نہ آتی تو میری طلبی ہوتی کبھی جوتا پہنا کر دیکھا جاتا تو کبھی دوپٹہ اوڑھا کر اور ان روز روز کی ریہرسلوں سے میری نفرت ان کے خلاف دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی سونے پر سہاگہ اماں کی حرکات و سکنات تھیں ایسی ویران ویران نظروں سے میری طرف دیکھتیں جیسے میں زندہ نہیں مردہ حالت میں کھڑی ہوں۔

اماں کی حالت ایسی کیوں ہو جاتی تھی کم از کم میرے لیے جاننا مشکل نہ تھا کیونکہ ان کی ہر تمنا مجسم ہو کر ان کے سامنے آ گئی تھی اور ان کی ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بعض اوقات اتنی حسرت انگیز ہو جاتیں کہ مجھے لگتا شادی کے بعد شاید ہی وہ اپنی دلہن کو خوش رکھ سکیں مگر وہ بے چاری اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھیں۔

غیر شعوری طور پر شادی کے سلسلے کا ہر کام حسرتوں اور ٹھنڈی آہوں سے شروع ہوتا تھا ایک میں تھی جو ان کی اور ان کی دلہن کے حق میں دعائے خیر کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ آج میں خوشی خوشی یونیورسٹی جا رہی تھی کیونکہ اماں نے گھر کی چابی دیتے ہوئے کہا۔

"وہ اظفر کے ساتھ دلہن کے لیے ولیمہ کا جوڑا لینے جا رہی ہیں، کم بخت بازار ہی دوپہر میں کھلتے ہیں اس لیے واپسی میں شاید دیر ہو جائے۔"

اور لاریب بہت خوش تھی نہ گھر آ کر شاپنگ دیکھنی پڑے گی نہ اظفر نامہ سننا پڑے گا مگر گھر پہنچی تو اماں تخت پر لیٹی ہائے ہائے کر رہی تھیں اور وہ ان کے سرہانے بیٹھا نہ جانے کون سا قصہ الف لیلیٰ سنا رہا تھا۔

"اماں آپ ٹھیک تو ہیں بازار نہیں گئیں؟" وہ لپک کر

اماں کے پاس پہنچی۔

"ارے بس سیڑھیاں اتر رہی تھی' پاؤں پھسل گیا شکر ہے اظفر میاں نے بچالیا مگر گھٹنوں میں سخت درد ہوگیا میں تیرا ہی انتظار کررہی تھی۔" وہ لاریب کی سوالیہ نظروں پر جلدی سے بولیں۔

"ذرا تم اظفر کے ساتھ مارکیٹ چلی جاؤ میری تو ہمت نہیں۔"

"اماں....." میں چیخ پڑی کیونکہ اظفر کمرے میں جاچکے تھے۔" ویسے تو آپ بڑی اصول پرست اور مذہبی بنتی ہیں' سر ڈھانپ کے رکھو' آہستہ چلو' نظریں نیچی رکھو اور اب.....اب غیر مرد کے ساتھ تنہا بھیج رہی ہیں۔" اس نے شکایت کی۔

"ہاں تو وہ کون سا غیر ہے مجھے تو اپنا ہی لگتا ہے اس طرح تو تیرا بھائی ہوا۔ میں نے تو محلے پڑوس میں بھی بھانجا ہی بتایا ہے۔" اماں اتنی سیدھی اور معصوم ہوں گی لاریب کو اندازہ نہ تھا۔

"اماں کیا یہ مناسب نہیں کہ آپ کے بھانجے اپنی منگیتر کو لے جاکر اس کی پسند سے کپڑے دلوائیں آخر پہننا بھی تو اسی کو ہے ہیں اور آج کل تو یہ طریقہ عام ہے۔"

"ہاں لیکن دلہن والوں کے ہاں یہ دستور نہیں۔" انہوں نے لاریب کو بتایا اور پھر پتا ہی نہیں چلا اظفر کب پیچھے آ کر کھڑے ہوگئے اور لاریب کو ماں کی بات ماننی ہی پڑی۔

❁.....❁.....❁

اس قدر مہنگے اور قیمتی ڈریسز تھے کہ لاریب کے دل میں حسرتیں جنم لینے لگیں مگر وہ چہرے پر کسی تاثر کے بغیر کپڑے دیکھنے لگی' دکاندار کی چرب زبانی عروج پر تھی۔

"صاحب یہ والا سوٹ دیکھئے بیگم صاحبہ پر بہت سوٹ کرے گا رنگ بھی پیارا ہے آج کل تو ٹرینڈ ہی یہ چل گیا ہے کہ لڑکیاں خود ہی پسند کرتی ہیں اور اچھا ہے جس کو پہننا ہے وہی پسند کرے۔" وہ لاریب سے مخاطب ہوا۔

"بی بی ہمارے پاس ٹرائل روم بھی ہے آپ دوپٹہ ٹرائی کرسکتی ہیں' لگتا ہے دونوں سوٹ بنے ہی آپ کے لیے ہیں۔" لاریب کا خفت کے مارے برا حال ہوگیا اور غصہ علیحدہ آیا' دکان دار شاید اسے اظفر کی منگیتر سمجھ رہا تھا اس کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اظفر نے بھی چھچھورے پن کی حد کردی اور کوئی تردید کیے بغیر دونوں سوٹ خرید لیے' گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ اظفر پر برس پڑی۔

"وہ چھچھورا دکان دار پتا نہیں کیا سمجھ رہا تھا اور آپ نے تردید کرنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی۔" اظفر پہلے تو خاموش رہا پھر متانت سے جواب دیا۔

"کیا فائدہ تھا تردید کرنے کا' اس سے آپ کا تاثر غلط ہوجاتا کیونکہ بہن میں آپ کو کہہ نہیں سکتا تھا آپ لگتی نہیں پھر کیا کہتا دوست' گرل فرینڈ کیونکہ ہم جس سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں وہاں آج بھی لڑکیاں ساسوں یا نندوں کے ساتھ جاتی ہیں۔" لاریب خاموش تو ہوگئی لیکن اس نے اس گھٹیا انسان کے ساتھ کبھی اکیلے نہ جانے کا تہیہ کرلیا خود کو پتا نہیں یوسف ثانی سمجھتا ہے اگر بہن کہہ دیتا تو کیا مر جاتا؟

❁.....❁.....❁

اماں دونوں جوڑے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں' بار بار لاریب پر لگا کر دیکھتی رہی تھیں اور پھر ان پر جو کیفیت طاری ہوتی وہ لاریب کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس نے وہاں سے اٹھنا ہی بہتر سمجھا۔

"ممکن ہو تو اچھی سی چائے پلادیں۔" پیچھے سے اظفر کی آواز آئی تو وہ جلتی بھنتی کچن میں آ گئی' چائے کی ٹرے لے کر آنے لگی تو اماں کی آواز سن کر غیر ارادی طور پر رک گئی۔

"بیٹا ہم نے تو تمہاری چیزیں دیکھ لیں' اب تم ہماری بھی دیکھ لو آخر دلہن کو ہم بھی تو کچھ دیں گے۔" اماں نے بڑے فخر سے سونے کا سیٹ ان کے سامنے رکھا تو وہ تعریف کرنے کی جگہ اس طرح اسے دیکھنے لگے جیسے اب کوئی نقص نکالیں گے اور لاریب کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ لاکھوں روپے خرچ کرنے والے کو یہ معمولی سیٹ کہاں پسند آنا تھا اور اس کو اماں پر شدید غصہ آرہا تھا۔

"پسند آیا بیٹا؟ تمہارے شایان شان تو نہیں مگر ہم سے جو ہوسکا ہم نے کیا۔" اماں بے چاری ان کو سوچوں میں گم

دیکھ کر شرمندہ ہو رہی تھیں اور پشیمان بھی۔
"آپ مجھے کچھ نہیں دیں گی؟" انہوں نے عجیب سا سوال کیا اور اماں ہنسنے لگیں۔
"لو بیٹا...... تمہیں کیوں دیں تمہاری دلہن کو دیں گے اصول تو یہی ہے۔"
"کیا آپ کے یہاں ہونے والے داماد کو کچھ نہیں دیا جاتا؟" سوچ کے سمندر سے نکل کر انہوں نے بڑی گمبھیر آواز میں کہا تو اماں کے ہاتھ سے سیٹ چھوٹ گیا اور آنکھیں پھٹ گئیں۔
"خالہ ساری شاپنگ میں نے لاریب کے لیے کی ہے کیا آپ کو میں داماد کے روپ میں پسند نہیں؟" اب وہ اماں کے گھٹنے پکڑے التجا کر رہے تھے اور اماں پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری تھی۔ انہوں نے بے ساختہ اظفر کو گلے لگا کر ماتھا چوما پھر خوش ہو کر بولیں۔
"ذرا شکرانے کے نفل پڑھ آؤں۔" وہ کیا کہہ رہے تھے ماں کہاں جا رہی تھیں لاریب کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جیسے سلب ہوگئی پھر جب اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا تو اس کو غصہ آ گیا۔ میز پر چائے کی ٹرے پٹختے ہوئے وہ تلخی سے بولی۔
"آپ اماں کو بے وقوف بنا سکتے ہیں مجھے نہیں اٹھایئے یہ سب چیزیں اور چلتے پھرتے نظر آئیں۔ آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں میری تضحیک کریں گے میرا مذاق اڑائیں گے مجھے نیچا دکھانے کی یہ بہت بھونڈی کوشش ہے آخر میں نے آپ کیا بگاڑا ہے کہ آپ مجھے اس طرح اذیت دینا چاہتے ہیں۔" چیختے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔
"خاموش...... بالکل چپ اب ایک لفظ نہیں۔ کیا تم اتنی ہی بے وقوف ہو یا مجھے نظر آتی ہو میں اول دن سے کلیئر ہوں تم نہ سمجھو تو یہ تمہاری عقل کا فتور ہے۔ میری طرف دیکھو تمہیں ان آنکھوں میں کیا نظر آتا ہے دھوکہ چال بازی دغا بازی یا فریب۔" انہوں نے لاریب کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے سختی سے کہا۔
"میری امی نے اپنی زندگی میں ہی مجھ سے اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تم ایک مرتبہ پاکستان جا کر لاریب کو ضرور دیکھنا۔ بچپن سے میں نے اسے بہو بنانے کے خواب دیکھے تھے مگر تم پر کوئی زبردستی نہیں فیصلہ تمہارا ہوگا اور میں صرف اپنی ماں کی خواہش کے احترام میں پاکستان آیا تھا میری ماں کو یقین تھا تم بہت خوب صورت ہوگی اپنی امی کی طرح پھر میرا دل بھی اس خواہش کا ہمنوا بن گیا۔"
"مگر میں تو خوب صورت نہیں......" لاریب نے پھنسی ہوئی آواز میں کہا۔
"نکل آؤ اس احساس کمتری سے کہ تم خوب صورت نہیں بلکہ بہت خوب صورت ہو۔ گوریوں کی تو امریکہ میں بھی کمی نہ تھی صرف گورا رنگ ہی تو خوب صورتی کی علامت نہیں مگر مجھے تمہاری جیسی لڑکی چاہیے تھی جاذب نظر خود سر منہ پھٹ اور ظاہری چمک دمک سے متاثر نہ ہونے والی۔ مجھے نہ شمع محفل کی ضرورت تھی نہ کیٹ واک کرنے والی ماڈل کی اور اپنی ماں کی پسند پر مجھے اطمینان ہی نہیں فخر بھی ہے۔" لاریب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
"آپ مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں؟" ان کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔
"بنی بنائی کو میں اب کیا بناؤں گا۔" پھر وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔
"میری آنکھوں میں دیکھو کیا نظر آتا ہے؟ میرا دنیا میں ہے ہی کون خالہ اور تمہارے سوا اگر تم بدگمانی کی عینک آنکھوں سے اتار دوں گی تو ہر چیز واضح اور صاف نظر آئے گی۔" دل گہرائیوں سے کہی ہوئی ان کی بات کے بعد لاریب کے پاس کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں بچی تھی اس نے آہستگی سے اظفر کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے کیونکہ اماں سامنے سے آ رہی تھیں پھر وہ بھاگ کر اماں سے لپٹ گئی اور اظفر نے ماں بیٹی کی خوشی سے آنسو بہاتی ہوئی تصویر کو کیمرے کی آنکھ میں قید کر کے طمانیت بھری ایک لمبی سانس لی۔

قسط نمبر 23

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ماریہ کے پرپوزل پر فراز عجیب الجھن میں مبتلا ہوجاتا ہے ایک اجنبی لڑکی کا یوں اسے آفر کرنا اسے خاص پسند نہیں آتا اور دوسری طرف جیسکا اس کوشش میں ہوتی ہے کہ وہ ماریہ کے ارادوں سے واقفیت حاصل کرسکے لیکن وہ خاص کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ فراز لالہ رخ سے مشورہ کرتا ہے اور اسے ماریہ کے پرپوزل اور اس کی تمام مجبوریوں کے متعلق بتاتا ہے ایسے میں لالہ رخ اسے یہی مشورہ دیتی ہے کہ وہ ماریہ سے پیپر میرج کرکے یہاں پاکستان لے آئے اور فی الحال اس شادی کا تذکرہ کسی سے مت کرے بعد میں جب حالات سازگار ہوں تو اپنے والدین کو اعتماد میں لے کر انہیں تمام اصلیت سے آگاہ کردے، فراز کو بھی یہی بہتر لگتا ہے بصورت دیگر ایک مسلمان لڑکی اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر اس سے مدد مانگتی ہے اور اس کی مدد نہ کرکے وہ ساری زندگی خود کو قصوروار ٹھہرانا نہیں چاہتا جب ہی وہ لالہ رخ کی بات پر حامی بھر لیتا ہے اور ماریہ کی مدد کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ لالہ رخ مہرو کی وجہ سے شدید الجھن میں ہوتی ہے مہرو بھی باپ کے رویے پر بے حد مضطرب ہوتی ہے اسے اس بات پر یقین کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ اس کا سگا باپ اس حد تک گر سکتا ہے جب ہی اس کا دل کرتا ہے کہ وہ اپنے باپ کی اصلیت ساری دنیا پر واضح کردے لیکن لالہ رخ اسے جذبات سے کام لینے کے بجائے عقل و سمجھ بوجھ استعمال کرنے کا مشورہ دیتی فی الحال خاموش رہنے کا کہتی ہے ان کا دوست بٹو بھی اس صورت حال پر فکر مند ہوتا ہے۔ احمر اپنی بہن مہوش کی شادی پر ہونے والے واقعے پر بے حد پشیمان ہوتا ہے ایسے میں وہ زرینہ سے بات کرکے اس سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے جبکہ زرینہ احمر کی بات سن کر شدید مشتعل ہوجاتی ہے اسے یہی لگتا ہے کہ ان کا وہاں جانے کا فیصلہ ہی غلط تھا اور اس کی دوست کے ساتھ اگر کچھ بھی غلط ہوتا تو اس کا ذمہ دار وہ خود کو ٹھہراتی احمر اس کی باتیں سن کر نہایت بے بسی محسوس کرتا ہے اپنے جذبات واحساسات سے وہ اسے آگاہ ہی نہیں کرپاتا۔ باسل حورین اور خاور کے ہمراہ باتوں میں مشغول ہوتا ہے ایسے میں عنایہ کی آمد اسے مشتعل کردیتی ہے دوسری طرف حورین اس کی شادی کا تذکرہ چھیڑ دیتی ہے اور اس حوالے سے انہیں عنایہ بے حد اچھی لگتی ہے جبکہ باسل فی الحال اس ٹاپک کو کلوز کردیتا ہے۔ سونیا اور کامیش کے اختلافات برقرار رہتے ہیں ایسے میں سونیا کی دوست اسے مشورہ دیتی ہے کہ وہ ان اختلافات کو بھلا کر اپنا گھر آباد کرلے نہ چاہتے ہوئے بھی سونیا کو اس کی باتیں درست لگتی ہیں اور اپنا رویہ غلط لگتا ہے ایسے میں وہ ایک نئے ارادے کے ساتھ سرگرم عمل ہوجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے
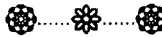
جیسکا پورے انہماک سے ماریہ ایڈم کے چہرے کو دیکھ رہی ہوتی ہے جو اس وقت کسی گمبھیر سوچ میں غلطاں تھی جب گھڑی کی سوئیاں بڑی تیزی سے اپنے مدار میں گھومتی لمحات کو آگے بڑھانے لگیں تو تب ہی جیسکا کو مداخلت کرنا پڑی۔

''کیا سوچنے لگیں ماریہ تم مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے والی تھی ناں بولو میں سن رہی ہوں۔'' جیسکا کی آواز پر ماریہ

اپنے دھیان سے چونکی پھر اس نے جیسکا کو پُرسوچ نظروں سے دیکھا اور ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوئی۔

"جیسکا تم تو میری ہر بات سے واقف ہو آج میں کس طرح کے حالات اور سچوئیشن میں پھنس گئی ہوں اس بارے میں تم سب کچھ جانتی ہو۔" اتنا کہہ کر وہ اپنا سر جھکا گئی پھر قدرے توقف کے بعد سر اٹھا کر دوبارہ بولی۔

"ولیم میرا اچھا فرینڈ تھا مگر میں اس سے شادی نہیں کر سکتی تھی یقیناً وہ میری طرف سے بہت ہرٹ ہوا ہوگا لیکن میں مجبور تھی اور میری مجبوری بھی تم اچھی طرح جان چکی ہو۔" ماریہ کی بات پر جیسکا جو توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"میں جانتی ہوں ماریہ اور تمہیں سمجھ بھی سکتی ہوں اور اس بات کے لیے میں تمہیں غلط نہیں کہوں گی کیوں کہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنا ہر انسان کا حق ہے۔" جیسکا بڑی نرمی سے بولی تو ماریہ ایک نگاہ اسے دیکھ کر سنجیدگی سے مخاطب ہوئی۔

"شکریہ جیسکا...... مجھے یقین ہے کہ اب آگے بھی تم میری مدد کرو گی۔"

"میں تمہاری مدد ہی تو کرنا چاہتی ہوں ماریہ میں چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد اس پرابلم سے باہر نکل سکو۔ تم بتاؤ تو سہی کہ مجھ سے کس قسم کی مدد تمہیں درکار ہے۔" جیسکا جو بیڈ پر اس کے مقابل بیٹھی تھی فوراً اس کے قریب کھسکتے ہوئے اس کی گود میں دھرے ہاتھوں کو بڑی محبت سے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی تو ماریہ نے بے حد ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا پھر سہولت سے گویا ہوئی۔

"جیسکا آج میں جس جگہ پر کھڑی ہوں وہاں آگے کنواں اور پیچھے کھائی ہے بہت سوچ بچار کے بعد مجھے یہ تیسرا راستہ ملا ہے۔"

"کون سا تیسرا راستہ ماریہ؟" اس پل جیسکا کے لہجے میں عجیب سی بے تابی تھی۔

"وہ تیسرا راستہ......" ایک دم تیزی سے بجتی ڈور بیل سے وہ دونوں بے اختیار اچھل پڑیں۔

"اس وقت کون آ گیا؟" ماریہ نے بے اختیار وال کلاک کی جانب دیکھا جب کہ جیسکا اندر ہی اندر بے پناہ جھنجلا کر رہ گئی تھی بے ساختہ آنے والے کو اس نے دل ہی دل میں ڈھیر ساری گالیوں سے نوازا تھا۔ بیل مسلسل ہو رہی تھی۔

"اُف نجانے کون بے صبرا اس وقت آ دھمکا۔" جیسکا انتہائی ناگواری سے بولی اس سے پیشتر ماریہ دروازہ کھولنے کے لیے اٹھتی جیسکا سرعت سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

"میں دیکھ کر آتی ہوں۔" اور اندر ہی اندر بے پناہ تلملاتی باہر کی جانب آئی پھر جونہی اس نے بنا پوچھے دروازہ وا کیا تو سامنے ابرام کو کھڑا دیکھ کر اسے خفیف سا جھٹکا لگا۔

"ابرام تم......؟" وہ بے ساختہ بول اٹھی جب کہ اس وقت جیسکا کو اچانک اپنے سامنے پا کر وہ بھی چونکنے کے ساتھ فوراً سنبھلا تھا۔ جب کہ کمرے میں بیٹھی ماریہ سوچ رہی تھی کہ اس وقت کون آ سکتا ہے پھر اس نے یونہی بستر پر پڑے جیسکا کے آئی فون کو ہاتھ میں لے کر بے ارادہ ہی آن کیا یک دم رنگین اسکرین روشن ہو کر اس سے پاس ورڈ مانگنے لگی۔ ماریہ کے لبوں پر بے اختیار ایک پیاری سی مسکراہٹ در آئی پھر زیر لب بڑبڑا کر خود سے بولی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے فون کا پاس ورڈ کیا ہو سکتا ہے۔" پھر بالکل بنا سوچے سمجھے اس نے پاس ورڈ کے لیے ابرام کی اسپیلنگ ٹائپ کی تو وہ ایکسپٹ ہو گیا ماریہ بے اختیار ہولے سے ہنس دی۔

"دیکھا جیسکا...... میں نے ٹھیک سوچا تھا ناں۔" یہ کہہ کر وہ موبائل فون کی اسکرین بند کرنا ہی چاہ رہی تھی کہ نجانے کیسے اس کا ہاتھ پھسل سا گیا اور سامنے کال ہسٹری نمودار ہو گئی ماریہ بے پروائی سے نگاہ پھیرتے پھیرتے اچانک ٹھٹک گئی اور پھر جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھا اس پر یقین کرنا اسے محال سا ہو گیا۔ میک کی ان گنت کالز کی ہسٹری اس کی

نگاہوں کے سامنے تھی جس میں خاصی تعداد میں ان کمنگ اور آؤٹ گوئنگ کالز کی گئی تھیں پھر ماریہ نے تیزی سے خود کو سنبھالا اور فون کو واپس اپنی پرانی حالت میں لاکر کر کے رکھ دیا وہ اس وقت انکشافات کی زد میں تھی جو بے پناہ اذیت انگیز اور تکلیف دہ تھا۔

"تو کیا جیسکا میک سے مل گئی ہے۔" وہ بے تحاشا دکھ میں مبتلا ہوکر خود سے بولی کہ اسی پل تیزی سے جیسکا کمرے میں داخل ہوئی۔

"اوسوری ماریہ..... تھوڑی دیر ہوگئی وہ دراصل ابرام آیا تھا۔" اس لمحے جیسکا کا موڈ بھی بے حد اپ سیٹ تھا کیوں کہ اس نے ابرام کو ایک بار پھر منانے کی کوشش کی تھی مگر اب بھی ابرام نے اسے ٹکا سا جواب دے دیا تھا۔ جیسکا کو دیکھ کر ماریہ نے خود کو بڑی دقتوں سے کمپوز کیا تھا۔

"ہاں ماریہ اب بتاؤ، تمہیں مجھ سے کس قسم کی ہیلپ چاہیے؟" جیسکا اس کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بولی تو ماریہ نے چند ثانیے اس کے دلکش چہرے کو دیکھا۔

"جیسکا دراصل میں چاہتی ہوں کہ تم ولیم سے میرے لیے بات کرو۔"

"ولیم سے بات؟" وہ بری طرح الجھی۔

"ہاں جیسکا میں نے تمہیں بتایا نہ کہ ولیم میرا اچھا دوست تھا مگر اب مجھے لگتا ہے کہ میں ولیم سے محبت کرنے لگی ہوں۔"

"کیا.....؟" جیسکا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، وہ کیا سمجھ رہی تھی اور ماریہ نجانے کیا بول رہی تھی۔

"مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا ہے کہ میں ولیم سے محبت کرنے لگی ہوں۔" پھر ماریہ بڑی لجاجت سے جیسکا کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی۔

"پلیز جیسکا..... تم ولیم کو سمجھاؤ ناں اسے میرے لیے کنوینس کرواسے راضی کرلو۔"

"اوگاڈ اب میں میک کو کیا جواب دوں گی۔" جیسکا بے حد پریشان سی ہوکر دل ہی دل میں خود سے بولی۔

❁......❁......❁

ماریہ نے فراز شاہ کو جلد سے جلد رابطہ کرنے کا کہا تھا مگر اب تک ماریہ نے اس سے کوئی بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ماریہ سے اس دن ملنے کے بعد وہ بھی عجیب سی الجھن میں گرفتار ہوگیا پھر بہت دیر تک اس کے بارے میں سوچنے کے بعد وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنے ذہن کو پُرسکون کرنے کی غرض سے آنکھیں موند کر کاؤچ پر دراز ہوگیا، کچھ دیر یونہی لیٹے رہنے کے بعد اسے لالہ رخ کا خیال آیا تو یک لخت اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور پھر میز پر رکھے اپنے فون کو اٹھا کر لالہ رخ کو کال ملانے لگا تھوڑی ہی دیر میں لالہ رخ لائن پر تھی علیک سلیک کے بعد لالہ رخ نے استفسار کیا۔

"آپ بتائیے اس لڑکی سے آپ کی بات ہوگئی؟" لالہ رخ کی بات پر فراز بے ساختہ چڑا۔

"اوگاڈ لالہ رخ میں تو عجیب سی کشمکش میں گرفتار ہوگیا ہوں وہ لڑکی پہلے تو مجھ پر حیران کن انکشافات کے پہاڑ توڑ کر مجھ سے شادی کرنے کی آفر کرکے چلی گئی اور میں نے حامی بھی بھرلی اور اب وہ موصوفہ نجانے کہاں چھپ کر بیٹھ گئی ہیں اور میرا دماغ ہے کہ اسی بات پر اٹک گیا ہے۔" فراز نے اس لمحے اپنے دل کی کیفیت لالہ رخ کو بتاڈالی، لالہ رخ "ہوں" کہہ کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر قدرے چونک کر واپس حال کی جانب لوٹتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"ہوسکتا ہے فراز وہ کسی مصیبت میں پھنس گئی ہو آپ نے بتایا تھا کہ اس نے بڑی مشکلوں سے آپ سے رابطہ کیا تھا اس کی مدر بھی تو اسے گھر سے باہر نکلنے نہیں دے رہی تھیں ناں۔"

''ہاں لالہ رخ میں نے تمہیں یہ سب بتایا تھا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یقیناً اس کو مجھ سے رابطہ کرنے میں مشکل ہو رہی ہوگی مگر میں...... میں الجھن کا شکار ہو گیا ہوں لالہ رخ...... یہ سچوئشن بہت اکورڈ ہے میرے لیے۔'' فراز شاہ کے لہجے میں اس پل انتہائی بے زاری تھی۔ لالہ رخ نے چند لمحے کچھ سوچا پھر نرمی سے بولی۔

''مجھے اس وقت آپ کی کیفیت کا پوری طرح سے اندازہ ہے فراز یقیناً ایک بالکل اجنبی اور انجان لڑکی سے یوں پلک جھپکتے ہی اتنا بڑا رشتہ جوڑ لینا بہت مشکل ہے مگر آپ صرف یہ سوچیے کہ یہ قدم آپ صرف اور صرف اس مجبور لڑکی کی مدد کرنے کی غرض سے اٹھا رہے ہیں جس کا ایمان اور جان دونوں ہی خطرے میں ہیں۔''

''مگر لالہ رخ میں......''

''اگر مگر کچھ نہیں فراز...... بس آپ اس بارے میں زیادہ سوچیے نہیں مجھے یقین ہے کہ جیسے ہی ماریہ کو مناسب موقع ملے گا وہ آپ سے رابطہ ضرور کرے گی اس کا آپ سے پیپر میرج کرنے کا مقصد صرف اپنے دین کی بقا ہے وہ ایک کامل مسلمان کی حیثیت سے کسی دوسرے ملک میں جا کر زندگی گزارنے کی خواہش مند ہے' اپنا ملک اپنے لوگ اپنی فیملی صرف وہ اسی سبب چھوڑ رہی ہے ویسے وہ خود بھی ویزا لے کر پاکستان جاسکتی تھی مگر وہاں وہ تنہا کس کے بل بوتے پر رہتی اور پھر ویزا ختم ہونے کی صورت میں اسے واپس لندن جانا پڑتا اسی لیے وہ آپ سے نکاح کر کے یہاں مستقل رہنا چاہتی ہے تاکہ کوئی اسے مذہب بدلنے پر مجبور نہ کر سکے۔'' لالہ رخ فراز شاہ کی بات درمیان میں ہی قطع کر کے سہولت سے بولتی رہی' فراز نے خاموشی سے سنتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔

''ہوں...... اس نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا' اچھا خیر چھوڑو اس ٹاپک کو تم اپنی سناؤ وہاں سب ٹھیک ہے ناں اور مہرو؟ اس کے مسئلے کا کیا ہوا تم نے مہرو کی والدہ کو سب کچھ بتا دیا تھا۔'' فراز کے استفسار پر لالہ رخ چند ثانیے خاموش رہی پھر تھکے تھکے لہجے میں گویا ہوئی۔

''نہیں فراز میں نے پھوپو کو تو ابھی کچھ نہیں بتایا البتہ مہرو کو تمام حقیقت بتا دی کیونکہ......'' لالہ رخ نے سب کچھ تفصیل سے بتا دیا جسے سن کر فراز بھی پریشان ہو گیا تب ہی تشویش بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

''اب کیا کرو گی تم لالہ رخ؟ کہیں مہرو اپنے باپ کے آگے جذبات میں آ کر کھڑی نہ ہو جائے اور اس طرح دشمن ہوشیار نہ ہو جائے۔''

''نہیں فراز' اس حوالے سے تو آپ مطمئن رہیے میں نے مہرو کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ وہ بھولے سے بھی ایسی غلطی نہ کرے بس میں موقع دیکھ کر پھوپو کو ان کے شوہر کی اصلیت بتانے والی ہوں پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔'' لالہ رخ بے اختیار اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی دکھتی کنپٹی دباتے ہوئے بولی تو فراز سہولت سے گویا ہوا۔

''ان شاءاللہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا' کاش میں وہاں ہوتا تو دو منٹ میں مومن جان کو سبق سکھا دیتا ان فیکٹ لالہ رخ تم سے یہ تمام تذکرہ سن کر میں وہاں آنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ بیچ میں یہ میڈم ماریہ ایڈم ٹپک پڑیں جس نے میرے دماغ کو اچھا خاصا الجھا دیا ہے۔'' آخر میں فراز شاہ کا لہجہ بے زاری و کوفت سے بھرپور تھا تو لالہ رخ نے سنجیدگی سے کہا۔

''فراز یہ میرے حصے کا امتحان ہے اور وہ آپ کے حصے کی مہم...... ہم دونوں کو اپنی اپنی جگہ اپنا کام کرنا ہے اور اس امتحان اور مہم میں سرخرو بھی ہونا ہے ٹھیک ہے ناں۔'' لالہ رخ کی بات پر فراز بے اختیار ہنس دیا پھر مزے سے گویا ہوا۔

''میں مان گیا لالہ رخ تمہاری باتوں کے آگے کوئی بھی نہیں جیت سکتا۔'' وہ واقعی لالہ رخ سے متاثر نظر آ رہا تھا جب ہی لالہ رخ بھی دھیرے سے ہنس کر بولی۔

''تو آپ ایسی کوشش ہی مت کیا کیجیے جس میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔'' فراز نے ایک دلکش سا قہقہہ لگایا پھر اپنا بایاں ہاتھ سینے پر دھرتے ہوئے بولا۔

''یو آر رائٹ میڈم..... آئندہ کوئی بھی ایسی فضول کوشش نہیں کروں گا۔'' پھر تھوڑی دیر بعد فراز نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

❁......❁......❁

سونیا ابھی باتھ روم سے شاور لے کر نکلی تھی اس وقت وہ بڑے خوش گوار موڈ میں آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے گیلے بالوں میں برش کررہی تھی جب ہی ہلکا سا دروازے پر ناک کر کے سارا بیگم چلی آئیں۔ سونیا نے آئینہ کی سطح سے اپنی مما کے عکس کو دیکھا تو مسکرادی جواباً سارا بیگم نے بھی مسکراہٹ کا تبادلہ کیا پھر سہولت سے بولیں۔

''بیٹا..... آپ کا کہیں جانے کا پروگرام ہے کیا؟'' سونیا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹتے ہوئے سارا بیگم کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''فی الحال تو کہیں جانے کا پروگرام نہیں ہے کیوں مما' آپ کو کوئی کام ہے کیا؟'' اب سونیا اپنی وارڈروب کی جانب بڑھی تھی جسے کھول کر وہ اپنے لیے ڈریس سلیکٹ کرنے لگی تھی۔

''ہوں کام تو مجھے تھا دراصل مجھے کچھ شاپنگ کرنی تھی میں نے سوچا کہ اگر تم فری ہو تو میرے ساتھ چلو۔'' سارا بیگم کا مدعا سن کر اسے یاد آیا کہ اسے بھی کچھ ضروری چیزیں خریدنی تھیں۔

''اوکے مما آپ نیچے میرا ویٹ کیجیے میں دس منٹ میں ریڈی ہو کر آتی ہوں۔'' وہ ایک ڈریس ہاتھ میں لے کر تیزی سے بولی تو سارا بیگم اثبات میں سر ہلا کر مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں پھر تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ شہر کے مشہور مال میں گھوم رہی تھیں سارا بیگم مختلف دکانیں دیکھتے ہوئے سونیا سے باتیں بھی کررہی تھیں جب ہی ایک شاپ کے باہر رک کر بولیں۔

''سونیا دیکھو یہ ڈریس کتنا بیوٹی فل لگ رہا ہے ناں نیکسٹ منتھ زرمین کی شادی کا فنکشن ہے اس میں پہن لینا۔'' سارا بیگم نے اپنی بھانجی کا نام لیا جو دبئی میں رہتی تھی سونیا نے اس ڈریس کی طرف بغور دیکھا ڈل گولڈن رنگ کی سلولیس شرٹ پر کاپر اور شائن گولڈ کے نفیس سے کام میں شرٹ بہت دیدہ زیب لگ رہی تھی جب کہ گولڈن ہی کیپری پر بے حد دلکش کڑھائی کی گئی تھی۔ سونیا نے اس کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد ناک بھوں چڑھا کر کہا۔

''نو مما..... مجھے تو یہ پسند نہیں آرہا کافی کامن کلر اور بے حد فضول اسٹائل ہے یہ اور آپ کو تو معلوم ہے مجھے منفرد چیزیں اپیل کرتی ہیں۔'' سونیا آگے بڑھ گئی جب ہی سارا بیگم تیزی سے اس کے قدم ملاتے ہوئے بولیں۔

''کوئی بات نہیں ڈیئر ہم کچھ اور دیکھ لیتے ہیں اچھا ذرا اس طرف آؤ وہاں ایک بہت اچھی شاپ ہے۔'' سارا بیگم نے مشہور ڈیزائنر کا نام لیا تھا تو سونیا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسی جانب بڑھ گئی ابھی وہ دونوں کچھ ہی قدم آگے بڑھی تھیں کہ اچانک ایک کارنر کی دکان کی گولائی کاٹتے ہوئے ایک دراز قامت شخص تیزی سے نمودار ہوا سونیا اور وہ شخص سرعت سے بریک نہ لگاتے تو تصادم یقینی تھا سونیا نے انتہائی ناگواری سے اس ناگہانی آفت کو جونہی سر اٹھا کر دیکھا تو یک ٹک دیکھتی ہی رہ گئی بے پناہ وجیہہ چہرہ جس پر فریم لیس نظر کا چشمہ لگائے اپنے اونچے قد میں وہ بہت نمایاں لگ رہا تھا جب کہ فوجی اسٹائل میں کٹے اس کے سیاہ چمکتے بال اس کی شخصیت کو اور بھی زیادہ ڈیشنگ بنا گئے تھے وہ آج اپنے مخصوص یونیفارم میں نہیں بلکہ بلیک جینز پر ڈارک گرین ہاف سلیف ٹی شرٹ میں ملبوس تھا جب کہ اس کے وجود سے اٹھتی مردانہ دلکش پرفیوم کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرا کر اسے بے حد ڈسٹرب کرگئی تھی۔ سونیا ایک عجیب سی کیفیت میں گھری

کامیش شاہ کو دیکھتی رہی تھی جب کہ کامیش ایک سرسری نگاہ ڈال کر رخ اس کی جانب سے پھیرتے ہوئے آنٹی کی جانب متوجہ ہوگیا تھا۔

''السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟'' وہ سارا بیگم سے علیک سلیک کررہا تھا سونیا اس کی آواز سن کر یک دم حال میں لوٹی تھی پھر دوسرے ہی پل اس نے بڑی تیزی سے خود کو سنبھالا تھا سارا بیگم مسرت آمیز انداز میں اس سے محو گفتگو تھیں۔

''کامیش شاہ کسی دن ٹائم نکال کر آپ ہمارے گھر بھی تو آیئے آپ کے انکل بھی آپ کو یاد کررہے تھے۔'' سارا بیگم کامیش سے یوں بات کررہی تھیں جیسے وہ تمام قصے سے انجان ہیں جب کہ کامیش بھی خوش اخلاقی سے ان سے محو گفتگو تھا البتہ اس نے سونیا خان شیرازی کو پوری طرح سے نظر انداز کررکھا تھا آف وائٹ کیپری پر ڈیپ ریڈ کلر کی شارٹ شرٹ میں ریڈ لپ اسٹک سے اپنے ہونٹوں کو رنگے وہ مال میں بہت سی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی مگر کامیش نے اس پر پہلی کے بعد دوسری نگاہ غلطی سے بھی نہیں ڈالی تھی تھوڑی دیر بعد وہ سارا بیگم سے ایکسکیوز کرکے وہاں سے چلا گیا البتہ اپنے وجود اور پرفیوم کی مسحور کن مہک چہار سو چھوڑ گیا سونیا چپ چاپ سی وہیں کھڑی رہی جبکہ سارا بیگم نے ڈرتے ہوئے سونیا کو دیکھا انہیں لگا کہ وہ ان پر بہت غصہ ہوگی' کامیش سے اس طرح باتیں کرنے پر اس کا پارہ ہائی ہوجائے گا مگر خلاف توقع سونیا تو بالکل چپ کھڑی تھی کچھ دیر قصداً خاموش رہنے کے بعد سارا بیگم نے سہولت سے اسے مخاطب کیا۔

''چلیں سونیا۔'' سونیا کے کانوں سے سارا بیگم کی آواز ٹکرائی تو وہ اپنے دھیان سے چونکی پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''آیئے اس طرف چلتے ہیں۔'' سونیا آگے بڑھ گئی جب کہ سارا بیگم بھی اس کے پیچھے چل دیں۔

❁.......❁.......❁

چرچ کی جانب جاتے بالائی روڈ پر بنے اس دلکش سے ریسٹورنٹ کی ایک میز پر جیسکا کے مقابل میک بیٹھا تھا جس کا موڈ اس پل بے حد خراب تھا میک انتہائی وجیہہ نین ونقوش کا مالک تھا مگر غصے میں اس کا چہرہ بالکل بھیڑیئے سے مشابہہ ہوجاتا تھا۔ میک اس وقت بھی غصے میں تھا اس کا چہرہ ریسٹورنٹ کی مدھم رومانوی روشنی میں بہت خوفناک معلوم ہورہا تھا نا چاہتے ہوئے بھی جیسکا کا وجود خوف کی ان دیکھی چادر میں سمٹ سا گیا وہ بڑی مشکلوں سے اپنے اشتعال کو کنٹرول کررہا تھا جب کہ جیسکا اسے تمام تر تفصیلات بتا کر اپنی جگہ خاموش سی بیٹھی تھی۔

''تم سے ایک معمولی سا کام نہیں ہوسکا جیسکا اتنا ڈفر اور کند ذہن میں نے تمہیں ہرگز نہیں سمجھا تھا ورنہ میں یہ کام تمہیں سونپتا ہی نہیں۔'' اس پل بولتے ہوئے میک کی ناک کے نتھنے تیزی سے پھڑپھڑا رہے تھے جیسکا نے خائف نگاہوں سے اسے دیکھا پھر منمناتے ہوئے بولی۔

''میک میں تو اپنی طرف سے پوری کوشش کررہی ہوں ناں اب یہ نجانے ماریہ کو کیا ہوگیا ہے اچانک اس کے دل میں ولیم کی محبت کہاں سے جاگ گئی کل تک جس سے منگنی کرنے کے غم میں وہ سوگ منارہی تھی آج اس سے شادی کرنے کی تڑپ میں مری جارہی ہے۔'' جیسکا کی بات کے اختتام پر میک نے اپنی پراسرار آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑیں تو وہ ہڑبڑا سی گئی میک کے اس طرح دیکھنے پر وہ اچھی خاصی گھبرا گئی تھی۔

''میک تم..... تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو' میں سچ کہہ رہی ہوں اس نے مجھ سے یہی سب کچھ کہا ہے میک میں تو سمجھی تھی کہ وہ مجھے کوئی بہت کام کی بات بتانے والی ہے مگر.....'' جیسکا اپنی صفائی میں جلدی جلدی آخر میں خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئی جبکہ میک ہنوز اسے دیکھتا رہا پھر پھنکارتے ہوئے اپنے دونوں بازو میز کی سطح پر ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے بولا۔

"تم ماریہ کو کیا سمجھتی ہو جیسکا؟ وہ جیسی دکھائی دیتی ہے ناں ویسی ہے نہیں ہونہہ...... ضرورت سے زیادہ چالاک اور ہوشیار ہے وہ۔ یقیناً اس نے ولیم کا نام کسی خاص مقصد کے لیے ہی لیا ہے۔" میک کی بات پر جیسکا نے اسے انتہائی ناسمجھی والے انداز میں دیکھا۔

"کیا مطلب......؟ میں سمجھی نہیں۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ سچ میں دوبارہ ولیم سے جڑنا چاہتی ہے نو وے جیسکا وہ ہمارے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہی ہے ایڈیٹ گرل۔" آخر میں وہ انتہائی تنفر وحقارت آمیز لہجے میں بولا تو جیسکا حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب اسے مجھ پر شک ہوگیا ہے کیا؟" وہ یہ سن کر صحیح معنوں میں گھبرا گئی تھی میک قدرے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہی تو میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اسے تم پر شک ہوگیا ہے؟"

"مجھ پر شک......" وہ اچنبھے کے عالم میں اپنی دونوں آنکھیں پوری طرح کھولے خود سے بولی پھر کچھ دیر سوچ کر میک کو دیکھتے ہوئے انتہائی پُریقین لہجے میں بولی۔

"امپاسبل میک ایسا کسی بھی طور ممکن نہیں ہے وہ مجھ پر شک کر ہی نہیں سکتی ان فیکٹ وہ مجھ پر بہت بھروسہ کرتی ہے ایسا ہرگز نہیں ہے۔" آخر میں اس نے اپنی گردن بڑے شدومد سے نفی میں ہلائی تو میک نے پُرسوچ نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

❁......❁......❁

احمر اور عدیل آج باسل کے گھر کے وسیع وعریض لان میں شام کے اس خوب صورت پہر خوش گپیوں میں مشغول تھے جبکہ احمر اور عدیل چائے کے ساتھ ساتھ دیگر لوازمات پر بھی ہاتھ صاف کر رہے تھے۔

"یار اب یونیورسٹی کھل جانی چاہیے قسم سے مجھے تو بہت بوریت ہورہی ہے۔" عدیل چکن بال کا پیس منہ میں رکھتے ہوئے بولا تو احمر نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"ہاں بھئی عدیل بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے ابا حضور نے تو مجھ سے گھر کے کام کروا کروا کر سچ میں بالکل ہی گدھا بنا دیا ہے ہر بار وہ یہی کہہ کر مجھے کوئی کام سونپ دیتے ہیں کہ میاں بعد میں تم ہاتھ کہاں لگو گے بس یونیورسٹی کے ہوجاؤ گے۔" شام کے دھندلکے تیزی سے گہرے ہورہے تھے۔

"باسل یار کیا خیال ہے شمالی علاقہ جات کی سیر کو نہ نکل چلیں موسم بھی طبیعت کو اچھا خاصا بے زار کر رہا ہے اور یہاں ایک سی روٹین پر چل کر میں تو بے پناہ اکتا گیا ہوں۔" عدیل گارڈن چیئر کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا تو یہ سن کر احمر کی آنکھوں میں بھی چمک در آئی عدیل کی طرح وہ بھی کافی بوریت کا شکار ہورہا تھا اس پر مستزاد دل کے آنگن میں اداسی اور قنوطیت کی خاردار جھاڑیاں بھی اُگ آئی تھیں جب سے زرینہ سے فون پر اس کی بات ہوئی تھی اس کا دل اداسی کے کہر میں ڈوب سا گیا تھا وہ آج کل زرینہ کو بھولنے کی تگ ودو میں لگا ہوا تھا باسل کی بات اس کے دل کو لگی تھی کہ زرینہ اور اس کی فیملی میں بہت فرق تھا مگر زرینہ کی اس کے لیے بدگمانی اس کے دل میں کسی کانٹے کی طرح چبھ کر اسے عجیب سی بے چینی میں مبتلا کر رہی تھی۔

"ہوں آئیڈیا تو اچھا ہے عدیل چلو پھر پلان کرتے ہیں۔" باسل رضامندی دیتے ہوئے بولا تو احمر اور عدیل آگے کا پروگرام ترتیب دینے لگے۔

ماریہ کو جیسکا کے اس طرح بدل جانے کا بے حد صدمہ پہنچا تھا جیسکا سے اس کی دوستی بہت پرانی تھی دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھی تھیں پھر جیسکا کی مام سے بھی جیکولین کے اچھے روابط تھے ماریہ اگر خود اپنی آنکھوں سے جیسکا کے موبائل فون میں کالز کی ڈیٹیلز نہ دیکھتی تو قیامت تک جیسکا کی نیت اور اس کے خلوص پر شک نہ کرتی۔ جیسکا نے ماریہ کے اعتبار کا خون کر کے اسے بے پایاں اذیت و کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔

''او...... جیسکا آخر کس بات کا تمہیں لالچ ہوا کہ تم نے دوستی جیسے خوب صورت اور انمول رشتے کا گلا گھونٹ دیا؟'' بولتے ہوئے آخر میں ماریہ رو دی پھر کافی دیر یونہی تنہا اپنے کمرے میں آنسو بہانے کے بعد وہ کچھ سوچنے لگی پھر خود سے گویا ہوئی۔

''تم نے یقیناً کسی قیمتی شے کے عوض ہی ہمارے رشتے کو بیچا ہے جیسکا تم یہ بات نہیں جانتی کہ میک ایک فریبی اور مطلبی انسان ہے وہ صرف تم سے اپنا کام نکلوا رہا ہے۔ تمہیں استعمال کرنے کے بعد وہ مڑ کر بھی تمہیں نہیں دیکھے گا۔'' ماریہ ایک بار پھر اپنی سوچوں میں گم ہوگئی کہ کچھ ہی دیر میں ابرام دروازہ ہلکے سے ناک کر کے اندر آ گیا' ماریہ کو اس پل ابرام کے کمرے میں آنے کا بھی احساس نہیں ہوا تھا' ابرام نے چند ثانیے گم صم بیٹھی ماریہ کو دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا جب کہ اسی لمحے ماریہ کی محویت ٹوٹی تھی اس نے انتہائی چونک کر ابرام کی طرف دیکھا تو ابرام اس کی آنکھوں میں سرخی اور نمی دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

''کیا بات ہے ہنی؟ تم رو رہی تھیں۔'' ابرام کے استفسار پر ماریہ نے نگاہ اٹھا کر چند پل کے لیے اسے دیکھا پھر سر جھکاتے ہوئے دھیمے انداز میں بولی۔

''جب دل بے بسی و لاچاری کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو آنکھوں سے آنسو خود بخود ہی جاری ہو جاتے ہیں برو اور پھر کوئی چاہے کتنا ہی ان آنسوؤں کی طغیانی پر بندھ باندھنے کی کوشش کرے یہ منہ زور ریلے کی طرح ہر باڑ توڑ کر بس بہہ جاتے ہیں۔'' ایک بار پھر اس کی آنکھیں برس پڑی تھیں' آنسو آنکھوں کی سطح سے اتر کر گالوں پر بکھر گئے تھے ابرام نے اسے بے حد ہمدردی بھرے انداز میں دیکھا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''جانتی ہو ماریہ جب میں آٹھ سال کا تھا تو کسی اینجل کی طرح تم مام کی گود میں آئی تھیں تمہارے گلابی پھولے ہوئے گال اور لمبی لمبی پلکیں مجھے بہت پسند تھیں میں اکثر مام سے کہتا تھا کہ کیا گاڈ نے آپ کو یہ گفٹ کیا ہے جس پر مام مسکرا کر کہتی تھیں آف کورس ڈیئر یہ بے بی گاڈ کا گفٹ ہی تو ہے میں ہر وقت تمہارے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا مجھے یہ خدشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں تم گر نہ جاؤ' تمہیں کوئی چوٹ نہ آ جائے' تم ڈر نہ جاؤ' کہیں تم بھوکی نہ رہ جاؤ۔'' اس پل ابرام جیسے انہی لمحات میں داخل ہوگیا تھا' ماضی کی فلم گویا اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگی تھی ماریہ بغور ابرام کا چہرہ دیکھتے ہوئے خاموشی سے سن رہی تھی۔

''جب تمہاری اسکولنگ اسٹارٹ ہوئی تو سب سے زیادہ برا مجھے لگا کیوں کہ صبح ہی صبح گہری نیند سے تمہیں جگا کر اتنی سردی میں اسکول بھیجنا مجھے سخت ناپسند تھا تم جب روتی ہوئی اسکول جاتی تھی تو سارا دن میں ڈسٹرب رہتا تھا۔'' ابرام چند ثانیے کے لیے خاموش ہوا پھر ایک سانس بھر کر اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ایسے ان گنت واقعات اور لمحات ہیں ماریہ جس میں' میں تمہاری تکلیف اور پریشانی کا سوچ کر بے پناہ ڈسٹرب اور اپ سیٹ ہوا اور آج...... آج جو صورت حال تمہارے ساتھ درپیش ہے تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ ان سب باتوں کو لے کر میں کس حد تک پریشان اور اپ سیٹ ہو سکتا ہوں۔'' آخر میں اس کا انداز سوالیہ ہوگیا تھا ماریہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی جب ہی ابرام کی آواز دوبارہ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ماریہ فار گاڈ سیک مائی آنجل...... مجھے اس تکلیف اور اذیت سے باہر نکالو میں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔"
کچھ دیر ماریہ خاموش رہی پھر سر اٹھا کر اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولی۔
"یہ ٹھیک ہے برو کہ میں ایک سخت وقت سے گزر رہی ہوں میرے اردگرد بدلتے حالات مجھے ایک کرب اور اذیت کی کیفیت سے دوچار کررہے ہیں مگر مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ بہت جلد ان تمام تکالیف کے بعد مجھے راحت بھی ضرور ملے گی اور پھر برو انسان آزمائشوں کی بھٹی میں سلگ کر ہی تو کندن بنتا ہے میں نے جو راستہ اپنی زندگی کے لیے منتخب کیا ہے وہ مجھے کبھی بھی بے سکونی اور اذیت میں مبتلا نہیں رکھے گا ہاں مگر......" بولتے بولتے وہ چند ثانیے کے لیے رکی پھر دوبارہ ذومعنی لہجے میں بولی۔
"اگر اپنی منزل کے حصول کے لیے میں آپ سے خودغرضی کر بیٹھوں تو پلیز برو مجھے معاف کردیجیے گا لیکن اتنا ضرور یاد رکھیے گا کہ میں بھی آپ سے بے حد محبت کرتی ہوں' بے پناہ پیار کرتی ہوں برو' میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔" اس کی رندھی آواز اور گیلی پلکوں کو ابرام نے انتہائی محبت سے دیکھا پھر نرمی سے اپنے سینے سے لگالیا جب کہ ماریہ ایک بار پھر اس کے گلے سے لگ کر رودی۔

❀......❀......❀
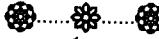
لالہ رخ نے موقع مناسب دیکھ کر مہرو کی ماں کو مومن جان کی تمام حقیقت بتادی تھی البتہ یہ سب بتانے سے پہلے لالہ رخ نے ان سے قسم بھی لے لی تھی کہ وہ کسی خطرناک ردعمل کا اظہار نہیں کریں گی اور نہ ہی زیادہ پریشان ہوں گی پہلے تو گڈو بیگم ٹکر ٹکر لالہ رخ کے حرکت کرتے لبوں کو غائب دماغی سے دیکھے گئیں پھر جب تمام بات بتا کر وہ خاموش ہوئی تو نجانے کتنی ہی دیر وہ بے حس و حرکت ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہیں پھر ذہن جب آہستہ آہستہ بیدار ہونا شروع ہوا تو لالہ رخ کی کچھ دیر پہلے کہی باتیں کسی ہتھوڑے کی مانند ان کے دماغ میں برسنے لگیں۔ ذہن میں جیسے جھکڑ چلنے لگے پھر یک دم نفرت اور اشتعال کی تند و تیز لہر ان کے اندر سے اٹھی تھی جس نے ان کے وجود کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔
"ہونہہ آخر دکھادی نا مومن جان نے اپنی ذات' مجھے اندازہ تو تھا کہ یہ انسان انتہائی خودغرض اور لالچی ہے مگر یہ اپنی لالچ اور ہوس میں اس حد تک گر جائے گا یہ مجھے معلوم نہیں تھا بھلا اپنی اولاد کو بھی کوئی یوں داؤ پر لگاتا ہے۔" گڈو بیگم کے لب و لہجے میں اس پل شدید دکھ و تکلیف درآئی جب کہ آنکھیں بھی تیزی سے بھیگنے لگی تھیں۔ لالہ رخ نے بڑی بے بسی سے انہیں دیکھا۔
"میں تو سمجھ بیٹھی تھی کہ بیٹی کی محبت اس کے دل میں جاگ گئی ہے رشتوں کو نبھانا آ گیا ہے مگر میں کم عقل نادان یہ سمجھ ہی نہیں سکی کہ وہ تو رشتوں کو تار تار کرکے انہیں ایسے مسخ کررہا ہے کہ کوئی اب کبھی ان رشتوں پر اعتبار ہی نہ کرسکے۔ سچ کہتا ہے مومن جان کہ میں واقعی عقل کی کوری ہوں جو اس جیسے گدھ کو پہچان ہی نہیں سکی۔" گڈو بیگم آخر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں جب کہ لالہ رخ نے تیزی سے انہیں اپنے گلے سے لگالیا تھا۔

❀......❀......❀
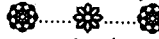
ماریہ بہت سارا رونے کے بعد ابرام کے سینے سے الگ ہوکر اب خاموش سی بیٹھی تھی' ابرام اسے بغور دیکھ رہا تھا جب بہت دیر تک ماریہ کچھ نہیں بولی تو ابرام نے ہی اس خاموشی کو اپنی آواز سے توڑا۔
"تم یقیناً کسی بات کو لے کر بہت اپ سیٹ ہو ماریہ پلیز ٹیل می' مجھے بتاؤ تو سہی کہ آخر بات کیا ہے کیا مام کو لے کر تم ڈسٹرب ہو۔" ابرام کے استفسار پر ماریہ بے ساختہ نفی میں سرہلاگئی تو ابرام کچھ دیر کے لیے ٹھہرا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوا۔
"پلیز ماریہ فار گاڈ سیک تم پہیلیاں مت بجھواؤ' سیدھے سیدھے بتا کیوں نہیں دیتیں کہ بات کیا ہے؟" ماریہ نے لحظہ

بھڑک کر ابرام کو دیکھا پھر ایک آہ بھر کر بولی۔
''برو جیسکا میک کے ساتھ مل گئی ہے۔''
''کیا؟'' ابرام بے حد حیران سا ہو کر بولا پھر انتہائی الجھ کر مزید گویا ہوا۔
''ک..... کیا مطلب ماریہ..... مطلب جیسکا اس میک کے ساتھ..... اوہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ جسیکا تمہارے ساتھ ایسا کیسے کرسکتی ہے وہ تو تمہاری بیسٹ فرینڈ ہے وہ ایسا کیونکر کرسکتی ہے؟'' ابرام کو شاکڈ لگا تھا اس کا ذہن اور دل یہ سچائی کسی طور قبول نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ اس طرح ماریہ کے ساتھ فریب کرسکتی ہے۔
''تمہیں کیسے معلوم ہوا ماریہ؟ ہوسکتا ہے کہ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔'' ابرام کی بات پر ماریہ نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا کر کہا۔
''نہیں برو مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی بلکہ میرے اللہ نے مجھے کسی بہت بڑے نقصان سے بچالیا ہے جو جیسکا کی بدولت مجھے اٹھانا پڑتا اس رب کریم نے میری آنکھوں سے بے خبری کا پردہ اٹھادیا ہے یہ انکشاف میرے لیے بہت اذیت ناک ہے کہ جیسکا میری پیٹھ پر چھرا گھونپنے کو تیار بیٹھی ہے مگر دوسری جانب میں اس بات پر شکر گزار ہوں کہ بروقت جیسکا کی اصلیت میرے سامنے آ گئی۔''
''ہاں یہ سب تو ٹھیک ہے ماریہ مگر مجھے بتاؤ تو سہی کہ تمہیں کیسے پتا چلا کہ جیسکا میک کے ساتھ مل گئی ہے۔'' ابرام کا ذہن اسی بات پر اٹک گیا تھا جب ہی ماریہ نے سہولت سے تمام بات بتادی کہ کس طرح اس دن ڈور بیل بجنے پر جیسکا اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھی اور اس نے بے دھیانی میں اس کا آئی فون اٹھا کر میک کی کال ہسٹری چیک کرلی تھی سب کچھ سننے کے بعد ابرام تاسف سے گویا ہوا۔
''جیسکا نے یہ بہت برا کیا اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اس نے ہمارے بھروسے کا خون کیا ہے ماریہ۔''
''برو یہ میک اور اس کا گروپ بہت شاطر اور چالاک ہے یہ سامنے والے کی کمزوری کو جان کر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کردیتے ہیں یقیناً میک نے جیسکا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی کیا ہے اس نے جیسکا کی کمزوری بھانپ کر اسے خرید لیا ہے۔'' ماریہ کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ ٹکائے بولتی رہی' ابرام کے ذہن میں ایک خیال آیا پھر اسے جھٹک کر ماریہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔
''جو بھی ہے ماریہ مگر جیسکا تو ہمیں دھوکہ دے رہی ہے۔ بہت غلط کر رہی ہے جیسکا' مجھے اس سے ایسی امید بالکل نہیں تھی۔'' پھر جیسے وہ خود کلامی والے انداز میں گویا ہوا۔
''میں نے بالکل صحیح کیا تم واقعی میری فرینڈ شپ کے بھی لائق نہیں تھیں۔'' ماریہ ان لفظوں پر چونکی جو با آسانی اس کی سماعتوں میں جا پہنچے تھے۔
''کیا مطلب برو آپ نے کیا کیا؟''
''میری جیسکا سے فرینڈ شپ ختم ہوگئی۔''
''کیا..... مگر کیوں برو۔'' وہ تحیر آمیز لہجے میں بولی تو ابرام تھوڑا سا جھنجلایا۔
''بس ہوگئی ختم' تم اس بارے میں مت سوچو بلکہ اس حوالے سے اب تمہیں بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ وہ جیسکا کہیں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوجائے۔'' ابرام گمبھیر لہجے میں بولا تو ماریہ کسی گہری سوچ میں مستغرق ہوگئی۔

❁ ❁ ❁
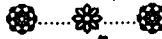
خاور حیات شام کو آفس سے گھر واپس آیا تو خلاف توقع حورین کو نادرد پایا وگرنہ وہ تو لاؤنج میں خاور حیات کے انتظار

میں بالکل فریش سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے بیٹھی ملتی تھی گھر میں بھی کافی خاموشی تھی شاید باسل حیات بھی گھر میں موجود نہیں تھا' خاور حیات تھوڑا الجھتا ہوا اپنے روم میں داخل ہوا تو حورین کو ملگجے سے لباس میں بستر پر دراز پایا اسے یوں لیٹا دیکھ کر خاور انتہائی پریشان سا ہو کر اس کی جانب لپکا۔

''حورین آر یو اوکے' تم ٹھیک تو ہونا اس طرح کیوں بیڈ پر لیٹی ہو؟'' خاور کے استفسار پر حورین نے تھکی تھکی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر سنجیدگی سے بولی۔

''میں ٹھیک ہوں بس یونہی لیٹ گئی تھی۔'' خاور حیات نے اس لمحے حورین کے لب و لہجے میں سرد مہری اور بے گانگی کو واضح طور پر محسوس کیا' وہ اور زیادہ ڈسٹرب ہو گیا تب ہی اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا جواب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ چکی تھی۔

''نو وے حورین مجھے تمہاری طبیعت بالکل بھی صحیح نہیں لگ رہی ہے تم پلیز مجھے بتاؤ کہ اس وقت تم کیا فیل کر رہی ہو؟'' وہ ساتھ ساتھ اس کا ماتھا بھی چیک کر رہا تھا جو کہ بالکل ٹھنڈا تھا البتہ کلائی تھام کر وہ اس کی ہارٹ بیٹ کی سست روی کو محسوس کر گیا تھا۔

''میں نے کہا ناں خاور میں بالکل ٹھیک ہوں بس تھوڑی سستی ہو رہی ہے۔'' حورین انتہائی بے زار لہجے میں بولی تو خاور حیات نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر اس کے انداز کی بیگانگی کو نظر انداز کر کے ایک بار پھر تشویش بھرے لہجے میں بولا۔

''تم بالکل بھی ٹھیک نہیں ہو حورین...... میں ابھی ڈاکٹر شہریار کو فون کر کے گھر بلاتا ہوں۔'' اس نے اپنی جیب سے اپنا سیل فون نکالا ہی تھا کہ یک دم حورین نے انتہائی ناگواری سے کہا۔

''خاور میں بالکل ٹھیک ہوں پھر آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں مجھے کسی ڈاکٹر سے کوئی چیک اپ وغیرہ نہیں کروانا۔'' حورین کا یہ انداز وہ آج پہلی بار دیکھ رہا تھا جب ہی آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے وہ اسے تحیر کے عالم میں تکتا رہا' آج سے پہلے حورین نے کبھی بھی خاور کے ساتھ اس طرح کا رویہ نہیں رکھا تھا لہٰذا خاور کا حیرت میں مبتلا ہو جانا فطری تھا کچھ دیر اسے حیران نگاہوں سے دیکھنے کے بعد خاور نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

''حورین میں تمہارے لیے......''

''پلیز خاور اس وقت میں آرام کرنا چاہتی ہوں مجھے کچھ دیر کے لیے تنہا چھوڑ دیجیے۔'' حورین نے ہاتھ اٹھا کر خاور کی بات کو درمیان میں ہی کاٹ کر ہنوز لہجے میں کہا اور سیدھی ہو کر اس کی جانب سے رخ پھیر کر لیٹ گئی جب کہ خاور اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔

❀......❀......❀

سونیا تیار ہو کر نیچے آئی تو سارا بیگم نے اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا پھر تعریف بھرے انداز میں بولیں۔

''سونیا بیٹا آج تو تمہاری تیاری بہت اچھی ہے کیا کسی بہت خاص جگہ جا رہی ہو۔'' سارا بیگم کی بات پر سونیا دلکشی سے مسکرائی پھر اپنے گولڈن براؤن بالوں کو ایک خاص ادا سے جھٹکتے ہوئے بڑے خوش گوار موڈ میں بولی۔

''ایک بہت خاص جگہ جا رہی ہوں ممی میں ابھی آپ کو نہیں بتاؤں گی۔'' سارا بیگم بھی مسکرانے لگیں پھر اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولیں۔

''اوکے مائی بے بی ڈول میں بالکل نہیں پوچھوں گی کہ آپ کہاں جا رہی ہو مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ ہمیشہ اسی طرح خوش و مطمئن رہو جس طرح اس وقت لگ رہی ہو۔'' سونیا نے سارا بیگم کو دیکھا پھر اپنا برینڈڈ بیگ ہاتھ سے کندھے پر منتقل کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

''اومی میں تو ہمیشہ ہی یونہی خوش اور مطمئن رہتی ہوں۔'' پھر چند باتیں اِدھر اُدھر کی کر کے وہ اپنی کار میں باہر نکل گئی آج واقعی وہ کافی مطمئن اور خوش تھی سارا بیگم ماں تھیں لہٰذا اس چیز کو فوراً نوٹ کر گئی تھیں تقریباً بیس منٹ بعد سونیا اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئی آج اس نے اپنا تعارف بڑے منفرد انداز میں کرایا تھا۔

''میں مسز کامیش شاہ ہوں مجھے کامیش سے ملنا ہے۔'' سونیا بڑی متانت سے بولی تو سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں یہ بات سن کر خود بخود احترام در آیا وہ انتہائی مودبانہ انداز میں بولا۔

''میم آپ پلیز اس روم میں چلی جائیے وہیں سر بیٹھے ہیں۔'' جبکہ سونیا اثبات میں سر ہلا کر اسی جانب بڑھ گئی جہاں پر اس شخص نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا تھا ہلکا سا ناک کر کے وہ کامیش کی ''کمنگ'' کی آواز پر انتہائی خود اعتمادی سے اندر داخل ہوئی' کامیش اس پل میز پر رکھی فائل پر جھکا بے حد مصروف دکھائی دیا سونیا کی آمد پر لیڈیز پرفیوم کی مہک جب اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تب ہی وہ بے ساختہ اپنے دھیان سے چونکا اس نے جونہی سر اٹھا کر سامنے کی جانب دیکھا تو سونیا اعظم خان کو اپنی نگاہوں کے سامنے پاکر اس کو خفیف سا جھٹکا لگا پھر دوسرے ہی لمحے وہ اپنے آپ کو سنبھال کر پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوا جو بڑی گرم جوشی سے اس کی توجہ پا کر علیک سلیک کر رہی تھی آج تو سونیا کا ہر انداز ہی نیا تھا آف وائٹ اور گرین کنٹراسٹ کے برینڈڈ لان کے اسٹائلش سوٹ میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی جب کہ انتہائی لائٹ میک اپ سے اس نے اپنے فیس کو بالکل نیچرل لک دیا تھا' سونیا بڑے دوستانہ انداز میں بے مقصد باتیں کر رہی تھی جب ہی کامیش شاہ اپنے مخصوص انداز میں کافی سنجیدگی سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو اگر کوئی بات کرنی تھی تو فون پر بھی کی جاسکتی تھی۔'' کامیش کی بات پر سونیا پل بھر کے لیے بالکل خاموش سی ہوگئی پھر خوامخواہ میں اپنے گلے کو کھنکھارتے ہوئے کہنے لگی۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے لیکن تم گھر بھی آنے کو تیار نہیں ہوتے لہٰذا میں خود تم سے ملنے تمہارے آفس چلی آئی۔'' کامیش شاہ نے اس کے صبیح چہرے کی طرف دیکھا پھر ہنوز لہجے میں گویا ہوا۔

''تمہیں جو کچھ کہنا ہے جلدی سے کہو مجھے ایک ضروری کام سے ابھی باہر نکلنا ہے۔'' سونیا چند پل کے لیے خاموش بیٹھی رہی ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے الفاظ ترتیب دے رہی ہو جب کہ کامیش اس کے بولنے کا منتظر تھا یونیفارم میں ملبوس وہ آج بھی بے حد شاندار لگ رہا تھا۔

''کامیش میں......'' وہ پل بھر کو رکی پھر تیزی سے بولی۔

''میں واپس گھر آنا چاہتی ہوں۔'' اپنا جملہ مکمل کر کے وہ بالکل چپ بیٹھی رہ گئی جب کہ کامیش نے اس بات پر کسی بھی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا کچھ دیر یونہی دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے جب ہی سونیا دوبارہ گویا ہوئی۔

''کامیش میں واپس اپنے گھر آنا چاہتی ہوں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ تم کچھ بول کیوں نہیں رہے......'' سونیا اضطراری انداز میں اپنی انگلیوں کو آپس میں مروڑنے لگی تھی کامیش نے ایک نگاہ اسے بغور دیکھا پھر ایک ہنکارہ بھر کر بولا۔

''یہ اب پاسبل نہیں ہے سونیا...... ہمارے درمیان جو بھی نام نہاد رشتہ تھا وہ اب ختم ہو چکا ہے۔'' کامیش شاہ کی بات پر سونیا نے بے پناہ الجھ کر اسے دیکھا پھر چیخ کر بولی۔

''ہمارے درمیان اب بھی رشتہ باقی ہے کامیش میں اس وقت بھی تمہارے نکاح میں ہوں تمہاری بیوی کہلاتی ہوں' میرے نام کے ساتھ تمہارا نام ابھی بھی جڑا ہوا ہے۔''

''ہونہہ......رشتے احساسات و جذبات سے بنتے ہیں خلوص و وفا سے پنپتے ہیں اور ایثار و برداشت سے قائم رہتے ہیں اور یہ تمام چیزیں تمہارے اندر مفقود ہیں' تمہارے اور میرے بیچ صرف کاغذی رشتہ ہے اور کاغذی رشتوں کی کوئی

اہمیت اور وقعت نہیں ہوتی سونیا اعظم خان۔'' کامیش شاہ بے حد کٹیلے انداز میں بولتا چلا گیا جب کہ یہ سب کچھ سن کر سونیا اندر سے بری طرح تلملا کر رہ گئی مگر اسے اس وقت جوش سے نہیں بلکہ ہوش سے کام لینا تھا اس نے بمشکل اپنے اشتعال کو اندر ہی اندر دبایا پھر بڑی دقت سے بولی۔

''مم...... میں اپنی غلطی مانتی ہوں کامیش یقیناً مجھ سے بہت کوتاہیاں ہوئی ہیں فراز کے دباؤ اور باتوں میں آ کر میں نے تمہارے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔ کامیش مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے جب ہی میں اس وقت تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔'' کامیش نے انتہائی غیر دلچسپی سے اس کی باتوں کو سنا ابھی سونیا مزید بھی کچھ کہتی کہ اسی دم کامیش کا انٹر کام بج اٹھا کامیش نے پہلی ہی بیل کے بعد اسے اٹھالیا تھا۔

''او کے سر میں بس ابھی آ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ میز پر رکھی فائل اٹھا کر سونیا کو نظر انداز کر کے وہاں سے چلتا بنا جب کہ سونیا کے اندر جیسے بھانبڑ جل اٹھے تھے۔

❁......❁......❁

ماریہ ابرام کے ہمراہ گھر کے قریبی پارک میں آ کر چہل قدمی کرتے ہوئے ابرام کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتوں میں محو تھی جب ہی اچانک جیسکا کی وہاں آمد نے دونوں بہن بھائی کو چونکا دیا تھا بے ساختہ ابرام نے ماریہ کی جانب دیکھا۔

''جیسکا تم یہاں کیسے؟'' ماریہ خود کو سنبھالتے ہوئے نارمل انداز میں بولی تو جیسکا بڑی دلکشی سے ہنسی پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

''میں تمہارے گھر گئی تھی وہاں آنٹی نے بتایا کہ تم ابرام کے ساتھ پارک گئی ہو تو پھر میں یہاں چلی آئی سمپل۔'' آخر میں اس نے اپنے کندھوں کو بے پروائی سے جھٹکا جیسکا کے جواب پر ماریہ چپ کھڑی رہی تو جیسکا استفہامیہ لہجے میں بولی۔

''کیوں ڈیئر تمہیں میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا کیا؟'' جس پر ماریہ تھوڑی ہڑبڑائی۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے مجھے بھلا تمہارا آنا کیوں برا لگے گا۔'' جیسکا دلکشی سے زور سے ہنسی پھر ابرام کی جانب رخ کرتے ہوئے بولی۔

''اور تم سناؤ ابرام کیا چل رہا ہے۔'' وہ اس وقت ابرام سے یوں مخاطب تھی جیسے دونوں کے درمیان کچھ بھی نہیں ہوا ہو ابرام نے کچھ پل اس کے چہرے کو دیکھا پھر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''جو پہلے چل رہا تھا۔'' جیسکا کو جواب دے کر وہ تھوڑا آگے بڑھ گیا تو جیسکا ماریہ کے قریب آ کر اس کے کان کے پاس سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

''کیا ابرام کو معلوم ہے کہ اب تمہارے دماغ میں کون سا فتور سما گیا ہے او گاڈ ماریہ...... تم بھی نا تو سچ ہو مجھے تو تمہاری کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ تم اصل میں چاہ کیا رہی ہو ایک طرف تو تم نے مذہب اسلام قبول کر کے خود کو مسلمان بنالیا ہے اور دوسری جانب تم ولیم سے دوبارہ رشتہ جوڑنے پر کمربستہ ہو میرا تو سچ میں دماغ گھوم کر رہ گیا ہے۔'' جیسکا کی لن ترانیوں پر ماریہ کچھ نہیں بولی پھر ایک خیال ذہن میں در آیا تو وہ فوراً اسے پیشتر اپنے لہجے میں بے قراری و بے صبری بھرتے ہوئے گویا ہوئی۔

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ولیم سے میرے لیے بات کی اس نے کیا جواب دیا جیسکا پلیز مجھے بتاؤ ناں۔'' ابرام دھیمی چال چلتے ہوئے ان دونوں سے کافی آگے نکل گیا تھا جب کہ جیسکا نے ماریہ کو تادیبی نظروں سے دیکھا پھر قدرے ناراضی سے بولی۔

"ماریہ مجھے تمہاری یہ بات بالکل پسند نہیں آرہی آخر تم کیوں ولیم کے پیچھے بھاگنے کی کوشش کررہی ہوں جسے تم نے خود چھوڑ دیا تھا اور ویسے بھی وہ آج کل اپنی کزن کیتھرین کے ساتھ گھوم رہا ہے وہ اپنی زندگی میں خوش ہے ماریہ اسے ہوسٹرب کرو نہ خود کو پریشان کرو جو گزر گیا ہے اسے جانے دو۔" ماریہ نے اس کی بات کو بغور سنا پھر دل ہی دل میں استہزئیہ انداز میں بولی۔

"ہونہہ ولیم کی زندگی میں جانا کون چاہتا ہے جیسکا البتہ تم جو میرے ساتھ کرنے کی کوشش کررہی ہو اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی تم نے دوست بن کر مجھے تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی...... جیسکا آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے اتنی خود غرض تو تم کبھی نہیں تھیں یا پھر مجھے تمہیں پہچاننے میں کوئی غلطی ہوگئی۔" جیسکا اس پل ماریہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتے ہوئے انگریزی میں بولی۔

"کیا سوچنے لگیں ماریہ؟" جیسکا کی آواز پر ماریہ یک لخت حال کی دنیا میں واپس لوٹی پھر ایک تھکن آمیز سانس فضا کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں بس ولیم کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔" جواباً جیسکا محض اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁
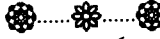
گڈو بیگم نے اپنے اوپر ضبط و برداشت کے کس قدر کڑے پہرے بٹھائے ہوئے تھے اس بات کو صرف ان کا دل ہی جانتا تھا ورنہ بارہا ان کا دل چاہا کہ وہ مومن جان کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالیں اس سے استفسار کریں کہ آخر وہ کون سی مجبوری تھی یا پھر خواہشات کے وہ کون سے پہاڑ تھے جنہیں سر کرنے کے لیے اس نے اپنی ہی بیٹی کی زندگی اور حرمت کو داؤ پر لگا ڈالا مگر پھر لالہ رخ کی دی گئی قسم انہیں یہ اقدام اٹھانے سے روک دیتی تھی البتہ مومن جان کے ساتھ ان کا رویہ بے حد خراب ہوگیا تھا ابھی بھی کسی بات پر گڈو بیگم نے مومن جان سے بڑی ناگواری کا اظہار کیا تھا جس پر وہ بھی تلملا اٹھا تھا۔

"آج کل تجھے ہو کیا گیا ہے یہ ہر وقت تو انگارے کیوں چباتی رہتی ہے دیکھ گڈو...... مجھ سے سیدھے منہ بات کیا کر ورنہ تیری عقل کو ٹھکانے لگانا مجھے اچھی طرح آتا ہے سمجھیں۔" مومن جان بھی انتہائی غصیلے انداز میں بولا تو گڈو بیگم جو پہلے ہی بھری بیٹھی تھیں اس پل جیسے جلتے توے پر جا بیٹھیں۔

"اچھا تو میری عقل کو ٹھکانے لگائے گا ارے میں تیرا دماغ درست کردوں گی ہونہہ نجانے خود کو سمجھتا کیا ہے تو۔" گڈو بیگم کی بات پر مومن جان کا منہ تحیر کی زیادتی کے باعث کھلا کا کھلا رہ گیا جب کہ منہ کی طرف جاتا پانی کا گلاس بھی راستے میں ہی رک گیا آج سے پہلے کبھی اس نے مومن جان سے یوں بدزبانی نہیں کی تھی لہٰذا مومن جان کا حیرت زدہ ہونا بالکل قدرتی تھا کچھ دیر میں اسے ہوش آیا تو وہ غصے سے بے قابو ہو کر بولا۔

"تیرا دماغ تو نہیں چل گیا' یہ تو مجھ سے کس لہجے میں بات کررہی ہے ہوش میں تو ہے تو یا لاؤں تجھے ہوش میں۔" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے وہ گلاس زور سے زمین پر پٹخ گیا نتیجتاً سارا پانی بکھر گیا جب کہ گلاس کے گرنے اور مومن جان کے دہاڑنے پر مہرو اپنے کمرے سے حواس باختہ سی ہو کر باہر آئی۔

"ہاں تو اور کر بھی کیا سکتا ہے مار ڈال مجھے تاکہ میرے قتل کے جرم میں تجھے پھانسی ہوجائے۔"

"اماں...... مہرو گڈو بیگم کی حالت زار کو بخوبی سمجھتے ہوئے تیزی سے ان کی جانب لپکی پھر ان کے دونوں بازوؤں کو نرمی سے تھام کر انہیں تخت پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

"یہاں آرام سے بیٹھ جائیں اماں بس دماغ کو بالکل ٹھنڈا کرلیں اور اب غصہ بھی تھوک دیں۔" مومن جان نے سلگتی نظروں سے یہ منظر دیکھا پھر حسب معمول پیر پٹخ کر گھر سے باہر نکل گیا اس کے باہر جاتے ہی مہرو پریشان سی ہو کر اماں

کی جانب رخ کرتے ہوئے بولی۔

''کیا ہوگیا اماں تم کو' کیوں ابا سے الجھ رہی ہو لالہ رخ نے کتنا سمجھایا تھا کہ ابا کے منہ بالکل بھی مت لگنا ورنہ وہ چوکنا ہو جائے گا اور تم ہو کہ ابا سے دوبدو ہوگئی اس طرح تو بات اور زیادہ بگڑ سکتی ہے۔'' گڈو بیگم مہرو کی بات سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''میں کیا کروں مہرو یہ شخص جب بھی میری نظروں کے سامنے آتا ہے ایک نفرت اور اشتعال کا منہ زور ریلا میرے اندر سے امڈتا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ اس ذلیل انسان کا قتل کردوں جس نے......'' اتنا کہہ کر وہ بلک بلک کر رونے لگیں تو مہرو نے انتہائی دکھی ہوکر اماں کو اپنے سینے سے لگالیا پھر ہولے ہولے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''اماں کیا تمہیں رب سوہنے پر بھروسہ نہیں ہے ان شاء اللہ وہ سب ٹھیک کردے گا ابا ہمارے ساتھ کچھ بھی برا نہیں کرسکے گا۔'' وہ بہت دیر تک گڈو بیگم کو تسلیاں وتشفیاں دیتی رہی۔

❀......❀......❀
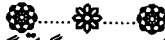
حورین اپنے عجیب وغریب برتاؤ کے بعد بالکل پہلے جیسی ہوگئی تھی مگر رات والی بات خاور حیات کے دل میں کانٹے کی طرح چبھ گئی تھی اس دن حورین رات تک اپنے بستر سے نہیں نکلی تھی رات کا کھانا بھی اس نے گول کردیا تھا جب کہ خاور حیات حورین کے اس ناسمجھ میں آنے والے رویے کو سوچ سوچ کر بے حد تھک گیا تھا تقریباً تمام رات ہی وہ بے حد ڈسٹرب رہا تھا' صبح اذان کے قریب اس کی آنکھ لگی تھی دماغ کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا نتیجتاً صبح اس کی آنکھ کافی دیر سے کھلی تھی اس نے گھبرا کر بستر کی دوسری جانب دیکھا تو وہ خالی تھا پھر سرعت سے وہ بھی بستر چھوڑ کر فریش ہونے کی غرض سے واش روم میں چلا گیا اور جب تیار ہوکر نیچے ڈائننگ ہال میں پہنچا تو حورین اپنے مخصوص انداز میں فریش سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے انتہائی خوش لباس میں باسل کے ہمراہ ناشتے کی میز پر براجمان تھی' حورین نے پلٹ کر بھی اس بات کا حوالہ نہیں دیا تھا نہ خاور حیات سے ایکسکیوز کرکے کسی بھی قسم کی شرمندگی کا اظہار کیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس بات کو بالکل فراموش کرگئی ہے مگر خاور حیات کو حورین کا ادا کیا ہوا ایک ایک لفظ اور ایک ایک انداز یاد تھا اس وقت بھی وہ فریش سی بیٹھی باسل کے ہمراہ باتوں میں مصروف تھی اور بالکل پہلے کی طرح خاور حیات کو بھی گفتگو میں شامل کررہی تھی جب کہ خاور حیات محض ہوں ہاں میں ہی جواب دے رہا تھا اس کے دل میں پھانس سی اتر گئی تھی۔

❀......❀......❀
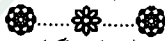
لالہ رخ کی امی سینے پر ہاتھ رکھے ہک دک سی بیٹھیں گڈو بیگم کی باتیں سن رہی تھیں جو بولنے کے دوران زار وقطار روئے جارہی تھیں جبکہ لالہ رخ اور مہرینہ ان کے دائیں بائیں مضمحل سی بیٹھی سب سن رہی تھیں البتہ زرتاشہ کی کیفیت بھی امی سے مختلف نہیں تھی اسے کئی بار گمان ہوا کہ اس کے کان کچھ غلط سن رہے ہیں وہ ہر بار اپنا پورا دھیان لگا کر گڈو بیگم کی بات کو سننے کی سعی کرتی مگر جو کچھ وہ بیان کررہی تھیں وہ ناقابل یقین ہونے کے ساتھ ساتھ باعث اذیت اور فکر انگیز تھا۔ لالہ رخ خاموشی سے اٹھ کر پانی کا گلاس بھر لائی اور زبردستی گڈو بیگم کے ہونٹوں سے لگادیا جو رو رو کر بے حال ہوئے جارہی تھیں۔

''اماں اگر آپ نے یوں ہمت ہار دی تو پھر میرا کیا ہوگا پلیز خود کو سنبھالو اس بات پر بھروسہ رکھو کہ ابا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

''لالہ رخ کہیں تم نے سننے میں کوئی غلطی تو نہیں کردی ناں' ہوسکتا ہے بھائی صاحب نے یہ باتیں نہ کی ہوں۔'' امی نے کوئی تیسری مرتبہ یہ جملہ کہا تو زرتاشہ یک دم بول اٹھی۔

''افوہ امی آپ یہ بات بار بار لالہ سے کیوں پوچھ رہی ہیں لالہ کوئی نادان بچی تھوڑی ہے جس سے اتنی بڑی اور سنگین بات سننے میں کوئی غلطی پیش آئی ہو۔ لالہ نے جو سنا ہے وہی سچ ہے امی حقیقت کو قبول کرلیں۔'' گڈو کی زبانی سب کچھ جان کر خود ان کے بھی حواس جاتے رہے تھے وہ بھلا روتی بلبلاتی گڈو کو کیا خاک تسلی دیتیں یک دم بے پناہ پریشان ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتے ہوئے بولی۔

''یا اللہ یہ سب کیا ہو رہا ہے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا آخر مومن بھائی باپ ہو کر ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں۔''

''ہونہہ سچ ہوسکتا ہے بھابی وہ ہے ہی کمینہ اور گھٹیا انسان' اس نے گلاب بخش کے نشئی بیٹے سے صرف روپوں کی لالچ میں مہرو کی شادی کرنا چاہی تھی جب وہاں اس کا کام نہیں بن سکا تو اس نے یہ گھناؤنی سازش کی تاکہ اسے ڈھیر ساری دولت مل سکے۔'' گڈو بیگم انتہائی نفرت اور حقارت بھرے لہجے میں بولیں جبکہ زرتاشہ محض خاموشی سے انہیں دیکھتی رہ گئی پھر کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئیں۔

''مجھے مومن جان کی لالچی اور حریصانہ طبیعت کی بابت معلوم تو تھا بھابی مگر وہ اس حد تک گر جائے گا اس کا مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا میرا تو دل چاہتا ہے کہ اسے مار کر اس کا ایک بار میں ہی قصہ تمام کردوں۔'' گڈو بیگم کی اس بات پر لالہ رخ نے بے حد چونک کر انہیں دیکھا پھر سہولت سے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''پھوپو میں نے آپ سے کہا تھا کہ ہمیں جوش سے نہیں بلکہ اپنے پورے ہوش و حواس سے کام لینا ہے ہر قدم بے حد احتیاط اور دھیان کے ساتھ اٹھانا ہے اگر آپ یونہی جذباتی ہو کر مومن پھوپا سے الجھنے لگیں گی تو اصل بات آپ کے منہ سے نکل جائے گی اور پھر ہمارے لیے بہت بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔'' زرتاشہ جو امی کے عقب میں کھڑی تھی' گڈو کے قریب آ کر زمین پر دوزانو ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''لالہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے پھوپو ہمیں پھوپا پر یہ ہرگز ظاہر نہیں کرنا کہ ہم ان کے مکروہ عزائم اور ارادوں سے باخبر ہوگئے ہیں وگرنہ وہ اپنی اصلیت میں آنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگائیں گے اور ہمارے لیے بے حد مشکلیں کھڑی کردیں گے۔'' لالہ رخ نے امی کو خفیف سا اشارہ کیا جو اس انکشاف کی زد میں گم صم سی بیٹھی تھیں اس کے اشارہ کرنے پر وہ بھی جیسے ہوش میں آئی تھیں اس لمحے گڈو کو ان کے دلاسوں اور تسلیوں کی ضرورت تھی جب ہی وہ بولیں۔

''یہ دونوں بالکل صحیح کہہ رہی ہیں گڈو تم جذباتی ہو کر کوئی سنگین غلطی نہ کر بیٹھنا یہ تو اس خالق کائنات کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ نقصان اٹھانے سے پہلے اس نے ہماری آنکھوں کے سامنے سے بے خبری کا پردہ اٹھا دیا اور مومن بھائی صاحب کی اصلیت کو عیاں کردیا ورنہ ہم تو بے خبری میں مارے جاتے۔'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے ان کی روح جیسے کانپ اٹھی تھی پھر بہت دیر تک وہ چاروں گڈو بیگم کو سمجھاتے رہے ان کی ہمت باندھتے رہے۔

❁.......❁.......❁

میک اور سرپال کے درمیان آج جیسکا بھی موجود تھی میک نے جیسکا کے سامنے ایک بار پھر تمام رپورٹ سرپال کے سامنے گوش گزار کردی تھی جو میک ان کو پہلے بھی دے چکا تھا سرپال پوری بات سننے کے بعد اپنے اسی مخصوص انداز میں بیٹھے کچھ دیر سوچتے رہے پھر گمبھیر لہجے میں بولے۔

''جیسکا تمہیں کیا لگتا ہے کہ واقعی ماریہ کو تم پر شک ہوگیا ہے جس کی وجہ سے اس دن کچھ اور کہتے کہتے اس نے بات پلٹ کر ولیم کی جانب گھما دی تھی یا یہی سچائی ہے کیا وہ واقعی ولیم کی جانب واپس پلٹنا چاہتی ہے۔'' سرپال جیسکا کے خیالات جاننا چاہتے تھے جب ہی اس سے استفسار کرتے ہوئے بولے تھے جیسکا نے بڑے مودبانہ انداز میں بولنا شروع کیا۔

''سر میں ماریہ کو بہت عرصے سے جانتی ہوں وہ ایک ہمدرد اور نرم دل کی مالک لڑکی ہے ولیم کے ساتھ اس نے جو زیادتی کی تھی اس کو لے کر وہ بہت نادم اور پشیمان تھی مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ وہ ولیم سے محبت نہیں کرتی۔ جیکولین آنٹی نے اس کی منگنی زبردستی ولیم کے ساتھ کی تھی اس رشتے کو لے کر وہ بے حد ناخوش تھی مگر......'' وہ بولتے بولتے چند لمحے کے لیے ٹھہری پھر سہولت سے بات آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''مگر اس کا ولیم کی جانب دوبارہ پلٹنا ناقابل یقین ہے وہ ولیم سے اپنے کیے پر شرمندہ تو ہوسکتی ہے مگر محبت...... محبت یوں اچانک آناً فاناً وہ نہیں کرسکتی۔'' سرپال نے جیسکا کی بات کو پورے تحمل سے سنا جبکہ میک بار بار پہلو بدل رہا تھا جب وہ خاموش ہوئی تو وہ فوراً بول پڑا۔

''سر ماریہ نے جیسکا سے بالکل جھوٹ بولا ہے اس نے صرف اس کو گمراہ کرنے کے لیے یہ شگوفہ چھوڑا ہے۔''

''میک تم اس وقت چپ رہو میں جیسکا سے بات کررہا ہوں ناں۔'' سرپال تنبیہی انداز میں گویا ہوئے تو میک مودبانہ انداز میں سر جھکا گیا جبکہ سرپال ایک بار پھر جیسکا کی جانب متوجہ ہوکر استفہامیہ لہجے میں بولے۔

''تمہیں بھی یہی لگتا ہے کہ اس بارے میں ماریہ نے تم سے جھوٹ بولا ہے رائٹ۔''

''رائٹ سر...... ماریہ نے مجھ سے غلط بیانی کی ہے مجھے یقین ہے کہ اسے ولیم سے محبت نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس کی طرف واپس پلٹنا چاہتی ہے۔'' جیسکا کی بات پر سرپال کسی گہری سوچ میں مستغرق ہوگئے یونیورسٹی میں جیسکا اور میک اس لمحے سرپال کے روم میں بیٹھے تھے پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی بھاری آواز میں بولے۔

''اور تمہیں یہ نہیں لگتا کہ ماریہ کو تم پر شک ہوگیا ہے۔'' اس بات پر جیسکا زور زور سے سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''نو سر...... مجھے نہیں لگتا کہ ماریہ کو مجھ پر شک ہوا ہے میں اس کی بیسٹ فرینڈ ہوں وہ بھلا کس جواز کی بناء پر مجھ پر شک کرے گی۔'' سرپال نے اس کی پوری بات سن کر میک کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب تم بولو میک۔'' انہوں نے گویا میک کو اجازت دی تھی میک نے ایک نگاہ جیسکا کو دیکھا پھر میز کی شفاف سطح پر اپنے دونوں ہاتھ جماتے ہوئے بولا۔

''سر مجھے شک نہیں بلکہ پورا یقین ہے کہ ماریہ کو جیسکا کی بابت یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ ہم لوگوں سے ملی چکی ہے سر ماریہ بے حد ذہین اور حاضر دماغ لڑکی ہے اور اس بات کے گواہ آپ بھی ہیں آفٹر آل وہ آپ کی فیورٹ اسٹوڈنٹ رہ چکی ہے۔'' میک کی بات میں اس پل انہیں وزن محسوس ہوا۔

''بالکل ٹھیک بات ہے آگے بولو۔'' جیسکا دونوں کی گفتگو کو انتہائی توجہ سے سن رہی تھی نجانے وہ یہ بات اتنی آسانی سے فراموش کیسے کرگئی تھی کہ اس لمحے اس کی عزیز از جان سہیلی موضوع سخن ہے جس کی موت اور زندگی کا فیصلہ کیا جارہا ہے کل تک اس پر مرمٹنے والی جیسکا آج اسی کے قتل میں پیش پیش تھی کیا خواہشات انسان کو اس قدر سفاک اور سنگ دل بنادیتی ہیں کہ وہ انہیں پورا کرنے کی خاطر ہر حد سے گزر سکتا ہے وہ بھی تو ابرام کو حاصل کرنے کے جنون میں ہر حد عبور کرنے کو تیار ہوگئی تھی۔

''ماریہ کو جیسکا کی سچائی پتا چل گئی ہے سر اب مجھے پورا یقین ہے کہ وہ جیسکا کو کوئی بھی بھید نہیں دے گی۔'' میک بولا تو جیسکا انتہائی بے چینی سے پہلو بدل کر بولی۔

''یہ صرف میک کا خیال ہے سر مجھے ایسا کچھ نہیں لگتا۔'' سرپال نے فی الفور جیسکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا وہ ایک بار پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے اس لمحے کمرے میں اتنی جامد خاموشی چھا گئی جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو پھر بڑی دیر بعد وہ بولے۔

"ٹھیک ہے جیسکا میں تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ ماریہ کو تمہاری حقیقت معلوم نہیں ہوئی مگر اب تمہیں اپنی کوششیں تیز کرنی ہیں ہمیں جلد سے جلد رزلٹ چاہیے اوکے۔" جواباً جیسکا نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا کر "اوکے" کہا تھا۔

❁......❁......❁

باسل حیات کی تیاری مکمل تھی وہ عدیل اور احمر کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کو جارہا تھا یہاں سے بائی ائیر انہیں اسلام آباد پہنچنا تھا اس کے بعد بائی روڈ آگے کی طرف نکلنا تھا علی الصبح ان لوگوں کو فلائٹ تھی ڈنر میں ابھی کچھ وقت باقی تھا وہ خاور حیات کے ہمراہ لاؤنج میں بیٹھا باتوں میں محو تھا جب کہ سامنے کی دیوار پر لگی ایل سی ڈی بھی دھیمی آواز میں چل رہا تھا حورین اس وقت خانساماں کے ہمراہ ڈنر کو فائنل ٹچ دے رہی تھی کل چونکہ باسل کی روانگی تھی لہٰذا اس نے ڈنر پر اچھا خاصا اہتمام کیا تھا۔

"باسل بیٹا..... آپ اپنی اسٹڈی ابروڈ میں جا کر کیوں نہیں کمپلیٹ کر لیتے میں نے آپ کو اس سے پہلے بھی کتنی بار کہا ہے یہ سیشن کمپلیٹ کر کے آپ باہر کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لو بیٹا۔" خاور حیات نے سہولت سے کہا تو باسل اپنا کان کھجا کر رہ گیا پھر ہنس کر بولا۔

"ڈیڈ آپ تو مجھے باہر بھجوا کر ہی دم لیں گے۔" اسی اثناء میں حورین بھی وہاں آن پہنچی تھی۔

"جی جناب کیا باتیں ہو رہی ہیں باپ بیٹے میں۔" دھانی رنگ کے اسٹائلش سے لان کے سوٹ میں جس پر لال اور سفید دھاگوں سے بے حد نفیس سی کڑھائی کی گئی تھی اسے زیب تن کیے حورین بہت پیاری لگ رہی تھی جب کہ گھنے خوب صورت بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر اس کی صراحی دار گردن اور بھی زیادہ نمایاں لگ رہی تھی نجانے کیوں آج خاور حیات حورین کو دیکھ کر دل سے خوش نہیں ہو سکا تھا اسے یہ بات رات دن ڈسٹرب کیے جارہی تھی کہ کم سے کم حورین کو اپنے رویے کی معافی تو مانگنی چاہیے تھی جب کہ خود سے یہ بات نکالنا اور اس سے پوچھنا خاور کی انا اس بات کی اجازت اسے نہیں دے رہی تھی۔

"مام آپ کے ہزبینڈ چاہتے ہیں کہ میں ابروڈ جا کر اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کروں۔" معاً خاور حیات کی سماعت سے باسل حیات کی آواز ٹکرائی تو وہ اپنے دھیان سے چونک کر حال کی دنیا میں واپس لوٹ آیا۔

"اچھا تو آپ کیا چاہتے ہیں؟" حورین مسکراتے ہوئے نرم انداز میں پوچھ رہی تھی خاور نے بمشکل اپنا دھیان ان دونوں کی جانب لگایا ورنہ وہی لمحات ایک بار پھر اس کے دماغ کی اسکرین پر ناچنے لگے تھے جب حورین نے اس کے ساتھ انتہائی بے اعتنائی برتی تھی۔

"مام ویسے تو میں یہیں رہ کر اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کرنا چاہتا ہوں مگر ڈیڈ کی یہ وش ہے تو پھر میں ماسٹرز کرنے ابروڈ چلا جاؤں گا۔" آخر میں اس نے خاور حیات کو دیکھ کر کہا تو خاور حیات بمشکل مسکرائے تھے۔

"اچھا تو یہ پلان ہے آپ کا مگر ایک پروگرام میں نے بھی آپ کے لیے بنایا ہے۔" وہ اس کے خوب صورت بالوں کو بگاڑتے ہوئے بولی تو دونوں ہی اس پل اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"کیسا پروگرام مام۔"

"وہ یہ میری جان کہ ہم آپ کو اکیلے ابروڈ نہیں جانے دیں گے آپ کی بیٹر ہاف بھی آپ کے ساتھ ہوگی کیوں خاور؟" باسل کے استفسار پر حورین نے ڈرامائی انداز میں بولتے ہوئے آخر میں خاور سے تائید چاہی تھی جب کہ خاور نے غائب دماغی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اونو مام آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں وہاں کسی گوری سے شادی کر لوں گا اٹس ناٹ فیئر مام۔" وہ ناراضگی سے بولا تو حورین

رخسانہ کنول

کیا حال ہیں جی میری تمام بہنوں کے۔ مابدولت کا نام رخسانہ کنول ہے اور نک نیم رخسار ہے۔ یکم ستمبر کو بھوآنہ شریف میں پیدا ہوئی' مجھے فخر ہے کہ میں ایک مسلمان اور پاکستانی ہوں۔ تعلیم میٹرک ہے آگے پڑھنے کا بہت شوق تھا مگر کچھ مسائل ایسے سامنے آئے کہ پڑھائی کو خیرباد کہہ دیا۔ مجھ سے بڑی دو بہنیں اور ایک بھائی ہے' آخری نمبر میرا ہے۔ فیورٹ کلر بلیک اور وائٹ ہے' کھانے میں سب کچھ کھالیتی ہوں لیکن بریانی' روسٹ' شامی کباب اور کیک پسند ہے۔ پھلوں میں مالٹا اور سیب شوق سے کھاتی ہوں۔ لباس میں فراک' پاجامہ' لانگ شرٹ اور اوپن شرٹ بہت پسند ہے۔ گلاب کا پھول اچھا لگتا ہے۔ بہار کا موسم بہت پسند ہے' سنگرز میں راحت فتح علی خان' ندیم عباس اور سارہ کی آواز پسند ہے۔ نعتیں پڑھنے کا بہت شوق ہے' گھر کا سارا کام خود کرتی ہوں۔ امی ابو' بہن بھائی اور ہر وہ شخص جو میرے لیے مخلص ہے ان سے پیار ہے۔ اسکول میں بہت سی دوستیں تھیں لیکن اب سب بچھڑ گئیں۔ مطلب پرست لوگوں سے بہت نفرت ہے' میں بہت مخلص ہوں' منافق لوگ اچھے نہیں لگتے۔ غصہ بہت زیادہ آتا ہے لیکن اب کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی ہوں' شاعری سے لگاؤ بہت کم ہے جیولری میں رنگ اور چوڑیاں پسند ہیں۔ شاپنگ کی شوقین ہوں' لکھنے کا بہت شوق ہے اور ان شاء اللہ مستقبل قریب میں ایک اچھی رائٹر بنوں گی۔ رائٹرز میں سباس گل' صائمہ قریشی اور نازیہ کنول نازی پسند ہیں۔ ایک چھوٹی سی بات کہوں گی کہ دوسروں کی خوشی میں خوش ہونا سیکھیں کیونکہ جلنے والے لوگ دنیا میں بھی جلتے ہیں اور آخرت میں بھی' ضرور بتایئے گا کہ بندہ ناچیز کے بارے میں جان کر کیسا لگا' دعا گو اور دعاؤں کی طالب' اللہ حافظ۔

انتہائی دلکشی سے ہنس دی پھر سہولت سے بولی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بیٹا جی مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ میری بہو جلد ہی میرے گھر میں آجائے تاکہ میری بوریت بھی ختم ہوجائے۔'' باسل نے حورین کی بات پر مسکرا کر کہا۔

''اور اگر آپ کی بہو اس گھر میں آنے کے بجائے آپ کے بیٹے کو ہی لے اڑی تو......'' جواباً حورین نے باسل کو تادیبی نگاہوں سے دیکھا تو باسل ہنوز لہجے میں بولا۔

''آپ تو اسے میرے ساتھ ابروڈ بھیج رہی ہیں پھر آپ کی بوریت کیسے دور ہوگی۔''

''افوہ بدھو آپ ہمیشہ کے لیے تھوڑی ابروڈ جارہے ہیں۔'' ابھی وہ باتیں ہی کررہے تھے کہ اطلاع گھنٹی بجی وہ تینوں تھوڑا چونکے۔

''اس وقت کون آسکتا ہے۔'' خاور حیات بلند آواز میں بولا تو کچھ ہی لمحوں بعد عنایہ چہکتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

''ہیلو ایوری باڈی۔'' حورین عنایہ کو دیکھ کر حسب معمول بہت خوش ہوئی۔

''اوہ عنایہ تم' گڈ بالکل صحیح وقت پر آئی ہو ڈنر بالکل ریڈی ہے۔'' حورین نے خوش دلی سے کہا تو عنایہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

''پھر تو میں واقعی صحیح وقت پر آئی ہوں۔'' وہ ان سب کے درمیان آکر بیٹھ گئی۔

''آج کا ڈنر ویسے بھی اسپیشل ہے یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تم نے ہمیں جوائن کرلیا۔'' خاور حیات مسکراتے ہوئے بولے تو عنایہ پل بھر کے لیے چونکی پھر حورین کو دیکھتے ہوئے استفسار کرتے ہوئے بولی۔

''اسپیشل ڈنر...... کیا آج کوئی خاص ڈیٹ ہے کیا؟'' ڈارک بلو کیپری پر آف وائٹ شارٹ کرتی پہنے وہ کافی اسمارٹ لگ رہی تھی جب کہ حسب معمول بالوں کو اونچی سی پونی ٹیل کی صورت میں باندھا ہوا تھا۔

''کوئی اسپیشل ڈیٹ تو نہیں ہے دراصل کل صبح باسل اپنے فرینڈز کے ساتھ نادرن ایریا جارہا ہے لہٰذا اسی وجہ سے آج اہتمام کچھ خاص کیا ہے۔'' حورین کی زبانی یہ سن کر عنایہ کے ہونٹ بے اختیار سیٹی کے انداز میں وا ہوئے تھے۔

❁......❁......❁

مومن جان اس پل سانپ کی مانند پھنکار رہا تھا اسے گڈو بیگم پر بہت زیادہ تاؤ آرہا تھا اس وقت اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اس عورت کا گلا دبا کر اس کو دوسرے جہان بھیج دے جو اس کے مقصد کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''او مومن اب ٹھنڈا ہو کر ایک جگہ بیٹھ جا۔'' مومن کا عیار دوست دلبر چرس سے بھری سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے بولا۔

''کیا کروں دلبر میرا غصہ تو کم ہونے کے بجائے بڑھتا جارہا ہے ایک وہ مہرو ہے جو کسی طور پر ہاتھ نہیں آرہی اور دوسری اس کی کم عقل ماں نجانے آج کل مجھ سے کیوں اتنی زبان چلانے لگی ہے دل تو چاہ رہا تھا کہ سالی کو وہیں زندہ گاڑھ دوں۔'' مومن جان جو زخمی شیر کی طرح اِدھر اُدھر پھر رہا تھا' دلبر کے پاس رک کر انتہائی طیش میں بھر کر بولا۔

''او یار اب بس بھی کر دے تجھ سی کہہ رہا ہوں ناں کہ ٹھنڈا ہو جا کچھ دن اور اپنی عورت کی بدزبانی برداشت کرلے بس ایک بار وہ مہرو اس کے چنگل سے نکل جائے پھر تو جو دل چاہے اس کے ساتھ سلوک کر لینا۔'' وہ اطمینان سے دھوئیں کے مرغولے فضا میں اڑا رہا تھا۔ اس وقت وہ دلبر کے گھر کے باہر بنے چھوٹے سے باغیچے میں موجود تھا۔

''دلبر بس اسی مجبوری نے میرے ہاتھوں کو باندھا ہوا ہے ورنہ میں کب کا اس کا قصہ تمام کر دیتا۔'' وہ پیچ وتاب کھا کر بولا تو دلبر نے اسے بے زاری سے دیکھا۔

''ایک تو تُو کسی کی بات بھی نہیں سنتا' ارے مٹی ڈال اپنی زنانی پر مجھے تجھ سے ایک بڑی اہم بات کرنی ہے۔'' وہ آخر میں رازدارانہ انداز میں بولا تو مومن جان بھی پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو کر گویا ہوا۔

''کیا بات ہے دلبر؟''

''وہ اپنا امیر ہے ناں اس نے اندر کی خبر دی ہے کہ ہماری وادی میں پولیس کے بندے سادہ لباس میں گھوم رہے ہیں' انہیں یہاں غیر قانونی کاموں کے حوالے سے اطلاع ملی ہے۔'' پولیس کا نام سنتے ہی مومن جان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''ک...... کیا بول رہا ہے تُو ہمارے علاقے میں پولیس گھوم رہی ہے۔'' وہ گھگھیا کر بولا تو دلبر نے اسے اچھا خاصا جھڑک دیا۔

''ایک تو تُو اتنا ڈرپوک ہے کہ پولیس کے نام سے تیری روح فنا ہونے لگتی ہے ارے وہ ہمارے اوپر تھوڑی تاک لگائے بیٹھی ہے بس اتنا سمجھ لے کہ فی الحال ہمیں اپنی سرگرمیاں کچھ وقت کے لیے بند کرنی ہوں گی کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی دھر لیے جائیں۔'' دلبر کی بات پر مومن جان فق ہوتے چہرے کے ساتھ جلدی سے بولا۔

''ہاں ہاں تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو بلکہ ایسا کرتے ہیں ہم شہر چلتے ہیں یہاں رہنے کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے۔'' مومن جان کی تجویز پر دلبر بھی غور کرنے لگا۔

❁......❁......❁
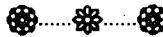
ڈنر سے فارغ ہو کر باسل عنایہ کے ساتھ گھر کے وسیع وعریض لان میں چلا آیا نیلگوں بیکراں آسمان اس لمحے رات کا

سیاہ آنچل اوڑھے محواستراحت تھا جب ہی چہل قدمی کرتے ہوئے عنایہ نے باسل سے شکوہ کناں لہجے میں دریافت کیا۔

''باسل تم کل شہر سے باہر جارہے ہو اور یہ بات تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کی ہماری کل شام ہی تو بات ہوئی تھی اس وقت تو تم نے مجھ سے ایسا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔'' باسل بخوبی جانتا تھا کہ عنایہ اس سے ایسا ہی کچھ سوال کرنے والی ہے جب ہی وہ بولا۔

''میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا عنایہ۔'' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ عنایہ اتنے بچکانہ جواز کو کبھی نہیں مانے گی اور ہوا بھی یہی وہ اس کے پہلو میں چلتے ہوئے ٹھہری پھر اسے بغور دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''باسل مجھے لگتا ہے کہ تمہیں ہماری فرینڈ شپ پسند نہیں آئی بلکہ ان فیکٹ ہماری فرینڈ شپ تو ون سائیڈڈ ٹریک پر چل رہی ہے اور میرے خیال میں مجھے تمہیں اور زیادہ ٹیز نہیں کرنا چاہیے لہٰذا میں ابھی اور اسی وقت یہ فرینڈ شپ ختم کرتی ہوں۔'' اپنی بات مکمل کرکے وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی کہ اسی پل باسل نے سرعت سے اس کی کلائی تھام لی اس لمحے اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا عنایہ ایک حساس طبع اور نیک فطرت لڑکی تھی۔

''ایم سوری عنایہ..... تم یقیناً میرے بی ہیور سے بہت ہرٹ ہوئی ہو مگر اس وقت میں تم سے پورے دل سے معافی مانگ رہا ہوں آئندہ تمہیں میری طرف سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' عنایہ نے باسل کی بات کو بغور سنا پھر دوسرے ہی لمحے اثبات میں سر ہلا کر کھل کر مسکرادی جب کہ باسل بھی ہلکا پھلکا ہوکر دھیرے سے ہنس دیا۔

❁......❁......❁

جیکولین نے تو جیسے ماریہ کو گھر میں نظر بند کررکھا تھا وہ صبح سے شام تک بولائی بولائی پورے اپارٹمنٹ میں پھرتی۔

''یااللہ یہ آزمائش کی گھڑیاں کب ختم ہوں گی کب زندگی مجھ پر آسان ہوگی۔'' وہ یاسیت بھرے لہجے میں خود سے بولی پھر ٹیلی فون سیٹ کی جانب دیکھا جسے جیکولین نے اس انداز میں لاکڈ کیا تھا کہ وہ جیسکا کے علاوہ صرف ابرام اور جیکولین کے موبائل فون پر کال کرسکتی تھی اور یہ رعایت بھی اسے بڑی مشکل سے ابرام کے کہنے پر ملی تھی تاکہ ایمرجنسی ہونے کی صورت میں وہ ان تینوں میں سے کسی سے رابطہ کرسکے۔

''اوفراز شاہ..... میں تم سے کیسے رابطہ کروں۔'' وہ انتہائی مایوسی سے خود سے بولی ابھی وہ مزید کچھ اور بھی سوچتی کہ یک دم اپارٹمنٹ کی بیل بج اٹھی۔

''او تھینک گاڈ کوئی تو گھر آیا ورنہ میں یوں تنہا رہ کر بور ہی ہوجاتی۔'' وہ خود سے بولتی دروازے کی جانب آئی اپنی جون میں جونہی اس نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر شاکڈ رہ گئی فراز شاہ دروازے کے بیچوں بیچ دلکش سی مسکراہٹ سجائے عین اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

اویس احمد نے جب اپنی منگیتر عارفہ جمال دین کو دیکھا تو اسے شدید مایوسی ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی ہونے والی بیوی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھی فیملی سے ہو' جن کی پوش ایریا میں شاندار سی رہائش گاہ ہو' لڑکی کے بھائی اور والد اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں اور یہ کہ لڑکی کا قد لمبا' انتہائی گوری چٹی اور کلچرڈ ہو۔

اب دو بہنوں اور اکلوتے بھائی پہ مشتمل اس مختصر سے گھرانے کے لیے اکلوتے انوکھے لاڈلے بیٹے کے لیے رشتہ اس کی فرمائش کے مطابق تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ والد حیات تھے نہیں' والدہ بے چاری سیدھی سادی گھریلو خاتون تھیں۔ البتہ بہنیں دونوں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں مگر وہ بے چاری بھی اس قسم کی پرفیکٹ لڑکی کہاں سے تلاش کرتیں' کیونکہ اگر کوئی لڑکی ہر لحاظ سے مکمل ہوتی تو وہ پہلے ہی منگنی شدہ ہوتی کہ ایسی لڑکیوں کو تو اپنے فیملی' سرکل یا سوشل سیٹ اپ ہی میں اچھے سے اچھا رشتہ مل جاتا ہے' پھر اگرچہ اویس احمد اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ایک سرکاری عہدے پہ بھی فائز تھا' پوش ایریے میں ایک کنال کا گھر تھا' تین پلاٹ بھی تھے...... کہ باپ کی آبائی جائیداد کافی تھی' جسے بیچ کر گھر بھی بنالیا اور پلاٹ بھی لے لیے گئے تھے' بینک بیلنس بھی کافی تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ اس سب کے ہوتے ہوئے اویس احمد کی پرسنلٹی آڑے آجاتی تھی۔ اس کا رنگ اماوس کی رات کی مانند سیاہ تھا' قد بمشکل پانچ فٹ دو انچ تھا۔ تو ندتیس سال کی عمر ہی میں نکل آئی تھی' اتنے چھوٹے قد پہ تو ند اور بھی اسے بدہیت بناتی تھی۔ اب اگر ایک لڑکی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہو اور اعلیٰ عہدے پہ بھی فائز ہو تو اس کی بھی تو کوئی پسند ہوتی' اسٹینڈرڈ ہوتا ہے' پھر اچھے گھرانوں کی ملازمت پیشہ لڑکیوں کے لیے شادی کوئی ضرورت یا مجبوری نہیں ہوتی نا ہی وہ والدین پہ بوجھ ہوتی ہیں کہ جو اور جیسا ملے سر سے بوجھ اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت سی لڑکیاں اویس احمد کو ایک نظر دیکھ کر ہی ریجیکٹ کردیتیں اور اس طرح لڑکیاں تلاش کرتے کرتے اویس احمد کی عمر تیس کے ہندسے کو کراس کرگئی...... سر کے بال بھی اڑنے لگے تو ماں بہنوں نے گھبرا کر کہ کہیں اکلوتا بھائی اور بیٹا بن بیاہا ہی نہ رہ جائے' چنانچہ انہوں نے اویس احمد سے مشورہ کیے بغیر عارفہ کا رشتہ منتخب کرکے سادگی سے منگنی کی رسم بھی ادا کردی۔ ان دنوں اویس احمد ایک کورس کے سلسلے میں تین ماہ کے لیے ملک سے باہر تھا۔ بڑی بہن جو کہ بی فارمیسی کے فائنل ایئر میں تھی بھائی کو فون پہ عارفہ کی اتنی زیادہ خوبیاں گنوائیں کہ وہ پردیس میں خوش ہوگیا...... اور یوں اس کی یہ خواہش تو پوری نا ہوسکی کہ وہ لڑکی کو خود دیکھ کر پسند کرکے منتخب کرے گا' البتہ جیسی شرائط اس نے عائد کی تھیں وہ ساری پوری ہوچکی تھیں البتہ بہنوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ عارفہ کی اتنی خوبیوں کے ساتھ سب سے بڑی محرومی یہ تھی کہ اس کے چہرے کی رنگت بھی اویس احمد کی طرح سیاہی مائل تھی۔ البتہ چہرے کے نین نقش خاصے پُرکشش تھے' مگر کالے رنگ کی وجہ سے اس کی تمام دیگر خوبیاں دب گئی تھیں۔ اسی لیے ابھی تک اس کا رشتہ نہیں ہو پایا تھا اور اس کی عمر بھی تیس سال کے لگ بھگ ہوچکی تھی۔ وہ ایک کالج میں لیکچرر تھی۔ بے حد ذہین اور سلجھی ہوئی عادات کی مالک تھی۔ قد پانچ فٹ پانچ انچ تھا۔ یعنی کہ اویس احمد سے بھی تین انچ لمبی اور اگر تین انچ کی ہیل پہن لیتی تو اویس صاحب اس کے ساتھ چلتے ہوئے بونے ہی لگتے۔

اویس احمد نے اس دن ماں بہنوں کو کھری کھری سنائیں جب وہ عارفہ کو دیکھ کر آیا تھا۔ دراصل اس کی وطن واپسی پہ اس کے سسرال والوں نے اویس احمد اور ماں بہنوں کو مقامی فائیو اسٹار ہوٹل میں بوفے پہ انوائیٹ کیا تھا۔ اویس صاحب بہترین تراش کا فارن سوٹ' میرون ٹائی پہن کر خود کو بے حد ہینڈسم سمجھ رہے تھے پھر ایک ٹاپ کے سیلون سے بال واش کروا کر سیٹ کروائے' اونچی ایڑی کے بے حد قیمتی جوتے پہنے اور یوں بن ٹھن کر بردکھوے کے لیے گئے۔ دوسری طرف سے عارفہ نے بھی معروف بوتیک کا جدید فیشن کا خوب صورت کلر کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ ایک مشہور اور معروف پارلر سے میک اپ کروایا تھا۔ بال سیٹ کروائے تھے' مگر بیوٹیشن کتنی ہی ایکسپرٹ ہو قدرتی سیاہ رنگت کو تو سفید نہیں کرسکتی خواہ کتنی ہی قیمتی

کاسمیٹک استعمال کرے۔

چنانچہ اویس نے نہایت بے دلی سے عارفہ کو دیکھا اور دل ہی دل میں مسترد کردیا۔ اس کا سارا جوش اور ولولہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ ڈنر کے دوران اس کا منہ پھولا رہا۔ کھانا بھی برائے نام ہی کھایا ساس' سسر' سالے اور سالیوں کی باتوں کے جواب میں بھی بس ہوں ہاں ہی کر کے رہ گیا اور عارفہ کو تو پہلی نظر دیکھنے کے بعد اس کو یوں نظر انداز کردیا جیسے کہ وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

عارفہ جیسی ذہین لڑکی کو اویس احمد کے اس سرد رویے پہ قلق تو ہوا مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا' وہ تو ویسے بھی مردوں کے اس قسم کے رویے کی عادی ہوچکی تھی۔ اکیس سال کی عمر ہی سے اپنے لیے آنے والے رشتوں کی بے اعتنائی برداشت کررہی تھی۔ اسکول وکالج یونیورسٹی اور اب ملازمت میں بھی بھونروں کی طرح خوب صورت گوری چٹی لڑکیوں کے آس پاس منڈلانے والے کلاس فیلوز اور کولیگز اسے یوں اگنور کردیتے جیسے وہ گوشت پوشت کی بنی ہوئی ایک حساس دل لڑکی نہیں بلکہ پتھر کی بے جان مورتی ہو......

لوگوں کے اسی رویے کی وجہ سے اس نے اپنی ماں بہنوں کو منع کردیا تھا کہ وہ اس کا رشتہ کرنے کا خیال دل سے نکال دیں۔ اس کی باقی دونوں بہنیں اور ایک بھائی خاصے قبول صورت تھے' دراصل وہ اپنی والدہ پہ گئے تھے جو کافی خوب صورت تھیں جبکہ عارفہ اور اس کے بڑے بھائی توفیق کا رنگ باپ جیسا تھا...... بھائی کی شادی بھی بڑی مشکلوں سے ان کے ایک دوست کی بہن سے ہوئی تھی جو اگرچہ خوش شکل تھیں مگر چونکہ ان کا تعلق لوئر مڈل کلاس سے تھا' اس لیے اچھے رشتے نہیں ملتے تھے تو پھر توفیق اپنی سیاہ رنگت کے باوجود انہیں غنیمت محسوس ہوا تھا۔ جس نے ان کی بڑھتی عمر کی بیٹی کو بغیر کسی ڈیمانڈ کے اپنا لیا تھا اور اب وہ ایک بھرے پرے سسرال میں عیش کررہی تھی۔ توفیق اسے بے حد چاہتا تھا' تین بچے تھے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا...... دونوں بیٹیاں ماں جیسی تھیں' انتہائی خوب صورت البتہ بیٹے کا رنگ اگرچہ سانولا تھا' مگر پھر بھی اس کا چہرہ بے حد پُرکشش تھا۔

عارفہ کے لیے جو رشتہ آتا' وہ لوگ اسے ریجیکٹ کر کے اس کی بہنوں کو پسند کر جاتے' مگر والدین کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا کہ بڑی بیٹی کے ہوتے ہوئے چھوٹی بیٹیوں کے رشتے کردیں مگر کب تک' جب ان کی عمریں بھی بڑھنے لگیں تو تنگ آ کر دونوں کے رشتے طے کردیئے اور پھر شادیاں بھی ہوگئیں' چھوٹے بھائی کی بھی اس کی پسند کے مطابق اس کی کلاس فیلو سے شادی ہوچکی تھی۔ اور وہ بیوی کے ہمراہ اسلام آباد جاچکا تھا اور اب گھر میں عارفہ تھی اور اس کا تنہا کمرہ۔

مگر پھر اویس احمد کا رشتہ آ گیا جو کہ اس کے والد کے کزن کا بیٹا تھا' تو والدین کے لیے تو گویا معجزہ ہی ہوگیا تھا۔ ورنہ تو وہ بیٹی کی شادی سے مایوس ہی ہوچکے تھے۔ پھر انہیں یہ بھی علم تھا کہ اویس احمد بھی خاصا کم رو ہے۔ اس لیے عارفہ کو اس مرتبہ ریجیکشن کی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور یوں اویس احمد کی غیر موجودگی میں رشتہ طے پا گیا اگرچہ وہ لوگ آپس میں قریبی رشتے دار تھے مگر عارفہ کے والد اپنی ملازمت کے سلسلے میں مختلف شہروں میں ٹرانسفر ہوتے رہے اس لیے رشتے داروں سے میل جول کا موقع نہیں ملا تھا اور اب جب ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے

آبائی شہر میں مستقل رہائش اختیار کی تو دیگر رشتے داروں سے ملنا جلنا ہوا۔ اویس احمد کی والدہ طاہرہ بیگم نے عارفہ کو ایک خاندانی تقریب میں دیکھا اور تبھی انہیں وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے مناسب معلوم ہوئی تھی پھر بہنوں نے بھی اسے دیکھ کراوکے کردیا تو اویس احمد کی غیر موجودگی کو غنیمت جان کر منگنی بھی کردی گئی تھی۔

مگر انہیں امید نہیں تھی کہ اتنی خوبیوں کی مالکہ عارفہ کو دیکھ کر اویس احمد اس قدر شدید ردعمل کا مظاہرہ کرے گا۔ ڈنر سے واپس آ کر اس نے سخت لہجے میں ماں کو مخاطب کرکے کہا۔

''جب آپ جانتی تھیں کہ مجھے کیسی لڑکی پسند ہے تو پھر آپ نے اس کالی بھجنگن کو کیوں میرے لیے منتخب کیا۔''

''بیٹا اتنے سالوں سے تو لڑکیاں ڈھونڈ رہے تھے کوئی تمہارے معیار کے مطابق ملتی ہی نا تھی' جو خوب صورت ہوتی وہ تمہیں ناپسند کردیتی پھر ہر کسی میں کوئی نا کوئی عیب نکال کر تم اور تمہاری بہنیں مسترد کرتی آئی تھیں یہ واحد لڑکی ہے جو چہرے کی رنگت کے علاوہ ہر لحاظ سے تمہاری آئیڈیل لڑکی کے مطابق ہے اور رنگ بھی' اتنا کالا نہیں' تمہارے مقابلے میں تو کم ہی ہے تم اپنے آپ کو بھی تو دیکھو ناں۔'' ماں نے دھیرج سے کہا۔

''ہوں...... اپنے آپ کو دیکھو...... لڑکوں کی شکلوں کو کون دیکھتا ہے' ان کی تو تعلیم' عہدہ اور حیثیت دیکھی جاتی ہے۔ میرے کئی دوست جو شکل وصورت اور قدوقامت کے لحاظ سے مجھ سے بھی گئے گزرے ہیں مگر ان کی بیویاں انتہائی حسین ہیں۔''

''تو میرے بچے' اگر تم اپنی ماں بہنوں کو ایسا سمجھتے ہو تو پھر خود ہی ڈھونڈ لیتے ناں کوئی حور پری' ہمیں اس آزمائش میں کیوں ڈالا' گزشتہ دس سال سے لڑکیاں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تو ہماری جوتیاں گھس گئی' چراغ لے کر تمہاری من پسند لڑکی سارے ملک میں تلاش کی مگر بات تو قسمت اور مقدر کی ہے جو قسمت میں ہو وہی ملتی ہے۔'' ماں نے بیٹے کے درشت لہجے اور الزام تراشی پہ دل برداشتہ ہو کر افسردگی سے کہا۔

''ہاں...... ہاں...... یہ میری ہی غلطی تھی جو میں نے اپنی زندگی کے نہایت اہم مسئلے کو حل کرنے کے لیے آپ لوگوں پہ اعتماد کیا۔ اب میں آپ لوگوں کو اپنی پسند کی لڑکی ڈھونڈ کر دکھاؤں گا۔ میں نے سوچا تھا کہ خوب صورت لڑکی سے شادی کروں گا تو میرے بچے خوب صورت ہوں گے تاکہ اس خاندانی بدصورتی سے انہیں نجات ملے اور وہ میری طرح چھوٹے قد اور کالی رنگت کی وجہ سے دوسروں کی تضحیک کا نشانہ بن کر احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں مگر آپ ماں ہو کر بھی میرے جذبات کا اندازہ نہ کرسکیں۔ بہنوں کو تو اپنی ہی دلچسپیوں سے فرصت نہیں' کہاں وہ اکلوتے بھائی کا خیال کریں گی۔''

''دیکھو بیٹا اب تو جو ہوگیا سو ہوگیا' عارفہ پڑھی لکھی ذہین اور اچھی عادتوں کی مالک لڑکی ہے' اصل بات اچھے اخلاق اور سیرت کی ہوتی ہے' شکل وصورت تو عارضی ہوتی ہے چند سالوں بعد ہی بگڑ جاتی ہے' عمر بڑھنے کے ساتھ پھر اپنے خاندان کی بچی ہے' ہمارے ساتھ گھل مل کر رہے گی' میرے کون سے چار بیٹے ہیں جو میں تمہیں الگ کردوں گی' رہنا تو ہم نے ساتھ ہی ہے' تو پھر بھرے پرے گھر کی لڑکی ہی ہمارے ماحول میں فٹ ہوسکتی تھی۔ باپ کا سایہ سر پہ نہیں' میری اب کہاں عمر ہے جو میں کسی قسم کی چخ چخ برداشت کرسکوں' اگر کوئی خوب صورت لڑکی ہوتی تو وہ اپنے حسن کے گھمنڈ میں ناصرف تمہاری ماں بہنوں کو ذلیل کرتی بلکہ تمہیں بھی ہم سے چھین لیتی۔'' ماں کی بات سن کر اویس احمد کو اور بھی طیش آیا۔

''میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ ہیں ہی خود غرض آپ نے صرف اپنا اور اپنی بیٹیوں کا فائدہ سوچا...... خیر آپ نے جو کرنا تھا کرلیا مگر میں بھی عارفہ کو دل سے کبھی قبول نہیں کروں گا' اس کی حیثیت اس گھر میں میری بیوی کی نہیں آپ کی بہو کی ہوگی اور بس......'' یہ کہہ کر اویس احمد غصے سے پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆......☆......☆......☆

چند ماہ بعد شادی ہوگئی' اگرچہ عارفہ واقعی ایک اچھی بیوی ثابت ہوئی مگر اس کی کالی رنگت کی وجہ سے اویس احمد اسے اپنے دل میں وہ مقام نہ دے سکا جو کہ ایک بیوی کا حق ہوتا ہے۔ بہرحال گلے پڑا ڈھول تو بجانا ہی پڑتا ہے۔ اس لیے اویس احمد بادل نخواستہ اسے برداشت کررہا تھا' محض دنیاداری کا بھرم رکھنے کی خاطر اس کے ساتھ اپنا رشتہ

نبھا رہا تھا اور وہ بھی اس قدر ذہین تھی کہ اپنے شوہر کی بے اعتنائی کو محسوس کر کے بھی بظاہر خوش نظر آتی...... اور اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی ادا کر رہی تھی۔ شادی کے دو ہفتے کے بعد ہی اس نے اپنی جاب شروع کر دی تھی۔ اویس احمد اسے ہنی مون کے لیے کہیں لے کر گیا نا ہی عارفہ نے ایسی کوئی خواہش ظاہر کی...... اویس کے پاس تو بہانہ تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی ماں اور بہنیں اکیلی رہ جائیں گی اور عارفہ تو جواب میں یہ بھی نا کہہ سکی کہ جب اپنی ملازمت کے سلسلے میں بیرون ملک اور دوسرے شہروں میں چلا جاتا تھا تو تب ماں اور بہنوں کا خیال نہیں آتا تھا۔ اس کی فرینڈز بھی اس سے کرید کرید کر پوچھتیں کہ وہ کہیں ہنی مون کے لیے کیوں نہیں گئی اور وہ بے چاری کوئی نا کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیتی وہ انہیں کیسے بتاتی کہ اس کی ساری خوبیاں ایک طرف اور اس کی کالی رنگت دوسری طرف' اور باوجود خود انتہائی بدشکل ہونے کے اویس احمد نے اسے دل سے قبول ہی نہیں کیا کہ اسے تو صرف گورے رنگ کی حسرت ہے تاکہ اس کی آئندہ نسل گوری چٹی ہو' خیر یوں ہی روٹین کے مطابق وقت گزرتا رہا' ایک سال بعد عارفہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی' ظاہر ہے بیٹے کی رنگت بھی والدین پر ہی گئی تھی' اس لیے اویس احمد کو بچے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی' یوں بھی آج کل اس کی دلچسپی کا مرکز کوئی اور تھی جہاں اویس احمد کا گھر تھا۔ اس علاقے کے پاس سے جو سڑک گزرتی تھی' اس سڑک کے پار مسجد تھی اور مسجد کے ساتھ دو تین لائنیں پانچ چھ مرلے کے گھروں کی تھیں اویس احمد اسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتا تھا۔

چونکہ یہ درمیانی سڑک رہائشی علاقے سے گزرتی تھی اس لیے عشاء کی نماز کے بعد اس پہ ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔ اکا دکا گاڑیاں انہی لوگوں کی آتی جاتی تھیں جو وہاں کے رہائشی تھے' اس لیے رات کے کھانے کے بعد لڑکیوں' لڑکوں اور عورتوں مردوں کی ٹولیاں واک کرنے کے لیے اس کشادہ روڈ پہ آجاتے تھے۔ اویس احمد بھی عشاء کی نماز ادا کر کے عموماً آدھے گھنٹے تک اسی روڈ پہ واک کیا کرتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ اپنے دھیان میں واک کر رہا ہوتا تو چار پانچ لڑکیوں کا ایک گروپ اس کے پاس سے گزرتا تو ان میں سے ایک بوٹے سے قد کی انتہائی سرخ و سپید رنگت کی مالک لڑکی پاس سے گزرتے ہوئے شوخ لہجے میں کوئی نا کوئی جملہ اویس احمد کے رنگ پہ کستی ہوئی تیزی سے آگے نکل جاتی...... بظاہر تو وہ اپنی سہیلیوں سے مخاطب ہوتی مگر اشارہ واضح طور پہ اویس احمد کی جانب ہوتا۔

''کبھی کہتی آج ہماری چھت پہ کالا کوا بہت کائیں کائیں کر رہا تھا' کہتے ہیں کہ چھت پہ کوا بولے تو مہمان آتے ہیں مگر مہمان تو کوئی نہیں آیا۔ کبھی کہتی سنا ہے' فریج میں کوئلہ رکھنے سے اس میں رکھی چیزوں سے بو نہیں آتی...... اس کے اس قسم کے ریمارکس پہ اویس احمد غصے سے اسے گھورتا تو وہ شرمندہ ہونے کے بجائے کہتی لوگ اپنی شکل دیکھتے نہیں اور خوب صورت لڑکیوں کو یوں گھورتے ہیں جیسے کچا ہی چبا جائیں گے۔ بے چارے آئینہ ہی دیکھنے کی زحمت گوارا کر لیا کریں...... دراصل چہرہ کالا ہو تو دل بھی کالا ہی ہوتا ہے۔''

اس کی اس قسم کی باتوں پہ اویس احمد کو جہاں غصہ آتا وہاں وہ دل ہی دل میں انجوائے بھی کرتا کہ کم از کم اس قدر حسین لڑکی اس کی طرف متوجہ تو ہوتی ہے ناں خواہ مذاق ہی اڑاتی ہو۔ ایک روز اویس احمد وہاں آیا تو وہ لڑکی تیز تیز قدموں سے سڑک پہ چل رہی تھی شاید وہ دیر سے گھر سے نکلی تھی اور اس کی سہیلیاں آگے چلی گئی تھیں اور وہ ان تک جانے کے لیے تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہی تھی کہ اچانک سڑک کے کنارے پہ پڑے ایک پتھر سے اسے ٹھوکر لگی اور اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر نیچے گرتی' پاس سے گزرتے اویس احمد نے آگے بڑھ کر اسے گرنے سے بچا لیا۔ اس پہ بجائے اس کے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرتی بلکہ غصے سے لال پیلی ہو کر چلائی۔

''تمہاری یہ جرأت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی' ٹھرکی کہیں کے۔ چھوڑو مجھے۔'' اور پھر وہ اس کے بازوؤں کو بری طرح جھٹک کر بھاگ کر اپنی دوستوں کے پاس پہنچ گئی اور پھر انہیں پتہ نہیں کیا کہا کہ وہ بھی مڑ مڑ کر اویس احمد کو گھورنے لگیں اور وہ جو پہلے ہی اپنی جگہ شرمسار سا کھڑا تھا جلدی سے اپنے گھر کی جانب جانے والی سڑک پہ مڑ گیا اور پھر کئی روز تک واک کرنے کے لیے نہیں آیا' شاید اسے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ چلبلی سی لڑکی اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل

کراس کی پٹائی نا کردے' یوں رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جاتی۔ اس لیے اویس احمد نے یہی سوچا کہ اب وہ اس سڑک پہ واک کرنے نہیں جایا کرے گا بلکہ اپنے گھر کے پاس والی ذیلی سڑک ہی پہ واک کرلیا کرے گا۔ جس کی خاطر وہ وہاں جاتا تھا۔ اس نے ہی اسے دھتکار دیا تھا تو پھر کیا فائدہ تھا مگر شاید تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

جس مسجد میں اویس احمد نماز پڑھنے کے لیے جاتا تھا اس میں ایک پچاس پچپن سال کے درمیانی قامت کے ایک انتہائی گورے چٹے مگر باوقار سے ادھیڑ عمر کے شخص جنہیں لوگ خاں صاحب کہہ کر پکارتے تھے وہ بھی نماز ادا کرنے باقاعدگی سے آتے تھے۔ اویس احمد کی ملاقات عموماً مغرب اور عشاء کے وقت ان سے ہوتی تھی۔ ان کی سرخ حنائی داڑھی اور سفید بالوں نے ان کی شخصیت کو مزید پُرکشش اور بردبار بنادیا تھا۔ اویس احمد پہلی ملاقات ہی میں ان کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا تھا وہ ایک سرکاری دفتر میں ہیڈ کلرک تھے اور مسجد کے قریب ہی ان کا پانچ مرلے کا ذاتی گھر تھا۔ ان کا تعلق گلگت سے تھا مگر چونکہ نوجوانی ہی میں اس شہر میں آگئے تھے اس لیے اب یہیں رچ بس گئے تھے۔ اپنی مادری زبان پرشین کے علاوہ اردو اور پنجابی بھی روانی سے بولتے تھے کیونکہ ان کی شادی بھی اپنے ایک دوست کی بہن سے ہوئی تھی جو کہ پنجابی تھی' عمروں کے تفاوت کے باوجود چند ہی ملاقاتوں کے بعد اویس احمد کی خاں صاحب سے گہری دوستی ہوگئی تھی۔ نماز کے بعد دونوں کچھ دیر تک مسجد کے باہر رک کر ادھر ادھر کی باتیں بھی کرلیتے تھے۔ خاں صاحب نے کئی بار اویس احمد کو اپنے ہاں شام کی چائے پہ بلایا تھا اور اویس احمد نے وعدہ بھی کرلیا تھا کہ جب بھی اسے فرصت ملی وہ ضرور ان کے ہاں حاضر ہوگا۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ خاں صاحب دو تین روز تک مسجد نہیں آئے' تو اویس احمد کو تشویش ہوئی' باقی نمازیوں سے پوچھنے پہ پتہ چلا کہ وہ علیل ہیں تو مغرب کی نماز کے بعد اویس احمد نے سوچا کہ ان کی خیریت دریافت کرتا جائے' ایک بار جب وہ خاں صاحب کے ساتھ یونہی باتیں کرتا ہوا مسجد سے نکلا تو وہ اپنے گھر کی جانب چلنے لگے تو اخلاقاً اویس احمد بھی ان کے ہمراہ چل پڑا اور پھر اپنے گھر کے دروازے پہ رک کر انہوں نے اویس احمد کو اندر آنے کی دعوت دی تھی تو وہ ان کے گھر چلا گیا تھا۔ چھوٹا سا ڈبل اسٹوری صاف ستھرا مکان تھا' گیٹ کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ جو کہ باہر گلی میں کھلتا تھا' انہوں نے اندر جاکر وہ کھولا تو اویس احمد اندر داخل ہوا' خوب صورت سے سجا ہوا چھوٹا سا ڈرائنگ روم تھا' دیواروں پہ خاں صاحب اور ان کے تینوں بیٹوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں' فرش پہ گہرا براؤن قالین تھا' اسی کے ہم رنگ صوفے اور کھڑکیوں دروازوں پہ پردے آویزاں تھے۔ کچھ دیر بعد گھر کے اندر کی طرف کھلنے والا دروازہ کھلا اور ایک خاں صاحب کی ہی شکل کا درمیانی قامت کا خوب صورت نوجوان بڑی سی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا' جس میں چائے اور بسکٹ اور کیک وغیرہ تھے۔ نوجوان نے ٹرے سینٹر ٹیبل پہ رکھی' اویس احمد نے تپاک سے کھڑے ہوکر نوجوان سے ہاتھ ملایا پھر وہ نوجوان جس کا نام گل نواز تھا اور وہ خاں صاحب کے تینوں بیٹوں میں چھوٹا تھا' اور ایک مقامی یونیورسٹی میں ایم کام کررہا تھا۔ وہ اویس احمد کے قریب ہی بیٹھ کر چائے بنانے لگا اور چائے کا کپ اویس احمد کو پیش کیا پھر باپ کو دے کر اپنے لیے ایک کپ چائے بنائی' خوش گپیوں کے دوران چائے پی گئی اور تقریباً آدھ گھنٹہ ان کے ساتھ باتیں کرکے اویس احمد گھر واپس آ گیا تو خاں صاحب اور ان کے بیٹے کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوا تھا۔

چنانچہ جب اس نے خاں صاحب کی علالت کا سنا تو پھر گھر جانے کی بجائے خاں صاحب کے گھر کی جانب چل دیا تاکہ ان کی خیریت معلوم کرسکے' اس نے گھر کے سامنے پہنچ کر اطلاعی گھنٹی بجائی تو گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلا اور گیٹ پہ لگے بلب کی ملگجی سی روشنی میں اس کے سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔

''تم ...... تم ...... یہاں بھی پہنچ گئے؟'' ابھی اویس احمد اس لڑکی کو دیکھ کر اپنی حیرت پہ قابو پانے کی سعی کررہا تھا کہ اس کی تیز وطرار آواز ہتھوڑے کی طرح اس کی سماعتوں سے ٹکرائی کیونکہ یہ وہی لڑکی تھی جو رات کو واک کرتے ہوئے اس پہ فقرے کستی تھی اور جس کو انجانے ہی میں اویس احمد اپنے دل میں بسا بیٹھا تھا۔

''دیکھیے محترمہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے...... میں یہاں

آپ کے لیے نہیں آیا بلکہ اپنے بے حد مہربان اور شفیق دوست خاں صاحب کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں جن کے بارے میں مجھے آج ہی مسجد میں علم ہوا ہے کہ وہ علیل ہیں۔'' اویس احمد نے رسان سے کہا' اس سے قبل کہ وہ لڑکی کوئی جواب دیتی' اندر سے کسی نے اسے پکارا۔

''کون ہے پروشے بیٹی باہر؟''

''وہ......وہ امی' خاں بابا کی عیادت کے لیے کوئی انکل آئے ہیں۔'' وہ لڑکی جس کا نام غالباً اس کی والدہ نے پروشے پکارا تھا' اویس احمد کو کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ انکل کا لفظ سن کر اویس احمد نے برا سا منہ بنایا اور قریب تھا کہ وہ واپس پلٹ جاتا کہ اسی لمحے گیٹ کے ساتھ والا ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور خاں صاحب کا نورانی چہرہ دروازے پہ نمودار ہوا تو اویس احمد ناچار اس دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆......☆

اور پھر اب اکثر ہی کبھی اویس احمد خاں صاحب کے گھر مغرب کی نماز کے بعد چلا آتا اور کبھی خاں صاحب اس کے ہاں آجاتے......رفتہ رفتہ یہ دوستی اس حد تک بڑھی کہ دونوں خاندانوں کے درمیان گہرے مراسم قائم ہوگئے اور دونوں گھرانوں کی خواتین کا بھی آپس میں ملنا جلنا شروع ہوگیا۔ اکثر باہمی دعوتیں بھی ہونے لگیں۔ کبھی کبھار دونوں خاندان مل کر باہر بھی کھانے پینے یا پھر گھومنے پھرنے کے لیے چلے جاتے۔ خاں صاحب کے دونوں بڑے بیٹے اپنی تعلیم مکمل کرکے اچھے عہدوں پہ فائز ہوچکے تھے۔ دونوں شادی شدہ تھے اور اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ گھر کے اوپر کے پورشن میں مقیم تھے۔ دونوں نے گاڑیاں بھی رکھی ہوئی تھیں' ایک گاڑی گھر کے گیراج میں کھڑی کرلیتے تھے جبکہ دوسری گاڑی بڑے بیٹے کے دوسری گلی میں واقع سسرال کے گیراج میں پارک کردی جاتی۔ اس نے اپنی پسند سے محلے کی لڑکی ہی سے شادی کی تھی جو کہ ایک اسکول میں ٹیچر تھی۔ دوسرے کی بیوی اس کی والدہ کی کزن کی بیٹی تھی وہ ایم اے پاس تھی اور قریب ہی ایک کالج میں پڑھاتی تھی' جوں جوں آپس میں دونوں گھرانوں کے تعلقات بڑھتے گئے ویسے ہی اویس احمد اور پروشے میں بھی باہمی پسندیدگی کا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔

اگرچہ وہ اویس احمد سے پندرہ سولہ سال چھوٹی تھی۔ حال ہی میں بی اے کیا تھا مگر محبت تو ایسی آگ ہے جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے یہ پودا تو خود بخود ہی دل کی سنگلاخ زمین پہ اگ آتا ہے اور پھر اس میں مبتلا ہونے والوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب یہ پودا پروان چڑھ کر ان کو اپنی گھنی چھاؤں کی پناہوں میں سمیٹ لیتا ہے' تب انسان کو کوئی خبر نہیں رہتی' نا سماج کا ڈر ستاتا ہے' نا عمروں کا فرق اور معاشی اور سماجی حیثیت کا تفاوت محسوس ہوتا ہے حتیٰ کہ پروشے کو یہ بھی خیال نا رہا کہ اویس احمد جس کی کالی رنگت کا وہ مذاق اڑاتی تھی وہ اب اسے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوگیا ہے' نا ہی اسے یہ پروا رہی تھی کہ اویس احمد نا صرف شادی شدہ ہے بلکہ ایک بچے کا باپ بھی ہے۔

اب وہ دونوں اکثر گھر سے باہر بھی مل لیتے تھے' پروشے برقعہ پہن کر کسی سہیلی کے گھر جانے کے بہانے گھر سے نکلتی اور کچھ فاصلے پہ اپنی گاڑی میں منتظر اویس احمد کے ساتھ کسی پارک کے تاریک کنج میں یا کسی ریستوران کے فیملی کیبن میں گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کرتی رہتی' اویس احمد نے اسے صاف بتادیا تھا کہ اسے اپنی بیوی اور بچے سے کوئی دلچسپی نہیں اور یہ کہ اس کی شادی زبردستی اس کی مرضی کے بغیر اس کی ماں بہنوں نے کی تھی' اویس احمد نے یہ بھی اسے بتادیا تھا کہ اس کی بیوی اور بچہ اس کی والدہ اور بہنوں کے ساتھ اس کے آبائی گھر میں رہیں گے جو کہ ایک دوسرے علاقے میں ہے اور اس کے موجودہ گھر میں وہ پروشے کو رکھے گا چونکہ پروشے کی بڑی بہن کی شادی بھی ایک روہا جو سے ہوئی تھی اس کا تعلق ایک دور دراز کے گاؤں سے تھا اور اس نے اپنی پہلی بیوی اور دونوں بچوں کو گاؤں میں رکھا ہوا تھا۔ وہ ان کو اخراجات کے لیے کچھ رقم بھیج دیتا تھا اور کبھی کبھار سال میں ایک آدھ بار وہاں چکر لگالیتا تھا' جبکہ پروشے کی بہن پلوشہ کو شہر میں قریب ہی دس مرلے کے گھر میں رکھا تھا۔ دونوں کی پسند کی شادی تھی کیونکہ وہ پروشے کے بڑے بھائی کا دوست تھا اور اس طرح گھر میں آنا جانا تھا اور یوں دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کرلیا تو والدین کو مجبوراً ان کی شادی کرنی پڑی تھی اور اب چونکہ وہ اپنے گھر میں خوشحال زندگی بسر کررہی تھی تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوچکی تھیں اور شوہر اب بھی اسے والہانہ طور پہ چاہتا

تھا اس لیے ماں باپ اپنی بیٹی کی خوشی میں خوش تھے۔

پروشے کو یقین تھا کہ اس کے والدین اس کی اور اویس احمد کی شادی میں بھی رکاوٹ نہیں بنیں گے جبکہ اویس احمد بڑے داماد سے زیادہ خوشحال بھی تھا اور زیادہ تعلیم یافتہ اور زیادہ اونچے عہدے پہ بھی فائز تھا پھر ایک کنال کی کوٹھی ان کی بیٹی کے نام کروانے کو تیار تھا۔ پہلی بیوی اور ماں بہنوں کو بھی الگ رکھنے کا وعدہ کررہا تھا' انہیں اور کیا چاہیے تھا' البتہ شروع میں والدین اور بھائیوں نے مخالفت کی مگر جب پروشے نے صاف کہہ دیا کہ وہ شادی کرے گی تو اویس احمد سے ورنہ کسی سے بھی شادی نہیں کرے گی تو پھر جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی کے مصداق انہیں رضامند ہونا ہی پڑا۔

البتہ اویس احمد نے اپنی والدہ' بہنوں اور بیوی کو اپنی دوسری شادی کی کانوں کان بھی خبر نہیں ہونے دی۔ اس نے پہلے تو یہ کہہ کر کہ وہ یہ گھر بیچ کر کسی اچھے علاقے میں نیا اور بہتر گھر لینا چاہتا ہے' ان لوگوں کو اپنے آبائی گھر میں منتقل کردیا اور پھر واقعی یہ گھر اس لیے فروخت کردیا کہ یہ اس کے نئے ہونے والے سسرال کے زیادہ قریب تھا' اس لیے ایک دوسرے رہائشی علاقے میں دو منزلہ گھر خرید لیا۔ اس گھر کا اوپر والا پورشن کرائے پہ چڑھایا اور نچلا پروشے کے جہیز کے سامان سے سیٹ کرلیا اور یوں پروشے اس کی دلہن بن کر اس کے نئے نویلے گھر کی مکین بن گئی۔ اتنی خوب صورت اور نوجوان بیوی پاکر اویس احمد خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اس نے اس شادی پہ اپنے دل کے تمام ارمان پورے کیے' پروشے کے لیے قیمتی زیورات اور ملبوسات بنوائے' ولیمے کا فنکشن فائیو اسٹار ہوٹل میں منعقد کیا' اپنے تمام دوستوں کو شادی پہ مدعو کیا' دوستوں کی بیویوں نے پروشے کی پسند کے مطابق شادی کی شاپنگ کی' گھر کو سیٹ کیا' یعنی غیر سارے اس شادی میں شامل تھے البتہ ماں بہنوں اور بیوی کو خبر ہی نا ہوئی اور اویس صاحب نئے سرے سے دولہا بن گئے۔ اسے تو یوں محسوس ہورہا تھا کہ جیسے وہ پہلی مرتبہ دولہا بن رہا ہو۔ ولیمے کے بعد اپنی پسندیدہ دلہن کے ہمراہ شمالی علاقہ جات کی طرف ہنی مون کے لیے نکل گیا' پورے مہینے کی چھٹیاں لے کر سارا وقت پروشے کے ساتھ گزارا اور گھر والوں کو فون پہ بتادیا کہ وہ آفس کے کام سے ایک ماہ کے لیے کراچی جارہا ہے' کبھی کبھار فون کردیتا' تب تو موبائل بھی اتنے عام نہیں ہوئے تھے' یوں اویس احمد نے ایک ماہ آرام سے گزار لیا۔

اور پھر جب ایک ماہ کی چھٹی گزار کر ماں بہنوں اور بیوی بچے سے ملنے گیا تو رات کے کھانے پہ سب کی موجودگی میں ایک دم دھماکہ کردیا۔

''میں نے پروشے سے شادی کرلی ہے' اور اس کے لیے الگ گھر بھی لے لیا ہے۔ آپ لوگوں کے لیے بھی کچھ عرصے تک اپنے قریب ہی گھر لے لوں گا تاکہ دونوں گھروں کو برابر وقت بھی دے سکوں اور سب کی ضروریات بھی پوری کرسکوں' اس کی اس اطلاع یا انکشاف پہ دونوں بہنوں اور ماں تو جو حیران ہوئیں سو ہوئیں مگر عارفہ کو تو یوں محسوس ہوا جیسے زمین و آسمان تیزی سے گھوم رہے ہوں' اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا اور اس سے پہلے کہ وہ تیورا کر کرسی سے نیچے گرتی وہ کسی نا کسی طرح لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھی اور تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور دھڑام سے بیڈ پہ گرگئی اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔

اویس احمد نے فی الحال یہی مناسب سمجھا کہ وہ یہاں سے رفوچکر ہوجائے' اس نے جو کہنا تھا کہہ دیا تھا اب وہ ماں' بہنوں اور بیوی کو حالات سے سمجھوتا کرنے اور سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا تھا' اور پھر کئی روز تک وہ منظر سے غائب رہا' تینوں خواتین نے کچھ دنوں تک رو دھو کر اویس احمد اور پروشے کو کوسنے دینے کے بعد خاموشی کی ردا اوڑھ لی' ظاہر ہے ان کے پاس کوئی اور چارہ کار ہی نہ تھا' نا تو اس ماں بہنیں بیٹے اور بھائی کو نہیں چھوڑ سکتی تھیں کہ وہ ان کا واحد کفیل اور سہارا تھا' نا ہی عارفہ اس سے علیحدگی کا رسک لے سکتی تھی' جبکہ وہ ایک بچے کی ماں بن چکی تھی اور کچھ ماہ بعد دوسرے بچے کی پیدائش بھی متوقع تھی۔ چنانچہ مرتے کیا نا کرتے کے مصداق اس نے اسی بات کو غنیمت جانا کہ کم از کم اویس نے اتنی تو مہربانی کی کہ اپنی نئی نویلی دلہن کو الگ گھر میں رکھنے اور اس کے اور بچوں کے حقوق پورے کرنے کا عہد کیا تھا' ورنہ اگر وہ پسندیدہ بیوی کی فرمائش پہ اسے چھوڑ بھی دیتا تو وہ اس کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ طلاق دینے کا اختیار تو بہرحال اس کے پاس تھا ہی۔ چنانچہ تھوڑے

عرصے بعد ہی اویس احمد نے گھر میں آنا جانا شروع کردیا۔ وہ ایک رات ادھر رہتا اور ایک رات پروشے کے پاس، جس رات اویس پروشے کے پاس نا ہوتا تب وہ اپنی والدہ کے گھر چلی جاتی' یا پھر اس کی والدہ اس کے پاس آجاتیں۔

پھر اویس احمد نے اپنا آبائی گھر فروخت کرکے اور اپنے پاس جمع شدہ رقم سے عارفہ اور ماں بہنوں کے لیے اپنی موجودہ رہائش گاہ سے کچھ فاصلے پہ ڈبل اسٹوری ایک کنال کا گھر خرید لیا۔ یوں اویس احمد کی زندگی ایک روٹین اور پُرسکون انداز میں گزرنے لگی۔ بظاہر اسے کوئی بھی مسئلہ نہیں تھا' اس کی تنخواہ چونکہ تین تین گھروں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ناکافی تھی۔ اس لیے اس نے اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کرایکسپورٹ امپورٹ کا کاروبار بھی شروع کردیا جبکہ اسی دوران عارفہ کے ہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا' وہ بھی بڑے بیٹے کی طرح ماں باپ جیسا ہی تھا' مگر اویس احمد کو اب کوئی پروا نہیں تھی' اسے یقین تھا کہ پروشے سے اسی کی طرح کے گورے چٹے بچے پیدا ہوں گے اور یوں اس کی خوب صورت بچوں کی خواہش پوری ہوجائے گی۔ شادی کے پورے دو سال بعد بالآخروہ دن بھی آ گیا جس کا اویس احمد کو بے چینی سے انتظار تھا' پروشے نے ایک مقامی ہسپتال میں بیٹی کو جنم دیا' جب اویس احمد کو پروشے کے بھائی نے اس کے آفس میں یہ خوش خبری سنائی تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوراً ہی ہسپتال کے لیے روانہ ہوگیا' پروشے کے ہاں بچی کی پیدائش نارمل طریقے سے ہوئی تھی اس لیے اسے پرائیویٹ روم میں بچی سمیت منتقل کردیا گیا تھا۔ اویس احمد نے ہسپتال کی پارکنگ میں گاڑی پارک کی اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا پرائیویٹ وارڈز کی جانب چل پڑا' جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ پروشے آنکھیں موندے بیڈ پہ دراز تھی۔ سرخ کمبل اس کے جسم پہ پڑا تھا' اس کے سرخ وسپید چہرے پہ زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں' ماں بننا جہاں ماں کے لیے خوشی کا باعث ہوتا ہے وہاں وہ انتہائی اذیتیں سہہ کر ایک نئی زندگی کو اس دنیا میں لاتی ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ماں کو انتہائی بلند مقام عطا فرمایا ہے۔

اویس احمد نے والہانہ انداز میں پروشے کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا تو اس کا مخصوص لمس محسوس کرکے اس نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے یاقوتی لبوں پہ ایک دلکش مسکراہٹ لہرائی۔

''شکریہ مائی ڈیئر مجھے بیٹی کا تحفہ دینے کا۔'' اویس احمد نے خوشی سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

اسی لمحے پروشے کی والدہ نے گلابی رنگ کے بے بی کمبل میں لپٹی ہوئی ننھی منی سی بچی اویس احمد کی جانب بڑھائی تو اس نے دونوں بازو پھیلا کر اس انمول تحفے کو بانہوں میں سمیٹ لیا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ بچی کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو' اسے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کی چھت اس پہ گر گئی ہو...... ایک دبلے سے چہرے والی سیاہ فام بچی جس کے نقوش ماں جیسے تھے مگر رنگت باپ جیسی تھی' آنکھیں بند کیے گہری نیند میں تھی۔

اویس احمد نے بچی کو ساس کے حوالے کیا اور بوجھل قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے پروشے سے شادی اس کی خوب صورتی سے متاثر ہوکر اس امید پہ کی تھی کہ وہ اس کے لیے اپنے جیسے حسین وجمیل بچوں کو جنم دے گی مگر ایسا نہیں ہوسکا' پروشے کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی اور پیدا ہوئے تھے ہر بار اویس احمد ایک نئی امید اور ولولے کے ساتھ بچے کی پیدائش کا انتظار کرتا مگر ہمیشہ ہی اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہر بچہ اس کا پرتو ہوتا۔

انسان سمجھتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر چیز اپنی مرضی اور خواہش کے ساتھ حاصل کرسکتا ہے اور بہت سے معاملات میں اللہ نے اسے یہ اختیار دے بھی رکھا ہے مگر کچھ کام قدرت نے اپنے ہاتھوں میں رکھے ہوئے ہیں اور ان میں انسان کی خواہش اور کوشش کا قطعی دخل نہیں ہے مگر انسان نادانستگی میں یا کسی زعم میں مبتلا ہوکر قدرت کے کاموں میں دخل اندازی کی کوشش کرتا ہے تو پھر قدرت اسے مات نہیں بلکہ شہہ مات دیتی ہے' یہی کچھ اویس احمد کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

''کیا بات ہے جب سے تم اسلام آباد سے آئی ہو بہت بدلی بدلی سی لگ رہی ہو؟'' سندس نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' سندس کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔

''مجھے تو ایسی ہی بات لگ رہی ہے لیکن جب تم کہہ رہی ہو تو مان لیتی ہوں لیکن یہ بات طے ہے کہ وہاں سے آ کر تم کچھ چینج سی اور چپ چپ سی ہوگئی ہو۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل وہاں اتنا اچھا موسم تھا اور یہاں اتنی گرمی ہے تو بس موسم کی تبدیلی کی وجہ سے طبیعت کچھ بےزاری سی ہے۔''

''موسم کی تبدیلی کا ہی اثر ہے یا کوئی اور بات ہے کہیں اسلام آباد میں کسی کو دل تو نہیں دے بیٹھیں؟'' سندس نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں شرارت کی تو اس کا دل سکڑ اسمٹا اور پھر پھیل کر تیزی سے دھڑکتا چلا گیا۔

''کیسی باتیں کررہی ہو۔ تم کہو کیا بات ہے کس لیے آئی ہو؟'' اس نے جلدی سے خود پر قابو پاتے ہوئے سندس سے نظریں چراتے ہوئے پوچھا تو وہ حیرت سے اس کی شکل تکنے لگی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا پہلے تم مجھے فون کرکر کے بلایا کرتی تھیں میرے آنے کی دعائیں مانگا کرتی تھیں میرے آنے پر خوش ہوجاتی تھیں میرے آنے پر مجھے واپس جانے سے روکا کرتی تھیں۔ صبح سے شام تک مجھ سے چمٹی رہتی تھیں اور اب میرے آنے کی وجہ پوچھ رہی ہو اور اتنی بےزار اکتائی ہوئی ہو۔''

''اوہو بھئی وجہ ہی تو پوچھی ہے بھگا تو نہیں رہی ہوں ناں اور میں بالکل بےزار نہیں ہوں۔'' اس نے اپنا موڈ ٹھیک کر کے بات کو سنبھالا۔

''کیا پتا بھگا ہی دو۔''

''اب میں ایسی گستاخ بھی نہیں ہوں۔'' عیشہ نے منہ پھلا کر کہا۔

''ہاں تم تو ایسی گستاخ نہیں ہو لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم اسلام آباد سے ضرور کوئی ایسی ویسی گستاخی کر کے آئی ہو۔'' اس کی بات پر عیشہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ سندس اس کے دل و دماغ کے حال سے واقف ہوگئی ہے۔

''میں کوئی گستاخی کر کے آئی ہوں یا نہیں لیکن تم ضرور میرے ساتھ اس وقت گستاخیاں کررہی ہو۔''

''اچھا اب جلدی تیار ہوجاؤ مجھے ذرا بازار جانا ہے۔ زبردست سیل لگی ہے اور مجھے اپنے لیے چار پانچ شاندار سے ریڈی میڈ سوٹس لینے ہیں آج امی بھی بہت اچھے موڈ میں ہیں۔ مجھے خود ہی انہوں نے کہا کہ تم اپنے لیے کچھ ریڈی میڈ سوٹس لے لو۔ اس سے پہلے کہ امی کا موڈ بدلے اور وہ مجھے فون کر کے واپس گھر بلالیں تم جلدی سے تیار ہوجاؤ۔'' اس وقت عیشہ کا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اگر وہ منع کرتی تو پھر سندس اپنی الٹی سیدھی باتیں شروع کردیتی لہٰذا اس نے سندس کے ساتھ جانے میں ہی عافیت جانی۔ بلکہ وہ تو ٹھیک ہی اندازے لگا رہی تھی۔ اس کی باتیں تو عیشہ کو پریشان کررہی تھیں۔ اسلام آباد جا کر تو اس کی دنیا ہی بدل گئی تھی ایسی ہڈی گلے میں پھنسی تھی کہ نہ وہ اگل سکتی تھی نہ نگل سکتی تھی۔ اس نے وہ کیا تھا کہ کسی کے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے تھے بلکہ اسے وہ سب کچھ کرنے پر مجبور کردیا گیا تھا۔

وہ سندس کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی بازار چلی آئی۔ پہلے اسے بوتیکس میں گھس گھس کر کپڑے دیکھنے کا کتنا شوق ہوا کرتا تھا لیکن آج وہ بازار ہی نہیں آنا چاہ رہی تھی اور آ گئی تھی تو بےزار تھی۔ اسے کتنا شوق ہوا کرتا تھا اچھے کپڑے پہننے کا وہ اپنے سارے پیسے کپڑوں پر خرچ کردیتی تھی۔ امی اتنے کپڑے بنانے پر ڈانٹتی تھیں تو وہ

ہمیشہ انہیں ''پہنو جگ بھاتا'' کہہ کر خاموش کروا دیتی تھیں اور اس وقت اسے بازار اور اس میں موجود ہر چیز بری لگ رہی تھی۔ جب کہ سندس بڑے شوق اور دلچسپی سے ایک ایک سوٹ دیکھ رہی تھی اور عیشہ سے بھی مشورہ کررہی تھی۔ جب کہ وہ اکتائے ہوئے انداز میں ہوں، ہاں کررہی تھی۔ کئی بوتیکس کو کھنگالنے کے بعد سندس نے اپنے لیے چار سوٹ خرید لیے اور دونوں اس وقت روڈ پر کھڑی تھیں کہ اچانک عیشہ کی سامنے والی روڈ پر نظر پڑی تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں دل ایک دم اس بری طرح سے دھڑکنے لگا کہ ابھی باہر آجائے گا۔ اس کے سارے بدن پر لرزا طاری ہوگیا ٹانگوں کو زمین پر جمائے رکھنا مشکل ہوگیا۔ وہ ایک دم سے پسینے میں نہا گئی۔

''چلو آؤ اب کچھ کھا پی لیتے ہیں چل چل کر میرا تو پیٹ خالی ہوگیا ہے۔''

''نہیں میرا خیال ہے اب گھر چلتے ہیں بہت تھک گئی ہوں۔''

''ارے تمہیں کیا ہوا ہے؟'' سندس کی نظر اس کے سفید چہرے پر پڑی تو وہ ایک دم سے حیران پریشان ہوگئی۔

''کچھ نہیں بس ایسے ہی چل چل کر سر میں درد ہونے لگا ہے۔'' سامنے والے کی نظر خود پر پڑنے سے پہلے وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی بلکہ اس منظر سے غائب ہوجانا چاہتی تھی۔

''میں بہت تھک گئی ہوں۔ اتنی دیر سے مسلسل ہم دونوں چل ہی رہے ہیں کہیں چل کر بیٹھتے ہیں کچھ کھاتے پیتے ہیں فریش ہوجائیں گے۔ تمہارا سر درد بھی ٹھیک ہوجائے گا۔''

''جتنی دیر یہاں بیٹھیں گے اتنی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے میرے خیال سے گھر ہی چلتے ہیں اب میری کہیں بھی جانے کی ہمت نہیں۔''

''ارے اب کہاں جانا ہے برگر شاپ کے قریب تو ہم کھڑے ہیں۔'' سندس نے حیرت سے کہا۔

''سندس پلیز میں کچھ نہیں کھانا چاہتی اب جلدی سے گھر چلو۔'' عیشہ نے بے زاری سے کہا تو سندس نے بھی اسے زیادہ مجبور نہیں کیا اور رکشہ یا ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی۔ عیشہ نے دیکھا وہ گاڑی سے نکل کر سامنے والے ڈپارٹ منٹل اسٹور میں جاچکا تھا۔ وہ اس کی نظروں میں آنے سے پہلے یہ جگہ چھوڑ دینا چاہتی تھی۔ دونوں گرتی پڑتی گھر میں گھسیں۔ عیشہ تو فوراً ہی صوفے پر ڈھیر ہوگئی۔

''تم تو ایسے صوفے پر گری ہو جیسے پورا بازار خرید کے آرہی ہو۔'' امی نے اسے صوفے پر گرتے دیکھ کر کہا۔

''امی میں نے پورا بازار گھوما ضرور ہے لیکن خریداری ایک ہیر پن کی بھی نہیں کی۔ بازار میں گھما گھما کر سندس نے میری ہڈیاں توڑ دیں۔''

"میری ہڈیاں بھی اتنی ہی ٹوٹی ہیں جتنی کہ تمہاری۔ اچھا بھئی اب میں تو جارہی ہوں۔ امی انتظار کررہی ہیں ان کے فون پر فون آرہے ہیں۔"

"ارے ابھی کہاں جارہی ہو بیٹھو کھانا کھا کر جانا۔" امی اور بھابی نے اسے کھانے کے لیے روکا۔ جب کہ عیشہ خاموش رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ سندس چلی جائے تاکہ وہ اپنے کمرے میں جاکر آرام کرے۔ امی کے روکنے کے باوجود بھی سندس چلی گئی تو عیشہ اپنے کمرے میں چلی آئی اور بے دم سی ہوکر بستر پر گرگئی۔

آج عیشہ نے اسے بہت دن بعد دیکھا تھا۔ اگر اس نے مجھے ڈھونڈ لیا اور وہ گھر تک پہنچ گیا تو ایک ہول سا اس کے دل میں اٹھا اور وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح سے رودی۔ اس کی زندگی میں ایسا کیا ہوگیا تھا آگے کیا ہونا تھا؟ یہ سوچیں ہر لمحہ اسے مار ڈال رہی تھیں وہ کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ یہ میں نے کیا کردیا ایسا کیوں کیا؟ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ پچھتاؤں کے ناگ اسے ڈسنے لگے۔ اسے رہ رہ کر سارہ پر غصہ آرہا تھا جس کی دوستی نے اسے ڈبو دیا تھا۔ وہ ایک دم سے سارہ کو کوسنے لگی لیکن اس کا بھی کیا قصور تھا حالات ہی ایسے تھے شاید اس قسم کے حالات میں کوئی بھی بیٹی اور بہن ایسا ہی کرتی اور اگر قصور ہی کی بات ہے تو قصور تو عیشہ کا بھی نہیں تھا شاید مجبوری بے بسی اور جذباتی دباؤ میں آکر انسان کوئی انتہائی قدم اٹھالیتا ہے یا ایسا قدم اٹھانے پر اسے مجبور کردیا جاتا ہے کہ فیصلہ کرنے کا بھی وقت نہیں ملتا یا فیصلہ کرنے کی صلاحیتیں اور قوتیں منجمد ہوجاتی ہیں اور اس وقت وہی بات درست لگتی ہے دل اور دماغ دونوں ایک طرف ہوجاتے ہیں اور جب دل دماغ اپنے ٹھکانے پر آکر اسی بات کو ڈھنگ سے سوچنے کے قابل ہوتے ہیں تو اپنا فیصلہ غلط لگتا ہے لیکن اس وقت بہت دیر ہوچکی ہوتی ہے سب کچھ ہاتھوں سے نکل چکا ہوتا ہے۔ پھر پچھتاوے غصہ اور ملال حاوی ہوجاتا ہے اور وہ بھی آج کل انہیں کیفیات سے گزر رہی تھی۔ نہ اگل سکتی تھی نہ چھپائے بنے نہ بتائے بنے۔ کون اسے بے قصور مانتا۔

جو عظیم الشان معرکہ وہ سر کر بیٹھی تھی وہ سراہے جانے کے قابل تو ہرگز نہیں تھا ہاں سر کاٹ ڈالنے کے قابل ضرور تھا۔ وہ اسی طرح سے رو رو کے اپنا غبار نکالتی تھی اور اس وقت بھی یہی کررہی تھی۔ ایک دم سے کسی نے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کی سسکی نکل گئی۔ کمرے میں اتنا اندھیرا تھا کہ کسی کے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔

"لائٹ آف کرکے کیوں بیٹھی ہو۔" بھابی نے لائٹ آن کردی۔ اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"ارے کیا ہوا تم رو کیوں رہی ہو۔"

"بس ایسے ہی دل چاہ رہا تھا۔"

"ہائیں..... رونے کو دل چاہ رہا تھا؟" بھابی نے حیرت سے کہا تو وہ بھی ایک دم سے ہوش میں آگئی کہ یہ کیا کہہ دیا۔

"میرا مطلب ہے کہ اندھیرے میں بیٹھنے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"چلو دل کی یہ چاہت تو پوری ہوگئی اب بتاؤ کہ رو کیوں رہی تھیں؟"

"بس وہ آج ہم بازار گئے تھے ناں اور سندس نے وہاں سے پانچ سوٹ بھی خریدے تھے۔"

"اچھا تو تم اس بات پر رو رہی تھیں۔" بھابی نے زور سے قہقہہ مارا تو وہ اپنی بے تکی بات پر بری طرح سے کھسیا کررہ گئی۔

"افوہ بھابی یہ بات نہیں ہے اس نے بازار میں گھما گھما کر برا حشر کردیا تھکن کے مارے میرے سر اور ٹانگوں میں بہت درد ہورہا ہے۔" اس نے اپنی اس کیفیت کی اصل وجہ کو چھپا کر سارا الزام سندس کے سر دھر دیا۔

"پہلے تو تم کبھی نہیں تھکیں۔ خوشی سے بازار جاتی تھیں خوشی سے آتی تھیں آج ایسی کیا تھکن سوار ہوگئی کہ رونا ہی شروع کردیا؟"

"پہلے تو اس کے ساتھ شاپنگ کرتی تھیں ناں آج میں نے کچھ نہیں لیا شاید اسی لیے تھکن اور بوریت کا شکار ہوگئی۔"

"اب آئندہ جب تم اس کے ساتھ بازار جاؤ تو اپنے لیے ضرور شاپنگ کرنا تاکہ تمہیں گھر آ کر اس قدر رونا نہ پڑے اور اب تم جلدی سے اٹھو۔ ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھاؤ ہم ابھی تمہاری بوریت دور کیے دیتے ہیں۔ آج میں نے تمہاری پسندیدہ رس ملائی بنائی ہے چلو شاباش جلدی سے آجاؤ۔" بھابی کمرے سے نکلیں تو وہ بھی خود کو سنبھالتی ہوئی واش روم کی طرف چل دی۔ اس طرح رونے دھونے سے تو کام نہیں چل سکتا تھا۔ گھر والوں کو کیا وجہ بتائی جائے گی خود کو بہت سنبھالنے کی ضرورت تھی۔ اس نے ہاتھ منہ دھویا اور خود کو نارمل کر کے کمرے سے نکل آئی۔ یہ اس کی اپنی جنگ تھی جو اسے تنہا ہی لڑنی تھی لیکن عجب جنگ تھی کہ لڑنے کے لیے وہ تو تنہا ہی تھی مگر دشمن سامنے نہیں تھا۔ یہ ایک خیالی اور تصوراتی جنگ تھی جو اسے خیالات اور تصورات کے تانے بانوں میں ہی الجھ کر لڑنی تھی۔

☆☆......☆☆......☆☆

اب اسے گھر سے نکلتے ہوئے خوف سا محسوس ہونے لگا تھا کئی دن کالج بھی نہیں گئی لیکن آخر یہ سب بھی کب تک چلتا۔ آج سندس اس کے سر پہنچ گئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے کالج سے کس غم میں چھٹیاں کر رہی ہو؟" سندس نے آتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔

"بس ایسے ہی آج کل کچھ دل نہیں چاہ رہا...... کل سے جاؤں گی۔" اس نے ڈھیلے سے انداز میں کہا۔

"دل کی باتیں چھوڑو پڑھائی میں دل سے زیادہ دماغ استعمال ہوتا ہے۔ پڑھائی جیسا خشک کام کرنے کو کبھی دل نہیں چاہتا ہے۔ پڑھائی دل لگا کے نہیں ہر طرف سے دل مار کر کرنے والی چیز ہے۔ دل کی چاہت کے تو کچھ اور ہی تقاضے ہوتے ہیں۔" باتیں تو اس کی بالکل ٹھیک تھیں۔ عیشہ سر ہلا کر رہ گئی۔ آج کل کسی سے بھی بحث مباحثہ کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

"باجی آج کل آپ کی نند بی بی کو کیا ہوا ہے محترمہ ہر وقت گم صم سی کھوئی کھوئی سی رہتی ہیں۔" اس نے اپنی بڑی بہن سے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

"یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہیں تم پر بھی یہ وقت ضرور آئے گا۔" عاتکہ بھابی نے کہا تو سندس زور سے ہنس دی۔

"اچھا پھر تو میں دعا کروں گی کہ جلدی سے مجھ پر یہ وقت آئے تاکہ میں عیشہ کی دیوانگی کو سمجھ سکوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے میں اپنی اسٹڈیز کی وجہ سے کچھ اپ سیٹ ہوں۔" عیشہ بری طرح جھینپ گئی جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔

"اسلام آباد جانے کی وجہ سے میری پڑھائی متاثر ہوئی ہے بس اسی کی وجہ سے فکر مند ہوں۔"

"اسلام آباد جانے کی وجہ سے تمہاری پڑھائی متاثر نہیں ہوئی بلکہ وہاں سے آنے کے بعد تم میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ اسلام آباد کا ہوا پانی تمہیں سوٹ نہیں کیا یا اگر تمہیں وہاں جا کے کوئی سوٹ کر گیا ہے تو مجھے بتا دو کسی کو نہیں کہوں گی۔" سندس نے شرارت سے کہا تو اس کے دل میں دھماکے ہونے لگے لیکن اگلے ہی پل خود پر قابو پا کے اس کے دھمو کا جڑ دیا۔

"اب اگر تم نے کوئی بکواس کی تو تمہیں گھر سے نکال دوں گی۔" عیشہ نے اپنی آواز کو رعب دار بنانے کی کوشش کی۔

"محترمہ میرا اس گھر پر بڑا حق ہے پہلی بات یہ کہ یہ میری پھوپو کا گھر ہے اور دوسری یہ کہ یہ میری بہن کا بھی گھر ہے۔ اس گھر سے تو تمہیں نکلنا ہوگا مجھے نہیں۔" سندس نے اسے جتایا۔

"کیوں...... مجھے نکل کر کہاں جانا ہے۔"

"سسرال جہاں تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔" سندس نے مسکرا کر ذومعنی سی بات کہی تو عیشہ کی حالت غیر ہونے لگی اسے لگا جیسے وہ سب کچھ جانتی ہو۔

"کیا مطلب ہے تمہارا میں کیوں سسرال جانے

لگی۔" وہ اس پر چیخی۔

"ارے ارے کیا ہوگیا آرام سے اس میں اس قدر گھبرانے اور پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ہر لڑکی پر یہ سہانا وقت آتا ہے کچھ عرصے بعد مجھ پر بھی آجائے گا بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں ہم دونوں ایک ہی گھر میں دو بھائیوں سے شادی کرلیں گی تاکہ ہمیشہ ساتھ رہیں۔"

☆☆......☆☆......☆☆

عیشہ نے کالج جانا شروع کردیا۔ اس کا دھیان بٹ گیا تھا لیکن پڑھائی میں صحیح طرح سے دل نہیں لگ رہا تھا۔ دن بے کلی بے سکونی میں گزر رہے تھے وہ عجب مخمصے میں پھنس گئی تھی۔ ایک آگ سی اس کے اندر لگی ہوئی تھی جس میں دن رات سلگ رہی تھی کبھی سوچتی کہ سندس پر اپنا دل کھول دے کہ پہلے بھابی کو راز دار بنائے' کبھی دل چاہتا کہ معاملات یونہی چلنے دے۔ لیکن یہ بھی تو ممکن نہیں تھا کبھی چاہتی کہ چیخ چیخ کر اتنا روئے کہ گھر والوں پر سب کچھ خود ہی عیاں ہوجائے' اتنی بہت ساری سوچوں نے اس کا دماغ خراب کیا ہوا تھا کہ ایک دھماکہ ہوگیا۔ اس کا ایک بہت اچھا رشتہ آگیا۔ اس نے تو رشتے کے خلاف شور ہی مچا کر رکھ دیا۔ جو آنسو کسی اور وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ وہ اس وجہ سے بہہ نکلے۔

امی بھابی اور سندس نے رشتے کی بہت حمایت کی لیکن اس نے ملک سے باہر اور سب گھر والوں سے دور رہنے پر سختی سے انکار کردیا۔ رشتہ اچھا ہونے کی بنا پر سبھی نے اسے سمجھایا لیکن جب بھائی جان نے اس کا فیور کیا تو سبھی خاموش ہوگئے۔ ویسے دل سے تو امی بھی خوش نہیں تھیں کیونکہ وہ بھی اکلوتی بیٹی کو اتنی دور بھیجنے کے حق میں نہیں تھیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو سہولت سے منع کردیا گیا۔

وہ پڑھائی میں بہت اچھی تھی لیکن آج کل دل پڑھائی کی طرف مائل ہی نہیں ہورہا تھا اگر ایسے ہی غفلت برتی جاتی تو گھر والے مشکوک ہوسکتے تھے سندس تو کئی دفعہ ذو معنی باتیں کرچکی تھی۔ اسے کچھ نوٹس بنانے تھے انگلش لٹریچر پر اچھی سی کتابیں چاہیے تھیں سو وہ سندس کو لے کر بازار آگئی۔ اپنی بکس لینے کے بعد اس نے ایک انگلش ناول کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس سے پہلے کوئی اور وہ کتاب لینے کے لیے اپنا ہاتھ اس پر رکھ چکا تھا۔ عیشہ نے جلدی سے اپنا ہاتھ ہٹایا اور اپنے بالکل قریب کھڑے شخص کی طرف یونہی نظریں اٹھائیں تو اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ سامنے کوئی اور نہیں عرفات احمد کھڑا تھا۔

اس نے سرسری انداز میں عیشہ کی طرف دیکھا اور دوسری طرف مڑ گیا۔ پے منٹ کی اور باہر نکل گیا۔ پہلے وہ اسے دیکھ کر پریشان ہوئی پھر اس کی لاتعلقی پر عیشہ کے اندر محشر برپا ہوگیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں کہر جمع ہونے لگی۔ گھر آکر وہ دیوانی ہوگئی۔ اس دن عرفات کے نہ دیکھنے پر اسے اتنی پریشانی نہیں ہوئی تھی جتنی آج دیکھ لینے کے بعد اس کے مخاطب نہ ہونے پر بدحواس ہوگئی تھی۔ اس وقت اس کی حالت غیر ہورہی تھی لہو تیزی سے رگوں میں گردش کررہا تھا۔ اس پر وحشتیں سوار ہوگئی تھیں۔ عرفات نے اس سے کوئی بات کیوں نہیں کی کہیں ایسا تو نہیں اس نے پہچانا ہی نہ ہو۔ وہ سوچ سوچ کر پاگل ہوتی جارہی تھی۔ ٹھنڈے پسینوں میں نہائی چلی جارہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سارا خون پسینہ بن کر جسم سے باہر نکل آئے گا۔ دہشت' ہیبت اور خوف کے مارے بری حالت تھی۔ وہ ادھموئی ہوئی جارہی تھی۔ اسے وہ منحوس دن یاد آگیا جب اس پر قیامتیں ٹوٹ پڑی تھیں۔ سب کچھ ہوگیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور آج تک سب بے خبر ہی ہیں اور اس کے اندر طوفان مچے ہوئے ہیں۔

☆☆......☆☆......☆☆

وہ اسلام آباد باجی کے گھر گئی ہوئی تھی۔ وہاں اس کی دوستی سارہ سے ہوگئی جس کی چند ماہ قبل ہی شادی ہوئی تھی۔ اس دن عیشہ بیٹھی ناشتہ کررہی تھی جب سارہ پریشان سی باجی کے گھر آئی اور باجی سے اجازت لے کر جلدی سے عیشہ کو اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ بہت تیز

ڈرائیونگ کررہی تھی۔

"کیا بات ہے سارہ تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو۔" عیشہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں بہت پریشان ہوں۔"

"ایسی کیا بات ہوگئی سب ٹھیک تو ہے ناں؟"

"کچھ ٹھیک نہیں ہے عیشہ' کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

"مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" عیشہ نے نرمی سے پوچھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"عیشہ ممی کی حالت بہت خراب ہے اور ڈاکٹرز نے جواب دے دیا ہے۔" سارہ کی آواز بھرا گئی۔

"کیا......؟" عیشہ کی ہلکی سی سسکی نکل گئی۔

"کون سے اسپتال میں ہیں؟"

"اب اسپتال میں رکھنے کی ضرورت نہیں تھی انہیں گھر لے آئے ہیں۔"

"اچھا تم گاڑی تو ذرا آہستہ چلاؤ' تمہیں اتنی پریشانی میں ڈرائیونگ نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

"عیشہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے کہ میں کیا کروں؟ اگلے ہفتے مجھے اور فاروق کو ملائشیا جانا ہے۔ وہاں ان کی کمپنی نے اپنی ایک برانچ کھولی ہے۔ کمپنی اپنے کئی آدمی بھیج رہی ہے اگلے ہفتے فاروق کو ہر حال میں جوائن کرنا ہے اور یہاں ممی اس حالت میں ہیں کہ ایک لمحے کو میرا دل انہیں چھوڑنے کو نہیں چاہ رہا۔ ان کی طبیعت کے باعث آج کل بھائی جان کا بھی زیادہ وقت گھر میں گزر رہا ہے۔ بس ایک آدھ گھنٹے کے لیے آفس جاتے ہیں ساری فیکٹری ملازمین پر چھوڑی ہوئی ہے۔" گاڑی ایک نہایت خوب صورت گھر میں داخل ہوگئی تھی۔

"یہ ممی کا گھر ہے۔" سارہ نے عیشہ کے پوچھنے سے پہلے ہی بتادیا۔ وہاں دو نئے ماڈل کی شاندار سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔

داخلی دروازہ بہت بڑا اور خوب صورت تھا۔ طویل راہداری عبور کرنے کے بعد لاؤنج آیا۔ جس میں بہت شاندار سے صوفے تھے سامنے دیوار پر بڑا سا ایل ای

ڈی نصب تھا۔ لاؤنج میں ایک ہینڈسم اور ویل ڈریسڈ شخص بیٹھا فون پر کسی سے بات کررہا تھا۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اس وقت کسی ڈاکٹر سے بات کررہا ہے۔ عیشہ پراس نے ایک سرسری سی نظر ڈالی پھر کاغذ پر کچھ لکھنے لگا اور چند ہی لمحوں میں فون آف کرکے کھڑا ہوگیا۔

''بھائی جان یہ میری دوست عیشہ اور عیشہ یہ میرے بھائی ہیں۔'' تعارف ہونے پر عیشہ نے اسے سلام کیا تو اس نے سر کی جنبش سے جواب دیا تھا۔

''ممی اب کیسی ہیں؟'' سارہ نے بے تابی سے پوچھا۔

''ویسی ہی ہیں کوئی فرق نہیں ہورہا' طبیعت میں ساری رات بہت بے چین رہی ہیں۔ تمہیں بہت پوچھ رہی تھیں تم دیکھو انہیں جب تک میں یہ دوائیں کسی سے منگواتا ہوں۔'' کمرے میں آکے سارہ ان کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس نے نرمی اور محبت سے ان کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو انہوں نے نیم وا آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا اور پھر آنکھیں موندلیں۔

''سارہ اُس سے کہو میری بات مان لے۔ میرے پاس وقت بہت تھوڑا ہے۔ میں اس کی خوشی دیکھنا چاہتی ہوں شاید اسی لیے میرا دم اٹکا ہوا ہے۔ جب اُس کی دلہن اس گھر میں آئے گی تبھی میری روح نکلے گی۔''

''ممی ایسی باتیں نہیں کریں۔'' سارہ برداشت کرتے ہوئے پھران کے ہاتھ پر سر رکھ کر سسک اٹھی۔

''سارہ پلیز ایسے نہیں کرو خود کو سنبھالو۔ آنٹی کے سامنے خود کو کمزور ظاہر نہیں کرو۔ ایسے تو ان کا حوصلہ ختم ہوجائے گا۔'' عیشہ جلدی سے اس کے قریب آئی اور اس نے آہستہ سے سارہ کو سمجھایا۔

''ممی آپ پریشان مت ہوں میں بھائی جان سے بات کروں گی۔'' سارہ انہیں تسلی دے کر باہر نکل آئی۔

''ویسے سارہ تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہاری ممی کو ہوا کیا ہے؟'' کمرے سے نکل کر عیشہ نے پوچھا۔

''ممی کی دو دفعہ اوپن ہارٹ سرجری ہوچکی ہے ممی کا دل بالکل زخمی ہوچکا ہے بس یہ سمجھ لو کہ اب تو اللہ کی رحمت سے ہی جی رہی ہیں پچھلے دو ہفتے سے طبیعت خراب چل رہی ہے اور وہ مسلسل بھائی جان سے شادی کرنے کے لیے کہہ رہی ہیں لیکن وہ ٹال مٹول کیے جارہے ہیں انہیں بھی اندازہ نہیں تھا کہ ممی کی طبیعت اتنی خراب ہوجائے گی لیکن اب ممی کئی دن سے مسلسل بھائی جان کی شادی کی بات کررہی ہیں۔ اب تم ہی سوچو اتنی جلدی شادی جیسا بڑا کام بھلا کہاں ممکن ہے لڑکیاں کوئی بازار میں تھوڑی ملتی ہیں کہ گئے اور اپنی پسند کی لڑکی لے آئے۔''

''تم فیملی کی کسی لڑکی سے سادگی سے نکاح پڑھوالو اور جب ممی ٹھیک ہوجائیں تو پھر پورے طریقے سے شادی کرلینا۔'' عیشہ کی بات پر سارہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

''ارے عیشہ میرے بھائی کی شادی تو ابھی اور اسی وقت ہوسکتی ہے۔'' سارہ نے بازو تھام کر جوش اور خوشی سے کہا۔

''ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ اتنی جلدی لڑکی کہاں سے آئے گی اور اب چٹکی بجاتے ہی لڑکی کا مسئلہ حل بھی ہوگیا۔'' اس نے اچھنبے سے کہا۔

''عیشہ تم تیار ہوجاؤ پلیز عیشہ تم مان جاؤ گی تو یہ شادی ابھی ہوجائے گی۔'' سارہ نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے عجلت میں کہا تو عیشہ کی آنکھیں ابل پڑیں تھوڑی دیر کے لیے تو اس کی آواز بند ہوگئی۔

''مم......میں پر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

''ہوسکتا ہے بالکل ہوسکتا ہے بس تم ہاں کردو میں بھائی جان سے بات کرلوں گی تم اتنی پیاری سی ہو کہ وہ انکار ہی نہیں کرسکیں گے۔ عیشہ میری مرتی ہوئی ماں کی آخری خواہش پوری کرکے انہیں کچھ دن کے لیے اور بچالو انہیں ان کے بیٹے کی دلہن دکھا دو۔'' سارہ نے روتے ہوئے لجاحت سے کہتے ہوئے عیشہ کے ہاتھوں

کو اپنے ہاتھوں میں بھینچ لیا۔
''لیکن سارہ یہ کیسے ممکن ہے شادی تو بہت بڑا کام ہوتا ہے یہ سب کچھ تو والدین طے کرتے ہیں میں اکیلی کیسے یہ انتہائی قدم اٹھا سکتی ہوں؟''
''تم بالکل فکر نہیں کرو بعد کے حالات اور معاملات میں سنبھال لوں گی۔ میرے بھائی جان بہت کامیاب بزنس مین ہیں تم بہت خوش رہو گی۔ تمہیں زندگی میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی بھائی جان بہت اچھے ہیں۔'' سارہ جذباتی باتیں کر کے عیشہ کو فوری طور پر تیار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
''سارہ میں یہ سب کروں گی تو میرے گھر والے تو مجھے مار ڈالیں گے اور وہ خود بھی جیتے جی در گور ہو جائیں۔ یہ سب معمولی بات اور آسان نہیں ہے۔'' عیشہ تو بری طرح پریشان ہو رہی تھی۔
''میں جانتی ہوں کہ یہ بہت بڑا کام ہے لیکن تم پریشان مت ہو کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا ہم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔'' اور پھر سب کچھ ہو گیا اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی ہاں ہو گئی۔
اس کا نکاح عرفات احمد کے ساتھ ہو گیا۔ چٹکی بجاتے میں اس کی تقدیر بدل گئی ایسی شادی میں خوش ہونے کا تو سوال ہی نہیں تھا وہ تو کھل کر رو بھی نہ سکی تھی۔
بیٹے کی شادی سے مسز احمد کے وجود میں جیسے جان پڑ گئی۔ وہ بغیر کسی سہارے کے خود ہی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ بے تحاشہ خوشی سے ان کا چہرا تمتما رہا تھا۔ سارا بھی ماں کو دیکھ کر اور بھائی کی شادی کی خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔ عرفات بھی خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ایک وہی تھی جس کا دل و دماغ اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ اسے تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت خوشی کا اظہار کرے یا دھاڑیں مار مار کر روئے۔ اپنی شادی پر نہ وہ راضی ہو سکی نہ یہ فیصلہ ماں باپ اور بھائی کر سکے بس شادی ہو گئی۔ ممی نے اسے اور عرفات کو ایک ساتھ بٹھایا اور ڈھیروں دعائیں ان کی جھولی میں ڈال دیں۔ سارہ اور ممی دونوں ہی عیشہ کی بہت شکر گزار ہو رہی تھیں۔ ممی نے سارا سے اپنا جیولری باکس منگوایا اور وہ سب اس کے سپرد کر دیا۔
''اب یہ سب تمہارا ہے۔ عرفات تمہارا ہے یہ گھر تمہارا ہے تمہیں اتنی خوشیاں ملیں کہ تم سمیٹ نہ سکو۔'' اس وقت تو جو خوشی اسے ملی تھی وہ اس کو نہیں سمیٹ پا رہی تھی اسے سمیٹنے کے چکر میں خود بکھری جا رہی تھی۔ ممی کی کوئی دعا اور سکون اور خوشی نہیں دے رہی تھی اس کے اندر غبار اٹھ رہے تھے۔ سارہ نے ڈھیروں فوٹوز اور مووِیز موبائل میں قید کر لیں۔
''ممی...... اب آپ کی خواہش پوری ہو گئی ہے اب آپ آرام کریں بہت دیر ہو گئی ہے آپ کو بیٹھے ہوئے۔ اتنی دیر تک بیٹھنا اور اتنا بولنا دونوں ہی آپ کے لیے ٹھیک نہیں ہیں۔'' عرفات نے زبردستی انہیں لٹایا اور وہ سب کمرے سے باہر آ گئے۔
سارہ کھانے کی تیاری میں لگ گئی۔ عیشہ کمرے میں اکیلی گم صم اور بدحواس سی بیٹھی تھی کہ عرفات چلا آیا۔ اسے دیکھ کر عیشہ کا سر خود بخود جھک گیا۔ عرفات کرسی لا کر بالکل اس کے سامنے بیٹھ گیا اور بغور اس کی بھیگی شکل تکنے لگا۔
''میں اس وقت آپ کی فیلنگز سے بخوبی واقف ہوں جس انداز میں ہماری شادی ہوئی ہے اس طرح شادیاں نہیں ہوا کرتیں۔ حالات سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ ایسے کڑے وقت میں آپ نے میرا ساتھ دیا مجھے قبول کیا اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار اور احسان مند ہوں۔ آپ مجھ پر بھروسہ رکھیے آپ کے ساتھ کچھ برا نہیں ہونے دوں گا۔ آپ کے ساتھ کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ اب آپ میری عزت ہیں اور اپنے والدین کے گھر میں میری امانت ہیں۔ میں سب سے نمٹ لوں گا ساری صورت حال سنبھال لوں گا۔'' وہ جو کچھ کہہ رہا تھا پتہ نہیں وہ ایسا کرے گا یا نہیں لیکن اس کی باتوں سے امید لگانا اب اس کی مجبوری بن چکی تھی۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ خاموشی سے سر جھکائے اس کی

یقین دلاتی ناؤ میں بیٹھی ڈول رہی تھی۔

"ویسے تو اب میں آپ پر مکمل استحقاق رکھتا ہوں لیکن ہماری شادی جن حالات میں اور جس انداز میں ہوئی ہے میں آپ کو یہاں نہیں روک سکتا......" نہایت ذو معنی جملہ بڑے دل ربا انداز میں ادا کیا گیا تھا۔

"اب میں آپ کا ہسبینڈ اور آپ میری وائف۔ اب یہی حقیقت ہے اور اسے قبول کرلیجیے۔" عرفات نے اس کے عرق آلود ہاتھ اپنے گرم اور مضبوط ہاتھوں میں تھامے تو اسے لگا کہ وہ ابھی اور اسی وقت پگھل کر ختم ہوجائے گی۔ "میرا اعتبار کرو عیشہ میں ناقابل اعتبار آدمی نہیں ہوں۔ میں نے محض ممی کی خواہش پوری نہیں کی ہے بلکہ سوچ سمجھ کر تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا ہے۔ کسی کو چند لمحوں میں بغیر جان پہچان کے اپنی زندگی میں شامل کرلینا کوئی عام اور معمولی بات نہیں ہے لیکن تمہیں دیکھ کر میرا دل خود بخود تمہاری طرف مائل ہوگیا تو یہ قدرت کا اشارہ تھا کیونکہ آسمان پر ہمارا جوڑا بن چکا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ بالکل زیادتی ہوئی ہے اگر تمہیں کچھ کہنا ہے تو میں تمہارے سامنے ہوں تم اپنا غصہ ناراضگی مجھ پر نکال سکتی ہو۔" عرفات نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

غصے اور ناراضگی کا اظہار کرکے تو مزید خود کو تکلیف دینے والی بات تھی جو کچھ ہوچکا تھا وہ تو تبدیل نہیں ہوسکتا تھا ناں اور پھر خود اس نے شادی کے خلاف بہت زیادہ احتجاج بھی تو نہیں کیا تھا ایک مرتی ہوئی ماں کے لیے اس وقت عیشہ کے دل میں بھی ہمدردی آگئی تھی۔ اس وقت اس نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

"ویری ویل میں تو بڑا خوش نصیب آدمی ہوں کہ میری بیگم کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں۔" عرفات نے ہنس کر کہا تو لفظ بیگم پر عیشہ کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

"اپنے میکے کا فون نمبر اور ایڈریس اس پر لکھ دیجیے۔" عرفات نے کاغذ اور پین عیشہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ میکے کے نام پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ جس گھر سے وہ رخصت بھی نہیں ہوئی وہ اتنی آسانی سے اس کا میکہ بھی بن گیا۔ پین چلانا دوبھر ہوا جارہا تھا۔ ہاتھوں پر کپکپی طاری تھی۔ عرفات بغور اس کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ عرفات نے کاغذ اور پین اس کے ہاتھوں سے لے لیا اور اس کے بتانے پر لکھنا شروع کردیا۔ لیکن بدحواسی میں اس نے ان کا نمبر لیا ہی نہیں۔

وہ ایک عظیم معرکہ مار کر اپنے مردہ وجود کو گھسیٹتی ہوئی باجی کے گھر واپس آگئی۔ دو دن بعد سارہ کا فون آیا اس کی ممی دنیا چھوڑ چکی تھیں وہ باجی کے ہمراہ ان کے گھر گئی اور پھر چند دن بعد واپس کراچی آگئی اور اس دن سے وہ دہکتے کوئلوں پر چل رہی تھی۔ کانٹوں پر لوٹ رہی تھی۔ عرفات احمد نے اسے اپنے یقین' بھروسے کا جھانسہ دے کر جلتے توے پر بٹھا دیا تھا اور آج جب عرفات نے اسے اتنے قریب سے دیکھ کر کوئی بات نہیں کی اور اس پر کوئی توجہ نہیں دی تو وہ بالکل دیوانی ہوگئی۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی عرفات ہے جو سب کچھ ٹھیک کرنے اور سب سے نمٹ لینے کی باتیں کررہا تھا۔ عیشہ کا دل و دماغ پھٹنے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا دل یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ عرفات نے اسے نہ پہچانا ہو۔ جب میں نے پہچان لیا تو اس نے کیوں نہیں پہچانا۔ جب کہ سارہ نے تو بہت سی تصاویر بھی بنائی تھیں۔ وہ تو اس کے پاس ہوں گے۔ یہ قسمت اس کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی تھی۔ وہ ایسی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی جس میں سے اسے کوئی نہیں نکال سکتا تھا۔ اب پریشانی اور بےچینی کچھ اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔

باجی کے آنے سے گھر کا ماحول کچھ تبدیل ہوگیا تھا۔ سارے گھر میں ایک دم سے رونق ہوگئی لیکن اس کے اندر کے دیپ بجھے ہوئے تھے۔ اس لیے کوئی روشنی اور رونق اسے نظر نہیں آرہی تھی اور پھر ان ہی دنوں میں اس کا ایک اور بہت اچھا رشتہ آگیا۔ رشتہ اتنا اچھا تھا کہ منع کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ عیشہ بری طرح بدحواس ہوگئی۔ رونا پیٹنا' بھوک ہڑتال دھمکیاں کچھ کام نہ آیا اور شادی کی

تاریخ طے ہوگئی اس کی روح گھائل ہوچکی تھی۔ گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہوچکی تھیں اور وہ ایسے مقام پر کھڑی تھی کہ کسی کو کچھ نہیں بتاسکتی تھی۔ اس کے پاس یہ شادی کرلینے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ سو اس نے شادی والے دن ہی اپنی زندگی میں شامل ہونے والے شخص کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ نکاح پر نکاح کرنے کا گناہ کرنے سے پہلے ہی اس گناہ کی آگ میں جلنے لگی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے پل صراط پر دوڑی چلی جارہی ہو۔ کسی بھی لمحہ اس کا وجود کٹ کر ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔

اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا اور حالات کو تقدیر کے سپرد کردیا۔ اب تو وہ رات دن عرفات احمد کو کوس رہی تھی فون نمبر لے کر بھی اس نے کوئی رابطہ نہیں کیا اور نہ سارہ نے پلٹ کر خبر لی۔ کوئی دعا درود کام نہ آیا اور شادی کا دن آ گیا۔ دلہن بن کر اس پر اتنا نکھار آیا کہ ہر کوئی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ نظر اتارنے کی بات بھی کررہا تھا۔ شادی میں کون آیا کون نہیں اسے کچھ ہوش نہیں تھا وہ شادی کے دن تک سارہ اور عرفات کے فون کا انتظار ہی کرتی رہی چند گھنٹوں بعد خود پر ٹوٹنے والے ستم کے لیے وہ خود کو تیار کررہی تھی۔ نجانے اب تقدیر اس پر کیا وار کرنے والی تھی۔

دولہا کی کچھ رشتے دار خواتین اور لڑکیاں اسے خوب صورتی سے سجے ہوئے کمرے میں چھوڑ گئیں۔ وہ اتنے دن سے اپنے حالات کے ساتھ لڑتے ہوئے اس قدر تھک چکی تھی کہ اس میں آنے والے لمحات اور حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی۔ خوف' پریشانی اور وحشت کے مارے دل کچھ اس طرح دھڑ دھڑا رہا تھا گویا سینے میں ڈھول بج رہا ہو۔ اے سی میں بھی ہتھیلیاں پسیجی جارہی تھیں لیکن پھر بھی آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ خود کو مضبوطی سے پھولوں سے مہکتی ہوئی سیج پر جمائے بیٹھی تھی۔ سرخ گلاب کے پھول اسے اپنے چاروں طرف دہکتے ہوئے انگارے محسوس ہورہے تھے۔ وہ بار بار لفظوں کو ترتیب دے رہی تھی لیکن لفظ تھے کہ ذہن کی سلیٹ سے پھسلے چلے جارہے تھے۔ اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے چاروں اور لٹکتی مہکتی ہوئی ان لڑیوں کو نوچ کر پھینک دے اپنا ہار سنگھار ملیامیٹ کرے اور یہاں سے نکل جائے لیکن بھلا یہ کہاں ممکن تھا۔ پھانسی کا جو پھندا اس کے گلے میں پڑا تھا اس کا گھیرا تنگ ہوتا جارہا تھا۔ ایک دم سے اس کا دم گھٹنے لگا اور اس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا لیکن گلا تو صاف ہی تھا اصل میں تو ماضی صاف نہیں تھا وہ داغ دار ہوچکا تھا۔

انہی سوچوں کی یلغار کے دوران دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو اس کا جھکا سر کچھ اور بھی جھک گیا۔ آنے والا دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور بھاری سی آواز میں اسے سلام کیا۔ لیکن جواب ندارد۔ وہ جو بولنے کے اتنے منصوبے بنائے بیٹھی تھی لفظوں کے سرے ہی ڈھونڈتی رہی پہلے سارے الفظ ذہن کی اسکرین پر ناچتے ناچتے گڈمڈ ہوئے اور پھر مٹتے چلے گئے۔ آنے والے نے کہنی کے بل نیم دراز ہوکر مہندی' چوڑیوں اور انگوٹھیوں سے سجا بھیگا نرم سا ہاتھ اپنے گرم اور مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا۔ عیشہ کا سارا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا۔

''آج سے ہم اپنی نئی زندگی کی شروعات کررہے ہیں اور ہمیں اپنی زندگی کی بنیاد خلوص' سچائی اور ایمان داری پر رکھنی چاہیے۔ میں بہت صاف دل اور صاف طبیعت کا آدمی ہوں' جھوٹ اور دھوکہ کو بالکل پسند نہیں کرتا دوسروں کی طرف سے بھی یہی توقعات رکھتا ہوں اور اپنی شریک حیات کی طرف سے تو میں کسی بھی قسم کی غلط بات برداشت نہیں کروں گا۔'' کچھ دیر کے لیے عیشہ کی دھڑکنیں تھم گئیں۔ اسے تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس کی حیات میں شریک ہے۔ اِس کی یا اُس کی۔

''اگر آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں تو میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

''جی...... میں......'' عیشہ نے صرف اتنا ہی کہا اور اس کی طرف دیکھا اور فوراً ہی نظریں جھکالیں۔

اس کے سامنے ایک باریش اور بارعب شخصیت براجمان تھی۔ وہ تو سب سے سن رہی تھی کہ دولہا بہت خوش شکل ہے لیکن اس کی تو آدھی شکل ڈاڑھی میں چھپی ہوئی تھی اور چہرے پر بھی کوئی خاص خوشی کے تاثرات نظر نہیں آرہے تھے۔ ایک مولانا ٹائپ شخصیت اس وقت اس کے روبرو تھی۔ وہ بچپن سے سنتی آرہی تھی کہ ایسے لوگ حق اور سچ کے علم بردار ہوتے ہیں لیکن اس نے تو کوئی برحق کام نہیں کیا تھا وہ انہیں کیا بتاتی اس کے سارے منصوبے خاک ہوگئے اور وہ ایک دم سے ایک طرف کو ڈھیر ہوگئی۔

''عیشہ...... عیشہ......'' دولہا نے بوکھلا کر دلہن کے گال تھپتھپائے۔ اس کے وجود میں حرکت نہیں ہوئی تو اس نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ جب بھی کچھ اثر نہ ہوا تو اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھا کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اس نے کچھ کسمسا کے دھیرے سے تھوڑی سی آنکھیں کھولیں اور پھر بند کرلیں یا شاید خود ہی بند ہوگئیں۔

''میرے خیال میں آپ بہت تھک گئی ہیں آرام کیجیے۔'' صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ دلہن کے روپ میں ہی تھی چاروں طرف نظر دوڑائی تو کمرا کسی بھی نفوس سے خالی تھا ذہن کچھ اور اچھی طرح سے بیدار ہوا تو گزشتہ دن اور رات کے واقعات خالی ذہن پر فلم کی طرح نمودار ہونے لگے اس نے آہستہ آہستہ اپنے زیورات اتارنے شروع کردیے۔

السلام علیکم کی آواز پر اس نے گردن گھما کر دیکھا تو ٹاول سے سر کور گڑتا ہوا عرفات احمد واش روم سے برآمد ہورہا تھا۔ عیشہ اسے دیکھ کر گنگ رہ گئی۔

''آ...... آپ یہاں کیا کررہے ہیں؟'' چند لمحوں بعد اس کے کچھ حواس بحال ہوئے تو اس نے بوکھلا کر پوچھا۔

''کیا مطلب ہے کیا کررہے ہیں میرا گھر ہے یہ مجھے یہیں ہونا تھا۔''

''لیکن میری تو شادی ہوگئی اور آپ نے کچھ بھی نہیں کیا۔'' اس نے رونا شروع کردیا۔

''شادی کرکے یہاں لے آیا اور کیا کرتا۔'' اس کی بات پر وہ کچھ حیران سا ہوا۔

''اور وہ مولوی صاحب جن سے میری رات کو شادی ہوئی تھی؟''

''محترمہ رات آپ کی شادی مجھ سے ہی ہوئی تھی اور رات آپ شاید اتنا ڈر گئی تھیں مجھے ڈاڑھی میں دیکھ کر کہ پہچان ہی نہ سکیں۔'' اب جو ساری بات کلیئر ہوئی تو وہ پھٹ پڑی۔

''آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا مجھے سولی پر لٹکا کے خبر تک نہیں لی کہ میرے اوپر کیا گزر رہی ہے۔''

''خبر کی بات مت کیجیے دلہن ہمیں تو آپ کے پل پل کی خبر تھی۔''

''خبر کیسے تھی ایک فون تک تو کیا نہیں۔'' اس نے چڑ کر کہا۔

''تمہیں انتظار تھا فون کا؟'' عرفات نے اس کی طرف ذرا سا جھک کر شوخ سے انداز میں پوچھا تو عیشہ بری طرح جھینپ گئی۔

''کوئی انتظار نہیں تھا مجھے آپ کے فون کا مجھے جیتے جی مار ڈالا اور اب اٹھا کر اپنے گھر لے آئے۔ دور ہوجائیں یہاں سے بہت کیئرلیس ہیں آپ۔''

''یہ بات مت کہیے مسز عرفات تمہارے جانے کے بعد میں نے تمہاری بہن سے کانٹیکٹ کیا تھا۔''

''کیا مطلب آپ نے انہیں سب کچھ بتادیا تھا؟'' عیشہ نے آنکھیں پھاڑیں۔

''کیا نہیں بتانا چاہیے تھا؟'' وہ ایک مرتبہ پھر شوخ ہوا۔ ''میڈم آپ کو اپنی عزت بنایا تھا تو بے عزت اور بدنام کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی زندگی میں شامل کرکے اسے خوش گوار بنانے کے لیے۔ انہوں نے میرے سامنے ہی فون کرکے تمہاری امی سے میرے اور

تمہارے رشتے کی بات کرلی تھی تاکہ وہ کسی اور کے لیے ہاں نہ کردیں لیکن کوئی شیطان پھر بھی آ ہی گیا تھا اور پھر آپ کی بہن نے فوری طور پر مجھ سے رابطہ کیا اور ان محترم کو چلتا کیا۔ بیگم صاحبہ ہم بھولنے والوں میں سے یا چھوڑ کے بھاگ جانے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

"اچھا اسی لیے اس دن بک اسٹال پر پہچانا تک نہیں؟"

"نہ صرف پہچان لیا تھا بلکہ تمہاری بکس کی پے مٹ بھی کی تھی لیکن تمہاری کزن کی وجہ سے تم سے بات نہیں کی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔" عرفات نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو عیشہ نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑالیا۔

"آپ نے میرے ساتھ برا کیا ہے۔ میں آپ کو معاف نہیں کروں گی۔" عیشہ نے بری طرح رونا شروع کردیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے پھر تو میں زندگی میں جو بھی غلطیاں کروں گا تم سے معافی نہیں مانگنی پڑے گی۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے چپ کرانا چاہا تو ایک دم سے کمرے کا دروازہ بجنے لگا۔

"اے عرفات میاں یہ دلہن اتنی بری طرح سے کیوں رو رہی ہے۔" دروازے کے پیچھے سے کسی خاتون کی آواز آئی۔

"پھوپو یہ خوشی کے آنسو ہیں دلہن اتنا اچھا دولہا مل جانے پر جذبات پر قابو نہیں رکھ سکی۔" عیشہ نے تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا۔ عرفات نے آگے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں بھرلیا اور اس کا خوش گوار قہقہہ کمرے میں گونج گیا تھا۔

قسط نمبر 24

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

بتول بیٹی کی شادی کے بعد غیر مطمئن اور خدشوں کا شکار رہتی ہے اسے لگتا ہے کہ جلد ہی شرمیلا طلاق کا داغ لیے واپس اس گھر میں لوٹ آئے گی ساتھ ہی بیٹی کے اچھے نصیب کے لیے بھی دعا گو رہتی ہے دوسری طرف شرمیلا بھی تنہائی اور خود ترسی کا شکار رہتی ہے اسے لگتا ہے کہ محبت کبھی اس پر مہربان نہیں ہوگی اور فائز اور نبیل کی طرح آزر بھی اس سے دور ہوجائے گا لیکن مہرین جلد ہی آزر کو شرمیلا کے پاس بھیج کر اس کے تمام خدشات دور کردیتی ہے آزر بھی شرمیلا کے حسن سے مرعوب ہوکر اپنی بے التفاتی کا مداوا کردیتا ہے جس پر شرمیلا کھل اٹھتی ہے۔ دوسری طرف مہرین کو لگتا ہے کہ اب آزر کبھی اس کی طرف لوٹ کر نہیں آئے گا اپنے بچھائے جال میں وہ خود ہی الجھتی رہتی ہے اور تنہائی کا شکار ہوجاتی ہے۔ سفینہ اور روشنی کے درمیان محبت کا رشتہ استوار ہوجاتا ہے ایسے میں روشنی میں مزید اعتماد پیدا کرنے کی خاطر سفینہ آفاق شاہ کے آفس میں اس کی جاب کی بات کرتی ہے جس پر آفاق کچھ متذبذب ہوتا ہے لیکن روشنی کو فائز کی زیرنگرانی کام کرتے دیکھ کر اسے سفینہ کی تجویز پسند آتی ہے فائز اول دن ہی روشنی کو تمام اصول وضوابط سے آگاہ کردیتا ہے اور اسے ایک بہترین ورکر کے طور پر سامنے لاتا ہے فائز کی ہمراہی میں روشنی مزید خواب سجالیتی ہے لیکن فائز روشنی کے ان جذبوں کو پزیرائی نہیں بخشتا' ایسے میں روشنی سفینہ کو تمام باتوں سے آگاہ کرتی اپنی پسندیدگی کے متعلق بتاتی ہے جس پر سفینہ اس کی مدد کرنے کی حامی بھرلیتی ہے' آفاق بھی اب جلد روشنی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے اسے فائز اور روشنی کا ساتھ پسند آتا ہے جب ہی وہ سفینہ سے روشنی کی شادی کی تیاری کی بات کرتا ہے روشنی بھائی کی بات سن کر شاکڈ رہ جاتی ہے ایسے میں سفینہ کی خاموشی اسے بدگمانی میں مبتلا کردیتی ہے دوسری طرف سفینہ اپنی گھریلو زندگی میں بے حد مگن ومسرور ہوتی ہے اتفاقیہ روڈ پر اسے یوں مطمئن وسرشار دیکھ کر فائز بے چین ہوجاتا ہے دوسری طرف آفاق شاہ کی اس قدر عنایات اسے الجھن میں ڈال دیتی ہیں۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

سفینہ کا دل اسے کسی پل بھی چین لینے نہیں دے رہا تھا' وہ سوچ رہی تھی کہ کتنے موسم آتے جاتے ہیں۔ کب کیسے سب کچھ بدل جاتا ہے پتا ہی نہیں چلتا۔ اس نے بھی تو موسموں کا دکھ جھیلا تھا۔ میں خود کو کتنا اکیلا محسوس کرنے لگی ہوں۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے عکس کو تکتے ہوئے سنہری آنکھوں میں پانی تیرتا دیکھتی رہی۔ سیاہ رنگ کے لباس میں اس کی سونے جیسی رنگت پیلی سی پڑ گئی تھی۔ لمبے براؤن بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے آگے جھک کر اپنی ہی آنکھوں میں جھانکا۔ نجانے وہ کیا تلاش کررہی تھی۔ شاید ماضی کی سفینہ جو مسز شاہ بننے کے بعد کہیں کھوگئی تھی۔

''محبت مرتی نہیں اور نہ ہی فنا ہوتی ہے لیکن حالات اور بے وفائی کی دھند اسے ابدی نیند سلا دیتی ہے۔'' اس نے ناگواری سے کاندھے کو جھٹکا۔

فائز کی کہی ہوئی یہ بات اسے اکثر یاد آتی مگر خیالات کی یلغار سے چھٹکارا پانے کے لیے اپنا ذہن دوسری طرف لگا لیتی کیوں کہ اب وہ نہ فائز کو یاد کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی اس کی باتوں کو۔ وہ اپنی زندگی میں مگن ہوگئی تھی مگر پچھلے دنوں فائز کے ساتھ سرِراہ ہونے والی ملاقات نے اسے بے چین کردیا تھا۔ اگرچہ اس نے فائز کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اسے دیکھ چکی ہے لیکن اب دل کا کیا کرتی' کئی دنوں تک کھوئی کھوئی سی رہی' یہاں تک کہ آفاق نے بھی اس کی سستی' کسلمندی اور چڑچڑاہٹ کا نوٹس لینا شروع کردیا' تب دل میں بجتی خطرے کی گھنٹی نے ہوش دلایا۔ اس نے خود کو سمجھایا۔

''دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا...... تمہارے ساتھ کوئی انوکھا تو نہیں ہوا؟'' دلائل سے دل کو قائل کرنا چاہا۔

''ناجانے کتنی لڑکیوں کی منگنیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور وہ شادی کے بعد خوش وخرم زندگی گزار رہی ہوتی ہیں۔ پھر میں کیوں اس بات کو خود پر سوار کر بیٹھی ہوں۔'' سفینہ نے اپنے آپ کو برے طریقے سے جھڑکا۔

''شاہ کی چاہت میں گم ہوکر مجھے کسی اور کے بارے میں سوچنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ اگر فائز اور اس کے بارے میں شاہ کو پتا چل گیا تو وہ کیسے ری ایکٹ کریں گے۔'' کئی دنوں سے دل میں چھپے خوف نے پھر سے سر اٹھایا۔

''شاہ جس قدر ٹوٹ کر مجھے چاہتے ہیں کیا میرا ماضی ان کے لیے قابل قبول ہوگا؟'' وہ کافی دیر تک ایک جگہ بیٹھی اسی بارے میں سوچتی رہی۔

''شاہ ایسے نہیں ہیں۔ میرا دماغ بلاوجہ ایسے اندیشوں میں گھرا ہوا ہے۔'' اس نے شوہر کی حمایت میں خود سے لڑائی کی۔

''مجھے ان پر پورا بھروسا ہے۔'' اس بات سے ایسی توانائی حاصل ہوئی کہ بالآخر وہ اپنی فضول سوچوں سے باہر نکل آئی اور وارڈ روب کھول کر آسمانی اور گلابی رنگ کا خوب صورت لباس نکالا۔ شاہ کے آفس سے واپس آنے کا ٹائم تھا' اس نے کپڑے تبدیل کرنے کے لیے ڈریسنگ روم کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

❁......❁......❁

وہ ایک عام سا دن تھا' ویسا ہی جیسا روزانہ ہوتا ہے لیکن جانے کیا ہوا کہ کام والی مائی چندا کے پیچھے لگ کر ایک ایک کونے کی دھلائی شروع کروائی۔ چندا نے پوچھا بھی کہ اماں کیا کوئی مہمان آنے والا ہے مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ بیٹھے بیٹھے اچانک ان کا دل چاہنے لگا کہ گھر کو صاف ستھرا کردیں کیا پتا شرمیلا آجائے۔ چندا کو کام میں مصروف چھوڑ کر وہ کچن میں گئیں' پانی پینے کے لیے فریج کھولا تو دیکھا' کئی دن کا دودھ جمع تھا' ایک وقت تھا کہ گھر میں ناپ تول کے اشیاء منگوائی جاتی تھیں اور اب قسمت نے یہ دن بھی دکھانا تھا کہ کھانے پینے کا سامان وافر مقدار میں رکھا ہوتا مگر جیسے اشتہاء نہ رہی۔ وہ پیٹ بھرنے کے لیے نہیں بلکہ زندہ رہنے کے لیے تھوڑا سا کھانا کھاتی تھی۔

''سارا دودھ ابلنے کو رکھ دوں۔'' بتول نے کچھ دیر سوچنے کے بعد بڑی پتیلی میں سارا دودھ جمع کیا اور ہلکی آنچ پر چڑھا دیا' چاول چن کر بھگوئے' بیٹھے بٹھائے میٹھا پکانے کی سوجھی۔

''شرمیلا کو فیرنی کس قدر پسند ہے آجاتی تو خوش ہوجاتی۔'' چاول پیس کر دودھ میں ڈالتے ہوئے سوچا۔

''اماں میں جارہی ہوں۔'' چندا نے کپڑے دھونے کے بعد منہ ہاتھ دھویا اور چپل پہنتے ہوئے اطلاع دی۔

''اچھا......'' بتول نے چولہے کی آنچ دھیمی کرکے زور سے جواب دیا۔

وہ صحن کے بیچوں بیچ کھڑی تھی' چندا کے جانے کے بعد کمر پر ہاتھ رکھ کر گہری نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا' ہر شے دھلنے کے بعد نکھری سی گئی تھی۔ برآمدے میں لگے آسمانی ٹائلز ایسے چمک اٹھے جیسے ابھی نئے لگوائے ہوں' بتول نے سکون کا سانس لیا اور دروازہ بند کرکے لوٹیں تو نماز پڑھنے کا سوچا اور واش بیسن کی طرف چل دیں تاکہ وضو کرسکیں۔ معمول کے

مطابق صحن میں بچھے تخت پر ہی ظہر کی نماز کی ادا کی اس کے بعد قرآن شریف کھول کر بیٹھ گئیں۔ تلاوت ختم کرنے کے بعد قرآن شریف کو عقیدت سے آنکھوں سے لگا کر چوما اور احتیاط سے جزدان میں لپیٹ کر سامنے رکھی رحل پر رکھ دیا۔ وہ اب تسبیحات میں مشغول ہوگئیں، تسبیح مکمل کرکے جائے نماز پر رکھی تو لمحہ بھر میں دھیان شرمیلا کی طرف چلا گیا تو دعا کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا دئیے۔ نم آنکھوں سے افق پر بکھرے رنگوں کو دیکھا، منظر دھندلا سا گیا تھا۔ ہونٹ مسلسل ہلنے لگے۔

"یا اللہ میری بچی پر رحم فرمادے۔" وہ اپنے رب کی بارگاہ میں بیٹی کی خوشیوں کے لیے جھولی پھیلا کر بیٹھ گئیں۔ کہتے ہیں ماں کی دعا خالی نہیں جاتی، بتول نے دل کی گہرائیوں سے اللہ سے مانگنا شروع کردیا۔

"تیرے دربار میں کس چیز کی کمی ہے میرے مالک شرمیلا نے بچپن سے بہت دکھ جھیلے ہیں، اب اس کے دامن کو خوشیوں سے بھردے، بس ایک نظر کرم فرمادے۔ اُس کو خوشیاں عطا کردے۔ اِس کا نصیب کھول دے۔ ہم بہت گناہ گار ہیں، ہماری خطاؤں کو معاف کردے۔" رقت سے دعائیں مانگتے ہوئے بتول کا گلا خشک ہونے لگا تھا۔

"آمین ثم آمین۔" چہرے پر ہاتھ پھیر کر دل میں کہا اور گاؤ تکیہ سے ٹیک لگالی۔

بیٹھے بیٹھے ایک دم غنودگی چھانے لگی، تو آنکھیں خود بخود بند ہوگئیں اچانک دروازے کی بیل کے بجنے سے ان کے سوئے ہوئے حواس بیدار ہوئے، وہ چونکیں۔ چھوٹی تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

❁.....❁.....❁

مرحلہ رات کا جب آئے گا
جسم سائے کو ترس جائے گا
چل پڑی رسم جو کج فہمی کی
بات کیا پھر کوئی کر پائے گا
سچ سے کترائے، اگر لوگ یہاں
لفظ مفہوم سے کترائے گا
اعتبار اس کا ہمیشہ کرنا
وہ تو جھوٹی بھی قسم کھائے گا
تو نہ ہوگی تو اے شام فراق
کون آکر ہمیں بہلائے گا
ہم اسے یاد بہت آئیں گے
جب اسے بھی کوئی ٹھکرائے گا
کائنات اس کی مری ذات میں ہے
مجھے کھو کر وہ کسے پائے گا
نہ رہے جب وہ بھلے دن بھی قتیل
یہ زمانہ بھی گزر جائے گا

سفینہ قتیل شفائی کی مشہور غزل گنگناتے ہوئے ایک عجیب سی الجھن کا شکار ہوگئی۔ کچھ تو ہوا تھا آفاق اچانک اس کے ماضی کے حوالے سے پُرتجسس ہوگیا تھا، وہ بہانے بہانے سے بات نکال کر بیٹھ جاتا، وہ جو بڑے یقین سے سوچ رہی تھی کہ شاہ اس پر شک نہیں کریں گے، اب کرید کرید کر بیتی باتوں کے بارے میں پوچھتے۔ سفینہ کا خوف سچ ثابت ہونے لگا

تھا' جانے وہ کیوں بدل گئے تھے اس بات کے پیچھے کیا وجہ تھی سفینہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''اچھا تو خان ہاؤس میں تمہارے تایا کی فیملی بھی رہتی تھی ناں؟'' سفینہ کو کل رات شاہ کے کیے گئے سوال یاد آئے۔

''تم لوگوں کا میل ملاپ کس وجہ سے ختم ہوا؟'' اس نے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا' سفینہ کے لیے شوہر کو مطمئن کرنا مشکل ہوگیا تھا۔

''ان کا ایسا رویہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا'' سفینہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ وہ کیا جاننا چاہتا ہے۔ رات بھر سفینہ کو نیند نہیں آئی۔

''کہیں انہیں میرے اور فائز کے حوالے سے کوئی بات تو پتا نہیں چل گئی......'' اس کے دل میں اندیشے نے سر اٹھایا۔

''نہیں......نہیں......ایسا نہیں ہوسکتا'' سفینہ نے فوراً خود کو جھٹلایا۔

''ویسے بھی مجھے ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔ شاہ ایسے مزاج کے نہیں ہیں......'' ایک بار پھر خود کو دلاسہ دینا چاہا۔

''مگر انہیں کس بات کی کرید ہورہی تھی کہیں انہیں میرے ماضی کی بھنک تو نہیں پڑ گئی؟ فائز' آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا''

اس کا ذہن سوچتے ہوئے فائز کی جانب چلا گیا' وہ ہفتہ بھر قبل ایک ٹریفک سگنل پر کھڑی گاڑی میں اسے دیکھ کر انجان بن گئی تھی' پھر بھی چور نگاہوں سے دیکھا تو وہ پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور دکھائی دے رہا تھا' نگاہوں نے ایک بار پھر اس کا تعاقب کرنا چاہا مگر خود کو بری طرح سے جھاڑا وہ اب مکمل طور پر شاہ کی ہوچکی تھی اور فائز اس کے لیے غیر تھا' اسی لیے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کیے ایسے ہی موبائل پر جھوٹ موٹ میں باتوں میں مگن رہی۔ وہ اس کی جانب متوجہ ہوکر سلام دعا بھی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ سفینہ نے زندگی کی کتاب میں فائز کا باب بند کردیا تھا اور اسے دوبارہ کھولنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا' اسی لیے انجان بن کر اس کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔ اس کے باوجود چند دنوں سے شاہ باتوں باتوں میں جو اس کے ماضی کو کریدنے بیٹھ جاتے' اس بات پر اسے شدید تشویش ہونے لگی تھی' وہ جو ایک وہم میں مبتلا تھی وہ کبھی کبھی سچ لگنے لگتا کہیں شاہ مجھ سے ناراض نہ ہوجائیں۔

❁......❁......❁

وہ دونوں ایک کافی شاپ میں میز پر آمنے سامنے بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ روشنی کتنی مشکلوں سے اس اکھڑ مزاج بندے سے دوستی کر پائی تھی' اب فائز اس سے اچھے انداز میں بات کرلیتا تھا' اس کی خواہش پر وہ دونوں تھوڑا ٹائم بھی ساتھ گزار لیتے تھے۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی سنگت میں مطمئن دکھائی دیتے تھے۔ روشنی تو اسے جی جان سے چاہنے لگی تھی مگر فائز کو اس میں سفینہ کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور شاید اسی لیے لاشعوری طور پر وہ مزاج کے خلاف جاکر بھی روشنی کی بات مان جاتا۔

''کافی سے زیادہ بدذائقہ شے کوئی اور نہیں ہوگی پھر بھی صرف آپ کی وجہ سے پی لیتی ہوں'' روشنی نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بڑی ادا سے کہا۔

''بڑی مہربانی آپ کی'' وہ ہنسنے لگا تو روشنی کے اندر تک خوشیاں سرایت کرگئیں۔

''مینشن ناٹ'' اس نے بڑی ادا سے ناک سکیڑی تو فائز کو سفینہ کی یاد آگئی۔

''کہاں کھوگئے رومیو؟'' اس نے خیالوں میں کھوئے ہوئے فائز کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ ماضی سے لوٹ آیا۔

''تم مجھے رومیو کیوں کہتی ہو بھئی میرا نام فائز ہے'' اس نے کافی کا سپ لیتے ہوئے روشنی کو جتانا چاہا۔

''ہاں......ہاں مجھے پتا چلا تھا کہ آپ کا اصلی نام فائز ہے مگر آپ پر رومیو نام ہی جچتا ہے'' روشنی نے ہنستے ہوئے بال

سنوارے تو وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

''یہ عاصم کے بچے کی شرارت ہے۔ اس نے میرا نام ایسا بگاڑا کہ میں خود بھول گیا ہوں اب اپنا اصلی نام۔'' وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''اچھا اب چلیں بہت دیر ہوگئی ہے۔'' فائز نے بل پے کرنے کے بعد گاڑی کی چابی اٹھائی اور روشنی کو اشارہ کیا۔

''ہاں میں بھی ڈرائیور کو کال کر کے بلاتی ہوں۔'' روشنی نے سر ہلایا اور پرس میں سے سیل فون نکالا۔

''چلو اب پرسوں ملاقات ہوگی۔'' فائز نے ہاتھ لہرایا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''کاش سنڈے کو بھی آفس کھلا ہوتا تو میں چھٹی والا دن بھی رومیو کی سنگت میں گزارتی؟'' روشنی نے مسکرا کر اسے جاتے ہوئے دیکھ کر سوچا۔

''میرے لیے ایک دن رومیو کو دیکھے بغیر گزارنا سوہان روح ہو جاتا ہے اور جو تا عمر کی جدائی راہ میں حائل ہوگئی تو میرا کیا بنے گا۔'' روشنی نے سن گلاسز آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے سوچا۔ وہ اس کی زندگی کے خوب صورت پل ہوتے جو وہ رومیو کی سنگت میں گزارتی' دھیرے دھیرے ان دونوں کے بیچ میں ایک بے غرض اور مخلصانہ تعلق استوار ہو رہا تھا' جس کے پیچھے زیادہ تر روشنی کی کوشش کارفرما تھی۔

''بھابی...... آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا' کیا ہو جاتا جو بھائی سے بات کر لیتی تو......'' اس نے دل ہی دل میں سفینہ کو افسردگی سے مخاطب کیا۔

وہ پچھلے کئی دنوں سے سفینہ سے ناراض تھی جس نے آفاق شاہ کے سامنے اس کے حق میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اب تو روشنی خود موقع کی تلاش میں تھی کہ کسی طرح آفاق کے سامنے رومیو کے لیے اپنی پسندیدگی ظاہر کر سکے' مگر اسے اب تک ایسا موقع میسر نہ آسکا تھا۔ وہ رومیو کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی' وہ چاہ کر بھی رومیو کے سامنے اپنے دل کی بات نہ کہہ سکی تھی۔ ایک وقت تھا جب ہفتے کی دو چھٹیاں اسے دل و جان سے بھاتی تھیں مگر دل کے حالات کیا بدلے ہر شے بدل گئی۔ چھٹی کس قدر ضروری ہوتی ہے' روشنی کو اس بات کا بہت اچھی طرح سے احساس تھا مگر وہ تو اب پورا ہفتہ کام کرنے کی ہمت خود میں پاتی تھی' صرف رومیو کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا اسے مقصود تھا اسی لیے بغیر کسی چھٹی کے روزانہ پورے جی جان سے دفتر جانا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے پاگل پن پر خود کو لتاڑا اور آنکھیں موند لیں۔

❀......❀......❀

''امی کہاں ہیں۔'' بتول کے کانوں میں شرمیلا کی چہکتی ہوئی صدا پہنچی تو جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

ایسے اچانک بغیر اطلاع کے کیسے آگئی' دل میں اندیشے پیدا ہوئے مگر جب اس کا چمکتا چہرہ دیکھا تو اندر تک اطمینان چھا گیا۔ چھوٹی نے بیل کی آواز پر کمرے سے نکل کر مین گیٹ کھولا اور بہن سے لپٹ گئی۔ وہ دونوں ساتھ اندر داخل ہوئیں تھیں۔

''السلام علیکم۔'' خوش دلی سے بیٹی کو جتایا جو ہیلو ہائے کے چکر میں پڑ گئی تھی۔

''وعلیکم السلام! میری پیاری امی جان۔'' شوخی شرمیلا کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی' کچھ تو خاص تھا' اس کی ہنسی میں بڑی کھنک محسوس ہوئی۔

رسٹ اور گولڈن کنٹراسٹ کے کرتے اور چوڑی دار پاجامے میں سونے کی ہلکی جیولری' پشت پر بکھرے کھلے بالوں کے ساتھ ہاتھ میں قیمتی پرس دبائے وہ واقعی بہت حسین اور پُراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔

"آزر میاں نہیں آئے ایک فون ہی کردیتی۔"
"نہیں وہ کہاں آتے ہیں۔ آپ کی یاد ستانے لگی تو میں نے سوچا اچانک پہنچ کر سرپرائز دوں۔" شرمیلا نے ہنستے ہوئے ان کے گرد بانہیں پھیلائیں۔
"ماشاء اللہ بہت حسین لگ رہی ہے میری بچی۔" بتول بیگم نے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔
"وہ تو میں شروع سے ہی ہوں۔" اس نے ادا سے نخرہ دکھایا۔
"کوئی نہیں آپی اب زیادہ پیاری لگنے لگی ہو۔" چھوٹی نے مخالفت کی۔
"کیوں امی میں پہلے خوب صورت نہیں تھی؟" شرمیلا پر شرارت سوار تھی۔
"بالکل نہیں۔" چھوٹی نے نفی میں سر ہلایا۔
"بڑی بہن سے زبان لڑانے کی جگہ جاکر ٹھنڈا سا شربت بنا کرلاؤ۔" بتول نے چھوٹی کو ہدایت دی تو شرمیلا نے امی کو دیکھ کر کالر کھڑے کیے۔
"مجھے کھٹا میٹھا سکنجبین بنا کر دینا۔" شرمیلا کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔
"کیوں آپ کوئی مہمان ہو؟" وہ ہنستی ہوئی بولی اور بتول کو چپل اٹھاتا دیکھ کر اندر کی جانب دوڑی۔

"بہت آرزو ہے گلی کی تیری۔" اس نے بستر پر لیٹ کر سوچا۔
"کیا میری یہ خواہش کبھی پوری ہوگی۔" روشنی نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔
"میرے ساتھ ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا ہے' جو دل سے مانگوں وہ ہی نہیں ملتا' جسے چاہوں وہ دھوکا دیتا ہے...... ویسے ہی جیسے بھابی نے رومیو کے معاملے میں میرا ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا اور اچانک بغیر کسی وجہ کے پیچھے ہٹ گئی میرے ساتھ دھوکا کیا۔" روشنی کا غصہ ایک بار پھر عود آیا۔
"روشنی بیٹا...... بھابی صاحبہ بلارہی ہیں۔" عائشہ بیگم بے دھڑک کمرے میں داخل ہوئی اور سفینہ کا پیغام پہنچایا تو اس کے خیالوں کی رو بھٹکی۔
"کیوں ان کو کیا کام ہے؟" طنز سے پوچھا۔
"یہ تو مجھے نہیں پتا۔" عائشہ بیگم نے جان بوجھ کر جھوٹ گھڑا حالانکہ سب کھانے پر اس کا انتظار کررہے تھے اور سفینہ نے اسے بلانے کو بھیجا تھا۔
"عشو بیگم ان کو بول دیں میں بہت ضروری کام کررہی ہوں۔ ابھی نہیں آسکتی۔" اس نے بہانہ بنایا اور سر جھکا کر بظاہر پیروں کے ناخنوں کو رنگنے کا کام کرنے لگی۔
"اچھا بیٹا ٹھیک ہے۔" عائشہ بیگم کا چہرہ کھل اٹھا مگر وہ گئی نہیں۔
"اب کیا ہے؟" روشنی نے ان کی موجودگی کو محسوس کیا تو سر اٹھا کر پوچھا۔
"وہ بیٹا کچھ پیسے ہوں گے' گاؤں بھجوانے ہیں' میرا بیٹا بیمار ہے۔" نم لہجہ بناتے ہوئے جھوٹ گھڑا۔
"کتنے پیسوں کی ضرورت ہے۔" روشنی نے فکرمندی سے پوچھا اور پاس پڑا والٹ اٹھایا۔
"تم جتنے بھی دے سکو۔" عائشہ بیگم نے ندیدی نگاہوں سے اس کے والٹ کو جانچا۔
"یہ لیں دس ہزار روپے اور اپنے بیٹے کا ٹھیک طرح سے علاج کروایئے گا۔" روشنی کو کل ہی آفس سے سیلری ملی تھی ہزار کے کرارے نوٹوں میں سے دس علیحدہ کرکے بڑھائے۔

"جیتی رہو......خوش رہو۔" عائشہ بیگم نے جلدی سے پیسے تھام کر گریبان میں چھپا لیے۔
"اللہ دل کی مراد پوری کرے۔"
"من چاہا جیون ساتھی مل جائے۔" چالاکی سے وہ دعائیں دینے لگیں جس کی روشنی کو شدید ضرورت تھی۔
"آمین۔" روشنی کے لب ہلے۔
جب سے روشنی نے سفینہ سے بے رخی اختیار کرنا شروع کی تھی عائشہ بیگم کی بن آئی تھی وہ بہانے سے اسے لوٹتی رہتی ورنہ اس سے پہلے تو سفینہ نے اس کا حقہ پانی بند کر رکھا تھا مجال ہے جو تنخواہ کے علاوہ وہ ایک روپیہ فالتو بھی لے سکیں یا چوری چکاری کر سکیں۔ اسی لیے تو وہ روشنی کو اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتی تھی تاکہ اس کی نرم دلی کا فائدہ اٹھا کر روپے پیسے اینٹھتی رہیں۔ پیسے کے نتیجے میں وہ ان دونوں کے بیچ قائم خلیج کو گہرا کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار بیٹھی تھی۔

❁......❁......❁

"اچھا ہوا تم آ گئی۔ میرا بھی تم سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا۔" بتول اس کا ہاتھ تھام کر لاؤنج میں لے آئیں شرمیلا نے سہج سہج کے قدم رکھے۔
"تم بیٹھو میں نے فیرنی پکائی ہے لے کر آتی ہوں۔" بتول کو اچانک خیال آیا تو کچن کی جانب قدم بڑھائے۔
"نہیں امی جب سے طبیعت خراب رہنے لگی ہے منہ کا ذائقہ عجیب سا ہو گیا ہے۔" بتول نے چونک کر بیٹی کے وجود کو نگاہوں سے ٹٹولا۔
"ہر وقت جی مالش کرتا ہے میٹھا کھانے کا تو بالکل دل نہیں کرتا۔" اس نے ناک سکیڑ کر انکار میں سر ہلایا اور بے خیالی میں تفصیل بتاتی چلی گئی۔ بتول کی جہاندیدہ نگاہیں خود پر مرکوز پا کر اس کی بولتی ایک دم بند ہو گئی۔
"خیر تو ہے تمہاری طبیعت کو کیا ہوا......ڈاکٹر کو دکھایا؟" وہ ایک دم سے سوال پہ سوال کرنے لگیں۔
"دکھایا تھا۔" شرمیلا نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اچھا کہیں کوئی خوش خبری تو نہیں؟" ان کے لہجے میں تشویش اور شرمیلا کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایک ہی وقت میں متضاد بات کا ہونا عجیب تھا۔ شرمیلا نے ابھی تک ماں کو اپنی حالت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا فون پر بتانے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی وہ تو آزر نے اتنا اصرار کیا اپنے میکے والوں سے تو یہ خوش خبری شیئر کرو تو وہ خاص طور پر یہی بات بتانے آئی تھی۔
"کیا ہو......بولتی کیوں نہیں؟" بتول نے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔
"جی امی وہ......" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا نگاہیں جھکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔
"نہیں۔" بتول کا چہرہ خوف سے فق ہو گیا۔ وہ ایک ٹک بیٹی کو گھورتی چلی گئیں۔
"تو کیا شرمیلا کے واپسی کے دن گننا شروع کر دوں۔" ایک ہی سوال ان کے دماغ میں گونجنے لگا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھنے لگیں۔ جبکہ شرمیلا ماں کے انداز پر حیرت زدہ رہ گئی۔

❁......❁......❁

روشنی کو کچھ دیر بعد اپنی بدتہذیبی کا احساس ہوا تو وہ بے اختیار باہر نکلی اور سفینہ کو ڈھونڈتی ہوئی ڈائننگ روم کی جانب بڑھی جہاں سے باتوں کی آوازوں اور کھانے کی اشتہا انگیز خوشبوئیں آ رہی تھیں بھوک چمک اٹھی اسے ایک دم یاد آیا کہ مصروفیت کے باعث آفس میں لنچ بھی نہیں کر پائی تھی صرف رومیو کے ساتھ ایک کپ کافی ہی پی تھی وہ تیز قدموں سے ڈائننگ روم میں داخل ہوئی مگر یہ کیا وہ دونوں ڈنر کر چکے تھے اور اب سفینہ برتن سمیٹ رہی تھی اس کے دل میں کانٹا سا چبھ

گیا۔ سفینہ نے رومال میں روٹیاں لپیٹے ہوئے اسے دیکھا۔ بھائی اور بھابی نے اس کے بغیر کھانا کھانا بھی شروع کردیا ہے ورنہ اس سے پہلے وہ تینوں رات کا کھانا ہمیشہ ساتھ کھاتے تھے۔ وہ گم صم سی کھڑی منفی انداز میں سوچنے لگی۔

''روشنی آؤ ناں کھانا نکالوں؟'' سفینہ نے صاف پلیٹ سیدھی کرکے اس کا خوش دلی سے استقبال کیا۔

''آپ لوگوں نے کھالیا؟'' اس نے اپنے تئیں طنز کیا مگر وہ سمجھی نہیں۔

''ہاں ابھی تو کھایا ہے۔'' سفینہ نے سر ہلایا اور سادگی سے جواب دیا۔

''نہیں رہنے دیں' مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ بے دلی سے بولتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف مڑی۔ روشنی کے دل میں غبار بڑھتا چلا گیا' سفینہ اس کے انداز پر اندر ہی اندر الجھ رہی تھی۔

سفینہ نے کھانا شروع کرنے سے پہلے عائشہ بیگم کو روشنی کے کمرے میں یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ وہ دونوں اس کا ڈنر پر انتظار کررہے ہیں مگر عائشہ بیگم نے وہاں سے آکر اطلاع دی کہ روشنی کسی ضروری کام میں مصروف ہے' اسے دیر لگے گی' اس لیے شاہ کے کہنے پر اس نے مجبوراً کھانا شروع کردیا تھا۔ اب ان کے کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد ہی وہ باہر آگئی اور اظہار حیرت کررہی تھی جیسے اسے کچھ پتا نہیں ہو۔

''روشنی کے رویے سے یوں لگ رہا تھا جیسے اسے ان لوگوں کا ڈنر کرنا اچھا نہیں لگا۔'' اس نے نگاہ اٹھا کر سوچا۔ کہیں عائشہ بیگم نے ان دونوں کے بیچ پھر سے کوئی بدگمانی تو پیدا نہیں کردی' اس نے واپس جاتی ہوئی روشنی کو دیکھا۔

''یہ عشو بیگم' کیوں میری ازدواجی زندگی کے پیچھے پڑگئی ہیں۔'' وہ بڑبڑائی اور چمچہ میز پر پھینک کر اپنا غصہ اتارا۔

❁........❁........❁

نفاست سے سجا بڑا سا روم' وسیع و عریض نیا بیڈ' گلاس ونڈو پر لہراتے ریشمین قیمتی پردے اور کھلی کھڑکی سے آتی پُرلطف ٹھنڈی سمندری ہوائیں۔ نبیل کی ہمراہی میں اندر داخل ہوتی مومل کا دل پُرسکون ہوگیا' نئے آشیانہ ہونے کے باوجود اسے اپنائیت کا احساس ہوا' نگاہ اٹھائی تو سامنے دیوار پر لگی' شادی کی بڑی سی تصویر اپنے ساتھ کچھ حسین یادیں لے آئیں' دلہن بنی مومل دلکشی سے مسکراتی ہوئی بہت خوب صورت لگ رہی تھی' جبکہ نبیل کے چہرے کے تاثرات نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔ مومل تو فوراً ہی بستر پر دراز ہوگئی مگر نبیل نے نوکر کو آواز دے کر جیپ سے سامان نکلوانے کا حکم دیا۔ شہر آتے ہوئے نبیل نے پورے سفر میں اس کے آرام کا بے حد خیال رکھا تھا اس کے باوجود جب سے اس کا مس کیرج ہوا تھا' وہ اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ چھوٹی سے چھوٹی شے بھی اس کے لیے بڑی بھاری ہوجاتی۔

''تم ٹھیک ہو یا میں ڈاکٹر صاحبہ کو بلوالوں۔'' نبیل نے اس کے قریب آکر گہری نظروں سے بیوی کا جائزہ لیا جو آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔

''آں...... نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' مومل نے آنکھیں کھول کر سامنے بیٹھے شوہر کو جواب دیا۔

''کچھ کھانے کے لیے منگواؤں؟''

''نہیں۔''

''خوش نہیں لگ رہیں؟'' نبیل نے بے چینی سے پوچھا۔

''نہیں...... بس ذرا تھک گئی ہوں۔'' وہ دور خلاؤں میں گھورنے لگی۔

''اوہ...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

''جی پریشان مت ہوں۔'' وہ اس کے سوالات پر بیزار ہونے لگی۔

''مومل...... ادھر دیکھو میری طرف کیا سوچ رہی ہو؟'' نبیل نے اس کا چہرہ اپنی طرف زبردستی موڑا۔

”کچھ خاص نہیں ایسے ہی کچھ سوچ رہی تھی۔“

”مجھ سے شیئر نہیں کرو گی؟“

”نبیل...... ہم یہاں سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہے ہیں اور میں اتنی جلدی تھکنے لگی ہوں۔“

”کوئی بات نہیں میں ہوں ناں تمہارا ساتھ دینے کے لیے۔“

”ہاں مگر کب تک؟“ اس کی سوالیہ نگاہیں شوہر پر جم گئیں۔

”تا عمر...... آخری سانس تک۔“ اس نے ہاتھ تھپتھپا کر یقین دلایا۔

اچھا۔“

”یہ سچ ہے مجھے اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا ہی ہوگا۔“ اس کا لہجہ سنجیدگی کا حامل تھا۔ وہ ہاتھ ملتے ہوئے سوچنے لگا۔ ایک غم تھا جو اس پر آہستہ آہستہ اثر کرنے لگا تھا۔ وہ ایک دم چپ سی ہوگئی اور شوہر کی طرف دکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس حسین لمحے میں کھوگئی' جب اسے گاؤں کی دائی نے ماں بننے کی خوش خبری سنائی تھی۔

❁......❁......❁

وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی پر ایک مووی دیکھ رہے تھے' روشنی کے پیچھے عشو بیگم چائے کی ٹرے تھامے اندر داخل ہوئیں' بھابی سے ناراضگی اپنی جگہ مگر روشنی رات کے کھانے کے بعد بھائی کو اپنے ہاتھ کی چائے دینا نہیں بھولتی تھی۔ عائشہ بیگم نے سب کو چائے دی اور خود کارپیٹ پر بیٹھنے کے لیے پر تول رہی تھی۔

”بیگم...... آپ جا کر ذرا کچن صاف کر دیں۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ سفینہ نے انہیں اپنے بیچ سے ہٹایا۔ وہ منہ بناتی ہوئی اندر چل دیں۔ تینوں خاموشی سے چائے کی چسکیاں لینے لگے۔

”پرنسز...... یہ کچھ پیسے رکھ لو اور کسی دن روشنی کو لے جا کر اس کی پسند کے کپڑے دلا دو۔“ شاہ نے جیب سے ایک موٹا لفافہ نکال کر بیوی کی جانب بڑھایا۔

”میرے کپڑے؟“ روشنی نے سوالیہ نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔

”کپڑے...... کیسے کپڑے؟“ سفینہ نے اس کے خیالات کو زبان دے دی۔

”بھئی وہ تم لوگ کیا جہیز وہیز میں رکھتی ہو بھاری کامدار سوٹ۔“ شاہ نے چائے کا سپ لینے کے بعد شوخی سے جواب دیا۔

”بھائی کو میں کیسے سمجھاؤں؟ بھابی کچھ تو بولیں پلیز......“ روشنی نے سفینہ کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔

”شادی کب ہو رہی ہے' آپ پوری بات بتاتے کیوں نہیں؟“ سفینہ زچ ہو کر شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

”پہلے چائے تو پی لو شادی بھی ہو جائے گی۔“ شاہ نے چڑانے والے انداز میں کہا تو وہ جل کر کباب ہوگئی۔ شاہ ایک دم کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”میں نے کچھ اور بھی کہنا ہے۔“ اس نے منہ پھلا کر عجلت میں اسے روکا۔

”جی کہیے۔“ شاہ اب جھکتے ہوئے مکمل طور پر بیوی کی جانب متوجہ ہوا۔

”روشنی کی شادی کس سے کرنے کا ارادہ ہے کچھ بتائیں گے بھی؟“ اس نے پریشانی سے پوچھا' روشنی کا دل زور سے دھڑکا۔

”بتا دوں گا یار ایسی جلدی بھی کیا ہے۔“ وہ سسپنس پھیلاتا ہوا واش روم کی طرف بڑھا۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا۔“ اس نے جھنجلا کر پیچھے سے کہا تو شاہ مسکرا دیا۔ اسی لمحے روشنی کی برداشت جواب دے گئی۔

بھائی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"بھائی کیا شادی کے حوالے سے میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں؟" اس نے ایک دم سوال کیا۔

"اپنے بھائی پر بھروسا رکھو۔ میری اور تمہاری پسند الگ نہیں ہوگی۔" شاہ نے اسے مزید بولنے کا موقع ہی نہیں دیا ایک مسکراہٹ اس کی نذر کرتا ہاتھ دھونے واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" روشنی نے غصے میں پاؤں جھٹکے اور سفینہ پر ایک غصے بھری نگاہ ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف لوٹ گئی۔ سفینہ کے من میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

"شاہ روشنی کی شادی کی تیاریوں میں یوں مگن ہیں جیسے سب طے پا گیا ہو مگر ہمیں کچھ بتاتے ہی نہیں، جانے کیوں اتنا سپنس پھیلایا ہوا ہے۔" وہ ایک دم نقاہت زدہ سی ہوگئی۔

"روشنی کا الگ موڈ آف ہے۔" اس کا دماغ پکنے لگا میز پوش کا کونا ہاتھوں میں بھینچ لیا۔

"ماحول دن بہ دن خراب ہوتا جا رہا تھا۔ میں اپنے گھونسلے کو بکھرنے سے کیسے بچاؤں۔" وہ سر پکڑ کر سوچنے لگی، دماغ میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

"یا اللہ رحم فرما۔" ان سب باتوں نے مل کر سفینہ کو پاگل کر رکھا تھا۔ روشنی کی بے رخی اور شاہ کے بدلے تیور اسے گھائل کیے دے رہے تھے۔

"زندگی ایک بار پھر کٹھن راہ پر چل پڑی ہے۔" اچانک اس کا سر چکرانے لگا، وہ میز کا کونا پکڑ کر زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ شاہ جو ہاتھ دھونے کے بعد ٹشو سے پونچھتا ہوا باہر آ رہا تھا سفینہ کی زرد پڑتی رنگت اور زمین پر بیٹھتا دیکھ کر اسے تھامنے کو لپکا، بیوی کی بگڑتی ہوئی طبیعت پر شاہ ایک دم گھبرا گیا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

مومل گاؤں میں تھی جب اچانک ایک دن اسے ماں بننے کی خوش خبری ملی تو اس سے وابستہ ہر فرد خوش ہو گیا مگر نبیل اس بات سے بے خبر اس وقت شہر میں شرمیلا کے پیچھے پاگل بنا ہوا تھا، مومل اسے خود یہ خوش خبری سنانا چاہتی تھی اسی لیے بغیر اطلاع دیے شہر پہنچنے کی منصوبہ بندی کرنے لگی مگر اس کے وفاداروں کی ایک فون کال آئی اور اس کے اندر خزاں اتر آئی، دل پر گہری اداسی کا راج تھا۔ وہ یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھی کہ نبیل نے شرمیلا کو ویران گھر میں بند کر دیا ہے اور دوسرے نکاح کی تیاریوں میں مشغول ہے، وہ اندر تک لرز گئی ایک انجانا سا ڈر اس کے وجود میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اسی لیے وہ عین وقت پر شرمیلا کے ساتھ ساتھ اپنی ازدواجی زندگی کو بھی بچانے پہنچی مگر اس دوڑ بھاگ کا نتیجہ بڑا خطرناک نکلا مسلسل ٹینشن اور لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ایک دن اس کی طبیعت بگڑ گئی اور وہ آئی سی یو میں جا پہنچی اور بالآخر اس کی کوکھ اجڑ گئی تھی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

آفاق شاہ سفینہ کو بانہوں میں اٹھا کر کمرے کی جانب بڑھا اور بڑی احتیاط سے اسے بیڈ پر لٹا دیا۔

"گاڑی نکالو۔" کال کر کے ڈرائیور کو حکم دیا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا میں ٹھیک ہوں۔" سفینہ نے ڈاکٹر کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔

"خاک ٹھیک ہو۔ چہرہ دیکھا ہے اپنا۔" شاہ نے اس کا چہرہ اپنی جانب گھمایا اور فکر مندی سے اس کی لٹ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا۔

"شکر ہے آپ کو میرا خیال تو آیا۔" شکوہ اس کے گلابی لبوں پر مچلا۔ وہ ایک دم شرمندہ ہو گیا، اسے خود پر افسوس ہونے لگا۔

شاہ کو سفینہ کی حالت سے احساس ہوا کہ وہ پچھلے دنوں سے کس قدر ذہنی دباؤ کا شکار رہی ہے۔وہ پچھتایا کہ اس کا رویہ خاصا غیر مناسب ہوگیا تھا' اس نے نگاہیں اٹھائیں تو سفینہ کے چہرے پر پھیلی معصومیت اور سچائی نے دل پر چھائی کثافت کو دور کردیا تھا۔وہ اندر سے ہلکا پھلکا ہوگیا۔

''ضد نہ کرو چلو چل کر ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں۔'' شاہ نے ہاتھ تھام کر بیوی کو اٹھانا چاہا۔

''نہیں......میں ٹھیک ہوں ہلکا سا چکر ہی تو آیا ہے آپ تو ایسے ہی پریشان ہوجاتے ہیں۔'' وہ خود پر قابو پاکر بولی۔

''پرنسز......آپ نے تو میری جان ہی نکال کر رکھ دی تھی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''آپ بھی ناں۔'' سفینہ اس کے پاگل پن پر مسکرادی۔

''کیا میں بھی ناں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قریب ہوکر بولا۔

''میری طبیعت ٹھیک ہوگئی ہے آپ بھی جاکر سوجائیں۔'' بیچارہ سامنہ بناکر بہانہ بنانے پر آفاق کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اس نے بڑی محبت سے' سفینہ کا ہاتھ پکڑا۔نرم وملائم سنہری ہاتھ۔

آفاق کو اس کے ہاتھ شروع سے بہت اچھے لگتے تھے۔گلابی مائل سنہری ایسے جیسے تراشے ہوئے ہوں۔وہ بے اختیار انہیں ہونٹوں کے قریب لے جاکر نرمی سے چوم بیٹھا' سفینہ کے چہرے پر گلابیاں سی چھلک اٹھیں' فوراً ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

''میں جوس لے کر آتا ہوں۔'' اس نے مسکراہٹ دبائی اور کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا ہی ہوگا۔'' وہ بڑی نقاہت محسوس کررہی تھی پھر بھی ہمت جمع کی' اسے اندازہ تھا کہ بستر پکڑ لینے سے وہ روشنی سے مزید غافل ہوجائے گی۔

❁......❁......❁

بیش قیمت بیڈ پر روشنی اپنے نرم وملائم تکیہ پر ریشم جیسے بال پھیلا کر لیٹ گئی' اس نے جب سے بال سیدھے کروائے تھے وہ چہرے کی مناسبت سے بہت اچھے لگتے تھے۔شب خوابی کا ہلکے گلابی رنگ کا سوٹ بھی اس کی شخصیت سے میل کھا رہا تھا۔کافی دیر سے تکیہ پر سر رکھے سونے کی سرتوڑ کوشش کرلی لیکن نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوکر نہیں دی۔

''کیا کسی کی آنکھیں اتنی گہری اور جادو بھری بھی ہوسکتی ہیں کہ کوئی ان میں دیکھے تو دیکھتا ہی چلا جائے۔'' روشنی نے آنکھیں بند کیں اور رومیو کا تصور اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔

''آپ تک میرے جذبات کیوں نہیں پہنچتے۔'' روشنی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''خوب صورتی کا معیار ہر انسان کے لیے الگ ہوتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''ہوسکتا آپ لوگوں کے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتے ہوں مگر میرے لیے بہت اہم ہیں۔'' یہ سوچتے ہوئے روشنی نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا۔ ''کیا آپ میرے ہوسکتے ہیں؟'' دماغ نے ایک نکتہ اٹھایا تو پوچھا۔ ''کچھ بھی ہو میں آپ کو اپنا بنا کر رہوں گی۔'' اس کے دل نے فوراً جواب دیا۔ ''بھابی نے میری خوشیوں کی رتی بھر پروا نہیں کی اب میں ان پر اعتبار نہیں کروں گی۔'' اس کے خیالات کی رو سفینہ کی طرف مڑ گئی۔ ''اگر بھابی میری ہیلپ نہیں کررہی تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے دانت کچکچا کر سوچا۔

''عشو بیگم نے کتنی بار مجھے ان کا اصل چہرہ دکھانا چاہا مگر میں ہی آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹھی تھی۔'' اس نے خود کو کوسا۔

''اور مجھے ان کے سامنے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ رومیو نہیں تو کوئی نہیں۔'' اس کے اندر کی ضد عود آئی۔

''بھابی نے کس قدر محبتوں کے دعوے کیے لیکن جب امتحان کا وقت آیا تو پیچھے ہوگئیں۔انہیں میرا خیال بھی نہ آیا جانتی بھی ہیں کہ میں رومیو کو چاہتی ہوں پھر بھی۔'' وہ سفینہ سے ناراض تھی۔

''دنیا میں سارے لوگ ایک جیسے ہی ہوتے ہیں' کسی کو کسی کی پروا نہیں ہوتی تو پھر میں کیوں ناں اپنے دل کی پروا

کروں؟" وہ منفی راہ پر چلنے کی جگہ دوڑنے لگی تھی۔

"میں خود رومیو تک اپنے دل کی بات پہنچاؤں گی تاکہ وہ بھائی سے میرا ہاتھ مانگ لیں۔" روشنی نے تہیہ کیا اور لیٹنے کے بعد گھبرا کر چہرہ چادر میں چھپالیا۔ جیسے چوری پکڑے جانے کا خدشہ ہو دل مسکرا اٹھا تھا۔

❁ ❁ ❁

نبیل نے ہاتھ ملتے ہوئے پشیمانی سے موبل کو دیکھا' جو خود بھی بہت پریشان و بے قرار دکھائی دے رہی تھی۔

"مجھے اعتراف کرنے دو کہ جن دنوں تمہیں میری ضرورت تھی میں تمہیں نظر انداز کیے ایک سراب کے پیچھے اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔" موبل نے زخمی نگاہوں سے شوہر کی طرف دیکھا' ذہن میں وہ ناگوار لمحے پوری شدتوں کے ساتھ در آئے تھے۔

"جب تمہیں ڈاکٹر نے پُرسکون رہنے کی تاکید کی تھی' میری وجہ سے تم ہر وقت ڈپریشن میں رہتی اور شرمیلا والے واقعہ کے بعد تو تم نے اتنی ٹینشن لی کہ ہمارا بچہ اس دنیا میں آنے سے قبل ہی موت کی نیند سو گیا۔ میں اپنے بچے کا قاتل ہوں۔" وہ ایک دم ہسٹریک ہوا۔ موبل کی نگاہیں نبیل کے خشک لبوں پر آٹھہریں' جہاں سے اعتراف جرم ہو رہا تھا۔

"یہ سب میرا کیا دھرا ہے۔ جس کے لیے میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکتا اور نہ ہی تمہیں معاف کرنے کو کہوں گا۔" نبیل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر روتے ہوئے کہا۔

"مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی' پچھتاوے کے سانپ مجھے ساری رات ڈستے ہیں۔" اس نے دیوانوں کی طرح اپنی حالت بیان کی۔

"نبیل...... میں بھی اپنی کوکھ میں پلنے والے پھول کے وقت سے پہلے مرجھا جانے کا غم بھول نہیں سکتی۔" موبل لرزنے لگی۔

"جان مجھے معاف کردو یہ میرا قصور ہے۔" وہ اس کے ٹوٹے پھوٹے لہجے پر تڑپ اٹھا اور اس کے گرد اپنے توانا بازو پھیلائے۔

"بات صرف اتنی ہی نہیں ہے بلکہ اس دوران ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں......" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ نبیل نے اس کے چپ ہونے پر چونک کر دیکھا۔ موبل نے ہمت مجتمع کی اور دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"میری گائنا کالوجسٹ کا کہنا ہے کہ اب میں دوبارہ ماں بننے کے قابل نہیں ہوں۔" اس کا چہرہ یک دم نچڑ سا گیا اور زرد ہونے لگا۔

"مجھے اس بات کے بارے میں پہلے سے پتا تھا مگر میں تمہارے سامنے اس بات کو دہرانا نہیں چاہتا تھا۔"

"یہ شرمیلا کے ساتھ کی جانے والی زیادتی کی سزا ہے جو تاعمر ہمیں بھگتنا پڑے گی۔" وہ بولتے ہوئے ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی' نبیل کے چہرے کا رنگ سفید اور پھر سیاہ ہو گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

اس کے ہاتھ کھانے کی تیاریوں میں مشغول تھے مگر دماغ الجھی گتھی سلجھانے میں مصروف تھا۔ سفینہ بہت بے چین تھی' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ حالات کو کیسے قابو میں کرے۔ گزرتے دنوں کے ساتھ روشنی کا رویہ ناقابل برداشت ہوتا جارہا ہے' اس نے سر تھام کر سوچا۔ جب سے اس نے روشنی اور رومیو والے معاملے سے کنارہ کشی اختیار کی تھی وہ اپنی نند کے زیر عتاب آگئی تھی۔

"میں اپنی صفائی دینا چاہتی ہوں مگر دے نہیں پارہی...... جانے کہاں سے ایک بار پھر ہمارے درمیاں تکلف کی دیوار

قائم ہوگئی ہے۔‘‘ سفینہ متوحش ہوئی۔
’’میری ساری کوشش اس بار ناکام ثابت ہورہی ہے...... جانے کیوں روشنی میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں۔‘‘
سفینہ نے ایک دوبارا سے بٹھا کر بات صاف کرنا چاہی مگر وہ بہانے سے وہاں سے اٹھ گئی۔
شاہ کا رویہ تو اس کی طبیعت خرابی کے بعد سے کافی بہتر ہوچکا تھا مگر روشنی کو تو جیسے کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے اس کی عیادت کو آئی اور پھر واپس اپنے کمرے میں روپوش ہوگئی۔
’’روشنی کو ایسی کیا بات بری لگی ہے جو وہ دن بہ دن مجھ سے دور ہوتی جارہی ہے۔‘‘ اس نے چاول چنتے ہوئے سوچا۔
’’کہیں رومیو کے سلسلے میں شاہ سے بات نہ کرنے پر وہ خفا تو نہیں۔‘‘ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ روشنی کی بات کس طرح سے شاہ تک پہنچائے جبکہ روشنی کو خود بھی پر اس معاملے پر اعتماد نہیں ہے۔
’’یہ بے وقوف لڑکی سمجھتی کیوں نہیں؟‘‘ اس پر جھنجلاہٹ سوار ہوئی‘ تھال دور سرکا دیا۔
’’ابھی تک اسے خود نہیں پتا کہ وہ لڑکا اس سے شادی کا خواہشمند ہے بھی یا نہیں؟‘‘ وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔
’’میں شاہ سے بات کرلوں اور دوسری طرف سے رومیو انکار کردے پھر روشنی کی بھائی کی نگاہ میں بھلا کیا عزت رہ جائے گی؟‘‘ اس نے ایک طویل سانس اپنے اندر کھینچی اور دماغ لڑانے لگی کہ یہ مسئلہ کیسے حل کرے۔
’’مجھے پہلے خود رومیو سے اکیلے میں مل کر بات کرنی پڑے گی‘ اسے روشنی کے لیے منانا پڑے گا۔‘‘ اس نے لائحہ عمل طے کیا اور چہرے سے پہلی بار سکون چھلکا۔
’’اللہ کرے رومیو انکار نہ کرے ورنہ روشنی کا دل بری طرح سے ٹوٹ جائے گا۔‘‘ اس نے چاول کا تھال اٹھایا اور مٹر پلاؤ پکانے کے لیے کچن کی جانب بڑھ گئی۔ سفینہ نے کھانے پکاتے ہوئے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کرلیا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر خاموشی سے رومیو سے ملے گی۔

❁......❁......❁

دفتر میں ایک مشقت بھرا دن گزارنے کے بعد وہ گھر جانے کے لیے نکلا ہی تھا کہ راستے میں گاڑی خراب ہوگئی۔ سخت گرمیوں کے دن تھے‘ گرمی اور حبس سے فائز کا برا حال ہونے لگا‘ فضا دھوئیں اور گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی۔ فائز نے کئی بار چابی گھمائی اور اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہیں گاڑی ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اس نے کوفت کے عالم میں اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔
’’اف کیا مصیبت ہے۔‘‘ وہ پریشانی کے عالم میں سن گلاسز آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے گاڑی سے اترا۔
’’کیا کروں؟‘‘ سڑک پر ٹریفک کا اژدہام دکھائی دے رہا تھا۔ ہر شخص کو منزل تک پہنچنے کی جلدی تھی اور وہ کھڑا اپنے مکینک کو فون کرنے کا سوچنے لگا۔ اس نے فون ملایا تو دوسری جانب سے فون بند آرہا تھا۔
’’اب میں یہاں کب تک کھڑا رہوں۔‘‘ مکینک کا فون مسلسل بند آرہا تھا‘ فائز نے غصے میں ہاتھ جھٹکا۔
’’اس سے تو بہتر ہے کہ میں ٹیکسی کرکے گھر چلا جاتا ہوں۔‘‘ وہ تپ کر بڑبڑایا۔
’’عاصم ان دنوں چھٹیوں پر تھا ورنہ اسے فون کرکے بلوالیتا۔‘‘ اس نے سڑک پر رواں دواں ٹریفک کو دیکھتے ہوئے سوچا۔
ابھی وہ ٹیکسی روکنے ہی والا تھا کہ دفعتاً سیاہ مرسڈیز اس کے قریب آرکی۔ فائز کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ اس شاندار گاڑی کی پچھلی سیٹ پر شرمیلا بڑے طمطراق کے ساتھ زیورات سے لدی پھندی بیٹھی دکھائی دی۔
’’فائز کیسے ہیں آپ؟‘‘ اس نے سبز آنکھوں سے سن گلاسز اتارا اور مسکرا کر پوچھا۔

''ٹھیک ہوں تم سناؤ۔'' وہ حیرت زدہ سے اسے دیکھتا رہ گیا' ڈرائیو کی موجودگی کا لحاظ کر گیا' ورنہ ایک ساتھ بہت سارے سوالات زبان پر مچل اٹھے تھے۔

''آجائیں' میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' فائز کو اس کی آمد کسی غیبی مدد سے کم نہ لگی' اپنی کار لاک کر کے فوراً ہی اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔

''اچانک گاڑی خراب ہوگئی؟'' فائز نے کوفت میں گاڑی کا رونا رویا۔

''اوہ...... کوئی بات نہیں گاڑی کی چابی میرے ڈرائیور کو دے دیں۔ وہ ہمیں چھوڑنے کے بعد آپ کی گاڑی ٹھیک کروا کر پہنچادے گا۔'' شرمیلا کا شاہانہ انداز اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''فکر نہ کرو' ہوسکتا ہے کہ کوئی لمبا کام ہو۔ میں کل خود ٹھیک کروالوں گا؟'' اس نے سہولت سے انکار کیا۔

''ایزیو وِش۔'' شرمیلا نے مسکرا اثبات میں سر ہلایا۔ گاڑی تیز رفتاری سے منزل کی طرف رواں دواں ہوگئی۔ ان دونوں کے بیچ خاموشی حائل رہی۔

''شکریہ...... شرمیلا اندر نہیں آؤ گی؟'' گھر کے دروازے کے سامنے کار رکنے پر فائز نے اترتے ہوئے جھک کر پوچھا۔

''نہیں پھر کبھی سہی۔'' وہ نم لہجے میں بولی اور آنکھوں پر چشمہ چڑھانے کے بعد ڈرائیور کو واپس چلنے کا حکم دیا' ان گلیوں سے جڑی تلخ یادوں نے اس کا حلق کڑوا کر دیا تھا۔

❁......❁......❁

''پرنسز...... کہاں ہیں آپ؟'' فائز نے لاؤنج کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر اسے پکارا۔

''کیا ہوا؟'' سفینہ ہاتھوں پر لوشن ملتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔

''یہاں آکر میرے سامنے کھڑی ہو جائیں۔'' شاہ کے چہرے کی کھلکھلاہٹ چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

''اس قدر شور کیوں مچایا ہوا ہے؟'' اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے سفینہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''اس لیے کہ مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوش خبری ملی ہے۔'' شاہ نے اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھا اور کانوں کے قریب ہونٹ لا کر سرگوشی کی۔

''اچھا آپ بتائیں ایسی کون سی خوشی ہاتھ لگ گئی ہے جو سنبھالے نہیں سنبھل رہی؟ مجھے بھی سنائیں۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''خوش خبری سنانی نہیں دکھانی ہے۔'' آفاق نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ارے یہ تو میری رپورٹ ہے ناں۔'' وہ چونکی اور پھر جیسے سمجھ گئی' اس کا چہرہ ایک دم سرخ انار بن گیا' نگاہیں اٹھا کر بڑی مشکل سے شوہر کی جانب دیکھا تو اس نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁......❁......❁

اسریٰ بیگم پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ خوشی خوشی شاہ ہاؤس میں داخل ہوئیں' ان کا ڈرائیور پیچھے مٹھائی کا ٹوکرا تھامے آرہا تھا۔

''ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ بھئی کہاں ہیں سب؟''

''آیئے...... آیئے ناں خالہ۔'' آفاق مسکرا کر ان کا استقبال کرتے ہوئے ہاتھ تھام کر لاؤنج کی طرف بڑھا۔

''سفینہ دلہن مانگو کیا مانگتی ہو؟'' اسریٰ بیگم شاہ نے برابر میں بیٹھی سفینہ کو دیکھ کر سخاوت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ عشو بیگم نے

پارس پری

السلام علیکم! سویٹ سویٹ قارئین اینڈ رائٹرز کیسے ہیں' سب جی تو جناب میں ہوں پارس پری۔ میں تھرڈ ائیر کی طالبہ ہوں' گجرات کے پیارے سے گاؤں دولت نگر میں پیدا ہوئی۔ آنچل سے رشتہ بہت پرانا ہے کیونکہ میرے پاپا اور ماما بھی بہت شوق سے ڈائجسٹ پڑھتے ہیں۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں' خوبیوں اور خامیوں کی بات کروں تو موڈی اور غصہ کی تیز ہوں بقول میری فرینڈ ردا اور روحی کے میں بہت مغرور' نخریلی' ضدی ہوں۔ کھانے کی بات کی جائے تو سب کچھ شوق سے کھالیتی ہوں' میٹھے میں آئس کریم اور رس گلے پسند ہیں۔ گرمیوں کا موسم اچھا لگتا ہے' ڈریسز میں جینز اور لانگ شرٹ پسند ہے جو کبھی کبھی پہنتی ہوں۔ جیولری میں بریسلیٹ پسند ہے۔ فارغ وقت میں آنچل پڑھنا' ریڈیو سننا پسند ہے۔ ٹی وی اسٹار میں ہمایوں سعید پسند ہے' ویسے ٹی وی بہت کم دیکھتی ہوں۔ کتابیں پڑھنے' ڈائجسٹ پڑھنے کا تو جنون کی حد تک شوق ہے۔ اجازت دیں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرے' آمین۔

اُن کے بیٹھتے ہی کمر کے پیچھے کشن لگادیا۔

"ہاں بھئی دلہن بولو......" صوفے پر دراز ہونے کے بعد انہوں نے جوش سے دوبارہ پوچھا۔

"خیریت تو ہے؟" شاہ نے شرارتی نگاہوں سے بیوی پر نگاہ گاڑتے ہوئے خالہ سے پوچھا۔

"اتنی بڑی خوش خبری جو سنائی ہے اب یہ تو اس کا حق بنتا ہے ناں۔"

"ہاں بھئی پرنسز موقع اچھا ہے۔ خالہ اتنی دیالو بن گئی ہیں تو آپ بھی کچھ مانگ لو۔" سامنے بیٹھی روشنی نے منہ بنا کر ان کے لاڈ دیکھے۔

"نہیں خالہ اللہ کا بڑا اکرم ہے۔ مجھے تو بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔" وہ نگاہیں جھکا کر بولی۔

"پرنسز آپ نے اتنا اچھا موقع گنوادیا۔" شاہ کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔

اتنے میں ملازم کی ہمراہی میں ریحانہ اور بہزاد داخل ہوئے' انہیں یہاں آنے سے قبل اسریٰ بیگم نے فون کر کے شاہ ہاؤس پہنچنے کا کہا تھا۔ سب سے علیک سلیک کرنے کے بعد ریحانہ بیٹی کے برابر میں بیٹھ گئیں اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"سفی تم نے تو یہ خوش خبری سنا کر ہم میاں بیوی کو دوبارہ سے جوان کردیا ہے۔" سفینہ نے ماں کو دیکھا اور شرم سے نگاہیں جھکالیں' ایک نیا احساس اس کے وجود میں پھیلتا چلا گیا۔

بہزاد نے پھولوں کا گلدستہ شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے نم آنکھوں کو پونچھا' اس نے مسکرا کر تحفہ قبول کیا اور سسر کو اپنے برابر میں ادب سے نشست پیش کی۔ بہزاد بہت مسرور دکھائی دے رہے تھے مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔

"مبارک ہو آپ کو آفاق میاں۔" ریحانہ کو خیال آیا تو داماد کی جانب خوش دلی سے دیکھ کر کہا۔

"بہت شکریہ آنٹی۔" شاہ نے پھولوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے پُرجوش انداز میں جواب دیا۔

"بہن آپ کی کال کیا آئی' ہمارے لیے گھر میں رکنا مشکل ہوگیا۔" اب وہ اسریٰ بیگم سے مخاطب ہوئیں۔

"میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہوا تھا۔" اسریٰ بیگم بشاشت سے بولیں۔ روشنی لاتعلق سی بیٹھی ہوئی تھی' عائشہ بیگم الگ اندر ہی اندر کلس رہی تھی۔

"سفینہ کچھ زیادہ ہی پیاری نہیں ہوگئی۔" کچھ دیر بعد اسریٰ بیگم کی بات پر سب نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا تو وہ

گھبراگئی۔

اپنی باتیں بھول کر سب نے اس کی تعریف شروع کردی تو شاہ نے چپکے سے بیوی کو آنکھ ماری اور وکٹری کا نشان بنایا۔ جسے صرف سفینہ ہی دیکھ سکی اور اسے آنکھیں دکھانے لگی۔ اسریٰ بیگم اور ریحانہ ایک دوسرے سے باتوں میں مگن ہوگئے اور بہزاد ٹی وی پر خبروں کی ہیڈ لائن دیکھنے لگے تو شاہ بہانے سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"تم واقعی بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اس نے صدق دل سے تعریف کی۔

❁......❁......❁

شرمیلا کھوئی کھوئی سی آ کر آزر کے برابر میں دراز ہوگئی۔ بتول نے اس کے دل میں سوئے ہوئے اندیشوں کو ایک بار پھر سے جگایا تو یہ بستر کانٹوں کی سیج بن گیا تھا۔ بتول کو ڈر تھا کہ بچے کی پیدائش کے دوسرے دن ہی مہرین نے ہاتھ پکڑ کر اسے آزر کی زندگی سے دور پھینک دینا ہے۔ مہرین جو فی الحال مصلحتاً پس پردہ چلی گئی تھی، بس اس کی اولاد کا دنیا میں آنے کا انتظار کررہی ہے، اس کے بعد ایگریمنٹ کے مطابق آزر کی زندگی کے ساتھ ساتھ اس گھر سے بھی دھکے دے کر نکال دے گی۔ آزر نائٹ گاؤن کی ڈوریاں کستے ہوئے بیوی کے برابر میں آ کر لیٹ گئے پھر بھی اس کے وجود میں جنبش نہ ہوئی۔

"شرمیلا...... کہاں کھوئی ہو کچھ تو کہو۔" کچھ دیر بعد اس کے گالوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر مخاطب کیا۔

"مجھے سوچیں تھکا رہی ہیں آزر۔" شرمیلا نے بے دلی سے جواب دیا۔

"کیوں میری جان...... کیوں اتنا سوچتی ہو؟" آزر نے بے چینی سے کروٹ بدل کر رُخ بیوی کی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"بس ایک خوف اور ڈر ہے جو چین نہیں لینے دیتا۔"

"کیسا ڈر؟"

"آپ سے بچھڑ جانے کا ڈر۔" اس کی بات پر آزر نے نگاہ چرائی تو مایوسی اور بھی بڑھ گئی۔

"مگر میں اب خود میں بدلاؤ سا محسوس کرتا ہوں۔" ان کے لب ہلے شرمیلا کا پورا وجود کان بن کر انہیں سننے لگا۔

"پہلے میں جب آنکھیں بند کرتا تھا تو مہرین کی ہنستی مسکراتی ہوئی شکل میری آنکھوں کے سامنے چھا جاتی تھی۔" وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولے۔

"اچھا اور اب؟" شرمیلا نے بے قراری سے سوال کیا۔

❁......❁......❁

"بھئی عائشہ بیگم میری بچی کی نظر اتاریں۔" اسریٰ بیگم کی کے کانوں میں بھانجے کا جملہ پہنچ گیا تو اسے چمکارتے ہوئے بولیں۔

"جی اچھا جی......" وہ ایک دم منہ بناتے ہوئے اٹھی اور سات مرچیں لا کر اس پر سے واریں۔

"اب منہ میٹھا کرتے ہیں۔" اسریٰ بیگم نے عشو بیگم کو اشارہ کیا تو وہ دل ہی دل میں کڑھتی ہوئی ایک پلیٹ میں مٹھائی لے آئی۔

"ماشاءاللہ آپ پاپا بننے والے ہیں مبارک ہو۔" یہ کہتے ہوئے اسریٰ بیگم نے پورے کا پورا گلاب جامن شاہ کے منہ میں رکھ دیا۔

"ارے...... ارے......" شاہ نے ہنستے ہوئے مٹھائی کھائی۔ ریحانہ کا چہرہ چمک اٹھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

شفاعت بتول نین تارا
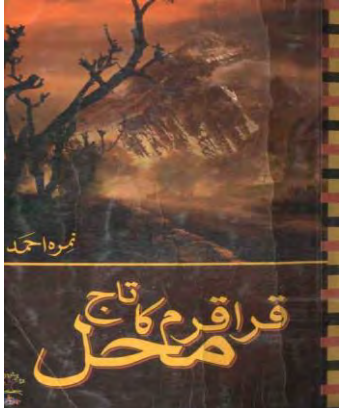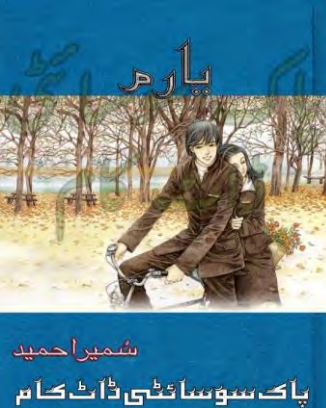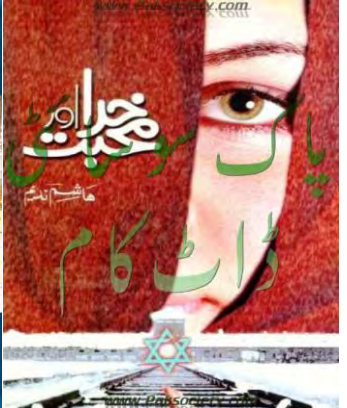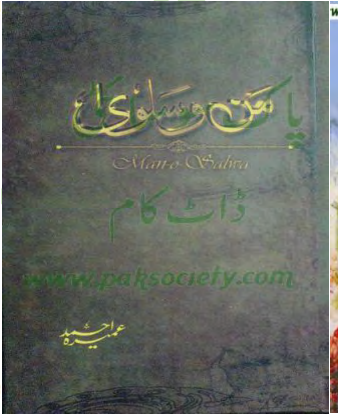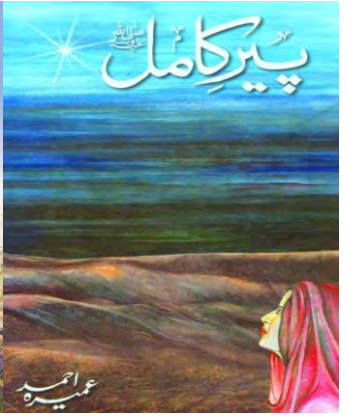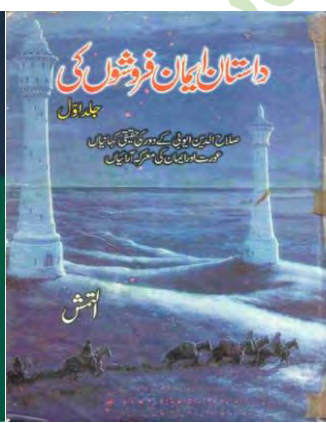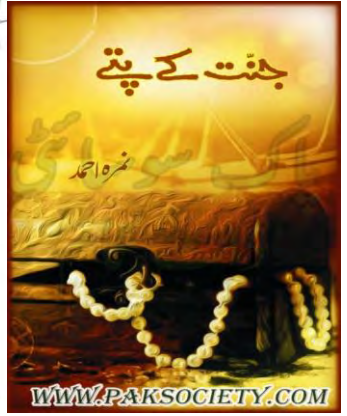
السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کو محبت بھرا اسلام۔ ہاں جی تو سب سے پہلے اپنے بارے میں بتاؤں گی جی تو 27 مارچ کو اس دنیا کو رونق بخشی۔ ہم چھ بہنیں ہیں بھائی کوئی نہیں۔ سب سے بڑی بہن خنساء آفرین اور دوسری زینب آفرین دونوں انٹرمیڈیٹ کی طالبہ ہیں۔ اس کے بعد تیسرا نمبر میرا ہے نام تو شفاعت بتول ہے لیکن امی کے کہنے پر ساتھ میں نین تارا بھی رکھا ہے۔ میٹرک کی طالبہ ہوں چوتھا نمبر لیلیٰ شبیہ کا ہے پانچواں فضہ آفرین کا ہے اور سب سے آخر میں پورے گھر کی جان یعنی باربی ڈول مومنہ برجیس ہے جو چھوٹی ہونے کی وجہ سے ابھی تک اسکول نہیں جاتی۔ رنگوں میں گندمی رنگ پسند ہے۔ کچھ بننے اور دنیا میں کوئی مقام بنانے کا بہت شوق ہے پھلوں میں دنیا کے تمام پھل پسند ہیں۔ سبزیوں میں فیورٹ بھنڈی اور کریلا ہے آنچل میں میری کزن فائزہ بلال اکبر آفرین بھی انٹری دے چکی ہیں۔ کپڑوں میں زیادہ تر ٹراؤزر اور مناسب شرٹ اچھی لگتی ہے۔ پسندیدہ رائٹرز عنیزہ سیدہ عالیہ بخاری اور ثمرہ بخاری ہیں فرحت اشتیاق بھی اچھا لکھتی ہیں۔ پسندیدہ شاعر علامہ اقبال ہیں فارغ وقت میں کچھ سیکھنے کا شوق ہے جیسے کہ موسٹ فیورٹ کمپیوٹر سیکھنا اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

"لو بھئی سفینہ تم بھی کھاؤ۔" ایک اور شیرے میں لپٹا ہوا گلاب جامن سفینہ کے منہ میں دیا اس نے چھوٹا سا پیس کھایا اور باقی پلیٹ میں رکھ دیا۔

"یہ نانا اور نانی کے لیے۔" باری باری پلیٹ دونوں میاں بیوی کے آگے بڑھائی تو وہ مسکرا کر مٹھائی کھانے لگے۔

"چلو بھئی پھوپو جانی منہ کھولو۔" اسریٰ بیگم نے اب مٹھائی روشنی کے لبوں کی طرف بڑھائی۔

"نہیں خالہ جانی مجھے نہیں کھانا۔"

"کیوں نہیں کھانا؟"

"اف...... اس میں سے کتنا شیرہ ٹپک رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" اسریٰ بیگم نے ضد کی اور روشنی نے مجبوراً منہ کھول دیا۔ ریحانہ نے حیرت سے روشنی کو دیکھا اور پھر بیٹی کی طرف سوالیہ نگاہ اٹھائی۔ وہ نگاہیں چرا گئی۔

سفینہ روشنی کے بدلتے مزاج سے بہت خوف زدہ ہو چکی تھی مگر اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ اب اسے پورا وقت نہیں دے پارہی تھی جس کا پورا فائدہ عائشہ بیگم نے اٹھایا تھا۔

"کیا ہوا مٹھائی مزے کی نہیں؟" آفاق نے ایک اور گلاب جامن اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے بہن کی جانب دیکھ کر پوچھا مگر روشنی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاہ نے کاندھا اچکاتے ہوئے ٹشو سے ہاتھ پونچھا اور بیوی کی جانب متوجہ ہوا جو شرمائی شرمائی سی دونوں خواتین کی ہدایات سن رہی تھی اس کے چہرے پر چھایا نور شاہ کے دل کو گرفت میں لیے ہوا تھا۔

"سفی اب تم زیادہ سے زیادہ دودھ پینا اور ہاں ناریل بھی کھانا۔" ریحانہ نے کہا۔

"ہاں دلہن فروٹ کھاؤ آرام کرو اور دیکھو کسی کام وام کی فکر مت کرنا۔ عائشہ بیگم سب دیکھ لیں گی۔ بس تم اپنا خیال رکھو۔" اسریٰ بیگم نے اسے تاکید کی تو وہ مسکرا دی۔

"میری دوست کی شادی ہے میں ذرا تیار ہونے جارہی ہوں۔" روشنی نے سب کو اطلاع دی اور کھڑی ہوگئی۔

"ہاں ٹھیک ہے بیٹا اب ہم لوگ بھی چلتے ہیں۔" ریحانہ نے بہزاد کو اشارہ کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
"رات کا کھانا کھا کر جائیے گا۔" اسریٰ بیگم نے روکنا چاہا۔
"پھر کبھی سہی ابھی تو کسی کی عیادت کو بھی جانا ہے۔" وہ بیٹی کے سسرال میں تکلف قائم رکھے ہوئے تھیں اس لیے بہانے سے انکار کردیا۔
"چلیں جیسی آپ کی مرضی۔" اسریٰ بیگم نے گلے لگا کر ریحانہ کو رخصت کیا۔ آفاق بہزاد کو باہر تک چھوڑنے چل دیے۔ سفینہ نے ماں کو مسکرا کر الوداع کیا اور کچھ سوچ کر روشنی کے کمرے کی جانب چل دی۔

❁.......❁.......❁

"ایسی حالت میں اتنی ٹینشن لینا ٹھیک نہیں۔" آزر نے کچھ دیر بعد اس کے بال سہلا کر دلاسہ دیا۔
"ہوں۔" ان کی خاموشی پر وہ ناراض سی منہ موڑ کر لیٹ گئی۔
"شرمیلا کیا ہوا ناراض ہوگئی ہو کیا؟ کچھ تو بولو۔" آزر نے اس کا کاندھا ہلایا۔
"جیس کیا کہوں؟" وہ ایک دم چونک گئی اور افسردگی سے جواب دیا۔
"اچھا یہ ہی بتادو کہ تم مجھ سے پیار کرتی ہو۔" آزر نے اقرار چاہا۔
"ابھی تو یہ کنفرم نہیں۔" شرمیلا نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بدلہ لیا۔
"تو پلیز جلدی سے کنفرم کرو ناں۔" آزر نے محبت سے چور لہجے میں کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے اس کا ہاتھ دبایا۔
"کس سے کنفرم کروں؟" اس نے دھیرے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے شوہر کی آنکھوں میں جھانکا۔
"اپنے دل سے جس پر میرا مکمل قبضہ ہوچکا ہے۔"
"مگر آپ کے دل پر تو کسی اور کا قبضہ ہے۔" شرمیلا کے جتانے پر آزر مسکرا دیئے۔
"پتا ہے شرمیلا۔ میں مہرین سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اپنی جان سے بھی زیادہ اور کبھی بھی اس کی چاہت میں شراکت کا حامی نہیں رہا۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور دھیرے دھیرے اعتراف کیا۔
"اچھا......" شرمیلا نے مڑ کر دیکھا اور ایک کانٹا سا اس کے دل میں اترا۔

❁.......❁.......❁

روشنی کی سہیلی کے بھائی کی بارات تھی اور آج بہت دنوں بعد سفینہ نے بڑے اصرار سے اسے تیار کیا۔ وہ اپنے اور روشنی کے بیچ قائم سرد مہری کی دیوار کو گرانا چاہتی تھی اس لیے خود سے تجدید دوستی کے لیے قدم اٹھایا طبیعت خرابی کے باوجود اس کے لباس کا سلیکشن کیا زبردستی اس کا میک اپ کیا اور پھر بالوں کا اچھا سا اسٹائل بنایا۔ اُسے شاہ سے بہت محبت تھی اور اسی نسبت سے روشنی بھی اسے پیاری تھی گوکہ اس دوران نند کی خاموشی اور لاتعلقی اسے تکلیف دینے لگی مگر سفینہ نے ہمیشہ کی طرح حالات سے سمجھوتا کرتے ہوئے اپنائیت سے پیش قدمی کی۔
"ماشاءاللہ ہماری روشنی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" سفینہ نے سجی سنوری روشنی کو دیکھتے ہوئے خوشی سے شاہ سے کہا۔
"ہاں یہ تو ہے پرنسز آپ کے ہاتھوں نے تو جادو کردیا۔" شاہ نے بہن کو چھیڑتے ہوئے کہا مگر وہ ایک دم تپ گئی۔
"اس میں بھابی کا کیا کمال۔ میں خوب صورت ہوں اگر خود بھی تیار ہوتی تو اتنی ہی پیاری لگتی۔" روشنی کے تڑخ کر جواب دینے پر وہ حیران رہ گیا۔
روشنی؟" شاہ جیسے شرمندہ سا ہوگیا بہن کو تنبیہی انداز میں پکارا سفینہ اپنی جگہ چپ کی چپ رہ گئی۔

"بھائی میں نے جھوٹ تو نہیں کہا۔" وہ ایک دم تیکھے انداز میں بولی۔
"مجھے لگتا ہے تم کچھ زیادہ ہی خوب صورت ہوگئی ہو خاص طور پر تمہاری زبان آج کل بڑے پھول برسا رہی ہے۔" شاہ نے بیوی کے فق چہرے کو دیکھتے ہوئے تپے ہوئے انداز میں کہا۔
روشنی نے بھائی کو غصے سے دیکھا کوئی جواب نا دیا لیکن قہر برساتے انداز میں سفینہ کو دیکھا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔
"تم اس کی باتوں کو سیریس نہ لیا کرو یہ ابھی بچی ہے۔" شاہ نے انتہائی خوشدلی سے مسکراتے ہوئے سفینہ کا ہاتھ تھپک کر اسے تسلی دی۔ جو اپنی جگہ ساکت کھڑی روشنی کے بدلتے رویے کے بارے میں سوچ رہی تھی زبردستی مسکرادی۔
"پرنسز اب کیا یہیں کھڑا رہنے کا ارادہ ہے۔ چل کر ذرا میرا سامان پیک کرنے میں مدد کردو۔" آفاق نے اس کا بازو تھام کر گھسیٹا۔
"آپ کہاں جارہے ہیں؟" وہ ایک دم چونکی۔
"یار...... میں ذرا بزنس کے سلسلے میں پندرہ دن کے لیے دبئی جارہا ہوں۔" آفاق شاہ نے اطلاع دی۔
"ایسے اچانک۔" وہ گھبرائی۔
"نہیں پروگرام تو پہلے سے تھا مگر تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ سوچ سوچ کر اپنا بلڈ پریشر بڑھاتی رہتی۔" وہ شرارتی ہوا۔
"تو اب کیا میں نہیں سوچوں گی؟" اس نے منہ بگاڑا۔
"صرف پندرہ دن کی تو بات ہے چلو جلدی سے سامان پیک کردو میری کل کی فلائٹ ہے۔"
"جانا ضروری ہے کیا؟"
"اگر ضروری نہ ہوتا تو تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر جاتا......؟"
"اچھا ٹھیک ہے اگر کام جلدی ختم ہوجائے تو فوراً واپس آجایئے گا۔" سفینہ کا لہجہ نم ہوا۔
"اچھا میری جان ابھی جانے تو دو۔" شاہ نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پیار سے کہا۔

''اچھا ہے شاہ کی غیر موجودگی میں مجھے رومیو سے جا کر ملنے میں آسانی ہوگی۔'' ایک خیال اس کے ذہن میں چمکا اور ملال کم ہونے لگا۔

❁......❁......❁

''اب تو تم مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہو ہر سو ہر جگہ آنکھیں بند کروں یا کھولوں تم میرے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہو۔ تمہاری خوشبو میرے آس پاس بکھری جاتی ہے۔'' وہ اس کی محبت میں اعتراف کرتے چلے گئے۔

''اور......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

''اور؟'' شرمیلا کی بے قراری عروج تک جا پہنچی۔

''جب سے تم نے ہمارے بچے کی خوش خبری سنا کر میرا وجود مکمل کیا ہے......'' وہ لحہ بھر کو تھمے۔

''تمہارے بغیر جینے کا تصور ہی نہیں رہا......'' آزر کا گمبھیر لہجہ شرمیلا کی ہتھیلیاں بھیگنے لگی من ناچنے کو چاہنے لگا۔

آ......پ...... سچ کہہ رہے ہیں؟'' اس کا وجود پور پور خوشیوں میں بھیگ گیا۔

''ہاں میری جان میں تمہیں زندگی بھر خود سے الگ نہیں ہونے دوں گا۔ اس کے لیے چاہے مجھے پہلی بار مہرین کے خلاف بھی جانا پڑ جائے۔'' وہ دھیرے سے بولتے ہوئے اسے زندگی دے گئے۔

''آئی رئیلی لو یو شرمیلا۔'' آزر نے پہلی بار کھل کر اعتراف محبت کیا شرمیلا کی آنکھیں خمار سے بند ہونے لگی۔ اُس کا دل آزر کی محبت کی سچائی پر ایمان لے آیا اسے یقین ہوگیا کہ اب مہرین چاہ کر بھی اسے طلاق نہیں دلوا سکتی۔ آزر کافی دیر تک اسے دلاسہ دیتے رہے پھر جا کر اس کا اعتماد بحال ہوا وہ مسکراتی ہوئی پُرسکون انداز میں خواب خرگوش کے مزے لینے لگی۔

اپنے کمرے میں سوئی ہوئی مہرین نے ایسا ڈراؤنا خواب دیکھا کہ چونک کر اٹھ بیٹھی ایسا لگا جیسے اس کا کوئی بہت پیارا اس سے دور چلا گیا ہو وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بہت دیر تک بے چین رہی پھر کچھ سوچ کر آزر کے موبائل پر کال ملائی مگر آزر نے نیند میں لائن کاٹ دی۔ اس نے جھنجھلا کر پھر سے کال ملائی مگر دوسری جانب سے فون سوئچ آف ہوگیا تھا۔ وہ غصے میں بپھری ہوئی اٹھی اور شرمیلا کے کمرے کی طرف چل دی اور جا کر ان کا دروازہ پیٹ ڈالا۔

❁......❁......❁

ویٹنگ روم شیشے کے بنے چھوٹے سے کیبن سے متصل تھا جو ریسپشن کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ سفینہ بے مقصد کھڑی سوچوں میں گم تھی' شاہ دبئی جا چکے تھے۔ ان کے جاتے ہی اس نے فوری طور پر رومیو سے ملنے کا فیصلہ کیا' شوہر کی غیر موجودگی میں وہ روشنی والا معاملہ جلد از جلد نمٹانا چاہتی تھی۔ اب وہ یہاں آ تو گئی تھی مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رومیو سے بات کیسے شروع کرے؟ سفینہ نے ٹیبل پر پڑے میگزین کو اٹھا کر بلاوجہ پڑھنا شروع کر دیا مگر ذہن کہیں اور لگا ہوا تھا۔ اس نے روشنی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے آفس آ رہی ہے۔ بس تیار ہوئی اور ڈرائیور کے ساتھ یہاں چلی آئی اور ریسپشن پر رومیو سے ملنے کا کہہ کر ویٹنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔ ریسپشنسٹ نے اس سے معذرت کی اور بتایا کہ کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا کیوں کہ رومیو ایک میٹنگ میں بزی ہے۔ اسے یہ چند لمحے بہتر لگے کہ وہ ذہن میں ان باتوں کو ترتیب دینے لگی جو روشنی کے حوالے سے اسے رومیو سے کرنی تھی۔

''پچھلے دس منٹ سے میڈم آپ کے فارغ ہونے کی منتظر بیٹھی ہیں۔'' ریسپشنسٹ نے فائز کو جیسے ہی انٹر کام پر خبر دی۔

وہ بھونچکا سا رہ گیا کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ باس کی بیوی اس سے ملنے کیوں آئی ہیں' پہلے اس نے ویٹنگ روم میں

جانے کا سوچا مگر پھر خیال آیا کہ اپنے روم میں ہی ملاقات کرلیتا ہوں ہوسکتا ہے کوئی ایسی بات ہو جو وہ اسٹاف کے سامنے کرنا نہ چاہیں۔

''نہیں فوراً اندر بھیج دیں۔'' فائز نے رسانیت سے کہا۔

''یا اللہ خیر۔ باس بھی یہاں موجود نہیں ہیں۔'' دل ہی دل میں سوچتے ہوئے اپنے تاثرات چھپانے کے لیے وہ اپنے لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہوگیا۔ چند لمحوں کے توقف سے ہی دروازہ مدھر سروں میں بجا اور وہ اندر داخل ہوئی۔ جانی پہچانی سی خوشبو فائز کے اردگرد پھیل گئی اس کے وجود میں بے قراری پھیلی۔

''السلام علیکم!'' فائز نے جانی پہچانی آواز پہ اسکرین سے نگاہ ہٹائی اور ایک دم ہکا بکا کھڑا ہوگیا۔

''تم یہاں......!'' سفینہ کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ وہ جس رومیو سے ملنے آرہی ہے وہ فائز ہوگا۔ اس کا سر گھومنے لگا' کرسی کو تھام کر اس نے خود کو گرنے سے بچایا۔

''آپ......تم......سفی......تم مسز شاہ ہو۔'' اس نے گھنے بالوں کو نوچتے ہوئے بے اختیار کہا' اذیت جیسے اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔

ہاں......میں ہی مسز آفاق شاہ ہوں۔'' سفینہ نے اپنی حالت پر قابو پانے کے بعد جواب دیا۔

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' فائز کی آواز نے اُس کے خیالات کے تسلسل کو توڑا۔

''یہ ہی حقیقت ہے۔'' سفینہ نے دبی دبی آواز میں کہا' اس کے ذہن میں چھم سے روشنی کا سراپا آیا اور جیسے جان حلق میں آگئی۔

''قسمت میرے کتنے امتحان لے گی۔'' فائز دکھی انداز میں سوچنے لگا' دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔ سفینہ نے کچھ دیر بعد نظر اُٹھا کر سامنے کھڑے فائز کو دیکھا جو اس کی نند کا محبوب تھا۔

''کیا میں ان دونوں کی شادی کروا کر اپنا آشیانہ اپنے ہاتھوں سے پھونک دوں؟'' وہ ایک ٹک دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

''نہیں فائز کو میری زندگی سے جانا ہوگا۔'' اُس کے جواب نے دل کو جیسے پتھر کا کردیا۔ روشنی جو ایک فائل تھامے فائز کے کیبن کی جانب بڑھ رہی تھی' ریسپشنسٹ کی اطلاع پر حیرت زدہ رہ گئی کہ سفینہ رومیو کے کمرے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ کچھ سوچ کر دروازے پر ہی رک گئی۔

''فائز' تمہیں میری زندگی اور میرے شوہر کے کاروبار سے دور جانا ہوگا۔'' سفینہ نے ہسٹریک ہوتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ روشنی کے کانوں میں بھابی کا جملہ پڑا اور وہ نہ سمجھنے والے انداز میں دونوں کی باتیں سننے لگی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

صبح کی پہلی ٹرین سے ان دونوں بہنوں کو اماں کے ساتھ کوٹ رادھاکشن سے پتوکی جانا تھا صبح کی پہلی سنہری روکا فسوں ماحول پہ پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ رات ہی بلو اور رانی نے اپنے اپنے موبائلز (جنہیں وہ دونوں سر راہ نہایت ہی غرور اور تمکنت سے ادھر ادھر لہراتی جاتیں) صبح پانچ بجے کا الارم سیٹ کیا۔ حفظ ماتقدم کے طور پہ ایک الارم اماں کے پاس رکھ دیا گیا کہ وہ خاصی سحر خیز تھیں۔ چار بج کر پچتالیس منٹ پر الارم بجنے سے ٹھیک پندرہ منٹ پہلے سفر کی شوقین اور پتوکی جانے کی ازلی خوشی نے اماں کو گہری نیند کے حصار سے نکال لیا۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی ہائی الرٹ اسٹائل میں پتوکی جانے کے لیے تیار نظر آتیں۔ کیونکہ پتوکی ان کا میکہ تھا اور ہر شادی شدہ عورت کی طرح ان کو بھی میکے کی یاد ہر پل ستاتی، گوکہ ان کے میکے میں صرف دو بھائی ان کی بھاری بھرکم نک چڑی بد دماغ بیویاں اور چھ انتہائی بدتمیز منہ پھٹ بھتیجے بھتیجیاں تھے مگر پھر بھی ابا کی ذراسی مخالفت اور ہلکی سی منہ زوری کرنے پہ بھی اماں کی طرف سے ہمیشہ کے لیے میکے چلے جانے کی دھمکی اس زور و شور اور بلند ترین آواز میں ملتی کہ تسلسل سے بات کرتے ابا دبک کر رانی اور بلو کی اوٹ میں جائے پناہ تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتے یہ الگ بات کہ اس دھمکی پہ عملدرآمد کرنے کا نادر خیال کبھی اماں کے زرخیز دماغ میں نہ آیا تھا۔

محبت برسادے نہ تو ساون آیا ہے

انڈین گانوں کی سدا کی شوقین رانی نے موبائل الارم پہ بھی گانے کی ٹیون لگا کر اسے اپنے شوق کی تکمیل کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

تیرے اور میرے ملنے کا موسم آیا ہے

فل والیوم میں الارم بجتے ہی آنکھیں مسلتی بڑا سا منہ کھول کر جمائیاں لیتی رانی نے پاس لیٹی بلو کو رشک بھری نظروں سے دیکھا۔ گھوڑے گدھوں کا پورا اصطبل بیچ کر سوئی بلو کو اس قدر بیہودہ گانا بھی جگانے میں ناکام رہا تھا۔

''بلو او بلو۔'' مسلسل گلا پھاڑ کر چلاتی رانی اور زور سے جھنجھوڑتی اماں کو دیکھ کر بلو کو بادل نخواستہ بستر چھوڑنا پڑا۔

''بلو یہ خوف ناک سی شکل بنانا چھوڑ اور جلدی کر۔'' رانی نے ہونق زدہ جمائیاں روکتی بستر پہ براجمان بلو کو دیکھا تو کہے بغیر نہ رہ سکی۔

کیسری رنگ کا کرتا اور گلابی شلوار دوپٹہ زیب تن کیے اسی دوپٹے کے پلو کو دانتوں پہ رگڑتی رانی نے اپنا فربہی مائل گہرا سانولہ سراپا آئینے میں دیکھا وہ اکثر ایسے ہی اپنے پیلے ہوتے دانتوں کو صاف رکھنے کی ادنیٰ سی سعی کرتی تھی۔ چھوٹی سی چنی منی آنکھوں میں سرمے کے بڑے بڑے ڈورے ڈال کر گہری سرخ لپ اسٹک ہونٹوں کے کناروں تک لگا کے وہ اپنے تئیں نک سک سے تیار کھڑی تھی۔ بلو کی تیاری بھی اس سے خاص مختلف نہ تھی البتہ اماں دنداسہ رگڑے لال لب اور سیاہ نین لیے میک اپ کی خرافات سے قدرے پاک تھیں۔

''بلو رانی چھیتی نال (جلدی سے) اپنیاں چادراں لٹکا لو تمہارے ابے نے راستے میں دیکھ لیا تو آ کر چیخے چلائے گا۔'' دروازے پہ تالا ڈالتے اماں کو یاد آیا تو انہوں نے دونوں کو اندر واپس دوڑایا۔ یہ واحد معاملہ تھا جس پہ ان کا ناتواں سا ابا ان کی جابر سی اماں

کے دربار میں جرح کرتا پایا جاتا تھا۔

برائے نام باریک سی چادریں اوڑھے صاف چھپتے بھی نہیں اور نظر آتے بھی نہیں کے مصداق محلے سے گزرتی رانی اور بلو کو تاڑتے ہوئے اکثر آوارہ لفنگے لڑکوں نے ان کی ''خاص تیاری'' کو شرف قبولیت بخشا۔ اسٹیشن پر پہنچ کر پسینے سے شرابوران کی تیاری کو کاجل نے چہرے پہ بہہ کر مزید چار چاند لگا دیئے تھے۔ ٹرین حسب معمول تاخیر کا شکار تھی۔ اپنے دوپٹے سے ہوا لیتی اِدھر اُدھر جھانکتیں بلند بانگ قہقہے لگاتیں رانی اور بلو نے اسٹیشن پہ بھی خوب رونق لگا رکھی تھی۔ اللہ اللہ کر کے ان کا مطلوبہ گوہر نایاب نمودار ہوا۔

''چل رانی ٹرین پہ چڑھ جا چھیتی کر کلمو ہی یہ ٹرین نکل گئی پھر اپنے ابے کی گڈی پہ جائے گی کیا؟'' سامنے کھڑے سوہنے سے منڈے نے پان چباتے ہوئے نظروں ہی نظروں میں نثار ہوتے رانی کو دیکھتے آنکھ ماری رانی جو اس کی بے باکی پہ دوپٹے کے پلو کو دانتوں میں دبائے شرماتی لجاتی دھیما دھیما مسکراتی لچکیلی ٹہنی بنی ہوئی تھی اماں کے جان دار دھمو کے پہ گرتے گرتے بچی۔

''اوئی...... اماں۔'' کی آواز رانی کے منہ سے بمشکل نکلی۔ کمر سہلاتے ہوئے ٹرین میں سوار ہو کر اس نے جونہی اس گبھرو جوان کی طرف دیکھا اسے مسکراتے دیکھ کر رانی کے تن بدن میں آگ لگ گئی اس کی اماں ہمیشہ یوں ہی اس کی لو اسٹوری میں ولن کا رول پلے کرتی تھیں۔ دھکم پیل اور دھونس جما کر اماں تین سیٹیں لینے میں کامیاب ہو چکی تھیں اب ان ہی سیٹوں پہ بیٹھ کر وہ شان تفاخر سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں' یہ الگ بات تھی کہ ان تینوں نے ٹرین کا ٹکٹ بھی نہیں لیا تھا۔ بغیر ٹکٹ سفر کرنا ہر دوسرے پاکستانی کی طرح ان کے لیے بھی باعث افتخار تھا۔ اگلے اسٹیشن پہ رکتے ہی سامنے کھوئے والی قلفی والا ان دونوں کی گرمی اور پیاس کی شدت میں مزید اضافہ کر گیا تھا۔

''اماں...... اماں گل تو سن اماں۔'' ادھ کھلے منہ سے خراٹے کی عجیب و غریب خوف ناک گھرر گھرر کرتی اماں ہلکی سی چیخ سے بیدار ہوئی اور دل پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''نی مردودو...... کیا ہوا ہے کیوں چیخ رہی ہو' کہیں آگ لگ گئی ہے کیا؟'' اماں نے حسب عادت منفی اور تاریک پہلو ہی سوچا۔

''او نہیں اماں یہ قلفی تو لے دے۔'' بڑے لاڈ سے اماں کے گرد بانہیں پھیلائے ندیدی نظروں سے قلفی کی طرف تکتی رانی منمنائی۔

''اوئے گل سن قلفی والے ان بھوکیوں' ندیدیوں کو

دوقلفیاں دے شوہدیاں۔'' اماں نے بٹوے میں ہاتھ مارا۔

ان دونوں کی اس قدر عزت افزائی پہ اس منڈے نے قہقہہ لگا کر جلتی پہ تیل ڈالنا اپنا فرض سمجھا اب کی بار تو رانی کو قابو رکھنا مشکل تھا غصے سے بے قابو ہوتی لال انگارہ چہرہ لیے وہ اس لفنگے لڑکے سے دو دو ہاتھ کرنے کو پوری طرح تیار تھی۔ بمشکل بلو نے اسے روکے رکھا۔ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے گالیوں کا سلسلہ البتہ جاری تھا۔

ٹرین پنو کی اسٹیشن پہ رکی تو دھڑا دھڑ سامان اتارتے مسافر اور چیختے چلاتے بچوں میں دھکم پیل کرتی ان تینوں نے راستہ بنایا اور یہ جا وہ جا۔

''اماں' آخر اتنا سامان لانے کی کیا ضرورت تھی۔ چار چھ جوڑے کافی ہوتے۔'' ٹرنک گھسیٹتی پسینے میں شرابور بلو کی حالت واقعی قابل رحم تھی آگ برساتے سورج میں اس کا سانولہ رنگ تانبے کی طرح گہرا ہو رہا تھا۔ رہی سہی کسر اس کے لال اور پیلے کنٹراسٹ نے پوری کردی تھی اسٹیشن سے باہر سڑک تک جانا دشوار تھا گہری سرخ لپ اسٹک جسے گھر سے بڑے چاؤ سے لگا کر نکلی تھی کچھ پسینے اور کچھ اس کے ہونٹ چبانے کی نذر ہوچکی تھی۔

''ارے چپ کر بڑی آئی سیانی ماں کو سمجھانے والی۔ میں تو وہاں ایک سے بڑھ کر ایک جوڑا پہنوں گی فیر تیری مامیاں سڑ کے سواہ ہوجائیں گی۔''

اتنی گرمی میں اماں کی سواہ کی مثال بلو کو مزید آگ لگا گئی۔ سڑک کے کنارے کھڑے انہیں آدھ گھنٹہ گزر چکا تھا مگر دور دور تک ان کی مطلوبہ بس کا نام ونشان تک نہ تھا ہر گزرتی بس کو للچاتی نظروں سے دیکھتی لوہے کے ٹرنک کو گھسیٹتی ہوئی سڑک کے کنارے تک دوڑتی ہوئی آتیں مگر ہر بار ناکامی سے منہ لٹکائے واپس جا بیٹھتی کافی انتظار کے بعد ان کو ان کی مطلوبہ بس مل گئی۔

ماموں کے گھر پہنچتے ہی مامیوں نے تیوری زدہ پیشانیوں اور طنزیہ نگاہوں سے ان کا استقبال کیا' دراصل دونوں ممانیوں کی جان تو ان کے اتنے بڑے ٹرنک کو دیکھ کر ہی نکل گئی تھی اس کا مطلب ان کے طویل قیام سے مشروط کیا گیا تھا۔

اتنے سارے چھوٹے چھوٹے ننگ دھڑنگ بہتی ناک الجھے بال اور پسینے کی سرانڈ سے معطر بچے اپنی ماڈرن نظر آتی کزنز کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے چڑیا گھر میں بندر کے پنجرے کے باہر بھیڑ لگی ہوتی ہے۔ قدرے شان تفاخر سے گردن اکڑاتے ناک پہ گلابی کڑھائی والا رومال رکھے بلو اور رانی اپنے آپ کو ''کترینہ کیف'' اور ''کرینہ کپور'' سے کم کا درجہ دینے کو ہرگز تیار نہ تھیں۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے برتن زور سے پٹختے دھپ دھپ ادھر سے ادھر گردش کرتے ماموں کی گھوریوں اور منمناتی سرزنش کے بعد بالآخر ان تینوں کے لیے کھانے کا انتظام کر ہی دیا گیا یہ وہی گھر تھا جہاں اکلوتی بیٹی یعنی ان کی اماں کے آنے پر ہر طرف میز سج جاتی تھی مگر اب والدین کی وفات کے بعد بھائی بھابیوں کے دل انتہائی تنگ ہوچکے تھے اماں کے دونوں بھائی اپنی بیویوں کے ہاتھوں کاٹھ کے الو ثابت ہوئے تھے (بالکل ابا کی طرح)

ٹھنڈی آہ بھرتی اماں نے تھوڑا سا سالن اپنی پلیٹ میں نکالا اور چند نوالے زہر مار کرنے لگیں کھانے سے فراغت کے بعد رانی اور بلو کو جلد سونے کی ہدایت کرتی وہ بستر پہ چلی گئیں آخر کو صبح پہلی ٹرین سے ان کو گھر واپس بھی جانا تھا۔ ایک ہفتے کے قیام کا ارادہ اہل خانہ کی روش دیکھ کر ملتوی ہوچکا تھا۔ پہلی مرتبہ اماں کی

آنکھوں میں پھوپو سے ملتی جلتی اداسی اور شرمندگی کے گہرے سائے نظر آئے ورنہ ان کی اماں کافی جلادی طبیعت کی مالک تھیں۔

''میکہ ماں باپ کی حد تک......'' یہ مثال تو زبان زد عام ہے مگر اس کا عملی مظاہرہ انھوں نے آج دیکھ لیا تھا۔ ایسا ہی مظاہرہ وہ ہمیشہ اپنے گھر پھوپو کی آمد پہ دیکھتی آئیں تھیں لیکن آج ان کی اپنی ذات نشانہ بنی تھی۔ اگلے دن گھر واپس آکر ابا کے سوالوں کے اطمینان سے جواب دیتی اماں اس پل انہیں حیرت میں ڈال گئیں۔

''میرے بھائیوں کی جان تو ہر وقت مجھ میں اٹکی رہتی ہے اب بھی واپس ہی نہیں آنے دے رہے تھے بہت اصرار کررہے تھے کہ ہم کچھ دن رہ کے جائیں۔ رانی کے ابا ان سب نے تو ہماری اتنی خاطر مدارت کی کہ سچ میں جی راضی کردیا مگر تمہیں تو معلوم ہے مجھے اپنے ہی علاقے کا پانی راس آتا ہے کل سے پیٹ میں شدید درد ہے۔ بھئی میں نے سوچا واپس گھر ہی چلی جاؤں یہاں کب تک بیمار پڑی رہوں گی۔'' رانی اور بلو کی حیرت زدہ نظروں کی پروانہ کرتے ہوئے اماں فراٹے سے اپنے میکے کی جھوٹی شان میں رطب اللسان تھیں آخر کو انہیں اپنا بھرم بھی تو قائم رکھنا تھا ناں۔

محبت میری آخری شرارت تھی

صائمہ قریشی

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو فرنیچر سے ناپید خالی کمرہ اس کا منہ چڑانے لگا، نگاہیں دوڑائیں تو کہیں بھی کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں وہ بیٹھ سکتا ایک سائڈ پر دونوں چھوٹے صوفے کے درمیان خالی جگہ (جہاں ایک کرسی رکھی جاسکتی تھی) وہاں نیچے گدا بچھائے وہ تینوں بیٹھی تھیں لیکن اس کی آمد سے بے خبر تھیں اس کی نگاہیں ان زلفوں میں الجھ کر رہ گئی تھیں جھکی پلکوں اور دھیمے لہجے میں بولتی وہ کب اس کے لیے خاص بن گئی تھی وہ جان نہ سکا اس کی مدھم ہنسی کو یک لخت بریک لگے تھے اس نے ان آوارہ لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا اور دوپٹے کی کناری کو سیدھا کر کے سر پر جمالیا شاید وہ اس کی آمد سے باخبر ہوچکی تھی اور یہ محتاط انداز اس کو وارن کرنا تھا کہ وہ اس پر سے نگاہیں ہٹالے اس کی نگاہیں اس کی طرف نہ اٹھی تھیں پہلو بھی نہ بدلا تھا لیکن پھر بھی وہ اس کے انداز سے اپنی آمد پر اس کی ناگواری جان گیا تھا۔

"گل میر کہاں جارہے ہو؟" اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر باہر نکلتا آمنہ بیگم کی آواز نے اس کے اٹھتے قدم روک لیے تھے ان کی آواز پر ان دونوں نے دروازے کی سمت دیکھا۔

"ماہی جاؤ گل میر کے لیے کرسی لے آؤ۔" آمنہ بیگم صوفہ پر براجمان تھیں جھک کر اسے کہا وہ بنا ایک لفظ کہے اس کی طرف دیکھے بغیر اٹھی تھی، گل میر نے بغور اس کے تاثرات دیکھے لیکن جان نہ سکا کہ وہ کس جذبے کے تحت ایک ہی بار کہنے پر آمنہ بیگم کا حکم مان گئی تھی۔

"گل بھائی۔"

"میر بھائی۔" اس کے جاتے ہی مریم اور یسریٰ نے اپنے اپنے منتخب کردہ ناموں سے اسے پکارا۔

"ادھر آجاؤ، بیٹا۔" آمنہ بیگم نے اسے بلایا تو مریم اور یسریٰ بھی اسے بلانے لگی مدھم مسکان کو چہرے پر سجا کر گل میر نے ان کی جانب قدم بڑھائے۔

"بڑی بوا یہ کہاں رکھوں؟" ماہ روش کی آواز پر گل میر نے پلٹ کر دیکھا۔

"یہاں ہی لے آؤ۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا تو وہ اپنے سپاٹ انداز سے چلتی کرسی کو گھسیٹتی اس کے پاس لے آئی تو آمنہ بیگم نے کرسی کو بالکل اپنے سامنے رکھ کر گل میر کو اس پر بیٹھنے کو کہا گل میر نے سٹپٹا کر کنکھیوں سے اسے دیکھا لیکن وہ متوجہ نہ تھی البتہ مریم اور یسریٰ کو کچھ اشارہ ضرور کیا تھا۔

"کہاں جارہی ہو؟ گل میر نے کچھ کھایا نہیں ہوگا۔"

"نن...... نہیں...... بڑی بوا...... میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔" گل میر نے بوکھلا کر کہا۔

"کہاں سے کھا کر آئے ہو؟" آمنہ بیگم نے اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔

"سچ بڑی بوا میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔" گل میر نے ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر انہیں یقین دلایا وہ ابھی تک وہاں کھڑی اس کی پشت کو گھورے جارہی تھی۔

"چائے تو پیے گا ناں؟" آمنہ بیگم ہر حال میں اسے اس کی خدمت پر مامور کرنے کے درپے تھیں۔

"نہیں بڑی بوا، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جانتا تھا کے اس کے پیچھے وہ کھڑی کیسے کیسے دانت کچکچا کر اس کو کھری کھری سنارہی ہوگی اپنے آپ کو اس کے عتاب سے بچانے کے لیے اس نے اپنی شدید طلب کو دبا لیا تھا۔

"چائے سے تھکاوٹ دور ہوجاتی ہے۔" آمنہ بیگم اس کے چہرے پر تھکن کے آثار بخوبی دیکھ سکتی تھی۔

"ہاں جیسے بڑے کارنامے سرانجام دے کر آیا ہے ناں۔" دونوں بازو فولڈ کر کے ماتھے پر آئی چند لٹوں کو پھونک سے اڑا کر وہ لاکھ ضبط کے باوجود بھی اپنی بڑبڑاہٹ پر قابو نہ رکھ پائی تھی۔

"نہیں بڑی بوا میں ٹھیک ہوں۔" وہ سمجھ تو نہ سکا لیکن

جان چکا تھا کہ وہ پیچ وتاب کھا رہی ہے۔

''میں جاؤں بڑی بوا؟'' اپنے لہجے کی تلخی پر قابو پاتے ہوئے اس نے جانے کی اجازت چاہی۔

''ہاں جاؤ۔'' اجازت ملتے ہی وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔

''اسٹور روم سے رضائی نکال کر بستر سیٹ کردینا گل میر نے آرام کرنا ہوگا۔'' اس سے پہلے کہ وہ دروازہ عبور کرتی آمنہ بیگم کی خاص ہدایت نے اس کو تلملا دیا تھا پلٹ کر قہر آلود نگاہ اس پر ڈالی اور پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی۔

''بڑی بوا آپ کی محبت بہت خاص ہے۔'' گل میر نے ممنون نظروں سے انہیں دیکھا۔

''اچھے لگتے ہو مجھے اس لیے ساتھ دیتی ہوں تمہارا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ من مانیاں کرتے پھرو سو کام بکھرے پڑے ہیں، تعلق میں الجھاؤ ہے وہ الگ تناؤ کا شکار ہے، سکندر اور مہر النساء بھی تمہارا ذکر سنتے ہی آگ بگولا ہونے لگتے ہیں۔ ماہی اگر خاموش ہے تو صرف میرا لحاظ ہے اور میاں رانجھے تمہیں کوئی پروا ہی نہیں۔'' آمنہ بیگم نے اسے سرزنش کی وہ کھسیانا سا ہنس دیا۔

''اپنے تعلقات خود بھی سنبھالنا سیکھو معاملات کو سلجھانا سیکھو۔'' آمنہ بیگم نے اسے صلاح دی۔

''کیسے سب سنبھالوں کیا کیا سمجھاؤں بڑی بوا۔'' گل میر کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''ہاں ناں گل بھائی۔'' یسریٰ تیزی سے بولی تو اس نے دیکھا۔

''گل بھائی اسے تو آپ زہر سے بھی زیادہ برے کریلے سے بھی زیادہ کڑوے لگتے ہیں آپ کے ذکر پر تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے منہ سے کسی ڈریگن کی طرح آگ برسنے لگتی ہے۔'' یسریٰ نے نہایت افسوسناک لہجے میں گل میر کو حقیقت سے آگاہ کیا۔

''میر بھائی آپ کے معاملات تو نہایت بری طرح الجھ چکے ہیں بلکہ بکھر چکے ہیں یہ سب تو سلجھانے کے لیے آپ کو ایک عمر درکار ہوگی۔'' مریم کیوں پیچھے رہتی یسریٰ سانس لینے کو رکی تو باقی سچائی اس نے بیان کردی گل میر نے سٹپٹا کر انہیں دیکھا آمنہ بیگم نے یک لخت سر تھام لیا تھا۔

''خاموش رہو تم دونوں۔'' اس سے پہلے اب دوبارہ یسریٰ کوئی بلاسٹ کرتی آمنہ بیگم نے انہیں ڈانٹا۔

''آدھی خرابی تو تم لوگ کرتی ہو۔'' آمنہ بیگم نے غصے سے کہا۔

''ہم نے کیا کیا بڑی بوا؟ ہم تو سارے قصے سے ہی انجان ہیں۔'' وہ دونوں منہ بسور کر بولیں۔

''بند کرو یہ لگائی بجھائی۔'' آمنہ بیگم نے گل میر کے مایوس چہرے کی طرف دیکھا اور ان دونوں کو باز رکھا۔

''میر بھائی ہم نے آپ کا برا نہیں سوچا۔'' مریم نے رونی صورت بنا کر کہا۔

''ہاں گل بھائی ہم آپ کے ساتھ ہیں، آپ اور ماہی کے اس کڑوے کسیلے تعلق کو شہد کی طرح میٹھا نہ کردیا تو کہنا۔'' یسریٰ جوش میں بولتی دوسرے پل زبان دانتوں تلے دبا گئی۔

''گل بھائی لگالیں شرط جیت ہماری ہوگی۔'' یسریٰ نے مریم کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''لیکن اس خفیہ ٹیم کی اگر اسے بھنک بھی پڑ گئی ہمارا مشن لیک آؤٹ ہوگیا ناں تو ہم سب ایک ہی چھری سے ذبح ہوں گے اس لیے......''

''اس لیے کوئی شرط نہ لگاؤ بس دعا کرو۔'' مریم نے کہا تو اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی گل میر بولا۔

''ہاں واقعی شرط نہیں لگانی چاہیے خوامخواہ معاملات مزید بگڑ جائیں گے۔'' مریم نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''گل میر بیٹا تم جاؤ آرام کرو کسی چیز کی ضرورت ہو تو ماہی سے کہنا۔'' آمنہ بیگم کی اجازت پر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم دونوں کو کوئی عقل وقل ہے کہ نہیں۔'' گل میر کے جاتے ہی آمنہ بیگم نے ان دونوں کو ڈانٹا۔

''کیوں بڑی بوا کیا ہوا؟'' ان کی لاعلمی پر آمنہ بیگم

نے سر پیٹ لیا۔

"کیا ضرورت تھی ماہی کے بارے میں اتنی تلخ باتیں کرنے کی۔" آمنہ بیگم نے انہیں گھورا۔

"سوری بڑی بوا کوئی ارادہ نہ تھا بس منہ سے نکل گیا۔" یسریٰ نے شرمندگی سے کہا۔

"اچھا اب آئندہ احتیاط کرنا۔"

"بڑی بوا کیا ماہی میر بھائی کے کام کرے گی؟" آمنہ بیگم بھی وہاں سے اٹھنے لگی تھیں کہ مریم نے پوچھا۔

"تھوڑی ضدی ہے لیکن سمجھدار ہے کرے گی ضد بھی اور کام بھی۔" آمنہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"چلو تم دونوں بھی اٹھو کوئی کام ہوگا ماں کا ہی ہاتھ بٹا دو۔" آمنہ بیگم اٹھ کر باہر کی جانب بڑھیں اور ان دونوں کو بھی وہاں سے اٹھنے کا کہا۔

○......❖......○

وہ شاید "دھنک آباد" کا سب سے بڑا کمرہ تھا گل میر نے قدم اندر رکھے جس سے قدموں کی آواز گونجی تھی نئے پینٹ کی خوش بو کو اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لے کر محسوس کیا ایک کونے میں بان کی چارپائی پر ایک چھوٹا سا کشن رکھا تھا اور سائیڈ پر ایک چھوٹی سی میز اس بڑے سے کمرے کا کل فرنیچر یہی تھا۔

گل میر چند قدم آگے بڑھا تو کافی کی تیز خوش بو نے اس کا استقبال کیا اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری آگے بڑھ کر بھاپ اڑاتی کافی کا مگ اٹھایا اس وقت چائے یا کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ سپ لیتے ہی پھیکی کافی نے ساری طلب کا بیڑہ غرق کر دیا تھا وہ میٹھا شوق سے نہیں کھاتا تھا کبھی کوئی سویٹ ڈش اس نے ایک چمچ سے زیادہ نہ کھائی تھی لیکن چائے یا کافی میں چینی کے بھر بھر کے چمچ ڈالتا تھا اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کہیں پر شوگر پوٹ مل جائے لیکن ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے ذہن میں یہ سوچ بھی نہ ابھری کہ یہ کافی شاید اس کے لیے نہ ہو دھنک آباد کا ہر ایک مکین چاہے وہ اس کا محسن ہو یا دشمن بخوبی واقف تھے کہ گل میر پھیکی کافی نہیں پیتا ہے یقیناً یہ پھیکی کافی گل میر کی نہ تھی لیکن اب اس کے قبضے میں آ چکی تھی۔ کافی کا مگ اٹھائے وہ باہر نکلا اور کچن کی تلاش میں آگے بڑھا۔

کچن میں جانے کے بجائے ایک کمرے سے آتی کھٹ پٹ کی آواز نے اس کے قدم ادھر موڑ دیے شاید یہی اسٹور روم تھا ہر طرف بکھری چیزیں بے ترتیبی اور دھول مٹی سے اٹی چیزیں ایک سائیڈ پر رکھے فرنیچر پر سفید چادریں چڑھائی گئی تھیں وہ تھوڑا آگے بڑھا کارپٹ کے بڑے سے چوکور پیس پر کمبل اور رضائیوں کا ڈھیر رکھا ہوا تھا۔ ابھی اس کی تانک جھانک جاری تھی کہ ایک کمبل اس کے سر پر آ لگا جو اس کے سر کو گھماتا ہاتھ میں پکڑے کافی کے مگ کو رگیدتا اس کے چودہ طبق روشن کرتا نیچے جا گرا مگ کے گرنے پر نسوانی چیخ نے اب اس کو بوکھلا دیا تھا۔ ذرا حواس بحال ہونے پر سامنے آگ بگولہ تیوروں کے ساتھ ماہ روش کو کھڑے پایا۔

"مجھے یہاں سے آوازیں آ رہی تھیں اس لیے ادھر آیا تھا۔" جھک کر مگ کو اٹھاتا گل میر مدہم آواز میں بولا۔

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ یہاں کھڑے ہو باقی کمبل کی طرح اس کمبل کو بھی دیکھے بغیر پھینک دیا تھا۔" نجانے کیوں ماہ روش نے نادانستگی میں پھینکے جانے والے کمبل کی وضاحت دی۔

"کوئی بات نہیں۔" گل میر نے کہا اور وہاں سے باہر نکل گیا۔

"یہ کافی...... میری تھی......" ماہ روش نے نیچے گری کافی کو دیکھ کر اسے بتانا ضروری سمجھا۔

"آئی ایم سوری...... مجھے معلوم نہ تھا۔" گل میر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"اونہہ......سوری......" ماہ روش نے نخوت سے کہا اور پھینکا گیا کمبل اٹھانے لگی۔

"یہ کافی ہماری قسمت میں نہیں تھی۔" گل میر نے اس کی جانب قدم بڑھائے تو ماہ روش نے اسے دیکھا آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں روشن تھیں اور چہرے پر

ناگواریت۔

"ماہی......" گل میر نے نرم لہجے میں اسے پکارا۔

"ماہ روش۔" اس نے اس کے لہجے کی مٹھاس نظر انداز کرکے تصحیح کی۔ گل میر نے گہری نگاہ اس کے غصے سے لال ہوتے چہرے پر ڈالی۔

"اپنا کمبل اٹھا کر اسی کمرے میں چلے جانا جہاں سے کافی کا مگ اٹھایا تھا۔" ماہ روش نے کہا اور اٹھائے گئے کمبل کو بازو میں دبوچ کر باہر کی جانب بڑھی۔

"نظر انداز کرکے جاؤ گی تو نیند بھی نہیں آئے گی۔" گل میر نے دائیں بازو کو اس کے رستے میں پھیلا کر اسے روکا تو ماہ روش نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایک منٹ......ایک منٹ اس کا مطلب ہوا یہ کافی میری تھی؟" یک لخت گل میر کو اس کے الفاظ پر غور کرنے کی یاد آئی۔

"کافی پھیکی تھی۔" ماہ روش کہنا چاہتی تھی کہ وہ کافی وہاں رکھ کر کمبل نکالنے آئی تھی جاتے وقت وہ اپنی کافی کا مگ اٹھا لیتی لیکن محض تین لفظ بھی گل میر کے لیے کافی تھے۔

"میں کیسے جان لوں۔" گل میر کی آنکھوں میں ایک مسکراہٹ ابھری حالانکہ جانتا تو وہ بھی تھا لیکن کیا مان جاتا یوں ہی اتنی آسانی سے؟ ماہ روش خاموش رہی۔

"کچھ دو گی نہیں۔" اس کے دوستانہ لہجے میں ایک مٹھاس تھی گویا ان کے درمیان کوئی خلیج حائل ہے ہی نہیں، وہ پیار میں روٹھی ہے اور وہ اسے پیار سے منا رہا تھا۔

"گل میر مرتضٰی مجھے مجبور مت کرو کہ میں ایسی زبان استعمال کروں جو مجھے زیب نہیں دیتی اور آپ کو سوٹ نہیں کرتی میرے راستے سے ہٹ جاؤ گل میر مرتضٰی۔" اس کے لہجے میں کوئی مروت و لچک نہ تھی، چند پل گل میر بے انتہا حیرانی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر بنا ایک لفظ کہے سائیڈ پر ہو گیا اور وہ اسٹور روم سے باہر نکل گئی گل میر نے بھی کمبل اٹھایا اور باہر کی جانب بڑھا۔

"خوامخواہ کافی ہی ضائع کی۔" اب وہ خود کو سرزنش کر رہا تھا۔

کمبل کو چارپائی پر رکھا اور لیٹ گیا شدید تھکاوٹ کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مسلسل کوشش سے بھی جب ناکامی ہوئی تو وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں رکھا اپنا سوٹ کیس گھسیٹ لایا کمرے کا دروازہ بند کیا اور والٹ سے سوٹ کیس کی چابی نکال کر اسے کھولا، احتیاط ظاہر کر رہی تھی کہ بہت قیمتی سامان کی پردہ پوشی کی جا رہی ہے زپ کھولتے ہوئے اس نے ایک بار پھر تسلی کی کہ وہاں کوئی موجود تو نہیں۔ اس نے کپڑوں کو اِدھر اُدھر کرکے سوٹ کیس سے ایک ڈائری نکالی نیلے رنگ کی ڈائری جس کے کور پر مور کے پر آویزاں تھے اس نے ڈائری کو کھولا۔

"ماہ گل......!" پہلے صفحے پر رنگوں سے مزین چھوٹے چھوٹے ستاروں کے درمیان یہ نام اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"محبت میری آخری شرارت تھی۔" اگلے صفحے پر درج اس جملے پر گل میر کی نظریں ساکت ہو چکی تھیں اس نے وہ ڈائری بند کی اگلے پل وہ ایک گہرے سبز رنگ کی ڈائری کو نکال کر کھول رہا تھا۔

"ماہ گل۔" اس ڈائری کے پہلے صفحے پر ویسے ہی رنگوں سے ستاروں کے بیچ یہ نام جگمگا رہا تھا۔

"ٹھک ٹھک۔" اس سے پہلے کہ وہ ڈائری کے مزید صفحے پلٹتا دروازے کی دستک نے اسے بوکھلا دیا جلدی سے دونوں ڈائریوں کو سوٹ کیس میں کپڑوں کے نیچے چھپا دیا۔

"گل بھائی آپ کے لیے چائے بڑی بوا نے بھیجی ہے کہہ رہی تھی کہ آپ کو ضرورت ہوگی۔" دروازہ کھلنے پر مریم نے اندر قدم رکھا اس نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا۔

"سوری گل بھائی ابھی کوئی سیٹنگ نہیں ہوئی ناں، سارا فرنیچر اسٹور روم میں ہے کہیں بھی کوئی جگہ ابھی ایسی نہیں جہاں آرام کیا جائے ان شاءاللہ چند دنوں تک سب فرنیچر اپنی اپنی جگہ پر رکھ دیا جائے گا۔" مریم نے خالی

کمرے کو دیکھ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں گڑیا میں مہمان نہیں ہوں کہ تکلف برتا جائے ویسے چائے کی طلب واقعی بہت ہورہی تھی۔" گل میر نے مسکرا کر کہا اور اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا۔

"گل بھائی چائے پینی تھی تو کہتے ناں، گھر کے لوگ تو ایسا تکلف نہیں برتتے۔" مریم نے خوش دلی سے کہا۔

"چینی کم ہے۔" چائے کا سپ لیتے ہی گل میر نے کہا۔

"گل بھائی تھوڑے پھیکے ہوجائیں کیا پتا مزاج مل جائیں۔" مریم نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ اسے مشورہ دیا۔

"وہ تو مشکل ہے۔" گل میر نے منہ بسور کر کہا۔

"اچھا میں شوگر لے کر آتی ہوں۔" مریم نے ہنس کر اسے دیکھا اور باہر بڑھی۔

"نہیں.....نہیں اب رہنے دو، تمہارے مشورے پر عمل کرلیتا ہوں شاید کام کر جائے۔" گل میر نے فوراً کہا۔

"اچھا پھر میں چلتی ہوں کسی چیز کی ضرورت ہوتو کوئی تکلف مت کیجیے گا آپ مہمان نہیں۔" مریم نے جاتے ہوئے کہا تو گل میر ہنس دیا۔

O.....❖.....O

"مرتضٰی صاحب آپ سے مجھے ایسے کٹھور پن کی امید کبھی بھی نہ تھی جوان بیٹا باپ کا سہارا ہوتا ہے۔" ادیبہ جلے پاؤں کی بلی کی مانند ٹہل رہی تھی کسی پل چین نہ تھا ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ان کی طرف لپکی۔ مرتضٰی حیدر نے نہایت تحمل سے ادیبہ کی بات سن کر بڑے آرام سے نظر انداز کیا۔

"مرتضٰی صاحب یہ کہاں کا انصاف ہے۔" وہ سکون سے صوفے پر بیٹھے ٹانگ پر ٹانگ رکھے اب ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگے تو ادیبہ ان کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"اولاد سے ضد کرنے کا زمانہ نہیں ہے مرتضٰی صاحب آپ کیوں نہیں سمجھتے اس بات کو؟" ادیبہ کی کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تو اس نے ریموٹ ان کے ہاتھ سے چھین کر زمین پر پٹخ دیا۔

"ادیبہ بیگم زمانہ کوئی بھی ہو میرا یہی اصول ہے کہ اولاد کو کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نگاہ سے۔ آپ کی اولاد نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اس پر یہ دربدری نہایت معمولی بات ہے۔" مرتضٰی حیدر نے آرام سے اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

"ہاں میں مانتی ہوں اس نے غلطی کی ہے لیکن کیا آپ اسے سمجھا نہ سکتے تھے؟" ادیبہ انتہا کی پریشان تھیں۔

"غلطی...... یہ غلطی نہیں تھی ادیبہ بیگم میری نظر میں آپ کے بیٹے نے گناہ کیا ہے۔" مرتضٰی حیدر کے لب و لہجے میں کوئی لچک نہ تھی۔

"ادیبہ بیگم اس گناہ کا کفارہ تو ادا کرنا پڑے گا آپ کے سپوت کو۔" انہوں نے ایک نگاہ ان پر ڈالی ادیبہ کے پاس اب کہنے کو کچھ نہ تھا۔

"ادیبہ بیگم ایک بات یاد رکھیں بیٹیوں کی عزت کے معاملے میں مرتضٰی حیدر کسی قسم کا سمجھوتہ برداشت نہیں کرتا بیٹی دشمن کی ہو یا اپنے گھر کی اس کی عزت کے ساتھ کسی قسم کا کھیل کھیلنے والے کو مرتضٰی حیدر گولی مارنے سے بھی نہیں ہچکچاتا سمجھائیں یہ اس نالائق کو اور خود بھی سمجھ جائیں۔" مرتضٰی حیدر انتہائی غصیلے لہجے میں ان سے مخاطب تھے۔

"وہ دھنک آباد چلا گیا ہے مرتضٰی صاحب۔" ادیبہ بیگم نے انہیں اطلاع دی لہجے میں فکر مندی سے زیادہ ایک خوف موجود تھا۔

"کفارے آسان نہیں ہوا کرتے ادیبہ بیگم۔" دل ہی دل میں ان کو بھی ایک فکر لاحق ہوئی تھی لیکن زبان سے وہی کرخت الفاظ ہی ادا کیے ادیبہ بیگم نے بے بسی سے انہیں دیکھا لیکن وہ اپنی بات ختم کرچکے تھے۔

"چائے بھجوا دیجیے گا میں کچھ دیر آرام کروں گا۔"

مرتضیٰ حیدر اٹھ کر اٹیچڈ باتھ روم کی جانب بڑھے اور پھر ادیبہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا مرتضیٰ باتھ روم میں گھس گئے اور ادیبہ مزید پریشانیوں میں گھری وہاں سے نکل کر کچن کی جانب بڑھ آئی۔

○.....❖.....○

"دھنک آباد" میں اس صبح کا آغاز نہایت شور شرابے کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو جب تک حواس بحال نہ ہوئے طرح طرح کی آوازوں نے پل بھر میں ہی اس کو سو طرح کے خیالوں سے نواز دیا تھا۔

"نہیں اس کا رخ اس طرف کرو۔"

"ارے نہیں یہ ایسے نہیں اچھا لگ رہا۔"

"کمال کرتے ہو یار تم بھی بھلا یہ بھی کوئی سیکھنے کا کام ہے۔"

ہدایات، ڈانٹ اور ہنسی کی ملی جلی آوازوں نے اب اسے بتا دیا تھا کہ دھنک آباد کے اسٹور روم سے فرنیچر نکل آیا ہے اور اب اس کو ٹھکانے لگانے کی تگ و دو جاری ہے۔ وہ اٹھ بیٹھا اور اس سے پہلے کے اس کمرے کا دروازہ پیٹا جاتا وہ کمبل اتار کر بستر سے نکل آیا۔ دروازہ کھولا تو حیران رہ گیا اس کے کمرے کے دروازے کے بالکل آگے صوفہ رکھا ہوا تھا اور اس پر بہت ساری رضائیاں، تکیے رکھے ہوئے تھے اس سے پہلے کہ وہ اپنی حیرت پر قابو پاتا ایک سرہانہ اس طرف اچھالا گیا جو سیدھا آ کر اس کے سر پر لگا۔

"کیا میں یہاں کمبل اور تکیے کی مار کھانے آیا ہوں؟" گل میر نے جھنجلا کر اپنے آپ سے سوال کیا۔ طائرانہ نگاہوں سے دھنک آباد کے صحن کا جائزہ لیا اور خاصا بددل ہو گیا تھا۔

"گل بھائی۔" اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کر کے واپس پلٹا یسریٰ کی آواز نے اسے روک لیا۔

"گل بھائی ابھی باہر نہ آنا ادھر تو سارا سامان بکھرا پڑا ہے، کچھ دیر تک یہ سامان یہاں سے ہٹا دیں گے ساتھ والے کمرے میں شفٹ کرنا ہے۔" یسریٰ کی بات پر گل میر نے لب بھینچ لیے تھے۔

"پھر آپ آجانا بھائی۔" یسریٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے پلٹا تھا۔

"پلیز بھائی۔" کوئی جواب دیے بنا وہ پلٹا تو یسریٰ گھبرا گئی۔

"اٹس او کے پریشان نہ ہو جب سامان ہٹا دو تو بتا دینا۔" گل میر نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"آپ چائے پئیں گے؟" یسریٰ کو یک دم احساس ہوا کہ وہ ابھی ابھی جاگا ہے۔

"نہیں ناشتا کر لیا میں نے۔" انتہائی تلخی سے کہہ کر گل میر نے دروازہ بند کر دیا۔

"ناشتا کر لیا ہے کہاں، کب، کس نے بنا کر دیا؟" یسریٰ بڑبڑائی اور پھر سر جھٹک کر وہاں سے ہٹ گئی۔

دھنک آباد سکندر جمال اور دانیال جمال کی آبائی حویلی تھی۔ یوں تو اس کی صفائی ستھرائی کے لیے نوکر چاکر موجود تھے جو ہفتے دس دن بعد دھنک آباد کے نیچے والے پورشن کی صفائی کے لیے خاص طور پر رکھے گئے تھے سال بھر میں بارشوں کے بعد رنگ و روغن بھی باقاعدگی سے ہوتا تھا اور اگر مرمت کا کام ہوتا تو وہ بھی انہی کے ذمہ تھا جبکہ اوپر والا پورشن کرائے پر تھا۔ اوپر والا پورشن دانیال جمال کے حصے میں آیا تھا اور سکندر جمال کو نیچے والا پورشن ملا جو انہوں نے نہایت بددلی سے قبول کیا تھا وہ اس حویلی میں حصے کے بدلے پیسے لینا چاہتے تھے یا وہ زمین لینا چاہتے تھے جو تنویر جمال نے شہر میں لی ہوئی تھی لیکن جائیداد کو بانٹا گیا تو ان کے حصے میں یہی پورشن آیا تھا۔

تنویر جمال کی کل جائیداد یہ حویلی شہر کی زمین اور ایک فلیٹ تھا۔ وہ زمین انہوں نے ادیبہ جمال کے نام کر دی اور حویلی کو دونوں بھائیوں میں تقسیم ایسے کیا کہ الگ الگ پورشن بنا دیے اور فلیٹ آمنہ بیگم کے نام کر دیا۔

آمنہ بیگم اور تنویر جمال بہن بھائی تھے آمنہ بیگم نہایت سمجھدار اور سلیقہ شعار عورت تھی ہر طرح کے حالات سے گزرنے کے بعد وہ کندن بن چکی تھیں۔ دنیا میں اچھے

لوگوں کی کمی نہیں، لیکن عورت کی ظاہری شکل وصورت کو اہمیت دینے والے اس کی سمجھداری اور سلیقہ شعاری کو پس پشت ڈال کر اس کی ناقدری کرنے والوں کی بھی ہمارے معاشرے میں قلت نہیں، آمنہ بیگم بھی انہی لوگوں کی بے حسی کا شکار ہوگئی تھیں۔ بچپن میں موٹر سائیکل کے ایک حادثے کے باعث ان کے چہرے پر چند نشان باقی رہ گئے تھے جس کی بدولت آمنہ بیگم کو بہت سی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

جب ازدواجی بندھن میں بندھنے کی عمر آئی تو ہر ماں کی طرح ماں تعریفیں تو کرتی لیکن سامنے والے ہمت نہ کرتے کہ آمنہ کو اپنی بہو بنالیں آمنہ انتظار کرتی رہتی اور پھر خبر ملتی کہ انہوں نے کوئی اور لڑکی منتخب کرلی ہے جو بہت خوب صورت ہے بہت کٹھن دور تھا لیکن آمنہ باہمت رہی چہرے کے ان داغوں کو وہ ختم کرنے سے قاصر تھیں لیکن اپنی ذات کو سنورنے کی کوشش ان کے اپنے اختیار میں تھی، ڈھلتی عمر میں ایک شخص کو آمنہ کی ہمسفری میسر آئی تھی پہلے تو وہ صورت کا پجاری نکلا جب آمنہ کی سلیقہ شعاری اور نیک سیرت کا ادراک ہوا تب زندگی ایسے موڑ پر آئی کہ وفا نہ کرسکی، یوں آمنہ بیگم بیوگی کی چادر اوڑھے واپس وہی آ کھڑی ہوئیں جہاں سے چلی تھیں۔

ایک دستکاری اسکول شروع کیا جہاں سلائی کڑھائی کا کام سکھانے کے ساتھ ساتھ وہ درس بھی دیتی تھیں اور بڑی بوا کے نام سے جانی جانے لگیں سکندر جمال سرکاری آفیسر تھے جن کی وقتاً فوقتاً مختلف شہروں میں پوسٹنگ ہوتی رہتی، کافی عرصے سے دانیال بھی اس کوشش میں تھے کہ وہ بیرونِ ملک جاسکیں تو یوں سالوں کی تگ ودو اور کوشش نے انہیں کامیابی عطا کی اور ان کو دبئی کا ویزہ مل گیا اور وہ وہاں منتقل ہوگئے، پھر کچھ عرصے بعد جب دانیال کی وہاں سیٹنگ ہوگئی تو انہوں نے اپنی فیملی کو بھی بلالیا، کچھ ہی مہینوں بعد ثانیہ اپنے بچوں حمزہ، مریم اور یسریٰ کے ہمراہ دانیال کے پاس چلی گئی تھیں چونکہ اب ان کی پاکستان آمد سالوں بعد ہونی طے پائی تھی اس لیے

''دھنک آباد'' کا اوپر والا پورشن جو کہ دانیال کے حصے میں تھا کو کرائے پر دے دیا گیا آمنہ بیگم کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن ادیبہ کو انہوں نے پالا تھا یوں آمنہ بیگم کی اگر اولاد تھی تو وہ ادیبہ تھی جوان کو دل وجان سے عزیز تھی اس کی شادی آمنہ بیگم نے اپنے دیور کے بیٹے مرتضیٰ حیدر سے طے کر کے چار چھ مہینے میں اس کو رخصت بھی کردیا تھا۔

مہرالنساء اور ماہ روش جب تک تنویر جمال زندہ رہے دھنک آباد میں ہی مقیم رہیں سکندر کی جہاں بھی پوسٹنگ ہوتی وہ پندرہ دن بعد حویلی آجاتے تھے آمنہ بیگم ادیبہ کی شادی کے بعد سے اب تک دھنک آباد میں ہی رہیں لیکن جب تنویر جمال زندہ نہ رہے تو آمنہ بیگم، مہرالنساء اور ماہ روش کے لیے حویلی میں اکیلے رہنا مشکل ہونے لگا تھا۔ بچوں کے ساتھ آمنہ بیگم کی ایک خاص بے تکلفی تھی مریم، یسریٰ اور حمزہ دور رہنے کے باوجود ان کی محبتوں اور شفقتوں سے ہمیشہ مستفید رہتے تھے اور سال ڈیڑھ سال بعد پاکستان بھی آجاتے تھے۔

ادیبہ کا ایک ہی بیٹا تھا گل میر مرتضیٰ جو سب کا بہت لاڈلا تھا اپنی کیئرنگ نیچر اور اعلیٰ رکھ رکھاؤ کے باعث دھنک آباد کے مکینوں کے دلوں پر راج کرتا تھا۔ آمنہ بیگم کو سکندر اور دانیال بڑی بوا کہتے تھے یوں بچہ پارٹی کی بھی وہ بڑی بوا ہی بن گئی تھیں۔ پچھلے سال سکندر، مہرالنساء اور ماہ روش کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے تھے اور آمنہ بیگم مرتضیٰ مینشن میں ادیبہ کے ساتھ رہ رہی تھیں سکندر کی یہ پوسٹنگ ایک سال کے کنٹریکٹ پر تھی اور زیادہ فاصلے کی وجہ سے ہر دوسرے ہفتے واپس دھنک آباد آنا ان کے لیے ممکن نہ ہو پارہا تھا اس لیے انہوں نے مہرالنساء، ماہ روش اور آمنہ بیگم کو اپنے پاس بلانا چاہا، مہرالنساء اور ماہ روش تو چلی گئی لیکن آمنہ بیگم نے مرتضیٰ مینشن جانے کو ترجیح دی۔ چند نوکروں کا انتظام کر کے جو دھنک آباد کی دیکھ بھال کرسکیں آمنہ بیگم کو مرتضیٰ مینشن چھوڑ کر سکندر، مہرالنساء اور ماہ روش کے ہمراہ ملتان شفٹ ہوگئے۔

اس سال دانیال نے بچوں کو پاکستان بھیجا سکندر بھی

واپس دھنک آباد آگئے تھے اس لیے بہت سالوں بعد پوری حویلی کو رنگ و روغن کرایا گیا تھا کیونکہ اب دانیال نے فیصلہ کیا تھا کہ مریم اور یسریٰ تانیہ کے ساتھ پاکستان رہیں گے سکندر بھی اب سال ہا سال کی پوسٹنگ سے عاجز آچکے تھے اور اب کوئی بزنس پلان کر رہے تھے۔ برسوں بعد دھنک آباد مکمل آباد ہوا تھا کچھ رنجشیں اور تلخیاں تھیں لیکن ایک مضبوط ڈور تھی جس نے سب کو باندھ رکھا تھا۔

سارا سامان جو اسٹور روم میں تھا اب کمروں میں منتقل کیا جانے لگا تھا دانیال کا پورشن بھی خالی ہوگیا تھا یوں وہاں بھی گہما گہمی شروع ہوگئی تھی۔ گل میر بھی وہاں آچکا تھا اور اب سارے مل کر دھنک آباد کو رونقیں بخش رہے تھے۔

سکندر جمال گل میر سے خاصہ بدظن تھے عموماً وہ بہن کے اکلوتے بیٹے کو بہت اہمیت دیتے تھے لیکن اس دفعہ گل میر کی دھنک آباد آمد پر ایک ہنگامہ برپا ہوا تھا گل میر کی وہ آؤ بھگت جس کا وہ عادی تھا اس دفعہ اس سے قاصر تھا۔ لیکن...... تا حال چند لوگ ہی اس ناچاقی کے قصے سے آشنا تھے۔

''ماہی آخر بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟ تمہارا موڈ کیوں خراب ہے۔'' مریم' یسریٰ اور ماہ روش تینوں گھر کی سیٹنگ کے بعد اب ذرا دیر ستانے کو بیٹھی تھیں' ماہ روش مسلسل تیوریاں چڑھائے بیٹھی تھی پچھلے پندرہ منٹ سے گہری سوچ کے باعث گہری خاموشی کے زیر اثر تھی مریم اور یسریٰ جو چند دن قبل ہی دبئی سے واپس آئی تھیں ماہ روش کی اس خاموشی اور دھنک آباد کی فضا میں ایک تلخی کو محسوس کر کے خود سے الجھنے لگی تھی۔

''کچھ نہیں یار بس تھکاوٹ ہو رہی ہے۔'' ماہ روش نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ ان کو مطمئن کرنا چاہا۔

''یہ سال بھر میں اسے کون سے پہاڑ فتح کر لیے جو تھکاوٹ اترنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔'' یسریٰ کی تیز آواز پر ماہ روش نے اسے دیکھا۔

''کوئی نہیں۔''

''اچھا سنو کیا تمہاری اور گل بھائی کی کوئی لڑائی ہوئی ہے۔'' یسریٰ نے بالآخر اس سے براہ راست پوچھ ہی لیا۔

''نہیں تو۔'' ماہ روش نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے پچھلے سال تک تو تم گل بھائی سے اتنی روڈ کبھی نہ تھی۔'' یسریٰ اس کے مختصر سے جواب سے مطمئن نہ ہوئی اور باقاعدہ جرح پر اتر آئی تھی۔

''تین سو پینسٹھ دن بھی تو گزر چکے ہیں ناں مزاج بدل جاتے ہیں اب پہلے کی طرح اوٹ پٹانگ حرکتیں تو نہیں ہو سکتی ناں۔'' ماہ روش قدرے مسخرے پن سے بولی۔

''ایسی کون سی بڈھی ہوگئی ہے کہ مزاج کو اتنا سنجیدہ کر لیا ہے؟'' اب کے مریم بولی تو اس نے محض ایک مسکراہٹ پر اکتفا کیا۔

''ماہی پتا ہے کیا؟'' یسریٰ نے قدرے رازدرانہ انداز اپنایا۔

''میر بھائی آئیں ناں رک کیوں گئے؟'' اس سے پہلے کہ یسریٰ اپنی بات مکمل کرتی مریم کی نظر دروازے کے ساتھ کھڑے گل میر پر پڑی اس کے کہتے ہی ماہ روش نے گہری سانس لی اور یسریٰ نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا، گل بھائی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' یک دم ہی یسریٰ کو اس کی سرخ آنکھیں طبیعت ناسازی کا بتانے لگیں۔

''ایک کپ چائے اور ایک پین کلر مل جائے گی کیا؟'' گل میر نے ماہ روش کی ناگواری کو بمشکل قبول کرتے ہوئے مریم سے کہا۔

''او مائی گاڈ گل بھائی نے تو ناشتہ بھی نہیں کیا تھا مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔'' اگلے پل یسریٰ نے ماتھے پر ہاتھ مارا تو مریم نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں تو کیا ہوا، کون سا پہلی بار یہاں رہ رہے ہیں اب خوامخواہ کے چونچلے اٹھاؤ نواب زادیے کے۔'' اس سے پہلے کہ مریم کچھ کہتی ماہ روش نے انتہائی تلخی سے کہا۔

''ماہی کیا بدتمیزی ہے۔'' مریم نے اسے ڈانٹا۔

"بدتمیزی کیا بات ہے یہ کون سا مہمان ہیں یہاں۔" ماہ روش اپنی تلخ کلامی کو برقرار رکھتے ہوئے بولی گل میر تک بخوبی اس کی آواز پہنچ رہی تھی وہ لب بھینچ کر کھڑا رہا۔

"تمہیں بھی تو خیال کرلینا چاہیے تھا مہمان نہیں ہیں لیکن تم جانتی تو ہو کہ گل بھائی کتنے لاڈلے ہیں۔" یسریٰ نے تیکھی نظروں سے مریم کو دیکھا۔

"گل بھائی آپ چلیں میں چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو بھی لاتی ہوں یقیناً بھوک کی وجہ سے سر درد ہورہا ہوگا۔" یسریٰ نے اسے کہا اور ماہ روش کو کڑی نگاہوں سے گھورتے ہوئے اٹھ گئی۔ گل میر نے ایک نظر ماہ روش پر ڈالی اور وہاں سے چلا گیا۔

"اونہہ۔" وہ نخوست سے رخ موڑ کر مریم کو حیران کر گئی تھی اس کے بار بار پوچھنے پر بھی ماہ روش نے کچھ نہ کہا لیکن گل میر کے لیے اس کا یہ رویہ انتہائی حیران کن تھا۔

O......❖......O
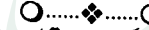
"کیا ہوا، پریشانی کیسی؟" مرتضیٰ حیدر گھر میں داخل ہوئے تو ادیبہ کو انتہائی پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہلتے پایا۔

"مرتضیٰ صاحب مجھ سے اب یہ سب برداشت نہیں ہوتا ہمارا گل میر ایسے رویوں کا عادی نہیں ہے۔" ان کو دیکھتے ہی ادیبہ بے تحاشہ فکرمندی سے گویا ہوئی۔

"کون سا رویہ؟" مرتضیٰ حیدر نے متعجب نگاہوں سے ان کو دیکھا۔

"سب اپنے کاموں میں لگے ہیں میرے بیٹے کو کسی نے ناشتہ تک نہ پوچھا مرتضیٰ صاحب بلوائیں اس کو واپس، آپ جانتے ہیں گل میر سے بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ غضب خدا کا میرا بیٹا بھوکا پیاسا سر درد سے تڑپ رہا ہے اور کسی کو پروا تک نہیں۔" ادیبہ ان سے التجا کرتے ہوئے یک دم غصے میں آگئیں۔

"بھوکا پیاسا کیوں رہا، کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے، وہ دھنک آباد پہلی بار نہیں گیا نہ ہی وہ اُن لوگ کے لیے اجنبی ہیں۔" مرتضیٰ حیدر پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

"کیسے باپ ہیں آپ بجائے بیٹے کی حمایت کرنے کے اسے ہی برا بھلا کہہ رہے ہیں۔" ادیبہ نے ماتھے پر تیوریاں چڑھا کر کہا۔

"دیکھو بیگم اسے احساس ہونے دو کہ اس نے......"

"بھاڑ میں جائیں یہ احساسات' میرے بیٹے کو ایسے نظر انداز کیا جارہا ہے جیسے خدانخواستہ اس نے کوئی قتل کردیا ہو اب کیا پھانسی چڑھائیں گے؟" ادیبہ تو ہتھے سے اکھڑ گئی تھیں۔

"دیکھو تم خوامخواہ جذباتی ہورہی ہو، ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔"

"ٹھنڈے دماغ سے سوچنے کے لیے آپ ہیں ناں، میں نہیں سوچ سکتی میرے گل کے ساتھ دھنک آباد کے مکینوں کا یہ رویہ میں برداشت نہیں کروں گی اور غلطی صرف ایک انسان کی نہیں ہے تو سزا صرف ایک کو کیوں ملے؟" ادیبہ بیگم نے گل میر کو کال کی تو وہ سر درد سے تڑپ رہا تھا پوچھنے پر اس نے کہا کہ اس نے تو صبح سے کچھ کھایا ہی نہیں بس پھر کیا تھا ماں کا دل تھا بیٹے کی بھوک کی وجہ سے طبیعت خرابی پر ساری برداشت ہوا ہوگئی۔

"میں کچھ نہیں جانتی مرتضیٰ صاحب آپ ابھی دھنک آباد کال کریں اور کہیں ان سے کہ اگر آج کے بعد میرے گل میر کو ایسے نظر انداز کیا کہ اس کی طبیعت خراب ہوگئی تو میں ان پر کیس دائر کردوں گی۔" ادیبہ بیگم کی ممتا پھڑ پھڑانے لگی تھی مرتضیٰ حیدر ان کی اس دھمکی پر مسکرانے لگے۔

"آپ ذرا آرام سے بیٹھیں۔" مرتضیٰ نے ادیبہ کا بازو پکڑ کر انہیں بٹھایا۔

"وہ تمہارے بھائی کا گھر ہے وہاں تمہارے بیٹے پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔" مرتضیٰ اب اس کو سمجھا رہے تھے۔

"اور گل میر کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے جس کو بھوک لگے گی تو جب تک کوئی اسے کھانے کو کچھ دے گا نہیں وہ کھا نہیں سکے گا۔" مرتضیٰ نے پھر کہا۔

"میں نے آپ سے زیادہ پتھر دل باپ نہیں دیکھا۔"

ادیبہ رخ موڑ کر ناگواری سے بولی۔

''میں پتھر دل نہیں ہوں لیکن زیادتی برداشت نہیں کرنا چاہیے پھر میرے مقابل میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔'' مرتضیٰ حیدر ایک اصول پرست انسان تھے۔

''مرتضیٰ صاحب کبھی کبھی اپنوں کے لیے اپنے اصولوں کو توڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' ادیبہ کی ممتا ان کے ان اصولوں سے کسی طرح متاثر نہ ہو رہی تھی۔

''میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ تم حوصلے اور برداشت سے کام لو گل میر کو وقت دو کہ وہ اپنے بگڑے تعلقات کو سلجھائے کہ ہم ہمیشہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو آگے نہیں بڑھا سکتے' تھوڑے سے صبر سے ہمارا بیٹا سرخرو ہو سکتا ہے۔'' مرتضیٰ حیدر نے ایک بار پھر ادیبہ کو سمجھایا۔

''میرے دل کو تسلی نہیں ہو رہی مرتضیٰ صاحب' سکندر بھائی اور مہرالنساء بھابی سے تو چلو کوئی نرم مزاجی کی مجھے امید نہ تھی لیکن بڑی بوا انہوں نے بھی تو آنکھیں پھیر لیں' نہ مجھے کسی بات سے آگاہ کیا نہ ہی گل میر کا ساتھ دے رہی ہیں۔'' ادیبہ کا دل کسی طرح بھی مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

''ادیبہ بیگم اب آپ زیادتی کر رہی ہیں، مانا سکندر اور مہرالنساء بھابی کا رویہ کرخت ہے لیکن بڑی بوا گل میر سے غافل نہیں ہیں۔'' مرتضیٰ حیدر نے ادیبہ کی طرف دیکھا۔

''میرے دل کو کسی پل قرار نہیں مرتضیٰ صاحب جب خون سفید ہو جائے تو سارے لحاظ بھی مٹ جاتے ہیں میرا گل پھر دشمنوں میں گھرا ہے اور مجھے......''

''حد کرتی ہو ادیبہ بیگم تم بھی۔'' اس کی بات کاٹ کر مرتضیٰ حیدر قدرے تیز لہجے میں بولے۔

''اب ایسی بھی اندھیر نگری نہیں، گل میر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اطمینان رکھیں بڑی بوا وہاں موجود ہیں اور سکندر لاکھ متنفر سہی لیکن اس کے دل میں گل میر کے لیے محبت ہے' ہمارا لحاظ ہے' ہاں وہ ناراض ہے' شدید غصے میں ہے لیکن اس کو رشتوں کا پاس بھی ہے۔'' مرتضیٰ حیدر نے ادیبہ کو مزید پریشان ہونے اور ہر قسم کے وسوسوں سے بچانا چاہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مرتضیٰ صاحب لیکن......''

''پلیز ادیبہ بیگم اب بس کرو اس لیکن ویکن کو......'' مرتضیٰ نے ان کی بات پھر کاٹ دی۔

''میرے دل میں عجیب وہم آ رہے ہیں میرا گل میر پریشان ہے وہ ایسے رویوں کا عادی نہیں ہے۔ اتنی بے اعتنائی وہ برداشت نہیں کر پا رہا ہوگا۔'' مرتضیٰ حیدر کے غصے کے باوجود ادیبہ نے اپنی پریشانی کہہ دی۔

''اپنا دل مضبوط کرنا پڑے گا تم اس سے بات کر لیا کرو اور حالات معلوم کرتی رہا کرو اس سے کہو کہ سکندر اور مہرالنساء بھابی کا دل جیتے ماہی کو اعتماد میں لے باقی میں کوشش کرتا ہوں سکندر سے رابطہ کر سکوں۔'' مرتضیٰ حیدر اب نرم لہجے میں گویا ہوئے جانتے تھے ادیبہ گل میر کے معاملے میں کس قدر حساس ہیں اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھیں' ان کے بے تحاشہ لاڈ پیار اور اہمیت دینے پر گل میر تھوڑا خودسر بھی ہو گیا تھا لیکن اس کا ایک خاص رکھ رکھاؤ بھی تھا جو اس کو سب میں نمایاں کرتا تھا اس کا انداز دوستانہ تھا لیکن دیکھنے والے کو اس میں کچھ غرور بھی نظر آتا تھا۔

دھنک آباد میں بھی گل میر کو ایک خاص مقام حاصل تھا مریم' یسریٰ' حمزہ اور ماہ روش سب نے ہمیشہ گل میر کو خاص اہمیت دی لیکن گل میر اس کی نظر میں کس کی اہمیت زیادہ تھی کوئی نہ جانتا تھا شاید وہ خود بھی اس بات سے انجان تھا۔

''آپ کی جیسے ہی سکندر بھائی سے بات ہو مجھے بھی بتایئے گا میں بڑی بوا کو کال کرنے لگی ہوں۔'' ادیبہ نے ان کی بات پر اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کر لینا لیکن پہلے اس غریب کو کچھ چائے پانی کا پوچھ لو، بیٹے کی محبت میں شوہر کو نظر انداز کرنا بھی گناہ ہے۔'' مرتضیٰ حیدر نے مسکراہٹ دبا کر انہیں چھیڑا۔

''مرتضیٰ صاحب کر دی ناں پھر وہی ٹیپکل مردوں والی بات بیٹے کی محبت اپنی جگہ اور شوہر کا مقام اپنی جگہ۔''

ادیبہ نے بھی مصنوعی ناراضی کا اظہار کیا۔

''ہاہاہاہا اب یہ نہ کہہ دینا کہ عورت کی کمزوری اولاد ہوتی ہے اور مرد کی کمزوری عورت۔'' مرتضیٰ حیدر نے ادیبہ کی جانب پیش قدمی کی۔

''ہاں ویسے یہ تو سچ ہی ہے ناں۔'' ادیبہ نے حیرانی سے ان کو دیکھا۔

''ویسے آپ کی محبت تو ہماری کمزوری ہے ہی اور ہم اس کا کھلے دل سے اعتراف بھی کرتے ہیں۔'' مرتضیٰ حیدر ان کے مقابل آ کر کے دونوں بازو پھیلا کر شاہانہ انداز میں کہا تو ادیبہ کے چہرے پر ایک شرمگین مسکراہٹ ابھری جھینپ کر انہیں دیکھا اور اگلے پل دونوں ہاتھ ان کے سینے پر رکھ کر اپنا سر ٹکا دیا۔ مرتضیٰ حیدر کے بازو بھی سمٹ گئے تھے۔

''مجھے گل میر کی بہت فکر ہے۔'' ادیبہ گلوگیر لہجے میں بولی تو مرتضیٰ حیدر مسکرا دیئے۔

''فکر نہ کرو ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔'' اس لمحے ان کو ادیبہ کو ایک بار پھر سرزنش کرنا مناسب نہ لگا۔

''اچھا آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں میں نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔'' ادیبہ نے آنسوؤں کو جذب کرتے مسکرا کر کہا۔

''چلیں ٹھیک ہے پھر۔'' مرتضیٰ نے بھی حامی بھری اور ادیبہ کھانا گرم کرنے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

○......❖......○
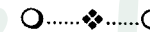
''گل بھائی بہت ہی غلط بات کی آپ نے۔'' یسریٰ نے گل میر کے لیے کھانا گرم کر کے اس کے سامنے رکھا اور نروٹھے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''کون سی بات؟'' گل میر کے چہرے پر یک دم ایک سایہ سا لہرایا۔

''کام کی مصروفیت کے باعث اگر ہم میں سے کسی کے ذہن میں نہیں رہا کہ آپ نے ناشتہ نہیں کیا تو کیا آپ کہہ نہیں سکتے تھے؟ آپ جانتے ہیں کہ بھوک سے آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے کیا یہ غیروں والی بات نہیں؟'' یسریٰ نے اچھی خاصی ناراضی کا اظہار کیا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''گل بھائی آپ نے خود کہا تھا آپ یہاں مہمان نہیں ہیں پھر ایسی غیریت برتنا کوئی خاص دل کو چھونے والی بات نہیں ہے اس حرکت پر آپ کو سزا بھی مل سکتی ہے اور جرمانہ بھی بھرنا پڑ سکتا ہے۔'' یسریٰ اپنے دوستانہ انداز کے ساتھ اس سے مخاطب تھی۔

''اچھا چلو منظور ہے۔'' گل میر نے ہنس کر کہا۔

''لیکن پہلے ذرا طبیعت فریش ہو جائے ناں پھر۔''

''ہاں ایسے ٹھیک ہے۔'' یسریٰ اس کے اتنی جلد مان جانے پر بہت خوش ہوئی۔ ''گل بھائی آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' اب وہ خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا کہ یسریٰ کی بات پر اس کے ہاتھ رک گئے۔

''ہاں کیوں نہیں ضرور پوچھو۔'' وہ لحہ بھر کو ٹھٹکا پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

''کیا آپ اور ماہی میں کوئی لڑائی ہوئی ہے۔'' وہ جانتا تھا کہ وہ یہی پوچھنے والی ہے پھر بھی اس کے سوال پر وہ ساکت ہو گیا لیکن کوئی جواب نہ دیا۔

''ہم تو سمجھ رہی تھیں کہ یہ معمولی لڑائی ہے اس لیے تو اس دن ایسے ہی مذاق میں آپ کو مشورے دے رہی تھیں لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ معاملہ مذاق کا نہیں نہایت گمبھیر ہے۔'' یسریٰ نے اس دن والے مشوروں کا حوالہ دیا اور اس سے ان دونوں کے درمیان اس تلخی کی وجہ جاننے کے لیے اس سے پوچھنے لگی۔

''نہیں تو، ایسی کوئی بات نہیں۔'' گل میر نے مختصراً جواب دیا صاف دامن بچایا اور دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''نہیں بھائی کوئی بات تو ہے ورنہ ہم ماہی کو جانتے ہیں وہ بہت نرم دل ہے، بہت محبت سے پیش آنے والی آپ کے ساتھ بھی پچھلے سال تک ہم نے اس کے رویے میں کوئی ایسی تبدیلی محسوس نہیں کی تھی لیکن اب کے برس تو آپ کے ذکر پر وہ واقعی شعلے اگلنے لگتی ہے۔'' یسریٰ انتہائی

سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھی گل میر نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور لب بھینچ لیے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم میں اتنی دوستی تو کبھی بھی نہ تھی۔" گل میر نے آخری نوالہ منہ میں رکھا اور اسے جواب دیا یسریٰ نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اتنی دوستی کبھی بھی نہ تھی؟" یسریٰ نے گل میر کے الفاظ سوالیہ انداز میں دہرائے تو وہ نظریں چرا گیا۔

"گل بھائی ہم نے آپ دونوں کو ہمیشہ ساتھ دیکھا ہے ساتھ ساتھ سوچا ہے پھر اب ایسا کیا ہوا کہ آج آپ اس کے ذکر پر کترا رہے ہیں اور وہ...... اس کا ردعمل تو ایک دم چونکا دینے والا ہے۔" یسریٰ نے شاید پکا ارادہ کرلیا تھا کہ اس لمحے اس سے ساری تفصیل جان کر ہی رہے گی۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اتنی بڑی ہوگئی ہو۔" گل میر نے ہنس کر کہا۔

"گل بھائی......" یسریٰ نے تیکھی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"ویسے ہم آپ کی مدد کرسکتے ہیں۔" یسریٰ رازدرانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"تم اپنی سی کوشش جاری رکھو میں دعا کروں گا۔" گل میر نے ایک بار پھر اس کی بات کو مذاق میں لیا۔

"اور پلیز مجھے ایک کپ چائے لا دو اور کوئی پین کلر ہے تو وہ بھی دو پہلے ہی سر میں درد تھا اب تمہاری فضول گوئی نے تو دماغ کی لسی بنادی۔" گل میر نے اس کو چھیڑا تو یسریٰ نے منہ بسور کر اسے دیکھا۔

"اونہہ بڑے آئے۔" اپنی ناکامی پر پھنکارتی وہ اس کے لیے چائے پکانے لگی جبکہ شدید سر درد کے باوجود گل میر اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکا۔

"یسریٰ کیا کررہی ہو؟" اس کی آواز پر یک دم ہی گل میر کی ہنسی کو بریک لگے کھولتے پانی میں پتی ڈالتی یسریٰ نے پلٹ کر دیکھا کنکھیوں سے گل میر کے تاثرات ملاحظہ کیے اور پھر ماہ روش کی طرف متوجہ ہوئی جو گل میر کو وہاں دیکھ کر لحہ بھر کو ٹھٹکی پھر اعتماد سے آگے بڑھی۔

"گل بھائی کے لیے چائے پکارہی ہوں۔" اسے بتا کر وہ دوبارہ چائے کی پتیلی کی طرف متوجہ ہوگئی، ماہ روش کا خیال تھا کہ اس کے وہاں آتے ہی وہ وہاں سے چلا جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا وہ جھنجلا رہی تھی۔

"تم نے چائے پینی ہے؟" یسریٰ نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"ہاں لے آؤ۔" گل میر بظاہر بے نیاز تھا لیکن خاصی دلچسپی سے اس کی جھنجلاہٹ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

"گل بھائی کتنے چمچ شوگر ڈالوں؟" یسریٰ نے اس کے لیے کپ میں چائے نکالی اور اس سے پوچھنے لگی گل میر نے یک دم ماہ روش کو دیکھا اس کی نگاہوں میں ایک سوال تھا۔

"صرف ایک چمچ زہر کی مد میں ڈالیں آپ۔" دونوں ہاتھ باندھے ماتھے پر تیوریاں چڑھائے کھڑی ماہ روش زیرلب بولی۔

"اور تم میری صرف ایک نظر کی ذرا سنبھل کر رہنا۔" گل میر نے آہستگی سے کہا مسکرا کر بغیر شوگر ملی چائے کا کپ اٹھایا اور اس کو تلملاتا ہوا اور یسریٰ کو ہکا بکا چھوڑ کر وہاں سے نکل گیا اس کے جاتے ہی ماہ روش بھی پیر پٹختی وہاں سے پلٹ گئی تھی جبکہ یسریٰ اس پل ان دونوں کے اس طریقے کار پر شاکڈ رہ گئی تھی۔

○......❖......○

تقریباً ایک ہفتے میں دھنک آباد کا ہر کمرہ روشن اور بارونق ہوچکا تھا اور اوپر والا پورشن بھی سیٹ ہوگیا تھا اور مریم اور یسریٰ نے اپنے اپنے کمروں کو اپنی مرضی سے سیٹ تو کرلیا تھا لیکن فی الحال دانیاں اور حمزہ پاکستان نہ آئے تھے تو ثانیہ، مریم اور یسریٰ تینوں ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔ سکندر اور مہرالنساء نے نیچے والا حصہ بھی مکمل سیٹ کرلیا تھا سارا سامان جو جانے کتنے برسوں سے اسٹور روم میں رکھا ہوا تھا اب اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا۔

"اب جبکہ ساری سیٹنگ ہوگئی ہے تو ایک دعوت

کرتے ہیں ادیبہ اور مرتضیٰ بھائی کو بھی مدعو کرلیتے ہیں۔‘‘ مہرالنساء نے سکندر کی طرف دیکھ کر کہا۔

’’بڑی بوا کیا خیال ہے؟‘‘ مہرالنساء نے وہاں موجود آمنہ بیگم سے بھی مشورہ لیا۔

’’مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟‘‘ آمنہ بیگم نے رضامندی کا اظہار کیا۔

’’گل میر تو یہاں ہے ہی ادیبہ اور مرتضیٰ بھی آجائیں تو اچھا ہوگا۔‘‘ آمنہ بیگم نے سکندر کے سپاٹ چہرے کی طرف دیکھ کر کہا جس نے ابھی تک کوئی جواب نہ دیا تھا۔

’’گل میر کب آیا؟‘‘ سکندر نے تعجب کا اظہار کیا۔

’’کافی دن سے یہیں ہے۔‘‘ مہرالنساء نے ڈرتے ہوئے کہا۔

’’گل میر یہاں کافی دنوں سے ہے لیکن میں بے خبر ہوں۔‘‘ سکندر نے مہرالنساء اور آمنہ بیگم کی طرف دیکھ کر ان دونوں سے پوچھا۔

’’مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ کو علم نہیں۔‘‘ مہرالنساء مدہم آواز میں بولی۔

’’اس میں اتنا طیش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا گل میر کو میں نے بلوایا تھا اور اگر میں نے نہ بھی بلوایا ہوتا تو بھی وہ یہاں آسکتا ہے، دھنک آباد میں گل میر کا اپنا ایک مقام ہے جس سے تم یا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔‘‘ آمنہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا تو سکندر نے لب بھینچ کر خود کو کچھ کہنے سے روکا۔

’’میں کسی کی اہمیت سے انکار نہیں کررہا بڑی بوا لیکن اس وقت گل میر کا دھنک آباد میں قیام مناسب نہیں اگر آپ نے بلوانا ہی تھا تو ادیبہ اور مرتضیٰ کو بلوائیں گل میر کو بلوانے کی کیا تک بنتی ہے؟‘‘ سکندر عالم طیش میں جھنجلا کر بولے۔

’’یہ کہاں لکھا ہے کہ ماں باپ کی غلطی کی سزا اولاد بھگتے اور اولاد نے کچھ غلط کیا ہے تو ماں باپ کو رگید اجائے جس کی غلطی ہے وہی سزا کا بھی مستحق ہے، تم اس کے ساتھ نرمی نہ برتنا اس کو احساس ہونا چاہیے کہ اس نے کتنے دلوں کو ٹھیس پہنچائی ہے اور ادیبہ تمہاری بہن ہے اس کے ساتھ تمہارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے۔‘‘ آمنہ بیگم نے سکندر کو سمجھایا۔ وہ کچھ نہ بولے تو آمنہ بیگم وہاں سے اٹھ گئیں۔

’’مہرالنساء تم وہ چھوٹا کمرہ گل میر کے لیے سیٹ کرا دینا کسی کو سزا بھی ایسے دینی چاہیے کہ اس پر اثر ہو نہ کہ وہ مزید بگڑ جائے۔‘‘ آمنہ بیگم نے جاتے ہوئے مہرالنساء سے کہا اس نے اثبات میں سر ہلایا اور آمنہ بیگم کے وہاں سے جاتے ہی وہ بھی اٹھ گئی جبکہ سکندر اب تنہا بیٹھے آمنہ بیگم کی باتوں پر غور کرنے لگے تھے کچھ اطمینان در آیا تو گہری سانس لے کر آنکھیں موندلیں۔

○......❖......○

کافی عرصہ بعد دھنک آباد کی چہل پہل لوٹ آئی تھی وہی ہلا گلا پھر سے ان در و دیوار میں گونجنے لگا تھا جو بھی دھنک آباد کا خاصا رہا تھا' لان میں صوفہ رکھا گیا تھا جو ماہ روش کی خواہش کی بدولت سکندر نے اسے تحفہ میں دیا تھا۔ کسی ناول کی ورق گردانی کرتی سوئنگ پر دراز جھولے لیتی ماہ روش اس لمحے اس کی نظروں کی زد میں تھی گہرے سرخ رنگ کی لونگ شرٹ کے ساتھ ڈینم ٹراؤزر پہنے ڈارک بلیو دوپٹا جو آدھا نیچے لٹک رہا تھا ہر طرف سے بے نیاز وہ اپنے آپ میں مگن ان کی نگاہوں کے حصار سے یقیناً بے خبر تھی۔

گل میر سفید نیٹ کے پردے کے پیچھے باآسانی اس کو دیکھ رہا تھا فاصلہ بھی زیادہ نہ تھا اس لیے اس کے تاثرات بھی بخوبی اس کی نگاہوں میں سما کر اس کے دل میں ہلچل مچا رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں ساحرہ تھیں' دلکش تھیں' ماہ پیکر تھی۔ دیکھنے والے کو مسحور کردیتی تھی اور جس پر ایک نظر ڈال دیں وہ آنکھیں اس کے دل میں ایک تہلکہ مچا جاتی تھی۔ چاروں طرف سے بے گانہ وہ آنکھیں اس پل اس کی نگاہوں کے حصار میں تھیں ایک پل میں اس نے ہر طرف دیکھا شاید کسی کی نظروں کا اس کو ادراک ہوگیا تھا گل میر کے ہونٹوں پر ایک مدہم مسکان ابھری

دوسرے لمحے وہ وہاں سے ہٹ گیا' وہاں سے نکل کر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا اب اس کے کمرے میں صرف ایک بیڈ اور ٹیبل نہ رہا تھا ایک کونے میں صوفہ اور وارڈ روب بھی موجود تھی چند پل وہ دروازے میں کھڑا رہا یوں جیسے یاد کرنے کی کوشش میں ہو کہ یہاں کیوں آیا ہے پھر وہ وارڈ روب کے سامنے آ کر رکا' سوٹ کیس نکالا ساری شرٹس اس نے پہلے ہی ہینگرز کر دی تھیں' سوٹ کیس میں اس کے چند شلوار سوٹ رکھے تھے اس نے سوٹ کیس بیڈ پر رکھا کمرے کا دروازہ بند کیا نیلے رنگ کی ڈائری کو نکالا اس نے ڈائری کے کور میں سے ایک تصویر نکالی کالے دوپٹے کے نقاب میں وہ آنکھیں بہت نمایاں تھیں۔ وہ آنکھیں ساکت تھیں ان آنکھوں کی قندیلیں روشن نہ تھیں بے اثر تھیں وہ آنکھیں جامد و ساکت یک ٹک دیکھتی کچھ ڈھونڈتی کچھ کھوجتی وہ آنکھیں گل میر کے دل کی دنیا میں ایک کہرام برپا کر چکی تھیں۔

"تم نہیں تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوابوں کے رنگ پھیکے ہوں
جیسے سانسوں کے تار بکھرے ہوں
(ماہ گل)

گل میر نے صفحہ پلٹا تو وہاں لکھی یہ لائنز اس کو چونکا گئی۔

"مجھے محبتوں کو نبھانا نہیں آتا ماہ گل اور اب میرا نقصان تو دیکھو محبت گمشدہ میری میری سزا اب اس نفرت کو برداشت کرنا ہے شاید ایک دن میری برداشت مجھے وہ سب لوٹا دے جو میں کھو چکا ہوں۔" گل میر ان گہری براؤن آنکھوں میں جھانک کر مدھم آواز میں بول رہا تھا وہ رو بھی رہا تھا لیکن آنسو دل پر گر رہے تھے۔

"جو لوگ محبت کو دکھ دیتے ہیں ناں وہ ہمیشہ بے سکون رہتے ہیں' میری آنکھوں نے میری محبت کا پہلا تحفہ وصول کر لیا ہے یہ آنسو میری محبت نے تحفے میں دیے ہیں تحفہ میں نے قبول کر لیا ہے (ماہ گل)

چند صفحے مزید پلٹنے پر گل میر نے جو پڑھا اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

وہ اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا اس ڈائری میں بہت کچھ درج تھا ہر ایک لمحہ' ہر ایک درد' محبت کے پہر' محبت کی شرارتیں' چوڑیوں کی کھنک، گل میر کی نظریں اس صفحے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"تم بہت پاگل ہو ماہ گل بھلا چوڑی کے ٹوٹ جانے پر بھی کوئی آنسو بہاتا ہے؟" اس نے مجھے ڈانٹا تو اس کی اس محبت بھری ڈانٹ سے میری چوڑیوں کے ٹوٹ جانے کا دکھ ختم ہو گیا تھا۔

"لیکن یہ چوڑیاں آپ نے دی تھیں۔" میں نے منہ بسور کر کہا۔

"تو کیا ہوا، کانچ کی چوڑیاں ہیں ٹوٹ گئیں تو کیا ہوا میں اور لا دوں گا۔" مجھے یوں لگا جیسے انہیں میری چوڑیوں کے ٹوٹ جانے کا کوئی دکھ ہی نہیں اور اگر سوچیں تو انہیں دکھ ہوتا ہی کیوں کانچ کی چند چوڑیاں ہی تو تھیں ٹوٹ گئی تو کیا ہوا؟ لیکن میرے لیے وہ چوڑیاں کانچ کی چند چوڑیاں نہیں محبت کا تحفہ تھا اور محبت کے تحفے کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

میں کوئی جاہل نہیں' نہ ہی دقیانوسی باتوں پر یقین رکھتی ہوں لیکن پتا نہیں کیوں مجھے بدشگونی سے ڈر لگتا تھا کہتے ہیں کانچ کا ٹوٹ جانا بدشگونی کی علامت ہوتا ہے۔

"پریشان نہ ہو ہم ایسا کرتے ہیں ان ٹکڑوں کی ایک چین بنا لیتے ہیں۔" انہوں نے شاید میرے وہم میرے چہرے پر پڑھ لیے تھے۔

میں ایک موم بتی لے آئی اور انہوں نے جب پاکٹ سے لائیٹر نکالا تو میں نے ان سے منوا ہی لیا کہ وہ اسمگلنگ کرتے ہیں انہوں نے چوڑی کے ٹکڑوں کو جلا کر نرم کر کے دہرا کر کے ایک چین بنا دی۔ چھ ٹکڑوں کی ایک چین جب انہوں نے مجھے تھمائی تو میرے دل کے اندر ایک اطمینان سا پھیل گیا مجھے محسوس ہوا یہ صرف کانچ کے ٹکڑے ایک دوسرے سے نہیں بندھے بلکہ ہماری محبت ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ بندھ گئی ہے میں خوش تھی

اور وہ جان گئے تھے (ماہ گل)

گل میر نے ڈائری کا وہ پیج پڑھا تو جانے کیوں اسے محسوس ہوا اس کی آنکھیں بھیگ گئی ہیں۔ اور پھر اس سے پہلے کہ گل میر مزید صفحے پلٹتا دروازے کی دستک نے سوچوں کے سارے حصار کو توڑ دیا تھا اس نے ایک بار پھر اس ڈائری کو سوٹ کیس میں رکھا کر لاک کر دیا اور دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھ گیا تھا۔

○......❖......○

''ایک تو مجھے اس لڑکے کی سمجھ نہیں آتی۔'' ادیبہ انتہائی غصہ میں آ کر صوفے پر بیٹھی۔

''اب کیا ہوگیا؟'' مرتضیٰ حیدر نے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر ان سے پوچھا۔

''کتنے کتنے گھنٹے گزر جاتے ہیں موصوف کا کوئی اتا پتا ہی نہیں ہوتا اور اگر میں بار بار کال کروں تو پہلے تو ریسیو ہی نہیں کرتا اگر کر بھی لے تو مجال ہے جو کوئی بات بتا دے۔'' ادیبہ اس وقت صحیح معنوں میں گل میر کے رویے سے عاجز آئیں ہوئی تھیں۔

''ہاں تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو ناں بار بار تنگ کرو گی تو پھر اس نے اگنور ہی کرنا ہے۔'' مرتضیٰ حیدر نے مشورہ دیا۔

''ہاں لیکن مجھے معلوم ہونا چاہیے ناں کے اس کے ساتھ وہاں کیا سلوک ہو رہا ہے۔'' ادیبہ نے تیکھی نظروں سے مرتضیٰ کو دیکھا۔

''حد کرتی ہو تم بھی ادیبہ بیگم ماشاء اللہ جوان لڑکا ہے اچھی خاصی سمجھ بوجھ والا اور پھر کوئی غیروں میں نہیں ہے جو خدانخواستہ اس پر ظالم سسرال کی طرح وہ لوگ ظلم کے پہاڑ توڑیں گے اور وہ سر جھکا کر برداشت کرتا رہے گا۔'' مرتضیٰ نے چینل بدلتے ہوئے ادیبہ کو ڈانٹا۔

''کچھ ہوش کے ناخن لیں اگر اتنی ہی فکر ہو رہی ہے تو بڑی بوا سے رابطہ کر لو یا مہر النساء بھابی سے رابطہ بحال کرو تاکہ حالات پر قابو پا سکو۔'' اس سے پہلے کہ ادیبہ کچھ کہتی مرتضیٰ پھر گویا ہوئے۔

''مہر النساء سے رابطہ کی کوشش کی تھی لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی بڑی بوا کو تو خود چاہیے کہ مجھ سے رابطہ کریں جانتی بھی ہیں وہ گل میر کی وجہ سے کتنی پریشان ہوں لیکن انہیں تو کوئی احساس ہی نہیں۔'' ادیبہ نے غصے سے مرتضیٰ کو بتایا۔

''کمال کرتی ہو تم بھی بھلا اب تم بڑی بوا سے مقابلہ کرو گی خیر تم جانو اور تمہاری لڑائیاں۔'' مرتضیٰ نے مزید کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر دیا تو ادیبہ نے قدرے ناگواری سے ان کو دیکھا۔

''آپ تو کبھی بھی میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔'' اب ادیبہ نے پینترا بدلا۔

''اب یہ تو سراسر زیادتی ہے ادیبہ بیگم۔'' مرتضیٰ حیران ہوتے ہوئے بولے۔

''اونہہ میں کچھ کہوں تو وہ زیادتی ہو جاتی ہے خود جو مرضی آئے کہو وہ سب ٹھیک ہوتا ہے۔'' ادیبہ میں انا کی مقدار کچھ زیادہ ہی پائی جاتی تھی اور پھر گل میر کے معاملے میں تو وہ ہر ایک جذبے کو یہاں تک کے مرتضیٰ کی محبت اور ساتھ کو بھی پس پشت ڈال دیا کرتی تھی، ادیبہ کی بیٹے کی محبت پر مرتضیٰ کو کبھی اعتراض نہ ہوا تھا جانتے تھے کہ ماں اور بیٹے کا رشتے ہی ایسا جذباتی ہوتا ہے کہ اس کے سامنے باقی سارے رشتے کوئی معنی نہیں رکھتے۔

''بڑی بوا سے میری بات ہوئی تھی ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا تم سوچے بیٹھی ہو سکندر اور مہر النساء ناراض ضرور ہیں لیکن خاموش ہیں، انہوں نے گل میر کو کچھ نہیں کہا ہاں ماہ روش بہت تلخ ہے لیکن گل میر کو کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جہاں چند لوگ اس سے خفا ہیں وہاں بہت سے اس کا ساتھ دینے والے بھی موجود ہیں۔'' مرتضیٰ ان کو بتانا نہیں چاہتے تھے لیکن ان کی جھنجلاہٹ اور پریشانی دیکھ کر بلا آخر بتا دیا۔

''کب بات کی آپ نے؟'' ادیبہ نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''ایک دو روز پہلے اور آج صبح سکندر سے بھی بات

ھوئی ہے۔'' مرتضیٰ نے سرسری انداز میں اسے بتایا۔

''کیا واقعی؟'' ادیبہ یکلخت ان کی طرف بڑھی۔

''ہاں واقعی۔'' مرتضیٰ اب بھی ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھے۔

''تو کیسا رویہ تھا ان کا؟'' ادیبہ نے ان کی طرف دیکھ کر بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔ ''مرتضیٰ صاحب پہلے میری بات کا جواب دے دیں ناں پھر جو مرضی دیکھتے رہیے گا۔'' ادیبہ نے ان کے ہاتھ سے ریموٹ تقریباً چھین کر ترش لہجے میں کہا۔

''رویہ ٹھیک تھا کوئی بات نہیں کی بس خیر خیریت پوچھی اور کہا کہ دانیال کے پاکستان آنے پر ایک دعوت کا پروگرام ہے۔ جس کے لیے ہمیں بھی مدعو کیا جائے گا۔'' مرتضیٰ حیدر نے انہیں بتایا۔

''میرے بارے میں نہیں پوچھا؟'' ادیبہ کے انداز میں ایک خاموشی کا عنصر واضح تھا۔

''پوچھا تھا۔'' مرتضیٰ نے ایک سرسری نظر ادیبہ کو دیکھ کر کہا۔

''اگر اب ایک کپ چائے مل جائے تو آپ کی اتنی دیر کی ٹینشن ہضم ہوجائے گی۔'' مرتضیٰ نے ادیبہ کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

ادیبہ میں انا کے جراثیم تھے لیکن جلدی ختم بھی ہوجاتے تھے' بھائی سے ان بن تھی لیکن نفرت نہ تھی میکے میں ایک تلخی کا عنصر موجود تھا لیکن انتظار بھی تھا محبت بھی تھی اور بے قراری بھی' مرتضیٰ نے ہمیشہ ادیبہ کا ساتھ دیا تھا اور پھر دھنک آباد کے مکینوں سے ان کا ایک الگ رشتہ بھی تھا اور کچھ دھنک آباد میں رہنے والے محبتوں کے پجاری تھے' مہمان نوازی میں ان کی مثال نہ تھی یہ طور طریقے شروع سے تھے کچھ عرصہ جب سکندر اور دانیال دھنک آباد میں مقیم نہ تھے' تب بھی سب سے ان کے تعلقات اسی طرح قائم تھے اور اب جب دھنک آباد میں ایک بار پھر رونقیں بحال ہوچکی تھیں' وہی طریقے' وہی رسمیں پھر سے لوٹ آئی تھیں۔ مرتضیٰ حیدر دھنک آباد کے داماد تھے یوں ان کو ہمیشہ ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا اور پھر بڑی بوا سے بھی ان کا ایک رشتہ تھا۔

ادیبہ جاچکی تھیں اور مرتضیٰ گہری سوچ میں گم تھے گل میر سے ان کا بھی رابطہ نہ ہوا تھا ان کی گہری سوچ کو موبائل کی گھنٹی نے منتشر کردیا تھا اگلے پل وہ فون سن رہے تھے۔

○......❖......○

''میر بھائی آپ کو بڑی بوا نے یاد کیا ہے۔'' دروازے کو بجا کر گل میر کی محویت توڑنے والی مریم تھی۔

''بڑی بوا سے کہنا میں بھی انہیں یاد کررہا ہوں۔'' گل میر نے اسے گھورا اور اس کی بے وقت آمد نے اسے بدمزہ کردیا تھا۔

''آپ ہی جاکر کہہ دو میں ذرا مصروف ہوں۔'' مریم نے ہنس کر کہا تو گل میر کو جاتے ہی بنی' مریم بھی پیغام دے کر چلی گئی تھی تو گل میر نے بھی اب بڑی بوا کے پاس جانے کے لیے باہر قدم بڑھا دیے اسے معلوم نہ تھا کہ بڑی بوا کہاں ہیں اسے بھی یاد نہ رہا اور مریم بھی عجلت میں پیغام دے کر یہ جا وہ جا ہوگئی تھی' گل میر نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا وسیع و عریض ڈرائنگ روم کو جدید طرز کے فرنیچر سے آراستہ کیا گیا تھا یہ وہی ڈرائنگ روم تھا جہاں آج سے چند ہفتے قبل فقط ایک پرانا صوفہ اسٹور روم سے نکال کر رکھا گیا تھا تاکہ بوقت ضرورت وہاں بیٹھا جاسکے وہاں پر بڑی بوا نہ تھیں مکمل خاموشی کا راج تھا گل میر کا جی چاہا صوفے پر لیٹ جائے اور سکون سے سوجائے لیکن اپنی اس سوچ کو وہ عملی جامہ پہنانے سے قاصر تھا کیونکہ یہ وقت بڑا بے وقت تھا اس نے قدم واپسی کے لیے موڑے کہ یک دم اس خاموشی میں ایک ہلکی سی ہنسی کی جلترنگ نے اس کے قدموں کو جامد کردیا۔

''یہ کون ہے۔'' وہ زیرلب بڑبڑایا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا۔

''نہیں ناں' بس آپ کوئی فیصلہ کرہی لیں۔'' مدھم آواز پر گل میر ایک قدم آگے بڑھایا تو صوفے کے پیچھے اسے ایک آنچل کا کونا جھانکتا دکھائی دیا۔

"یہ تو واقعی سب کے لیے ایک زبردست سرپرائز ہوگا۔" چوڑیوں کی کھنک کے ساتھ دوپٹے کے کونے کو سمیٹا گیا اس گفتگو نے گل میر کو چونکایا تو تھا ہی مزید یہ انداز کہ صوفے کے پیچھے بیٹھ کر دوسرے لفظوں میں چھپ کر فون پر بات کرنا گل میر کے لیے حیرت انگیز بات تھی۔

"آپ بس جلدی سے سب فائنل کرکے بات پکی کرلیں تاکہ یوں چوریوں سے بچ جائیں۔" ایک بار پھر ہنسی سنائی دی۔

"ماہ روش۔" بے اختیار بلا ارادہ وہ اس کا نام اونچی آواز میں پکار بیٹھا۔ وہ چونکی سر اٹھا کر دیکھا گل میر نہایت حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہاں بیٹھ کر کس کو کال کررہی ہو؟" اس نے بنا کچھ کہے موبائل پر آف کا بٹن دبایا تھا اب دونوں بازو باندھے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"ماہ روش یہ غلط انداز ہے۔" وہ مسلسل خاموش رہی تو گل میر نے پھر کہا۔

"مجھے صحیح انداز سکھانے کا حق میں نے آپ کو نہیں دیا۔" وہ بہت پرسکون لب و لہجے میں اس کو ڈی گریڈ کرتی سلگا گئی تھی۔

"بات حق کی نہیں ہے ماہ روش یوں چھپ کر بیٹھنا اور فون پر گفتگو کرنا تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔" وہ بہت تحمل سے اس کے وار سہہ رہا تھا صلح جو لہجے میں بولا۔

"دھنک آباد کے مکینوں کی سوچ اتنی چھوٹی نہیں ہے گل میر مرتضی کہ وہ اپنی بیٹی کو شک کی نگاہ سے دیکھیں یہ خناس تو باہر والوں کے دماغ میں بھرا ہے اور علاج کی ضرورت بھی انہیں ہی ہے۔" عالم طیش میں بمشکل ضبط کرتی ماہ روش نے کہا پھر بھی لہجہ بے حد تلخ تھا جس کی کڑواہٹ گل میر کے اندر بھی سرایت کرگئی تھی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو، میرا مطلب وہ نہیں تھا۔" گل میر مدہم آواز میں بولا۔

"میں جو بھی سمجھ رہی ہوں یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے برائے مہربانی آئندہ مجھے ٹوکنے کی کوشش نہ کیجیے گا یہ حق میں نے صرف اپنے بابا کو ہی دیا ہے۔" ماہ روش نجانے کیوں اتنی تلخ ہورہی تھی ساری تمیز کو پل بھر میں فراموش کردیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے مجھ تک یہ اطلاع ٹھیک پہنچی تھی کہ میرے ذکر پر تم شعلے اگلنے لگتی ہو کسی ڈریگن کی طرح تمہارے منہ سے آگ برسنے لگتی ہے خبر دینے والے بھی ناں کمال کی سچائی رکھتے ہیں یقیناً وہ انعام کے مستحق ہیں۔" گل میر نے اس کے کچھ ضبط اور غصے سے لال ہوتے چہرے کو گہری نظر سے دیکھا تھا مدہم مسکراہٹ کے ساتھ اس کو چھیڑا تھا۔

"اونہہ۔" وہ پھنکاری اور بغیر کوئی جواب دیے وہاں سے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

"مجھے تمہاری جاسوسی کا کوئی شوق نہیں ہے ماہ روش سکندر۔" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اس نے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

"بڑی بوا نے بلایا تھا مجھے تو ان کو ڈھونڈتا یہاں آنکلا تمہاری ہنسی اور انداز نے میرے قدم روک لیے۔" گل میر نے حقیقت بیان کی۔

"مجھے آپ کی کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، برائے مہربانی اپنے الفاظ ضائع نہ کریں۔" ماہ روش نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور زہر اگلتی وہاں سے نکل گئی۔

"باپ رے بہت ٹیڑھی کھیر ہے بہرحال چلو یہ محاذ بھی سر کرلیں گے ان شاء اللہ۔" گل میر نے خود کلامی کی اور بڑی بوا کی تلاش میں وہاں سے نکل گیا۔

"بڑی بوا کوشش کے باوجود بھی ہم کسی کا دل نہیں جیت پائے تو کیا کرنا چاہیے۔" گل میر نے آمنہ بیگم کے پاس رکھے کشن پر نیم دراز ہوتے سنجیدگی سے پوچھا۔

"بیٹا مسلسل کوشش ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب کرتی ہے۔" آمنہ بیگم اس کے بال سہلاتے ہوئے بولیں۔

"لیکن بوا کیا کروں، کیسے کوشش کروں؟" گل میر

زچ اور جھنجلایا ہوا تھا۔
"دیکھو بیٹا کچھ معاملات میں زبردستی نہیں چلتی، صرف صبر سے کام لینا پڑتا ہے نہایت تحمل مزاجی سے کوشش کرنی پڑتی ہے اور پھر فیصلہ حق میں ہو جاتا ہے اللہ چاہے تو کیا نہیں ممکن۔" آمنہ بیگم اسے سمجھایا۔
"بڑی بوا کوئی امید بھی تو نظر آئے ناں۔" گل میر اٹھ بیٹھا۔
"بیٹا اتنی جلدی کہاں زخم بھرتے ہیں۔" آمنہ بیگم نے اس کے بیزار چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔
"بڑی بوا میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں کہ سزا میں اتنی نفرت ملے۔" گل میر نے منہ بسور کر نظریں جھکا کر کہا تو آمنہ بیگم دھیرے سے مسکرائی۔
"بیٹا انسان کے جذبات بہت انوکھے ہوتے ہیں کبھی تو بڑی سے بڑی بات کو ہتھیلی پر رکھی ریت کی طرح ایک ہی پھونک سے اڑا دیتا ہیں اس بڑی بات کی بدولت کوئی ہلچل نہیں مچتی اور کبھی چھوٹی سی بات پر ایسا تہلکہ مچ جاتا ہے ایسا طوفان آتا ہے کہ دل کی دنیا تو تہس نہس ہوتی ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ باہر کی دنیا بھی اثر انداز ہو جاتی ہے رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، بیٹا غلطی کسی کی نہیں شاید وہ وقت اس چھوٹی بات کو برداشت کرنے کا نہیں تھا۔" آمنہ بیگم نہایت مناسب طریقے اور رسان سے اسے سمجھا رہی تھیں۔
"اور بیٹا بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بہت اپنے کی بہت چھوٹی سی بات جس کی ہم توقع نہیں کرتے وہ ہمیں بہت بڑی بات لگتی ہے یہاں قصور ان توقعات کا ہے بہر حال میں یہی کہوں گی کہ ہلکے پھلکے انداز میں اس کی غلط فہمی کو دور کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" آمنہ بیگم نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور اپنے ساتھ کا یقین بھی دلایا۔
"آپ اسے بھی تو سمجھائیں ناں۔" گل میر نے لاڈ سے کہا۔
"تم سے زیادہ اسے سمجھاتی ہوں۔" وہ ہنسیں۔
"لیکن اس پر تو کوئی اثر نہیں ہو رہا۔" گل میر نے اداسی سے کہا۔
"اچھا۔" آمنہ بیگم کے لہجے میں ایک ہلکا سا طنز پوشیدہ تھا۔
"ہاں تو اور کیا ابھی تک ویسے ہی شعلے اگلتی ہے۔" گل میر کے نروٹھے انداز پر آمنہ بیگم کھلکھلا کر ہنس دیں۔
"ابھی ایسا ہی ہوگا لیکن ایک دن پھول بھی نکلیں گے۔" آمنہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ان شاء اللہ۔" گل میر نے باآواز بلند کہا اور پھر آمنہ بیگم کی شریر نظریں اس کو جھینپ جانے پر مجبور کر گئیں۔
"تم نے ادیبہ کو کال کی؟" آمنہ نے اس سے پوچھا۔
"نہیں کی ناں، کافی ساری مس کالز تھیں ان کی لیکن میں نے نہیں ریپلائے کیا۔" گل میر نے سر جھکا کر کہا۔
"اب تم ایک اور غلطی کر رہے ہو، بات کرو اس سے ماں ہے وہ اور فکر مند بھی ہو رہی ہے تمہاری طرف سے بہت پریشان ہے مرتضیٰ بے چارے کی شامت ہی آتی رہتی ہوگی۔ ہر وقت شکایتیں...... تمہاری میری سب کی...... بہتر ہے تم اس سے رابطے میں رہو۔"
"آپ کی مما سے بات ہوئی؟" گل میر نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔
"اور ویسے مما کی شکایتیں کون سی نئی بات ہے ان کو تو بس بہانہ چاہیے۔" اس سے پہلے کہ آمنہ اسے کچھ کہتیں وہ پھر گویا ہوا۔
"مرتضیٰ سے بات ہوئی تھی اور بری بات ہے گل میر ماں ہے وہ تمہاری اس کے بارے میں ایسی بات نہیں کرو اور چلو پہلے اسے کال کرلو۔" آمنہ بیگم نے اسے ڈانٹا تو معصوم شکل بنا کر گل میر وہاں سے اٹھ آیا اور اگلے پل ادیبہ کو کال ملانے لگا تو جس پر آمنہ نے اطمینان کا سانس خارج کیا۔

○......❖......○

"مل گئی فرصت...... آ گئی یاد؟"
"فرصت ہی فرصت ہے اور یاد ہی یاد۔"

"ہاں لیکن پرواو احساس ہی نہیں ماں کی تڑپ کی۔" ادیبہ کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش نے گل میر کو شرمسار کردیا۔

"ایسی بات نہیں ہے مما آپ تو جانتی ہیں ناں دھنک آباد کی سیٹنگ ہورہی تھی ہر طرف سامان بکھیرا ہوا تھا نہ آرام ہوسکا نہ کوئی سکون کا پل مل سکا۔" گل میر نے انہیں کال نہ کرنے کی وجہ بتائی۔

"ہاں تو واپس آجاؤ ناں، کیا ضرورت ہے اس خواری کی۔" ادیبہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"کمال کرتی ہیں آپ بھی مما بھلا ایسے ہی کیسے آجاؤں؟ ابھی تو نہ ہی سکندر ماموں کا سامنا ہوا نہ ہی ماہ روش کا رویہ نرم ہوا۔" گل میر جھنجلایا۔

"تم باپ بیٹا کو تو میری ہر بات ہی کمال لگتی ہے۔ بھلا میں نے بھی کبھی کوئی عام بات کی ہے۔" ادیبہ چڑ کر بولی۔

"مما میں نے واپس تو آنا ہی ہے ناں لیکن سکندر ماموں کی نظروں میں سرخرو ہونے کے بعد ماہ روش کے رویے کو میں اس لیے سنجیدگی سے نہیں لے رہا کہ وہ بہت جذباتی لڑکی ہے جب ٹھنڈے دماغ سے سوچے گی تو اس کا غصہ بھی کم ہوجائے گا ویسے بھی وہ ادیبہ بیگم کی بھتیجی ہے سارا غصہ ساری انا تو اس کو وراثت میں ملے ہیں ناں۔" گل میر نے ادیبہ کو چھیڑا۔

"میری بھتیجی ہے تو بھاڑ میں جائے مجھے پروا ہے تو صرف اور صرف تمہاری اگر اس کا رویہ تمہارے ساتھ ایسا ہی رہا تو......"

"رک جائیں مما رک جائیں۔" گل میر نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔

"اونہہ بڑی پروا ہے اس کی۔"

"فار یور کائنڈ انفارمیشن مما جانی آپ کے بارے میں اور آپ کے اس لاڈلے بیٹے کے بارے میں اس کے یہی خیالات تھے کہ بھاڑ میں جائیں اس لیے اپنے غصے کو ذرا قابو میں رکھیں تاکہ اس کا دل بھی نرم ہو۔" گل میر نے انہیں یاد دلایا تو انہوں نے لب بھینچ لیے اور پھر ان کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے گل میر کو اچھی خاصی محنت کرنی پڑی تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی کال کے بعد ان کا موڈ کافی حد تک خوشگوار ہوچکا تھا گل میر نے گہری سانس خارج کر کے شکر کا کلمہ پڑھا اور فون بند کردیا۔

○......❖......○

حالات میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی تھی دن رات بے زاریت کا شکار تھے سکندر اور گل میر کا ابھی تک باقاعدہ سامنا نہ ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے تعلقات ابھی تک اسی سرد مہری کا شکار تھے۔ آمنہ بیگم کی کوششیں بھی جاری تھیں پر ماہ روش کے تلخ رویے میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔

مریم اور یسریٰ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا آمنہ بیگم مسلسل ان دونوں کو کہہ رہی تھی کہ ماہ روش کے غصے کو کم کرنے میں ان کی مدد کریں لیکن وہ تاحال ناکامی کے زون میں کھڑی تھیں اور دوسری بات یہ بھی تھی کہ ان کی تو سمجھ میں اس ان بن، بدتمیزی، تلخی اور جنگ کی وجہ ہی نہیں آرہی تھی ماہ روش سے پوچھنے پر وہ تو حقیقتاً شعلے اگلنے لگتی تھی۔

"آج کے بعد اگر میرے سامنے گل میر کا نام بھی لیا تو میں تم لوگوں کا سر پھوڑ دوں گی حد ہوگئی دنیا میں اب کیا یہی ایک انسان بچا ہے جس کا ذکر کیا جائے؟" پھنکارتی ہوئی شدید غصے میں ان دونوں کو دہلا گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بس وہ ذرا مزاج کی تیز ہے ناں کوئی بات برداشت نہیں کرتی اور ہنگامہ برپا کرنے لگتی ہے۔" گل میر سے پوچھا جاتا تو وہ بات کا رخ ہی موڑ دیتا۔

"بیٹا کوئی ایسی تدبیر کرو کہ دونوں میں پھر سے دوستی ہوجائے۔" آمنہ بیگم بھی بس یہی بات کہتیں۔

"ایسا کرتے ہیں کوئی گیم کھیلتے ہیں؟" یسریٰ نے چائے کے کپ لا کر ٹیبل پر رکھے اور بے زار بیٹھی مریم کو دیکھ کر پُرجوش انداز میں کہا گل میر بھی وہاں موجود تھا ماہ روش بھی بیٹھی حسب عادت کسی ناول کے مطالعے میں

غرق تھی اور ان کی بوریت سے مکمل لاتعلقی کا اظہار کررہی تھی اور سب ہی جان گئے تھے کہ اس لاتعلقی کی وجہ گل میر کی وہاں موجودگی ہے لیکن گل میر وہاں سے اٹھا نہیں تو وہ ناول نکال کر پڑھنے لگی۔

"وری گڈ آئیڈیا۔" گل میر نے بھرپور انداز میں یسریٰ کے آئیڈیا کی تائید کی تو ورق پلٹتے ماہ روش نے ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں تو نہیں کھیل سکوں گی۔" ماہ روش کی نظریں کتاب کی سطروں پر تھیں۔

"کیوں نہیں کھیل سکو گی۔" اس سے پہلے کہ مریم یا یسریٰ کچھ کہتی گل میر نے دوستانہ لہجے میں اس سے پوچھا اس نے ابرو اچکا کر اس کو دیکھا یسریٰ کیک کے پیس پلیٹ میں رکھ کر چائے کے ساتھ سرو کررہی تھی۔

"میں نے یہ ناول ختم کرنا ہے۔" یسریٰ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر وہ پھر گویا ہوئی۔

"ایک فضول سے ناول کی وجہ سے تم اپنے کزنز کو اگنور کررہی ہو۔" گل میر کے انداز پر مریم اور یسریٰ نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا پھر گل میر کو اور اب ان کی نظریں ضبط سے لب بھینچے ماہ روش پر جمیں ہوئی تھیں۔

"میں نے بارہا آپ کو کہا ہے کہ مجھے کسی قسم کی تنبیہہ کرنے سے گریز کیا کریں میں نہیں چاہتی کہ میں بار بار آپ سے تلخ کلامی کروں۔"

"ہاں تو نہ تلخ کلامی کرو ناں تم آرام سے بھی میری بات کا جواب دے سکتی ہو۔" گل میر کو خبر نہ ہوئی نجانے کب سے وہ اس کے غصے سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔

"میں آپ کے لیے ایسی زبان کا استعمال نہیں کرسکتی جس کی آپ امید لگائے بیٹھے ہیں اور میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ میں ایسی زبان کا استعمال بھی نہیں کرنا چاہتی جو مجھے زیب نہیں دیتی میرے معاملات میں نہ بولا کریں۔" اتنا کہہ کر ماہ روش نے ناول کو بند کیا اور وہاں سے اٹھنے لگی۔

"کیا تم مجھے معاف نہیں کرسکتی؟" گل میر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ناول جھپٹ لیا' شاید دونوں اس وقت فراموش کرچکے تھے ان کے آس پاس دو اور لوگ بھی موجود ہیں جو نہایت دلچسپی سے ان کی اس جرح کو ملاحظہ کررہے تھے۔

"میں نے معاف کیا آپ کو لیکن ایک قاتل کے ساتھ دوبارہ کوئی تعلق نہیں جوڑ سکتی۔" ماہ روش نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر دیکھا۔

"ماہی......!" گل میر کو اب اس کی نفرت کی شدت کا اندازہ ہوا۔

"گل میر مرتضٰی وہ وقت لا سکتے ہیں تو لے آئیں، وہ عزت، وہ مان جس کو چکنا چور کیا وہ جوڑ کر لاؤ' گل میر مرتضٰی وہ محبت جس سے بھری محفل میں مکر گئے تھے وہ لوٹا دو' ماہ گل کو زندہ کر کے لے آؤ گل میر مرتضٰی آپ کی قسم ساری تلخی ختم کردوں گی۔" اس کی ان باتوں نے تو مریم اور یسریٰ کو بھی ساکت کردیا تھا۔

"ماہ گل کون ہے۔"

"کون ماہ گل؟" مریم اور یسریٰ کی خود کلامیاں ابھری۔

"تب تک مجھے مخاطب کرنے یا کوئی مشورہ دینے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں ادب کے دائرے کو بھی مٹا دوں گی۔" ان کی سرگوشیوں کو نظر انداز کرتی گل میر کو سکتے کی حالت میں چھوڑ کر وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

"مما کیا ہوا؟" ساس کو اپنی طرف یک ٹک دیکھتا پاکر اس نے نیل پالش لگانا چھوڑ کر حیرت سے ساس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں میں سمجھی تھی تمہیں تیار ہونے کا شوق نہیں ہوگا۔ دراصل کبھی خصوصی طور پر تمہیں اتنا تیار دیکھا نہیں۔" ریحانہ بیگم نے مسکرا کر دھیمے سے کہا۔

"جی...... شوق تو تھا لیکن میں شادی سے پہلے اتنا تیار ہوتی نہیں تھی۔"

"جب بھی تمہارے گھر آتے تھے تم سادہ ہی رہتی تھیں۔"

"آں...... ہاں وہ دراصل کچھ عرصہ قبل میں ناولز کچھ زیادہ ہی پڑھتی تھی۔ تو اس میں ہوتا تھا کنواری لڑکیوں کو اتنا تیار نہیں ہونا چاہیے تبھی تیار ہونا کم کردیا اور پھر تو عادت ہی بن گئی۔" وہ کچھ کھسیا کر وضاحت دینے لگی۔

"اچھا اور اب؟" ریحانہ بیگم نے اٹھتے ہوئے اسے جان بوجھ کر چھیڑا۔

"اب تو شادی شدہ ہوں۔" وہ جھجک کر مسکرائی۔ ریحانہ بیگم مسکراتے ہوئے کچن میں چلی گئیں جہاں عروج سیلڈ بنا رہی تھی۔

"بن گیا سیلڈ؟" ریحانہ بیگم نے مایونیز کا پاؤچ اٹھاتی عروج سے پوچھا۔

"ہاں بس اب مسٹرڈ ساس کے ساتھ مایونیز مکس کرنا ہے۔" عروج نے مصروف لہجے میں کہا۔

"اچھا کب تک بن جائے گا؟"

"بس لگ بھگ پندرہ منٹ میں۔" عروج کے جواب پر وہ کچن سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ عشاء کی نماز اور قرآن پڑھ کر وہ کمرے سے نکلیں تو ان کی نظر غیر ارادی طور پر رمل پر پڑی جو نا صرف پیل آف نیل پالش ہاتھوں اور پیروں پر لگا چکی تھی بلکہ بالوں کو بھی فرنچ ناٹ میں باندھ کر اب بکھرا سامان سمیٹ رہی تھی۔ بے ساختہ انہوں مڑ کر کچن میں دیکھا جہاں سیلڈ بنانے کے بعد عروج نے کچن سمیٹنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ برتن تو سنک میں رکھ دیے تھے لیکن کچن کاؤنٹر پر جابجا کوکنگ کے اثرات ونشان پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی کچن میں تفصیلی جائزہ لینے تک عروج بھی لاؤنج میں آچکی تھی۔ وہ مڑیں تو دیکھا عروج بھی کپڑے بدلے اور میک اپ کیے تیار تھی۔

"مما کچن آکر صاف کرلوں گی ابھی تو دیر ہو رہی ہے۔" عروج نے کچن کے دروازے پر ایستادہ ساس کو دیکھ کر جلدی سے کہا۔ آج ریحانہ بیگم کی بھابی کی طرف دعوت تھی اور ریحانہ بیگم کا ارادہ ذرا دیر سے جانے کا تھا کہ معاذ اور سعید نے آفس سے دیر سے آنا تھا جبکہ بہویں پہلے جانے والی تھیں صائم کے ساتھ کہ اسماء بھابی کا اصرار تھا کہ باقی مہمان وقت پر آئیں نا آئیں لیکن نئی نویلی دلہنیں پہلے ہی آئیں۔

"اچھا ٹھیک ہے، گاڑی دھیان سے چلانا اور وہاں پہنچ کر کال کرکے بتا دینا۔" ریحانہ بیگم نے کچن کی حالت دیکھ کر بھی دل پر پتھر رکھتے ہوئے تحمل سے کہا کہ اچانک نظر سامنے آتے سعید پر گئیں۔

"تم کب آئے؟" ریحانہ بیگم نے حیرت سے منجھلے بیٹے سے پوچھا۔

"دس منٹ ہوگئے ہیں اور آپ بھی چلیں ابھی ممانی کے گھر، مجھے فون کرکے خاص سرمد ماموں نے آپ کا کہا ہے اور بھائی اُدھر ہی آجائیں گے۔ آپ جلدی سے تیار ہو جائیں جب تک میں صائم کو بلاتا ہوں۔" سعید چھوٹے بھائی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ریحانہ بیگم نے دونوں بہوؤں کی طرف دیکھا۔

"مما جلدی سے تیار ہو جائیں۔" عروج نے کہا۔ رمل بھی انہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کچن صاف کرنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے وہ جلدی سے تیار ہونے چل دیں۔ نو تو بج ہی چکے تھے۔

☆......☆......☆......☆

ریحانہ بیگم دس بجنے سے پہلے عروج، رمل، سعید کے ساتھ اسماء بھابی کے گھر موجود تھیں۔ بڑا بیٹا معاذ عروج کا شوہر بھی

آفس سے سیدھا وہیں آ گیا تھا۔ لاپرواصائم پندرہ سال کا تھا اور آتے ہی کزنز کے پاس چلا گیا۔ سرمئی رنگ کے جوڑے میں ڈیسنٹ سی ریحانہ بیگم اپنے سب بچوں کو شاد دیکھ کر خوش تھیں۔ کچھ باتیں درگزر کردینی چاہیے اپنوں کے لیے ان کی خوشی کے لیے پھر چاہے وہ بات خود کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ انہوں نے بھی کچن کی حالت کو نظر انداز کردیا تھا اور رمل کا کچن میں جانے کے بجائے لاپروائی سے تیار ہونا بھی۔ ریحانہ بیگم کی چونکہ خاندان میں ہی شادی ہوئی تھی تو اس گرینڈ پارٹی میں ان کا سارا خاندان تھا' سسرالی اور میکے سمیت بلکہ ننھیال اور ددھیال بھی تھی کیونکہ خاندان تو ایک ہی تھا۔ ان کے شوہر راحیل حسن کام کے سلسلے میں دوسرے شہر میں مقیم تھے ورنہ وہ ہوتے تو ان کی فیملی مکمل ہوتی لیکن چلو کل تو آ ہی جانا تھا انہوں نے۔

ینگ جنریشن دونوں جوڑوں کو گھیرے بیٹھی تھی۔ ملنے ملانے کے اور تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد سب بڑے بھی ادھر ہی براجمان ہوگئے اور چھیڑ خانی شروع ہوگئی۔ پھر باربی کیو کا پروگرام بن گیا۔

''بھئی ساری فیملی تھوڑا تھوڑا سا گوشت لے کر آ جانا اس دن میری طرف سے بھی۔'' خالہ کے بیٹے نے ازراہِ مذاق کہا۔

''ہاں سب سن لو چھچھڑے لے کر آنے ہیں' ہماری بلی بھوکی جو ہوگی۔'' ممانی کے بیٹے نے کہا۔ سب ہنس دیئے۔

''بلی نہیں بلا کہو۔'' چچی کی بڑی بیٹی نے چھیڑا۔ یوں محفل کشت زعفران بن گئی۔ ریحانہ بیگم دونوں بہوؤں کے رویوں کو محسوس کر رہی تھیں۔ رمل کم بات کر رہی تھی جبکہ عروج کا انداز سب سے دوستانہ تھا۔ رات کے تین بجے ریحانہ بیگم کے گھر والے دو گاڑیوں میں واپس آ گئے تھے۔

☆......☆......☆......☆

رات کو پانی کا جگ بھرنے رمل کچن میں آئی تو کچن کی شکل دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ معلوم تھا ریحانہ بیگم کس قدر صفائی اور نفاست پسند ہیں اگر جو صبح تک بھی عروج نے کچن صاف نہ کیا تو؟ اس نے جلدی سے اپنی بہنا کے کارنامے صاف کرنے شروع کردیے۔ کچن کا سلیب رگڑ رگڑ کر صاف کیا پھر برتن دھوئے۔ آرام سے برتن صحیح جگہ پر رکھنے لگی کہ کوئی آواز نہ پیدا ہو۔ آخری پلیٹ ابھی وہ شیلف پر رکھ ہی رہی تھی کہ آواز آئی۔

''رمل......'' ریحانہ بیگم نے پکارا۔

''جی۔'' اس کا دل تو اچھل کر حلق میں ہی آ گیا تھا اور دل زور زور سے الگ دھڑکنے لگا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس کی شکل دیکھ کر ریحانہ بیگم حیران کم پریشان زیادہ ہوئیں۔

''کچھ نہیں بس وہ پیچھے سے اچانک آواز آئی تو ڈر گئی تھی۔'' تیزی سے دھڑکتے دل پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے آدھا سچ کہا تو احساس ہوا کہ ڈر کے مارے وہ پلیٹ رکھنے کے بجائے ہاتھ میں لیے کھڑی ہے۔

''اچھا' ویسے تم کر کیا رہی تھیں؟'' انہوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں وہ سیلڈ لینے کے لیے.....'' اس نے سٹپٹا کر کہا پھر نظر اچانک سلیب پر پڑے پانی پر گئی تو جلدی سے بات بدل دی۔

"وہ دراصل سیلڈ کھایا تھا تو اب پلیٹ دھو کر رکھ رہی تھی......'' خشک ہوتے حلق کے ساتھ اس نے کہا۔

"اچھا......'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ڈسپنسر سے گلاس میں پانی بھر کر پینے لگیں۔ اس نے بھی جلدی سے پلیٹ رکھ کر پانی سے بھرا جگ اٹھایا اور اپنے کمرے میں چلی آئی جہاں سعید پانی کا انتظار کرتے کرتے سو گیا تھا۔ جبکہ کچن میں ریحانہ بیگم سلیب کو دیکھنے لگیں' تیس سال اس گھر میں گزارے تھے اور زیادہ تر وقت کچن میں کیسے نہ جان پاتیں حقیقت' جبکہ سلیب پر سے پانی بھی ٹپک رہا تھا۔ ایک پلیٹ دھونے کے لیے اتنا پانی؟

☆......☆......☆......☆

صبح ساڑھے دس بجے صفائی والی پروین عرف بھوری چار چھٹیاں کرنے کے بعد نڈھال سی آئی اور کام کرنے کے لیے اپنی بھتیجی کی بیٹی اور بھانجی کی بیٹی لائی تھی۔

"سلام بی بی جی۔'' ریحانہ بیگم کو دیکھ کر اس نے سلام کیا اور فرش پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟'' ریحانہ بیگم نے اس کی شکل دیکھ کر تشویش سے پوچھا۔

"بی بی جی بس طبیعت خراب ہے چار دن سے۔'' بھوری نے لاچاری سے کہا۔

"اچھا تم اوپر بیٹھو صوفہ پر۔'' ریحانہ بیگم نے اسے ترحم سے دیکھا۔

"جی سونی اور پنو کو لے کر آئی ہوں صفائی کے لیے جی ایک بھانجی کی تو دوسری بھتیجی کی بیٹی ہے' کام سمجھا دیں جی فٹ سے کر دے گیں۔ بس میں نے گھر دکھانا تھا ان کو اب آپے ہی آوے اور جاوے گیں روز۔'' عروج اور رمل کو بلا کر ریحانہ بیگم نے چودہ پندرہ سالہ لڑکیوں کو کام سمجھانے کا کہا تب تک بھوری بھی چلی گئی تھی۔ کام تو سمجھا دیا گیا لیکن لڑکیوں نے بہت تنگ کیا۔ آدھا ادھورا کام جو کہ ریحانہ بیگم سے قطعی برداشت نہ تھا جبکہ آج تو ان کے میاں نے بھی آنا تھا۔ پھر دونوں کی لڑائی تم یہ کرو تم وہ کرو۔ بار ہا لڑکیوں کو سمجھایا کام جسے ایک بار یادداشت میں سموتے ہوئے کوئی کام ڈھنگ سے کر لیا جاتا اور دوسرا کام کرتے وقت وہ بات دماغ سے غائب ہو چکی ہوتی۔

عروج تو چلو سر پر کھڑی کروا رہی تھی جبکہ رمل تو ایک کام کے لیے اچھی خاصی جھاڑ پلا چکی تھی اور دوسرا کام شروع کروانے سے قبل دوسری جھاڑ بھی ضرور پلاتی تاکہ کچھ تو کام ڈھنگ سے ہو۔ بلآخر کافی دیر بعد کچھ گھر کی حالت سدھری تھی۔ شام کو کھانے پر خاص تیاری ہوئی تھی کہ راحیل حسن صاحب کل آئیں گے۔

☆......☆......☆......☆

دوسری صبح بھوری تو بھوری سونی اور پنو بھی غائب۔ ایک بجے تک انتظار کے بعد اپنی مدد آپ کے تحت کام کرنا پڑا۔ عروج تو بمشکل ڈسٹنگ کر پائی کیونکہ ریحانہ بیگم کی ہدایتیں ہی اتنی تھیں۔ یہاں سے کرو ایسے کرو جبکہ رمل چپ چاپ کام کرتی رہی۔ جھاڑو' پونچا وغیرہ' اس دوران ریحانہ بیگم بھی ڈسٹنگ اور کچھ نہ کچھ کرتی رہیں۔ پھر نہانے کے بعد رات کے کھانے کی تیاری ہوئی کہ دوپہر کو تو صرف وہ تین ہوتی تھیں۔ ہاں عاصم کے لیے کچھ نہ کچھ پکاتی ضرور تھیں کہ کالج سے آ کر وہ کھانا کھا کر کوچنگ سینٹر چلا جاتا تھا۔ شام کو راحیل صاحب بھی آ گئے اور رات کو صادق چاچو اور ماجد ماموں کی فیملی بھی' اہتمام تو ویسے بھی تھا۔ عروج تو تھکن کے باعث کم ہی بات کر رہی تھی جبکہ رمل پھر بھی مہمانوں کے ساتھ شامل رہی تھی۔

"ریحانہ باجی آپ تو بہت صفائی پسند ہوتی تھیں۔'' سعدیہ مامی نے کہا تو ریحانہ بیگم چونکیں' خواتین اپنی الگ محفل ہی جمائے بیٹھی تھیں۔

"ہاں وہ تو اب بھی ہوں۔'' ریحانہ بیگم نے کہا جبکہ کسی نہ کسی گڑبڑ کا اندازہ انہیں ہو گیا تھا کیونکہ سعدیہ مامی بات کا بتنگڑ بنانا خوب جانتی تھیں اور اب تو جب سے بیٹوں کی شادی کی تھی ریحانہ بیگم کی طرف تب سے سعدیہ مامی کا آنا جانا کچھ

مزید بڑھ گیا تھا۔ جو چکر مہینوں بعد لگتے تھے اب جلد از جلد لگنے لگے تھے۔

"تو یہ کچرے کا ڈھیر ایک طرف اتنا زیادہ اور دوسری طرف اتنا صاف ستھرا۔" انہوں نے سب کی توجہ مبذول کروائی۔

"بچوں نے کردیا ہوگا۔" ریحانہ بیگم نے کہہ تو دیا لیکن کہہ کر پچھتائیں۔

"کیا مطلب باجی اب میرے بچے اتنے بدتمیز نہیں ہیں جو کچرا ادھر ادھر پھینکیں۔" سعدیہ مامی کو رک دم ہی غصہ آ گیا کیونکہ صادق چاچو کے بچے بھی سب یونیورسٹیوں میں تھے۔

"نہیں......نہیں میرا مطلب ہے کہ صفائی کرنے والی نے آج کل اپنے بچوں کو بھیجا ہوا ہے ناں تھی شاید بچیوں سے رہ گیا ہوگا۔" ریحانہ بیگم نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"لیکن آپ نے تو کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ آج وہ نہیں آئی تھیں اور صفائی آپ لوگوں نے مل کر کی تھی۔" ریحانہ بیگم کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا۔ جبکہ خواتین دلچسپی سے سب دیکھ رہی تھیں۔ ریحانہ بیگم کے چہرے پر تذبذب کے اثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ عروج تو پہلے ہی چپ تھی تھکن کے باعث لیکن سعدیہ مامی کی بات کے بعد رمل کا منہ بھی بن گیا اور ریحانہ بیگم کا جواب سنے بغیر وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ سب کے رخصت ہونے کے بعد بھی اس کا منہ بنا رہا۔ کچن سمیٹ کر عروج سب کو چائے پکا کر دینے کے بعد سونے چلی گئی جبکہ رمل تو کچن سمیٹتے ہی چلی گئی تھی۔ باہر راحیل صاحب، معاذ، سعید اور عاصم بیٹھے رہے جبکہ ریحانہ بیگم کمرے میں بہوؤں کی فطرت، عادت واطوار سمجھنے کی الجھن میں مشغول رہیں۔

☆......☆......☆......☆

اگلی رات کو سب باربی کیو پارٹی کے لیے ہال میں پہنچ گئے جسے بڑوں نے پہلے ہی بک کروا دیا تھا۔ گوشت خرید اگیا اور پارٹی شیئر سسٹم کی بنیاد پر رکھی گئی تھی۔ سب کا جوش دیدنی تھا۔ ریحانہ بیگم کی خوشی کی اصل وجہ ان کی چھوٹی، اکلوتی اور لاڈلی بہن کا کینیڈا سے صبح اچانک آنا تھا جو نفسیات کے ایک شعبے میں ایم فل کے سلسلے میں کینیڈا میں مقیم تھیں۔ سومیہ باجی ریحانہ بیگم سے پندرہ سولہ سال چھوٹی تھیں۔ رات کو ملاقات ہوئی تو وہ بھی سرسری کہ سارا خاندان انھیں ہی گھیرے بیٹھا تھا۔ پارٹی شاندار رہی لیکن بہن سے تفصیلی ملاقات نہ ہوسکنے پر وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔ پھر اچانک انہوں نے کل دوپہر کو بہن کی گھر میں دعوت رکھ لی گھر والوں کو اطلاع دیے بغیر۔

ریحانہ بیگم کا خیال تھا رمل کا منہ پھر سے بن جائے گا لیکن حیرت انگیز طور پر وہ پُر جوش ہوگئی جبکہ عروج کا انداز پُر جوش نہیں تو بیزار کن بھی نہیں تھا۔ انھیں لگا کہ عروج کام کی وجہ سے پُر جوش نہیں ہوئی لیکن اگلے دن حیرت کی انتہا یہ ہوئی کہ بہت سا کام عروج نے اپنے سر لے لیا تھا جبکہ جتنا جوش رمل کا تھا صبح اس میں وافر مقدار میں کمی آئی۔ عروج نے سیلڈ بنایا اور رمل نے میٹھا۔ کھانا دونوں نے مل کر ریحانہ بیگم کے ساتھ پکایا تھا۔ زیادہ تر کام عروج نے کیا کوکنگ کا اور باقی کام رمل نے ریحانہ بیگم کے ساتھ کیے۔

☆......☆......☆......☆

ریحانہ بیگم کا خیال تھا کہ عروج کا رویہ دوستانہ اور رمل کا تھوڑا ریزروسا ہوگا کیونکہ رمل جلد نئے ماحول میں نہیں گھلتی تھی جبکہ عروج کا اب تک کا رویہ دوستانہ سا لگا۔

سومیہ باجی (ریحانہ بیگم کی بہن) آئیں تو پہلے تو ملنا ملانا ہوا۔ شادی پر نہ آنے کا مداوا انہوں نے خوب صورت تحفے دے کر کیا۔ پھر دلچسپیوں کا پوچھنے لگیں۔

"میں تو ٹیکسٹائل کی فیلڈ میں ہوں۔ آج کل یونیورسٹی میں ویونگ (بنائی) کا اسائنمنٹ ملا ہے تو اسی پر کام کر رہی ہوں۔" پھر دونوں یونانی آرٹ (فن) پر گفتگو کرنے لگیں۔ سومیہ کی معلومات اس معاملے میں بہت وسیع نہیں تھیں مگر پھر بھی تھوڑا بہت تو انھیں معلوم تھا۔

عروج سے گفتگو ہو رہی تھی۔ ریحانہ بیگم دونوں کو بغور سن رہی تھیں۔ ریحانہ بیگم کو اپنا اندازہ درست محسوس ہوا کیونکہ رمل خاموش ہی تھی۔

"اور تم کیا کرتی ہو۔" سومیہ نے اچانک رمل سے پوچھا۔

"میرے دو ہی شوق ہیں۔ ایک نفسیات اور دوسرا کتابیں۔ ویسے ابھی جو انٹری ٹیسٹ ہوں گے اس میں

نفسیات میں بیچلرز کے لیے اپلائے کروں گی۔" رمل نے مسکرا کر کہا۔

"میں نفسیات میں ہی تو ایم فل کر رہی ہوں۔" سومیہ نے بھی مسکرا کر کہا۔

"وہ تو معلوم ہے لیکن کون سے شعبے میں؟"

"ہپنوٹسم۔"

"ٹیلی پیتھی سے ملتا جلتا ہے۔" رمل نے کہا تو سومیہ کو حیرت ہوئی۔

"حالانکہ پاکستان میں ٹیلی پیتھی کو بالکل اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔"

"سوچ اور نظریے کی بات ہے۔" رمل نے کندھے اچکائے۔

"اور یہ بھی تو بتاؤ کہ افسانے لکھتی ہو۔" عروج نے چھیڑا۔

"سچ میں؟" سومیہ نے جوش سے کہا تو رمل نے کچھ جھینپتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن انگلش میں یہاں اچھے پلیٹ فارم کم ہی موجود ہیں۔" سومیہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ اردو میں لکھتی ہے۔" ریحانہ بیگم نے کہا۔

"اچھا تو کتابیں بھی اردو کی؟" سومیہ نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اور ناولز بھی؟" سومیہ نے جوش سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو رمل نے بھی پُرجوش سے انداز میں سر اثبات میں ہلا دیا۔

پھر تو ناولز پر ہی باتیں ہوئیں کہ ریحانہ بیگم بہن سے اکیلے میں بات کرنے کا سوچتیں ہی رہ گئیں۔ ایک بار پھر ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ تینوں کی باتوں سے دور وہ پھر سے الجھیں۔

☆......☆......☆......☆

"آپا کیا ہوا؟" سومیہ نے ان کا کندھا ہلایا تو وہ چونکیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو رمل اور عروج موجود نہیں تھیں۔

"وہ دونوں کھانا لگانے گئی ہیں...... لیکن آپ کو کیا ہوا؟" سومیہ کا انداز حیرت سے پُر تھا۔

"کچھ نہیں۔" ریحانہ بیگم نے اسے ٹالنا چاہا۔

"کچھ تو ہوا ہے۔" سومیہ بضد ہوئی۔

"کچھ نہیں سومیہ بس کچھ باتیں الجھا دیتی ہیں۔" ریحانہ بیگم نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہوا کیا ہے؟" سومیہ پریشان ہوئی۔

"بس بہوؤں کے مزاج میں الجھ گئی ہوں۔" ریحانہ بیگم نے محتاط لہجے میں کہا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" سومیہ نے پریشانی سے کہا۔

"نہیں بس...... کچھ نہیں۔" ریحانہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم بیٹھو میں کچن دیکھ کر آؤں۔" وہ کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئیں جہاں کھانا ٹیبل پر تقریباً لگ چکا تھا۔ رمل سومیہ کو بلا لائی۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی سومیہ وقفے وقفے سے ریحانہ بیگم کو دیکھتی رہی۔ اسے الجھن کا سرا سمجھ ہی نہیں آیا۔ پھر کھانا کھا کر عروج اور رمل کچن سمیٹنے لگیں اور ریحانہ بیگم سومیہ کو لے کر کمرے میں چلی آئیں۔

"اب بتا بھی دیں آپا۔" سومیہ نے بے چینی سے کہا۔

"کیا بتاؤں؟" ریحانہ بیگم چونکیں۔

"وہی جو الجھن تھی۔" سومیہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم تو ایک بات کے پیچھے پڑ جاتی ہو' کچھ نہیں تھا۔" ریحانہ بیگم نے کہا تو اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپا اب بات بتا بھی دیں۔" سومیہ کا انداز خفگی لیے ہوئے تھا۔

"کچھ نہیں ہے ایسے ہی بس......" ریحانہ بیگم نے کچھ پھیکے انداز سے مسکرا کر کہا۔ سومیہ انھیں دیکھنے لگی۔

"سنو...... بس جو اندازے لگاتی ہوں' غلط ہو جاتے ہیں۔ دونوں کا مزاج اتنا الگ ہے اور کبھی اتنا ملتا جلتا۔ کبھی کیسا کبھی کچھ۔ دونوں بہنوں کے رویے سمجھ ہی نہیں آتے۔" ریحانہ بیگم نے الجھ کر کہا۔

"آپا ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے انھیں آئے۔ کچھ جگہ تو دیں انھیں۔" سومیہ نے سمجھانا چاہا۔

"اب تم نے مجھے کیا ایسی ساس سمجھا ہوا ہے؟" ریحانہ

بیگم نے خفگی سے کہا۔
"نہیں میرا مطلب ہے کہ کچھ وقت لگے گا انہیں عادی ہونے میں۔"
"ایسی ویسی کوئی بات نہیں' بس کسی کے ساتھ ایک کا رویہ مختلف ہوتا ہے دوسرے کے ساتھ مختلف۔ اب دیکھو عروج تھوڑے اپنے مزاج کی لگتی ہے۔ مطلب اپنے کام سے کام' دوستانہ اور کچھ سست بھی ہے کچن کے کاموں میں بلکہ ہر کام میں سوائے اپنے یونیورسٹی کے جبکہ رمل من موجی کبھی چڑچڑی' عروج سے کم سست ہے۔ صفائی پسند جلد ماحول میں نہیں گھلتی ملتی۔ لیکن جب میں ان دونوں کے مزاج کے مطابق سمجھتی ہوں کہ اب ان کا رویہ ایسا ہوگا تو اکثر الٹ ہو جاتا ہے۔" ریحانہ بیگم نے بلآخر تھک کر محتاط لہجے میں سب کہہ دیا۔
"اف آپا سیدھی سی بات ہے۔ ہر انسان کا اپنا مزاج ہوتا ہے' ماحول کو اپنے مزاج کے حساب سے پرکھتا ہے اور اس میں ڈھل جاتا ہے۔" سومیہ نے ان کی بات غور سے سننے کے بعد جواباً کہا۔ ریحانہ بیگم خاموش رہیں جبکہ تاثرات سومیہ کی بات پر بھی پہلے سے الجھے رہے۔
"آپا ہم یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ یہ اصغری ہوگی اور یہ اکبری وغیرہ' وہ خیالی دنیا تھی۔ یہاں انسان میں اگر اچھائی ہے تو برائی بھی ہوگی' کوئی اللہ میاں کی گائے والی عبارت پر پوری نہیں اترتی۔ انسان سمجھتا ہے یہ ماڈرن ہے تو نک چڑھی بھی ہوگی۔ نخرہ بھی ہوگا جبکہ اگر وہ امیر ہے' ماڈرن ہے تو مطلب یہ تو نہیں کہ دل کی بری ہے۔ لڑکوں سے دوستی ہے تو بے حیا ہے۔ انہوں نے تو جو ماحول دیکھا ہوگا وہی اپنایا ہوگا ناں۔ ان کے ماحول میں یہ غلط نہیں تو ان کے لیے کیونکر غلط ہو؟ میں کینیڈا میں گئی تو سب سمجھے مشرقی لڑکی ہے۔ ریزرو ہوگی' لڑکوں سے بات نہیں کرے گی۔ چادر پہنی ہوگی وغیرہ۔ انہیں حیرت ہوتی خاص کر مشرقی لڑکوں کو جب میں وہاں کلاس فیلوز کے ساتھ فرینک ہوتی کیونکہ سب انسانوں نے سوچ رکھا ہے کہ تین چار کیریکٹر یز ہیں اسی میں انسان کو پرکھا جاسکتا ہے۔ سب سمجھتے ہیں انگیزوں کے ملک میں سب مشین ہیں لیکن وہاں میں نے انسانیت بھی دیکھی ہے۔ آپا مختصر یہ کہ اب ہمیں یہ سوچنا چھوڑ دینا چاہیے کہ اگر یہ چالاک ہے تو مکار بھی ہوگی۔ اگر اس نے ماں کو سسرال کی باتیں بتائی ہیں تو ضرور اس کی ماں اسے چالاکیاں سکھائے گی۔ اگر لڑکی محبت کرتی ہے تو ڈیٹ پر بھی گئی ہوگی۔ ہر لڑکی بلکہ انسان کا مزاج اپنا ہوتا ہے۔ اس میں اچھائی بھی ہوگی برائی بھی۔ آپ اس لیے الجھ رہی ہیں آپا کیونکہ آپ کے پاس بھی کچھ کیریکٹر یز ہیں۔ ان کو ایک طرف کردیں۔ اگر کوئی سلیقہ مند ہے تو دوستانہ مزاج بھی ہو ضروری نہیں۔ کوئی باتیں بنا سکتا ہے تو ضروری نہیں کہ اسے کام کرنا بالکل نہ آتا ہو۔" سومیہ نے ریحانہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر مدبر لہجے میں کہا۔ کئی بار ریحانہ بیگم نے بولنا بھی چاہا تو بولا نہیں گیا۔ بات تو سچ تھی۔
"اچھا تم صحیح کہتی ہو کہیں نہ کہیں تو یہ بات تھی لیکن میں نے کسی کو اللہ کی گائے نہیں سمجھا۔" ریحانہ بیگم نے خفگی سے کہا۔ سومیہ مسکرادی۔
"میٹھا لگ چکا ہے آجائیں۔" سومیہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اف ایک تو اسے ذرا ڈھنگ نہیں کہ ایسے مہمانوں کو نہیں بلاتے۔" ریحانہ بیگم کی سوچ بھی ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ رمل اب دروازہ کھول کر سومیہ کو باہر آنے کا کہہ رہی تھی۔ ان کا اندازہ پھر سے غلط ثابت ہوا۔ دونوں کے پیچھے وہ بھی باہر نکلیں جہاں رمل کہہ رہی تھی۔
"آپ بھی منہ میٹھا کریں کل والے شیر خورمے سے۔"
لیکن اب کی بار ریحانہ بیگم کا اندازہ پھر کچھ کچھ صحیح ثابت ہوا۔ کون بتاتا ہے کہ کل کا میٹھا ہے؟ تھی نہ بیوقوف۔ ریحانہ بیگم کچن میں پانی پینے گئیں تو صاف ستھرے کچن نے ان کا استقبال کیا۔ پانی کا تو بہانا تھا دراصل وہ تو کچن کی حالت ملاحظہ کرنا چاہ رہی تھیں۔ لو جی پھر اندازہ غلط ثابت ہوا۔

قسط نمبر 9

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

زرق کسی بھی صورت اپنا علاج کرانا نہیں چاہتا تھا وہ مسلسل آزادی کی رٹ لگائے رکھتا ہے تب راسب رجاب کو سمجھاتا ہے کہ زرق کو اس کے حال پر چھوڑ دے لیکن وہ اس کا علاج کرانے پر بضد رہتی ہے۔ دوسری طرف رائمہ دراج کو کال کر کے اس پر برہم ہوتی ہے کہ شیراز نے جو حرکت کی تھی اس کا ذکر زرکاش سے نہیں کرنا تھا رائمہ کے مطابق زرکاش اب شیراز سے بھی اس بات کی تصدیق کرے گا رائمہ کی بات دراج کو مشتعل کر دیتی ہے اسے زرکاش سے اس بات کی امید نہیں تھی کہ وہ رائمہ سے بھی جھوٹ اور سچ کی تصدیق کرے گا تب وہ زرکاش سے شیراز کو سامنے لانے کی بات کرتی ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ شیراز کسی صورت سامنے نہیں آئے گا جبکہ دوسری طرف زرکاش اپنی صفائی دیتا اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کرتا ہے بالآخر وہ شیراز کو بھی اس کے سامنے لانے کی بات مان جاتا ہے۔ زنائشہ اپنی ماں کے وجود کو حسرت سے دیکھ رہی ہوتی ہے اس کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی ماں عرش سے اس کا نکاح ہو جانے پر زنائشہ کو کوسے مارے پیٹے مگر اس کی ماں پتھر کا بت بنی رہتی ہے۔ عرش نے وعدے کے مطابق اس کی ماں کا علاج شروع کرا دیا تھا لیکن ڈاکٹر نے کوئی امید کی کرن زنائشہ کے ہاتھ نہیں تھمائی تھی جس پر زنائشہ بالکل مایوس ہو جاتی ہے تب عرش اسے سمجھاتا ہے اور اسے مایوسی سے نکالنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہے عرش اسے اپنا گھر مل جانے کی بھی خوش خبری سناتا ہے عرش کو گھر حاصل کرنے کی جو رقم درکار تھی وہ گیراج کے مالک نے ادا کر دی تھی۔ ندا کو لگتا ہے کہ رجاب اب زندگی کی طرف واپس آ رہی ہے وہ رجاب کے بدلے رویہ کا راسب کو بتاتی ہے تب راسب خوشگوار حیرت میں رجاب سے بات کرتا اسے زرق کے فرار ہونے کی دھمکی کے بارے میں بتاتا ہے جس پر رجاب اس کا علاج مکمل کرانے پر زور دیتی ہے۔ دوسری طرف زرکاش شیراز کو لے کر دراج کے سامنے آ جاتا ہے وہ خود بھی اس جھوٹ اور سچ کے چکر سے آزاد ہونا چاہتا ہے تب دراج اسے اپنے عتاب کا نشانہ بناتی اسے بازو پر اپنے دانتوں کے نشان زرکاش کو دکھانے کا کہتی ہے شیراز اسے جھٹلا کر وہاں سے چلا جاتا ہے۔ عرش پولیس کی گاڑی کی آواز سنتا زنائشہ کو اس کے گھر کے سامنے چھوڑ کر جلد رابطہ کرنے کا کہتا وہاں سے بھاگ جاتا ہے اسے ڈر تھا کہ جو کام وہ چھوڑ چکا ہے پولیس اس کی تفتیش ضرور کرے گی اس لیے وہ مسلسل بھاگ رہا ہوتا ہے اور ایسے میں اس کا موبائل بھی گر جاتا ہے تب ایک گاڑی کی زد میں عرش آ جاتا ہے۔ شیراز گھر آ کر صبغہ کو ساری صورت حال بتا دیتا ہے صبغہ دراج کو کوستی رائمہ سے بات کرنے کا کہتی ہے جبکہ زرکاش شیراز کی اصلیت سامنے آ جانے پر دراج کا دفاع کرتا ہے تب شزا بھی تمام سچائی زرکاش کے سامنے رکھ دیتی ہے شیراز کے ملک سے باہر جانے میں بھی کم دن رہ جاتے ہیں شیراز بھائی سے معافی مانگتا ہے اور دراج کو سبق سکھانے کا ارادہ کر لیتا ہے جب ہی وہ جانے سے پہلے دراج کو بھی زرکاش سے دور رہنے کی وارننگ دیتا اس کے غصہ میں مزید اضافہ کر جاتا ہے۔ دوسری طرف زرکاش کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

❁......❁......❁
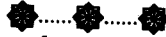
رات بھر ٹوٹے اعصاب کے ساتھ بخار میں جھلستے رہنے کے بعد صبح وہ ہاسٹل کے لان میں بینچ پر بیٹھی زرکاش کو ہی یاد کرتی نڈھال ہو رہی تھی، رائمہ اپنے شوہر کے ساتھ زرکاش کی عیادت کے لیے ہاسپٹل بھی جاتی رہی تھی اور گھر بھی گئی تھی، ایک بار بھی اس نے دراج سے یہ نہیں کہا کہ اسے بھی زرکاش سے ملنے جانا چاہیے یہ وہ بھی جانتی تھی کہ دراج کا وہاں جانا ایک ہنگامہ کھڑا کردے گا، شیراز نہیں تھا مگر صبغہ تو تھیں اور پھر شزا، شنذرا بھی زرکاش کی وجہ سے سسرال سے آئی ہوئی تھیں، ان میں سے کوئی ایک بھی تو اس کو پسند نہیں کرتا تھا، زرکاش کی وجہ سے بھی کوئی اسے برداشت نہیں کرسکتا تھا، اپنی بے بسی اور تنہائی پر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے، سر جھکائے گھٹی سسکیوں سے روتی وہ دل میں اٹھتی درد کی لہروں کو دباتی بے حال ہوتی رہی تھی، زرکاش کی بے تحاشہ یاد آرہی تھی، دل کی بے چینی حد سے گزر گئی تھی، بہت دیر تک دل کا غبار نکالتے رہنے کے بعد اس نے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں، خالی خالی نظروں سے ہاسٹل کے گیٹ کو تکتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا، زرکاش کے گھر تک پہنچنا مشکل نہیں تھا تو گھر کے اندر جانے کا بھی کوئی موقع، کوئی راستہ اسے مل سکتا ہے، کوشش کرکے بھی ناکام رہی تو کیا ہوا، دل کو کچھ قرار تو مل جائے گا، اس تک نہ سہی اس کے گھر کے در و دیوار تک تو وہ پہنچ سکتی ہے جہاں وہ موجود ہوگا، ہوسکتا ہے اسے یاد بھی کررہا ہو......بس چند لمحے لگے تھے اسے حتمی فیصلہ کرنے میں۔

پھولدار نیلی چادر کے نقاب کو چہرے پر لیے وہ اس پوش علاقے میں موجود تھی۔ جہاں دوپہر کے اس وقت اکا دکا راہ گیر نظر آرہے تھے، بڑے بڑے عالیشان گھروں کے اندر باہر خاموشی اور سناٹے کا راج تھا، وہ ایک بڑا سا سفید آہنی گیٹ تھا جس کی بیرونی دیوار پر پھولوں سے بھری بیلیں بہار دکھا رہی تھیں، نیم پلیٹ کو دیکھتے ہوئے اس کے قدموں کی رفتار سست ہوگئی مگر رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس گیٹ کے باہر ہی موجود گن مین کی شکل دیکھ کر اس کا دم خشک ہو رہا تھا اور پھر وہ دراج کو کافی مشکوک نظروں سے بھی دیکھ رہا تھا، لہٰذا قدموں کو تیز کرتی وہ آگے بڑھتی چلی گئی، ناکام واپس وہ جانا نہیں چاہتی تھی، کتنی ہی دعائیں کرتی وہ یہاں تک آئی تھی، چلتے چلتے وہ گھر کے عقبی حصے کی طرف آ گئی تھی، دعائیں شاید رنگ لا رہی تھیں، گھر کی عقبی دیوار کے قریب اسے ایک درخت نظر آرہا تھا۔

چند لمحوں تک وہ درخت کے پاس کھڑی ارد گرد کا جائزہ لیتی رہی تھی، ہر سمت ہی سناٹے کا راج تھا، بیگ سے اس نے ایک شاپر نکالا، اس میں اپنے پیروں سے سلیپرز اتار کر رکھے اور وہ شاپر واپس بیگ میں رکھ کر بیگ گردن میں لٹکا لیا تھا، جدوجہد اسے بہرحال کرنی تھی درخت پر چڑھنے کے لیے، ایک مضبوط شاخ عقبی دیوار کے عین اوپر اور قریب تھی، دیوار کے اوپر لگے کانچ سے اس کے ہاتھ پیروں کو کافی اذیت پہنچی تھی مگر اس نے پروا نہیں کی تھی، خوف سے اس کا دل بہت تیز دھڑک رہا تھا، دیوار زمین سے بہت زیادہ اونچی نہیں تھی، اس کی کوشش یہی رہی تھی کہ وہ کودنے کے بجائے احتیاط سے پشت کے بل نیچے گرے تاکہ پیر سلامت رہیں اور ہڈیاں بھی۔

بیک یارڈ کافی وسیع تھا، پھولی سانسوں اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ سب سے پہلے اسی گلاس ونڈو کی طرف بڑھی تھی جو کھلی ہوئی تھی مگر پردے گرے ہوئے تھے، بہت احتیاط سے اندر جھانکتے ہوئے جب اندر پھیلی نیم تاریکی میں اس کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو دل خوشی سے نہال ہوگیا تھا، وہ ساری چوٹیں بھول گئی تھی، دل کی مراد بر آئی تھی، بیڈ پر جو دراز تھا اس کا چہرہ تو اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر سامنے ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی زرکاش کی تصویر اسے خوش اور مطمئن کرگئی تھی، پلک جھپکتے ہی وہ کمرے کے اندر تھی، سر سے چادر ہٹاتی وہ تیزی سے دروازے تک گئی اور اسے لاک کردیا، لائٹ آن کرتی وہ بے تابی سے بیڈ کی طرف آئی، دل دھک سے رہ گیا تھا، سینے تک چادر پھیلائے وہ سویا ہوا

تھا‘اس کا چہرہ بے حد زرد اور نقاہت زدہ دکھائی دے رہا تھا‘ دل بھر آیا تھا‘اس کے سینے سے سر ٹکاتی وہ اپنی سسکیاں ضبط نہیں کرسکی تھی‘ یک دم بیدار ہوتا زرکاش ایک پل کو تو کچھ سمجھ ہی نہیں پایا تھا لیکن اگلے ہی پل وہ دراج کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو پہچانتے ہوئے یک دک رہ گیا تھا۔

’’دراج......!تم یہاں کیسے پہنچیں......؟‘‘ گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھتے ہوئے زرکاش نے اٹھنے کی کوشش کی مگرنا کام رہا تھا‘ دراج رونے میں مشغول کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھی سوا پنے حواس قابو میں کرتے ہوئے اس نے پھر ایک بازو کے سہارے اٹھنے کی کوشش کی اس باراس کی کوشش دراج کو متوجہ کرگئی تھی سوفوراً ہی وہ سسکیوں کو دباتی اسے بیک کراؤن سے پشت لگانے میں مدد دینے لگی تھی۔

’’مت رو دراج......میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔‘‘ زرکاش کی یہ تسلی بھی غضب ہوگئی‘اس کے شانے سے لگتی وہ دوبارہ رونا شروع کرچکی تھی۔

’’دراج......تم نے صرف رونا ہی ہے یا مجھ سے بات بھی کرنی ہے‘ میں حیران پریشان ہوں کہ تم یہاں تک کیسے آئیں......؟‘‘ زرکاش کے کہنے پراس باروہ آنکھیں خشک کرتی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

’’بس آگئی میں......نہیں آتی تو دم گھٹ جاتا میرا......مگرآپ کو کیا فرق پڑتا ہے‘ آپ کے قریب تو اتنے لوگ ہیں‘ آپ کا خیال رکھنے والے‘ آپ اتنی تکلیف میں تھے مگرایک بار بھی آپ نے مجھے اپنے پاس نہیں بلانا چاہا ہوگا‘ بہت نفرت جو ہوگئی ہے آپ کو مجھ سے......اس سے تو اچھا تھا کہ آپ مجھے مار لیتے‘ برا بھلا کہہ لیتے مگریوں مجھ سے لاتعلق نہ ہوتے‘ اوپر سے اتنا زخمی بھی کرلیا خود کو......‘‘ بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ رندھے لہجے میں بولتی رہی۔

’’تم سے لاتعلق ہوکر‘تم سے نفرت کر کے مجھے مرنا نہیں تھا‘ تم جانتی ہو کہ یہ ممکن ہی نہیں‘ میں چاہتے ہوئے بھی تمہیں اپنے پاس نہیں بلاسکا‘ اس کی وجہ بھی تم جانتی ہو۔‘‘ بغور اس کی سرخ آنکھوں اورآنسوؤں سے دھلے چہرے کو دیکھتا وہ بولا۔’’اور میں تمہیں اتنا یاد کررہا تھا کہ تم خود بخود میرے سامنے آگئیں......مگرآ کیسے گئیں‘یہ سمجھ نہیں پارہا......‘‘

’’میں اس ونڈو سے اندر آئی ہوں۔‘‘ دراج کے اشارے پراس نے حیرت سے پہلے ونڈو کو اور پھر اسے دیکھا جو گھر کے اندر کودنے کی تفصیل بتارہی تھی۔

’’میرے اللہ......!دراج تم نے اپنے ہاتھ پیروں کو کس قدر زخمی کرلیا......‘‘ حیران پریشان ہوتے زرکاش نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے کاٹن نکالی اور تیزی سے دراج کی طرف بڑھایا تھا جسے وہ تھامتی اپنی ہتھیلیوں سے رستے خون کو صاف کرنے لگی۔

’’آپ تک پہنچنے کے لیے میں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں اٹھاسکتی ہوں......‘‘

’’چپ رہو‘ پاگل پن ہے یہ......‘‘ زرکاش نے درمیان میں اسے ڈپٹا۔

’’میں آپ کی فکر میں مرنے لگی تھی اورآپ ہیں کہ میرے یہاں آنے پریوں بیزار ہورہے ہیں۔‘‘ وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی شکوہ کررہی تھی۔

’’میں کبھی تم سے بیزار نہیں ہوسکتا بے وقوف لڑکی میں پریشان ہورہا ہوں کہ کس طرح تم نے خود کو خطرے میں ڈالا اور زخمی بھی کرلیا۔‘‘ زرکاش نے زچ ہوکر تصحیح کی۔

’’اتنے زیادہ زخمی ہوگئے ہیں آپ تو......‘‘ پریشان نظروں سے دراج نے اس کا جائزہ لیا۔

’’تم پہلے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر یہ دوا لگاؤ......جلدی۔‘‘ زرکاش کے قطعی انداز پراس نے جلدی جلدی اپنے ہاتھ پیروں پر جراثیم کش دوا کاٹن کی مدد سے لگائی۔ بغور زرکاش اسے دیکھ رہا تھا‘ جو بہت کمزور دکھائی دے رہی تھی۔ آنکھوں

کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ رنگت میں زردیاں گھلی ہوئی تھیں۔
"آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟ فکر مت کریں کسی نے مجھے نہیں دیکھا' جس طرح آئی تھی اسی طرح احتیاط کے ساتھ واپس چلی جاؤں گی۔" زرکاش کی نظروں پر چونکتی وہ بولی۔
"میں تمہیں دیکھ کر فکر مند ہو رہا ہوں دراج...... میرے لیے تم کس قدر پریشان ہو' اندازہ ہو رہا ہے مجھے' بیمار کر لیا ہے خود کو' اسٹڈیز کی طرف سے بھی غافل رہی ہو گی تم۔"
"جب آپ سب جانتے ہیں تو اب میں کیا کہوں...... جان پر بنی رہی تھی میری...... اور اب آپ کو اس حال میں دیکھنے کے بعد مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں سکون سے کیسے رہوں گی؟" وہ مضطرب انداز میں بولی۔ "مجھے کہنے دیں کہ آپ کی اس حالت کا ذمہ دار صرف اور صرف شیراز ہے اس نے آپ کی جھوٹی قسم......"
"وہم مت کرو' ایکسیڈنٹ میری لاپروائی کی وجہ سے ہوا اور کوئی اس کا ذمہ دار نہیں۔" زرکاش نے سمجھانے والے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔
"مجھے پتہ تھا آپ ایسا کچھ ہی کہیں گے۔" وہ شدید ناراضگی سے بولی۔
"اب میں کیا کروں؟ سر پر بھی چوٹ لگی ہے' نہ ہاتھ سلامت ہیں آپ کے' نہ پیر' روز روز کھڑکی' دیواریں پھلانگ کر آؤں گی کیا آپ تک۔"
"تمہیں اللہ کا واسطہ ہے دراج' ایسا مت کرنا...... ابھی میں اس لیے مطمئن ہوں کہ گھر میں صرف ملازم ہیں' امی اور شنز' شذرا کے ہمراہ اس کے سسرال گئی ہوئی ہیں اگر ان تینوں میں سے کسی نے تمہیں اس طرح میرے کمرے میں دیکھ لیا تو میں اس خطرناک صورت حال کو سنبھالنے کے قابل بھی ہرگز نہیں۔" زرکاش نے زچ ہو جانے والے انداز میں التجا کی۔
"لیکن میں کس طرح آپ کو اس تکلیف میں چھوڑ کر پُرسکون رہوں گی؟ پتہ نہیں کتنے دن لگیں گے آپ کو ٹھیک ہونے میں......" وہ روہانسے انداز میں بولی۔
"تم میرے لیے دعا کرو گی تو جلدی ٹھیک ہو جاؤں گا اور میں بہت بہتر ہوں اب' تمہارے آنے سے ہر تکلیف دور ہو گئی۔" زرکاش نے مسکراتی نظروں سے اس کے بگڑے تاثرات کو دیکھا۔
"مجھے پتہ ہے یونہی دل رکھنے کے لیے کہہ رہے ہیں' اتنی اہم ہوتی تو یوں منہ نہ موڑ لیتے' معافی مانگنے کا موقع تک نہیں دیا' امان بھائی سے جان جاتی ہے میری مگر مجبوراً مجھے ان سے سفارش کروانی پڑی مگر آپ کے دل پر ذرا اثر نہ ہوا۔" اس نے شکوہ کیا۔
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تم سے منہ موڑ لوں' ہاں یہ ضرور تھا کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کس طرح تمہارا سامنا کروں...... کس منہ سے تم سے بات کروں؟" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ مدھم لہجے میں بولا۔
"تمہیں لگتا ہے کہ شیراز نے جو کچھ کیا اس کے بعد میں تمہارے سامنے کھڑے ہونے کے قابل تھا؟ کیا کہتا تم سے...... یہی کہ میں کچھ نہیں کر سکا' کیونکہ میرے سامنے میرا بھائی تھا' جسے معاف کرنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔"
"آپ نے شیراز کو معاف کر دیا......؟" وہ درمیان میں بول اٹھی جبکہ زرکاش اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکا تھا۔
"ہاں دراج...... میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں' نہیں دیکھ سکا اپنے سامنے اس کے جڑے ہاتھ' ندامت سے بہتے اس کے آنسو' شرمساری سے جھکے اس کے سر نے مجھے معاف کرنے پر مجبور کر دیا...... لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تم مجھے

بہت عزیز ہو میں اب بھی تمہارے لیے شیراز پر بھروسہ نہیں کرسکوں گا...... اس کی وجہ سے جو اذیت تمہیں پہنچتی رہی اس کے لیے میں تم سے معافی مانگتا ہوں...... تم معاف کرو یا نہ کرو یہ تم پر منحصر ہے لیکن میں ساری زندگی اس سب کے لیے تمہارے سامنے نادم رہوں گا۔" بغور وہ اسے دیکھتا بول رہا تھا' جو سر جھکائے اپنے ہاتھوں پر لگی خراشوں کو دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ اس ذکر پر بس خاموش رہنا چاہتی تھی۔

"دراج......" کچھ تھا زرکاش کے لہجے میں کہ اسے نگاہ اٹھانا پڑی۔

"شیراز کی وجہ سے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا تھا تمہیں......؟" زرکاش کا سوال تمام معنی و مفہوم اس پر واضح کر گیا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ نقصان پہنچا یا نہیں...... اب یہ سوال کرنے کا کوئی فائدہ نہیں' اس کو معاف تو آپ نے کرنا تھا اور یوں بھی......" اس کے سپاٹ لہجے پر زرکاش فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا۔

"میں نے بہت مایوس کیا ہے تمہیں؟" زرکاش کا بوجھل لہجہ سوالیہ ہوا۔

"نہیں' ایسا تو بالکل نہیں بلکہ آپ کی وجہ سے تو مجھے موقع ملا حقیقت کو سامنے لانے کا' آپ نے مجھ پر بھروسہ کیا میرے لیے یہی بہت ہے۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی اور پھر زرکاش کو دیکھا۔

"مایوس تو میں آپ کو کردیتی ہوں' بہت بدلحاظی اور بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا تھا میں نے...... مگر وہ سب غصے میں میری زبان سے آپ کے لیے نکلا...... آپ مجھے معاف کردیں' میں اس دن سے ہی شرمندہ ہوں آپ سے۔"

"تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں' میرے دل میں اگر کوئی گلہ تھا بھی تو یہاں تک آنے کی جرأت کرکے تم نے اسے بھی ختم کردیا۔" زرکاش سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا جبکہ دراج گہری سانس لیتی وسیع و عریض نفاست سے سجے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

"گھر بہت اچھا ہے مگر سیکیورٹی کا انتظام صفر ہے...... میری جگہ کوئی اور بھی تو بہت آسانی سے گھر میں داخل ہوسکتا ہے' مین گیٹ پر موجود گارڈ یہاں تک فوراً آکر کچھ نہیں کرسکے گا۔" وہ تشویش سے بولی۔

"ہاں' بیک یارڈ کی طرف ابھی کافی کام رہتا ہے' مصروفیت آڑے آتی رہی مگر اب جلد از جلد وہاں کام مکمل کراؤں گا...... چور سے زیادہ تمہارے دوبارہ آنے کا خطرہ ضرور ہے۔"

"سچ آہی گیا زبان پر......" ناراضگی سے دراج نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

"اچھا اب خود سے ہی اٹھ کر کچھ کھا پی لو' میں ہرگز تمہاری خاطر مدارت کے قابل نہیں' فریج سے ضرور تمہارے مطلب کی کوئی چیز نکل آئے گی جاؤ پلیز۔" زرکاش نے روم فرج کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جبکہ دراج کو بھی حلق میں چبھتے کانٹوں کا احساس شدید ہونے لگا تھا' فریج کی جانب بڑھتے ہوئے اسے اپنے نیم زخمی پیروں میں تکلیف کا بھی احساس ہوا تھا' غنیمت تھا کہ زرکاش کی نظر اس کے پیروں تک نہیں پہنچی تھی' پیروں میں کانچ لگنے کی وجہ سے اگر بلڈ چھلکا بھی ہوگا تو ڈارک میرون کارپٹ پر نشان واضح نہیں ہوئے تھے۔

"کولڈ ڈرنک سے اجتناب کرنا' پہلے ہی تمہاری طبیعت ناساز ہے۔" عقب سے سنائی دیتی زرکاش کی ہدایت کو خاطر میں لائے بغیر اس نے ٹن نکال کر منہ سے لگالیا تھا۔ ایک سیب اٹھاتی وہ چونک کر زرکاش کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو فون پر کسی سے محو گفتگو تھا' سرعت سے وہ زرکاش کی سمت آئی اور اس کے بچتے بچتے بھی سیل فون اس سے چھینتی لائن ڈسکنیکٹ کردی۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوا' میری بات تقریباً مکمل ہوگئی تھی۔" مسکراتے لہجے میں بولتے ہوئے زرکاش نے دلچسپی سے اس کے غصیلے تاثرات کو دیکھا۔

''آپ نے اس وقت امان بھائی کو یہاں کیوں بلایا......؟ میں یہاں نہ آپ کو کھا جانے کے مقصد سے آئی ہوں نہ ہی یہاں مستقل ڈیرہ جمانے۔'' وہ صدمے اور غصے سے چیخی۔

''مجھے تمہارے ان دونوں مقاصد پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا' امان کو میں نے خاص طور پر یہاں نہیں بلایا' اسے آج یہیں میرے ساتھ لنچ کرنا ہے' میں نے صرف اسے جلدی پہنچنے کے لیے کہا ہے تاکہ وہ ساتھ خیریت سے تمہیں ہاسٹل تک پہنچادے......وہ راستے میں ہے بس پہنچنے ہی والا ہے۔''

''میری یہاں موجودگی آپ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی تو بتا دیتے میں خود ہی دفع ہو جاتی۔ امان بھائی کو یہاں بلا کر مجھے شرمندہ کرنا ضروری تھا......؟ کیا سوچیں گے وہ مجھے اس طرح یہاں دیکھ کر......یہی کہ میں چور راستوں سے آپ تک آئی ہوں......'' اس کے سرخ ہوتے چہرے اور آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں نے زرکاش کو سنجیدہ کر دیا تھا۔

''تمہیں مجھ تک ہر راستے سے پہنچنے کا حق ہے یہ بات امان جانتا ہے نہ میں تمہیں کسی چیز کے لیے شرمندہ کر رہا ہوں نہ ہی مجھے تمہاری یہاں موجودگی گراں گزر رہی ہے' میں بس یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح تم آئی ہو اسی طرح واپس جانے میں تم خود کو مزید زخمی نہ کر دو یا کسی خطرناک صورت حال میں گرفتار نہ ہو جاؤ......'' زرکاش کی بات ادھوری رہ گئی تھی' جب وہ فون اور سیب دونوں ہی بیڈ پر پھینکتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''دراج......کہاں جا رہی ہو......رک جاؤ'' دنگ نظروں سے زرکاش نے اسے دیکھا جو ان سنی کیے تیز قدموں سے ونڈو کی سمت جا رہی تھی۔

''دراج......واپس آؤ ورنہ میں بھی تمہارے پیچھے آؤں گا......تم رکتی ہو یا نہیں......'' شدید غصے میں وہ زرکاش کی پکار کو نظر انداز کرتی ونڈو سے نکلنے ہی والی تھی جب یک دم زرکاش کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس کا دل حلق میں آیا تھا' سرعت سے وہ دوڑتی ہوئی اس تک آئی جو بیڈ کے کنارے پر ہاتھ رکھے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مت کرو اب یہ ہمدردی......'' وہ اس کا بازو تھام کر اٹھنے میں مدد دینا چاہ رہی تھی جب زرکاش نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''میں تمہارے پیچھے بھاگنے سے معذور ہوں اس لیے تم نہیں رکیں تو اب کیوں واپس آئی ہو؟ نہیں چاہیے تمہارا سہارا......'' اس کے مزید غصے پر وہ بس سن ہوتی فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی مگر اسے مشکل میں دیکھ کر خود کو روک نہیں سکی تھی۔ اس کے پلاسٹر میں جکڑے پیر کو بیڈ پر رکھنے میں مدد دے کر وہ چور نظروں سے اس کی طرف متوجہ ہوئی جو اسے نہیں دیکھ رہا تھا' اس کے پیروں پر چادر ٹھیک کرتی وہ اس کے تنے ہوئے تاثرات کا جائزہ لیتی سامنے آ بیٹھی تھی۔

''میں یہاں آپ کو تکلیف دینے نہیں آئی تھی۔''

''بالکل اسی طرح میں بھی تمہیں اپنی وجہ سے کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا......مگر تم بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی۔'' اس بار زرکاش کے لہجے میں صرف ناراضگی تھی جبکہ دراج کا چہرہ مزید تن گیا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میں کوشش کے باوجود کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی ہوں' بہت عجیب ہو رہا ہے میرے ساتھ......جس وقت مجھے یہ خبر ملی کہ آپ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تب سے اب تک ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے خود کو کہیں کھو دیا ہے۔'' اس کے چہرے کے بے حد سنجیدہ تاثرات اور لہجے کی پراسراریت نے زرکاش کو بھی چونکا دیا تھا۔

''ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ میں ساری' ساری رات آپ کو سوچتی رہوں' آپ سے ملنے کے لیے' آپ سے بات کرنے کے لیے بے چین رہوں' کتاب کھولتی ہوں تو آپ کا چہرہ سامنے آجاتا ہے آئینہ دیکھوں تو سمجھ نہیں آتا کہ اس میں' میں

اپنا چہرہ دیکھ رہی ہوں یا آپ کا...... سچ تو یہ ہے کہ آج میں یہاں صرف آپ سے ملنے نہیں خود کو بھی پانے آئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے آپ سے کوئی دوسری خطرناک قسم کی محبت ہوگئی ہے۔'' تشویش زدہ انداز میں وہ زرکاش کو مزید دنگ کرگئی تھی۔

''دراج...... کچھ بعید نہیں تم سے کہ آگے جاکر تم دوسری کے بعد تیسری' چوتھی' پانچویں محبت کا اعتراف بھی مجھ سے کرکے میرا دم خشک کرتی رہوگی' یہ سب تمہارے فارغ دماغ کا خبط ہے اور کچھ نہیں۔''

''تو آپ ہی بتائیے یہ کیا ہے؟ آپ نے تو دنیا دیکھی ہے' کیا محبت کی بھی قسمیں ہوتی ودرجات ہوتے ہیں؟'' وہ مضطرب ہوئی پوچھ رہی تھی۔

''میں بس یہ جانتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے مگر اسے خود پر اس قدر حاوی مت ہونے دو کہ اور کچھ دکھائی ہی نہ دے' جبکہ تمہیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔'' زرکاش کے زچ ہونے والے انداز پر وہ بس خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''اب مجھے اس طرح مت دیکھو...... نہ میں بے حس ہوں' نہ تمہارے جذبات سے بے خبر...... اچھی طرح سمجھ رہا ہوں تمہاری کیفیات' جس عمر میں تم ہو اس عمر کے دور سے میں بھی گزر چکا ہوں' محبت میں ہر طرف سے آنکھیں بند کرکے اس میں ہی غرق ہوجانا کوئی کمال نہیں۔ محبت کو اپنی کمزوری نہیں بننے دو اسے اپنی کامیاب زندگی کی وجہ بناؤ تاکہ ہر دن اس پر فخر کرسکو اور میرے لیے اس سے بڑھ کر قابل فخر کیا ہوسکتا ہے کہ تمہاری کامیابیوں کا محرک میری ذات اور محبت بنے۔'' زرکاش کے خاموش ہونے پر وہ سر جھکاتی خاموش رہ گئی۔

''اب کیا سوچ رہی ہو؟ یہی کہ میں مکمل سٹھیا گیا ہوں......'' زرکاش کے مسکراتے لہجے پر وہ خفت سے کچھ بولنے ہی والی تھی کہ زرکاش کا فون چیخ اٹھا۔ فون اٹھاتے ہوئے دراج نے سرسری نگاہ بلنک کرتے کالر کے نام پر کی تھی مگر اگلے ہی پل اس کے تاثرات بدل گئے تھے' حیرت سے زرکاش نے اسے دیکھا' جو فون کو دیکھتی ساکت ہوئی تھی اس سے پہلے کہ زرکاش اسے مخاطب کرتا وہ فون اس کی طرف بڑھا گئی تھی' بغور دراج نے زرکاش کے بے حد سنجیدہ ہوتے تاثرات کو دیکھا پھر کال فوراً ریسیو کرنے کے بجائے اس نے نظر اٹھا کر دراج کو دیکھا تھا مگر وہ نظر چراتی اپنے بیگ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ حالانکہ وہ زرکاش سے پوچھنا چاہتی تھی کہ جس عورت سے یورپ میں ہی وہ تعلق ختم کرچکا تھا' اب اس سے رابطے میں رہنے کی وجہ کیا ہے؟ وہ پوچھنے کا حق رکھتی تھی مگر نہیں پوچھ سکی تھی۔ اپنے شوز پہنتے ہوئے اس کا وجود برف کی طرح سن اور سر دھور ہا تھا' اس کی سماعتوں تک زرکاش کی آواز ضرور پہنچ رہی تھی مگر وہ جس زبان میں فون پر گفتگو کررہا تھا وہ دراج کے لیے اجنبی تھی' وہ نہیں جانتی تھی کہ رومانیہ میں کون سی زبان بولی جاتی ہے' یقیناً وہاں بولی جانے والی اور بھی زبانیں ایسی ہوں گی جن کو سمجھنا اس کے لیے ناممکن ہوگا مگر جس زبان میں زرکاش فون پر بات کررہا تھا وہ اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ رہی تھی' اتنی شدت سے کہ دل میں اٹھتی درد کی لہروں سے اس کی ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں' رخ پھیرے وہ لرزتے ہاتھوں سے اپنی چادر میں چہرے کو ڈھانپ رہی تھی' دوسری جانب زرکاش نے بس دو' تین منٹ کی بات کی تھی مگر اس دوران اس کی نظریں دراج پر ہی مرکوز رہی تھیں' لیکن وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے مخاطب کرتا انٹرکام نے اپنی طرف متوجہ کرلیا جبکہ دراج کسی بھی جانب دیکھے بغیر دروازے کے پاس جاکھڑی ہوئی تھی۔

''امان پہنچ گیا ہے......'' انٹرکام کا ریسیور رکھتے ہوئے اس نے دراج کو اطلاع دی' خاموشی سے وہ دروازے کا لاک کھولتی دیوار سے پشت لگا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''دراج...... میں جانتا ہوں تم ڈسٹرب ہوگئی ہو لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے، میں رات میں کال کرتا ہوں تمہیں انتظار کرنا اور کچھ بھی غلط نہیں سوچنا پلیز۔'' اس کی تنبیہ پر دراج نے بس ایک نگاہ اسے دیکھا تھا تب ہی دستک کے ساتھ امان اندر داخل ہوا، عجیب کشمکش میں گھری وہ اسے سلام تک نہ کرسکی تھی۔

''زرکاش...... تم نے بتایا نہیں کہ تمہارے گھر میں بغداد کے ڈاکو گھس آئے ہیں؟'' دراج کے چادر میں چھپے چہرے کو دیکھنے کے بعد امان نے کہا۔

''تم ذرا جلدی اسے ہاسٹل ڈراپ کر کے واپس آؤ۔'' مسکراتے ہوئے زرکاش نے امان سے کہا جبکہ دراج پہلے ہی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

❁......❁......❁

گہری نیند میں اس کی بڑھتی بے چینی حد سے تجاوز کر رہی تھی، جھینگروں کی آوازیں اس کے اردگرد گھوم رہی تھیں اور اسی میں ابھرتی کھلتے دروازے کی پراسرار چرچراہٹیں، بھاری قدموں کی دھمک...... جانے کتنی بگھیاں گھنٹیاں بجاتی اس کے وجود کو روندتی گزر رہی تھیں، بہت قریب کہیں کچھ جانوروں کی کریہہ آوازوں پر بلآخر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔ سختی سے کانوں پر ہاتھ جمائے وہ وحشت ناک نظروں سے در و دیوار کو دیکھ رہی تھی، ایک ایک گوشے سے وہ ابھرتی کریہہ آوازیں اس کے وجود کو لرزا رہی تھیں، صحرا کی طرح خشک حلق سے وجود کے اندر غدر مچاتی چیخیں آزاد ہونے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھیں، مساموں سے پسینہ پانی کی طرح پھوٹ رہا تھا، ایک ہی جست میں بیڈ سے اترتی وہ کمرے سے نکلی تھی، برآمدے میں کھلنے والے دروازے کو اس نے کھولنے کی بے طرح کوشش کی مگر وہ نہیں کھلا، دم تھا کہ گھٹا جا رہا تھا، حشر جب اپنے اندر برپا ہو تو فرار کے تمام راستے تنگ پڑ جاتے ہیں، کھڑکی کی آہنی سلاخوں کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ نکالنے کی کوشش میں ہذیانی کیفیت جنون میں بدلتی جا رہی تھی، اس کی سانسیں اور دھڑکنیں سمندر کی طغیانیوں کو مات دے رہی تھیں، اس کی دلخراش چیخوں نے باہر پھیلے سناٹے کو بھی لرزا کر رکھ دیا تھا، خوف، وحشت، اذیت، اشتعال دلدوز چیخوں کی صورت بلند ہو رہی تھیں...... تب ہی آہنی سلاخوں پر سختی سے چہرہ ٹکائے چیختی وہ یک دم پتھر کی طرح ساکت اور پُرسکون ہوگئی تھی، اس کی پھٹی آنکھیں باہر پھیلی تاریکی میں کسی غیر مرئی شے پر جمی ہوئی تھیں، اس کی سماعتوں میں اب صرف بلند ہوتی فجر کی اذان کی آواز گونج رہی تھی، دھیرے دھیرے آہنی سلاخوں پر اس کی گرفت ڈھیلی ہونے لگی تھی، وحشت میں کمی آتی جا رہی تھی، تاریک رات میں بھیانک طوفان سے گزرنے کے بعد نمودار ہوتے سورج کی روپہلی کرنوں میں سمندر پر چھائی خاموشی اور سکون اس کے وجود پر بھی طاری ہوگیا تھا، دور کہیں سے اب بھی اذان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، حمد و ثنا کرتے پرندوں کی خوش الحان زندگی سے بھرپور آوازیں بھی......! دروازے کو تھوڑا مزید کھول کر ندا نے باہر دیکھا، دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی رجاب اپنے کمرے کی سمت جا رہی تھی، گہری سانس بھر کر ندا نے دروازے کے قریب دیوار سے پشت لگائے کھڑے راسب کو دیکھا تھا، جن کی آنکھیں بند اور چہرے پر تھکن پھیلی ہوئی تھی۔

''اس کی خاموشی ٹوٹ رہی ہے، کسی بھی طرح ہی سہی مگر اس کے اندر بھرا غبار تو نکلا، دل و دماغ سے بوجھ اترے گا تو ہی ہم اس کے چہرے پر سچی مسکراہٹ دیکھ سکیں گے۔ جہاں اتنا کچھ برداشت کرلیا ہے وہاں تھوڑا اور سہہ لیں۔'' ندا کے تسلی آمیز لہجے پر بھی وہ اسی طرح ساکت و جامد رہے تھے، ندا بس تاسف سے انہیں دیکھتی رہیں، یہ وہی جانتی تھیں کہ کتنی مشکل سے انہوں نے راسب کو رجاب تک پہنچنے سے روکا تھا، رجاب کی ہذیانی چیخوں پر راسب کی حالت ماہی بے آب جیسی ہوگئی تھی۔

''میں اسے دیکھ کر آتی ہوں۔'' ندا ان کو مخاطب کرتیں کمرے سے نکل گئیں، ادھ کھلے دروازے سے ندا نے رجاب

کے کمرے میں جھانکا' اگلے ہی پل ان کی تمام فکریں طمانیت میں بدل گئی تھیں' سامنے ہی جائے نماز پر حجاب رکوع میں جاتی نظر آرہی تھی' سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کے چہرے پر عجیب سا سکون اور ٹھہراؤ نظر آرہا تھا۔

سورج کی روشنی ہر سمت پھیل چکی تھی جب وہ کمرے سے باہر نکلی' چائے کی زبردست پھیلی خوشبو نے اسے کچن کی سمت موڑ دیا تھا۔

''اچھے وقت پر آئی ہو' اپنی اور راسب کی چائے لے جاؤ وہ برآمدے میں ہیں' میں ذرا ناشتہ تیار کرلوں۔'' ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے ندا بولیں' چائے کے مگ ان سے لے کر وہ خاموشی سے ہی جارہی تھی کہ ندا نے کچھ سوچ کر اسے پکارا۔

''ایک مسئلے کو لے کر تمہارے آغا جان بہت پریشان ہیں' تمہیں بتانا چاہتے ہیں مگر بتا نہیں پارہے...... دراصل وہ تمہیں اپنی طرف سے مایوس نہیں کرنا چاہتے ورنہ میں نے تو کہا تھا کہ تم سے چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں' تمہیں حقیقت کا علم ہوجانا چاہیے۔''

''بھابی...... بات کیا ہے؟'' اس نے حیران نظروں سے ان کو دیکھا۔

''جو بھی بات ہے' میں چاہتی ہوں تم خود اپنے آغا جان سے پوچھو' وہ ضرور تمہیں بتائیں گے' اب جاؤ جاکر خود بات شروع کرو۔'' ندا کے تاکیدی انداز پر وہ الجھتی مگر اثبات میں سر ہلاتی کچن سے نکل گئی۔ اخبار سے نگاہ ہٹاتے راسب نے بغور اس کے تشویش زدہ چہرے کو دیکھا۔

''آغا جان...... ایسی بھی کیا بات ہے کہ آپ چاہتے ہوئے بھی مجھے نہیں بتا پارہے؟'' چائے کا مگ ان کے سامنے ٹیبل پر رکھتی وہ خود بھی ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ دوسری جانب راسب کچھ سوچتے ہوئے فوری طور پر کچھ بول نہیں سکے۔

''دی ہیب سے کوئی اطلاع آئی ہے؟'' اس کے کھوجتے لہجے میں کی گئی درست قیاس آرائی پر راسب نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گہری سانس بھرتے ہوئے اثبات میں سر کو اثبات میں حرکت دی۔

''وہ فرار ہوگیا ہے رجاب...... میں نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح علاج مکمل کروانے پر راضی ہوجائے' ایک اچھی زندگی گزارنے کے قابل ہوجائے...... اس لیے نہیں کہ تم ایسا چاہتی تھیں بلکہ اس لیے بھی کہ میں خود بھی یہی چاہتا تھا' مگر میں اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا...... شاید وقت نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ مجھے ہر بار تمہارے سامنے شرمسار ہونا ہے' ہر بار تمہیں مایوس کرنا ہے اپنی ذات سے۔'' اس کے گہرے سنجیدہ ہوتے تاثرات کو دیکھتے راسب بہت کمزور اور بوجھل لہجے میں بولے۔

''آغا جان' میں کبھی آپ کی ذات سے مایوس نہیں ہوسکتی' میں جانتی ہوں آپ نے بہت کوشش کی ہے اسے راہ راست پر لانے کی' یہ بھی مجھے یقین ہے کہ آپ کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔'' رجاب کے پُریقین لہجے نے راسب کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

''میں اسے ڈھونڈ نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا' میں نے پولیس کو بھی اطلاع کردی ہے' اس کے پاس کچھ نہیں اور پھر نشے کی طلب...... وہ کسی دوسرے شہر بھاگ نہیں سکتا۔''

''بات پھر وہی آجاتی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں زبردستی اسے کب تک مجبور رکھا جاسکتا ہے' وہ ہر بار فرار ہوجائے گا' جب تک اسے خود احساس نہیں ہوگا' کوئی اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتا' مگر آپ بس ایک آخری بار اسے ڈھونڈ نکالیں اور بس ایک بار میری اس سے بات کروادیں پھر وہ چاہے تو اپنی زندگی سنوار لے چاہے تو پھر تاریکیوں میں پلٹ جائے۔''

رجاب کے قطعی لہجے پر راسب نے تائید میں سر ہلایا۔

❁......❁......❁

چلتے چلتے جیسے صدیاں بیت گئی تھیں' تلاش میں بھٹکتی نگاہیں پتھرا چکی تھیں' انسانوں کے سمندر میں بس ایک وہی چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا جو درماں تھا' آوازوں کے شور میں ایک وہی آواز سنائی نہیں دیتی تھی جو مسیحا تھی' گہرے سناٹوں میں وہ آہٹ وہ مانوس چاپ ابھرتی ہی نہ تھی جو نئی زندگی' نئی راہوں کی نوید ہوا کرتی تھی...... شاید وہ اپنی ہی تلاش میں تھی' شاید کہیں گم کردیا تھا اس نے خود کو...... اتنی کٹھنائیوں کو سر کرنے کے بعد اب یہ سب پچھلا سے زندگی سے دور کررہا تھا' کہیں نہ کہیں زندگی توڑ ہی دیتی ہے حوصلوں کو ہی نہیں انسان کو بھی...... تنہا وہ پہلے بھی تھی مگر اس تنہائی میں اور اس تنہائی میں زمین' آسمان کا فرق تھا' تاریک سفر میں اچانک جگنوؤں کا ملنا اور پھر اچانک ہی ان کا کھو جانا' تاریک سفر سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے' اس اذیت نے اس کے وجود کو بھی بے جان کردیا تھا' اتنی دور نکل آنے کے بعد وقت نے پھر وہیں لاکر پٹخا تھا جہاں سے اس نے سفر شروع کیا تھا' اب ہر سمت گھور اندھیروں میں تھرکتی مایوسی اور سوگواری تھی' انتظار لاحاصل ہوگیا تھا۔ کھڑکی کے پٹ تھامے وہ سڑک کے دوسری جانب پول سے برستی روشنی میں پھیلی وحشتوں کو اپنے اندر تک اترتا محسوس کررہی تھی' مانوس آوازیں اس کے اردگرد سر پٹخ رہی تھیں۔

''زناشہ...... تمہیں کبھی میرے تاریک ماضی کی وجہ سے میری سنگت پر پچھتاوا تو نہیں ہوگا؟ غصے میں تم کبھی مجھے اس چیز کا طعنہ تو نہیں دو گی......؟'' عرش کے اس اندیشے نے اسے حیران کردیا تھا۔

''عرش...... ایسا آئندہ کبھی مت سوچنا' جو فخر مجھے آج تم پر ہے وہ کل بھی رہے گا' تم نے ایک غلط مگر آسائشوں سے بھرپور راستہ چھوڑ کر ایک ایسا راستہ اپنالیا ہے' جہاں دشواریاں' کٹھنائیاں ہیں مگر یہ ایک پاکیزہ' سیدھا اور سچا راستہ ہے' اس راستے کا انتخاب ثبوت ہے اس بات کا کہ تمہارا ضمیر زندہ ہے' تمہارے اس عمل کی وجہ سے مجھ پر فرض ہے کہ میں ہمیشہ تمہاری قدر کروں' تمہاری عزت کروں۔'' نرم لہجے میں بولتی وہ اس کے چہرے پر پھیلتے سکون اور طمانیت کو دیکھ رہی تھی۔ ''میرے نزدیک تمہارے کل کی بھی بہت اہمیت ہے اور تمہارے آج کی اہمیت گزرے کل سے بھی زیادہ ہے آج تم ایک محنت کش انسان ہو جو اپنے لیے اور خود سے وابستہ رشتوں کے لیے حلال رزق حاصل کرنے میں اپنا خون پسینہ ایک کررہے ہو اور مجھے غصہ کیوں تم پر آئے گا؟ گھر کا خیال رکھنے میں' تمہارا خیال رکھنے میں' تمہارے لیے سجنے سنورنے میں مجھے اتنا وقت کیسے مل سکتا ہے کہ مجھے غصہ آئے۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''تمہاری بات ٹھیک ہے مگر غصہ کرنے کا کوئی موقع تو کبھی نہ کبھی مل ہی سکتا ہے۔ فرض کرو اگر تم نے اپنی موجودگی میں مجھے کسی دوسری لڑکی کو توجہ سے دیکھتے ہوئے پکڑلیا تو......؟'' اس کی تشویش نے زناشہ کو دنگ کردیا تھا' وہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ کیا عرش واقعی سنجیدہ ہے۔

''میں کیوں بلاوجہ یہ فرض کروں؟ تم کسی دوسری لڑکی کی طرف دیکھو گے ہی کیوں؟ میری موجودگی یا غیر موجودگی کی بات مت کرو آخر تم ایسی خراب حرکت کرنے کا سوچو گے بھی کیوں؟''

''مگر میں انسان بھی تو ہوں۔'' وہ درمیان میں بول پڑا تھا۔

''نہیں' یہ کہو کہ مرد بھی تو ہوں۔'' زناشہ نے خشمناک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''جو بھی ہے مگر بلاارادہ بھی تو نظر کسی چہرے پر ٹھہر سکتی ہے' اچھے چہرے کو اچھی نظر سے ہی دیکھوں گا۔'' وہ خفت سے بولا تھا۔

''اچھی نظر سے بھی کیوں دیکھو گے تم......؟ میری موجودگی میں یہ حرکت کرکے اگلی سانس بھی لے سکو گے تم......؟''

وہ بگڑے تیوروں سے بولی تھی۔

"تم کہتی ہو تمہیں مجھ پر غصہ نہیں آئے گا کبھی لیکن دیکھو ابھی صرف ایک بات کی ہے تو تم بگڑنے لگی ہو جب ایسی کوئی حرکت سرزد ہوگئی مجھ سے تب کتنا غصہ آئے گا تمہیں۔"

"جب تمہیں پتہ ہے تو ایسا کوئی کام ہی مت کرنا...... بیکار کی باتیں کیے جارہے ہو چند دن ہوئے ہیں مجھے تمہاری بیوی بنے میرے سامنے ایسے بے ہودہ ارادے بیان کرو گے تو غصہ نہ آئے تو کیا پیار آئے تم پر......" وہ شدید ناگواری سے بولی تھی۔

"یہی تو مسئلہ ہے تمہیں میری ساری ہی باتیں بے ہودہ لگتی ہیں دنیا سے نرالی ہوتی ہے کیا چند دن کی نئی نویلی بیوی کہ اسے محبت کا اظہار بھی بے ہودہ لگتا ہے اور مجھے دیکھو اتنی پروا کرتا ہوں تمہاری کہ اپنے جذبات دل میں ہی دبائے رکھتا ہوں۔" وہ جتانے والے انداز میں خفگی سے ہی بولا تھا۔

"ہاں...... اندازہ ہورہا ہے کتنی پروا ہے میری ابھی سے تمہیں یہ فکر ستا رہی ہے کہ میری موجودگی میں حسین دوشیزاؤں کے جلوؤں سے اپنی آنکھوں کو فیض یاب کر بھی سکو گے یا نہیں۔"

"میں صرف غصہ آنے کی وجوہات بیان کررہا تھا تم بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں مٹی ڈالو اس موضوع پر۔" وہ کوفت سے بولا تھا۔

"آگ لگا کر اب مٹی ڈال رہے ہو۔" زناشہ کی ناگوار نظروں پر وہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا تھا۔

"ویسے میں جانتی ہوں کہ میں تمہاری طرح خوب صورت نہیں ہوں مجھے تو یہ سوچ کر فکر ہوتی ہے کہ ہمیں ساتھ دیکھ کر لوگ جانے کیا کہیں...... مجھ پر ہی ہنسیں گے......" اس کے ایک دم تاسف سے کہنے پر اس بار عرش دنگ رہ گیا تھا۔

"تمہارے دماغ میں اچانک یہ خلل کیسے آگیا جو یہ بیکار سوچ ذہن میں ابھری......؟ کس نے کہا کہ تم خوب صورت نہیں؟ میں نہیں جانتا کہ تمہاری نظر میں خوب صورتی کا کیا معیار ہے مگر میری نظر سے خود کو دیکھو جس میں تمہارا حسن سب سے الگ اور جدا ہے جنگل میں کھلے پھول جیسا منفرد خوشبو بکھیرتا......" وہ وارفتہ نگاہوں سے اسے دیکھتا بولا تھا۔

"جنگل میں پھول کھلا کس نے دیکھا۔" وہ خفت سے گویا ہوئی۔

"میں نے دیکھا بس کافی ہے کسی اور کو دیکھنے دوں گا میں جو تم غم زدہ ہورہی ہو...... دوبارہ بھی احساس کمتری کا شکار مت نظر آنا میری نظر میں تم سر سے پیر تک چلتا پھرتا تاج محل ہو سمجھیں......" وہ سخت ناگواری سے بولا تھا۔

"تم میری تعریف کررہے ہو یا مجھے کھری کھری سنا رہے ہو؟" زناشہ حیرت سے اسے دیکھتی یک دم خاموش ہوگئی تھی جبکہ عرش نے بھی چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں آسمان کو دیکھا تھا۔ جہاں ایک جانب سے ہیلی کاپٹر اپنی مخصوص آواز کے ساتھ نمایاں ہوتا جارہا تھا بغیر پلک جھپکے وہ ایک ٹک اس ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہی تھی جو آب و تاب سے چمکتے چاند سے ذرا ہی فاصلے پر سے گزر رہا تھا۔ رات کی خنک خاموش فضا میں ہیلی کاپٹر کی آواز اسے ہر بار کی طرح اس وقت بھی مبہوت کررہی تھی دوسری جانب اس کی محویت نے عرش کو حیران ضرور کیا تھا مگر اس نے زناشہ کی محویت کو توڑا نہیں تھا کچھ دیر بعد جب ہیلی کاپٹر اوجھل ہوا تب ہی وہ عرش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"عرش...... مجھے ہیلی کاپٹر بہت اچھا لگتا ہے بچپن سے ہی بہت دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس میں بیٹھ کر آسمان پر جاؤں اور وہاں سے اس دنیا کو دیکھوں......" اس کی خواہش پر وہ مسکرایا تھا۔

"ہاں مجھے اندازہ ہوگیا کہ تمہیں ہیلی کاپٹر کتنا پسند ہے اس کے آتے ہی تم مجھ سے بھی غافل ہوگئیں رقیب روسیاہ

کہیں کا۔"

"ہاں' شاید اس لیے کہ وہ میری بہت پرانی کمزوری ہے۔" عرش کی مسکراتی نظروں پر وہ اپنی کمزوری خجالت سے قبول کررہی تھی۔

"کاش اس کی جگہ میں تمہاری کمزوری ہوتا۔"

"تم میری کمزوری نہیں میری طاقت' میرا فخر ہو۔" وہ فوراً بولی تھی۔ "عرش...... کیا میں کبھی ہیلی کاپٹر میں نہیں بیٹھ سکتی...... ؟ کیا یہ اتنی بڑی خواہش ہے جو پوری نہیں ہوسکتی؟" وہ بجھے انداز میں بولی تھی۔

"کیوں پوری نہیں ہوسکتی...... یہ ہیلی کاپٹر کیا چیز ہے میں تمہیں ہوائی جہاز میں بٹھا کر آسمان پر لے جاؤں گا جب جب تم چاہو گی۔"

"ہرگز نہیں' مجھے نہیں پسند ہوائی جہاز' نہ ہی اس میں بیٹھنے کا' سفر کرنے کا شوق ہے۔"

"عجیب لڑکی ہو تم......" عرش نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"عرش...... ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر میں بہت فرق ہے' تم نہیں سمجھو گے۔ بس مجھے ہیلی کاپٹر پسند ہے اور مجھے اس میں ہی بیٹھنا ہے۔" وہ جھلا کر بولی تھی۔

"اب میں ہیلی کاپٹر کا انتظام کہاں سے کروں گا تمہارے لیے؟" وہ حیران و پریشان ہوگیا تھا۔

"پہلی بار اپنی خواہش کا اظہار صرف تمہارے سامنے کیا ہے' کچھ نہیں کرسکتے تو تسلی ہی دے دو' میرا کیا ہے دیکھتی رہوں گی ساری زندگی اڑتے ہیلی کاپٹر کو حسرت سے۔" وہ روٹھے انداز میں بولی تھی۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں کچھ نہیں کرسکتا؟ تم کسی خواہش کا اظہار کرو اور میں اسے پورا نہ کروں ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا' تم نے مجھ سے کہہ دیا اب سب مجھ پر چھوڑ دو۔"

"عرش...... کیا واقعی تم میری خواہش پوری کرو گے' میں واقعی ہیلی کاپٹر میں بیٹھ سکتی ہوں؟" وہ شدید بے یقین تھی۔

"بالکل' ایک ایسی ہی رات ہوگی وہ اور آسمان پر چاند بھی چمک رہا ہوگا' تارے بھی دمک رہے ہوں گے جب میں ہیلی کاپٹر میں اپنے ساتھ اڑا کر آسمان کی سیر کرواؤں گا تمہیں۔" وہ اسے یقین دلا رہا تھا۔

"تم ہیلی کاپٹر میں مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ گے...... مطلب تم ہیلی کاپٹر خود اڑاؤ گے......؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

"ظاہر ہے یہ کام مجھے ہی کرنا پڑے گا ورنہ کسی پروفیشنل سے مدد لے لی تو میری محنت ایک طرف' تم اس کے ہی واری صدقے ہوتی رہو گی۔"

"عرش...... تم واقعی ہیلی کاپٹر اڑاؤ گے۔" وہ خوشگوار حیرت سے بولتی بے ساختہ ہنسی تھی۔ سماعتوں سے ٹکراتی مدھم کراہیں اسے حال میں لے آئی تھیں' کھڑکی سے ہٹتی وہ تیزی سے کمرے میں آئی تھی' ماں کے سرہانے بیٹھتے ہوئے اس نے دھیرے سے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بخار سے ابھی بھی تپ رہی تھی' دوا نے فی الوقت کوئی خاطر خواہ اثر نہیں کیا تھا' مگر اسے امید تھی کہ کچھ دیر اور لگے گی پھر بخار مکمل اتر جائے گا' دھیرے دھیرے ان کا سر دباتی رہی کیوں وہ ان کی بند آنکھوں اور بے رونق زرد چہرے کو دیکھتی عجیب خوف میں مبتلا ہو رہی تھی' اس کی متورم آنکھوں سے برستے آنسو بہت خاموشی سے دامن میں جذب ہوتے رہے تھے۔

"مجھے معاف کردیں امی...... میں کچھ بھی تو ٹھیک نہیں کرسکی' میرے کندھوں پر بہت بوجھ آچکا ہے' نہ اٹھا پارہی ہوں' نہ اتار پارہی ہوں' میری ساری امیدیں' حوصلے' خواب سب اس کی تلاش میں بھٹکتے گم ہوچکے ہیں' اس کے قدموں کے

نشان تک نہیں ملے مجھے، میری اس زندگی سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے اس کی تلاش، میرے پیروں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔" دل میں اٹھتی اذیت ناک لہروں کے بوجھ سے نڈھال ہوتی وہ گھٹنوں پر جھکتی چلی گئی تھی۔ آنسوؤں کا ریلا اس کے چہرے پر بہہ نکلا تھا۔

"یہ سڑکیں، یہ گلیاں، یہ راستے اتنے طویل کیوں ہیں...... یہ دنیا اتنی بڑی کیوں ہے...... زندگی اتنی تنگ تاریک کیوں ہے؟" دیوار سے سر ٹکائے وہ شدید کرب سے کراہتی آواز میں بول رہی تھی۔

"یہ سب ختم کیوں نہیں ہو جاتا...... ان سناٹوں میں دم گھٹ رہا ہے میرا مگر سانسیں نہیں رک رہیں...... تم ماں ہو، میرے لیے دعا کردو، میری مشکل ختم کردو، بس ایک بار میرے لیے موت کی دعا کردو......" کراہوں اور سسکیوں میں اس کی گھٹی آوازیں، التجائیں کم ہونے لگی تھیں۔

درودیوار سے یاسیت برس رہی تھی، اس کا ناتواں وجود پختہ فرش پر کرچیوں کی طرح بکھر رہا تھا...... نجانے کب تک، آہستہ آہستہ اس کا نڈھال وجود ارد گرد سے غافل ہونے لگا تھا، سسکیاں معدوم ہوتی چلی گئی تھیں، ایک گمبھیر سناٹا کمرے پر قابض ہو چکا تھا، دبے پاؤں جانے کتنے لمحے یونہی گزر گئے تھے۔

قوت شامہ سے بار بار ٹکراتی ایک عجیب تیز خوشبو اسے غنودگی سے باہر کھینچ رہی تھی۔ اسے اپنے ارد گرد کچھ آہٹیں محسوس ہو رہی تھیں، یک دم اس کی بے انتہا سرخ سوجی آنکھیں کھل گئی تھیں، سر کو حرکت دیئے بغیر اس نے دیواروں پر نظر دوڑائی تھی، زرد و ملگجی روشنی میں پہلے بھی اسے ایسی ویرانی اور وحشت دکھائی نہیں دی تھی، ایسی ہیبت کا شکار وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، جانے کتنے لمحے گزرنے کے بعد وہ خود کو حرکت میں لانے کے قابل ہو سکی تھی، وہ عجیب سی خوشبو بیداری میں بھی اسے محسوس ہو رہی تھی، جانے یہ اس کا وہم تھا یا پر ہیبت سناٹوں کا اثر کہ اسے واقعی غنودگی میں اور غنودگی سے بیداری کی سرحد پر بھی کچھ آہٹیں اپنے ارد گرد محسوس ہوئی تھیں، کسی کی موجودگی کا شدت سے احساس ہوا تھا، اس نے دروازے کو دیکھا، وہ اندر سے مقفل ہی تھا، کمرے کی چار دیواری میں کوئی روزن تک نہ تھا، اس کی خالی نظریں درودیوار سے گزرتیں اپنی ماں تک پہنچی تھیں اور پھر ان کے چہرے پر ساکت رہ گئی تھیں جو لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا، ان کے چہرے پر ایسا سکون اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، پتھرائی نظروں سے زندگی کی حرارت سے محروم اپنی ماں کے وجود کو دیکھتے ہوئے اس کے ارد گرد کسی پہاڑ کے لرزنے کی ہیبت ناک گڑگڑاہٹیں گونج رہی تھیں، بے شمار وزنی پتھروں کے ساتھ ملبہ اس پر گرتا جا رہا تھا۔

❁......❁......❁

"کل سے یہ وقت ہو گیا ہے، بہت کوشش کی مگر ایک آنسو بھی اس کی آنکھ میں نہیں اترا، یہ ٹھیک نہیں ہے۔" کوئی عورت مدھم آواز میں بولی تھی۔

"صدمہ بھی تو کم نہیں ہے، ایک ماں کا سہارا ہی تو تھا، اس کے بھائی کو بھی سب نے بہت ڈھونڈا مگر نہیں ملا کمبخت...... جیسا بھی تھا، تھا تو بیٹا، آخری کاندھا دینا بھی نصیب نہ ہوا اسے......" ایک اور عورت تاسف سے بولی تھی۔

"تن تنہا کیسے رہے گی...... کہاں جائے گی؟ جوان لڑکی ہے کوئی بھی ذمہ داری نہیں لے گا...... جانے کیا ہوگا اس کا...... دیکھو تو...... کل سے اب تک دروازے کو ہی تک رہی ہے، جانے اب اسے کس کا انتظار ہے......؟" مدھم آوازیں اس کی سماعتوں تک بھی پہنچ رہی تھیں مگر کوئی لفظ نہ اعصاب پر اثر انداز ہو رہا تھا نہ دل پر...... سر سے پیر تک وہ پتھر کا مجسمہ بنی ہوئی تھی...... ہاں پتھر کا مجسمہ، کتنا آسان ہے یہ کہنا، کتنا آسان ہوتا ہے کسی انسان کو پتھر بنا ہوا دیکھنا...... مگر یہ کوئی ان سے ہی پوچھے جو صعوبتوں کے پتھر نگلتے نگلتے پتھروں پر چلتے ہوئے خود پتھرا جانے کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں، وہ

بھی ساکت بیٹھی اسی مقام تک پہنچ چکی تھی۔
زندگی اللہ کا بہت ہی پیارا تحفہ ہے' بڑا ہی خوب صورت سفر ہے' جس کی دلکشی دیکھنے کے لیے آنکھ کافی نہیں' نظر کا ہونا بہت ضروری ہے۔'' نظر والے ہی زندگی کے اسرار و رموز کو پہچانتے ہیں' جانتے ہیں کہ زندگی کا کوئی مول نہیں' یہ وہ سفر ہے کہ جس میں انسان کندن اور پتھر بھی بنتا ہے' پھول اور کانٹا بھی بنتا ہے' راکھ کا ڈھیر بھی بنتا ہے تو پارس بھی...... زندگی کی معراج تو ان ہی عروج و زوال' بگڑنے' بکھرنے اور سنورنے میں کہیں چھپی ہوتی ہے' یہ سب پڑاؤ سفر کا ہی تو حصہ ہیں...... اپنے پروردگار کا قرب حاصل کرنے کا سفر' پھولوں کا سفر ہے' مگر سمجھنے والوں کے لیے' جو سمجھ گئے انہوں نے صبر کیا اور وہ پا گئے' جو سمجھ اور صبر سے بیگانے رہے ان کے راستے آنسوؤں' گلوں اور شکوؤں میں دھندلا گئے۔
اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں نہیں پتھرائی تھیں' ملبہ اب بھی اس پر گر رہا تھا مگر وہ جانتی تھی سمجھ چکی تھی کہ کیا ہو چکا ہے اور کیا ہونے جا رہا ہے' اس کے قریب موجود وہ آخری عورت بھی تسلی تشفی کے چند بول اس کی جھولی میں ڈال کر رخصت ہو چکی تھی' اپنی ماں کو آخری سفر پر روانہ کرنے کے بعد اب اسے کسی آنے اور جانے والے کی پروا نہیں تھی' وہ جانتی تھی کہ کچھ دن یونہی دنیاداری کی نظر ہو جائیں گے پھر کسی کے پاس نہ ہمدردی کا وقت ہوگا نہ دنیاداری نبھانے کا...... زندگی نے کبھی سات پردوں میں چھپ کر اسے منہ کے بل نہیں گرایا تھا' اس کی نظروں کے سامنے ہی کئی بار زندگی نے آسمان کو زمین پر لا پٹخا تھا' کئی بار اس کے پیروں سے زمین کو نکال کر اوندھا رکھا گیا تھا' زندگی کی یہی ادا تو اسے خوب صورت لگا کرتی تھی مگر اس بار' زندگی نے دھوکہ دیا...... ایک کے بعد ایک دھوکہ' ہر دھوکے سے بڑا دھوکہ تو یہی تھا کہ اس کی بے خبری میں اس کی جنت چھین لی گئی تھی...... اب پہلی بار وہ نفرت کرنا چاہتی تھی اپنی زندگی سے' شدید نفرت...... یک دم ہی اس کے سپاٹ چہرے پر کچھ تاثرات نمودار ہونے لگے تھے جب کھلتے دروازے سے اس نے زرق کو اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔
''وہیں رک جا...... ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا......'' بپھر کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی...... ''اب کس کو کاندھا دینے آئے ہو؟ مرگئی وہ تیرے غم کا بوجھ اٹھاتے ہوئے مگر یہ دنیا چھوڑتے ہوئے بھی تجھ پر بوجھ نہیں بنی' نکل جا یہاں سے کوئی نہیں بچا تجھ پر ماتم کرنے والا......'' اس کا گریبان پکڑے حلق کے بل چیختی وہ اسے باہر دھکیل رہی تھی۔ ''جہنمی دنیا میں ہی اب اپنے حصے کی آگ ساتھ لے کر دربدر کی ٹھوکریں کھا' قیامت تک اسی آگ میں جلتا رہ...... میرے قبر میں اترنے تک تجھے زندہ رہنا ہوگا اور تو رہے گا زندہ......'' خون آشام نظروں سے زمین پر گرا زرق بس سر پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا' اس نے نہ کسی مزاحمت کی کوشش کی اور نہ وہ کچھ کہنے کے قابل رہا تھا۔
''اب کس کی میت پر آنسو بہا رہے ہو...... اب تو سب کچھ منوں مٹی تلے دفن ہو چکا ہے' نہیں چاہیں میری ماں کو تمہارے آنسو اس عورت کے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا' اپنی موت پر اسے اولاد کے دو آنسو بھی نصیب نہیں ہونے چاہیے تھے' میں اس کے لیے دن رات ایک کرتی رہی ہوں جب میں نے ایک آنسو نہیں بہایا تو پھر تو کون ہوتا ہے اس کے لیے رونے والا۔ چلا جا یہاں سے ختم کرلوں گی خود کو اگر دوبارہ تو میری نظروں کے سامنے آیا۔'' شدید اشتعال میں بول کر وہ گھر میں جانے کے لیے پلٹی تھی مگر پھر رک گئی۔
''ایک بات یاد رکھنا میری ماں کا اور میرا صبر قیامت تک تجھے جلاتا رہے گا' اس دنیا کا کوئی نشہ تجھے راکھ بننے سے بچا نہیں سکے گا اور دوسری دنیا میں' میں تیرا پکا انتظام کرواؤں گی۔'' انگارے اگلتی وہ گھر میں گئی اور جھٹکے سے دروازہ بند کرلیا تھا' اس کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں' ایک تلاطم تھا جو اس کے اندر برپا تھا۔
''صرف ایک میں ہی ہوں جو کبھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا......'' گردش کرتی مانوس آواز اس کے جنون کو بڑھا رہی

تھی، بھاری ضربیں فون پر مارتی وہ فون کے پرخچے اڑا رہی تھی۔

تیری رحمتوں کے دیار میں تیرے بادلوں کو پتہ نہیں
ابھی آگ سرد ہوئی نہیں، ابھی اک الاؤ جلا نہیں
میری بزم دل تو اجڑ چکی، میرا فرش جاں تو سمٹ چکا
سبھی جاچکے میرے ہم نشیں، مگر اک شخص گیا نہیں

❀......❀......❀

رات کی تاریکی میں وہ دور جھاگ اڑاتی لہروں کو دیکھ رہی تھی، جو ایک کے اوپر ایک اُمڈی چلی آرہی تھیں، تیز ہوا کے جھونکوں کے ساتھ سمندر کے شور نے بھی اس کے گرد بکھری خاموشی کو نہیں توڑا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے صدیوں بعد وہ خود سے مل رہا ہو، یہ تنہائی، یہ خاموشی اس کے لیے سکون کا باعث تھی، زندگی کے کئی ماہ وسال زمانے کے سرد وگرم میں ڈوبتے ابھرتے گم ہو جائیں تو تنہائی اور خاموشی کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ ٹیرس پر آتی دراج نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جو اس کی پکار پر بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔

''زرکاش...... آپ جہاں بھی ہیں، واپس آجائیں۔'' اس بار قریب سے ابھرتی دراج کی آواز نے اسے متوجہ کرلیا تھا۔

''خادم نے آپ کے لیے دعوت شبراتی کا اہتمام کرلیا ہے سو تشریف لے چلیں اور گرما گرم کھانا نوش کر لیجیے۔'' وہ بڑے احترام سے بولتی زرکاش کو مسکرانے پر مجبور کرگئی تھی۔

''خادم نہیں خادمہ۔'' زرکاش نے تصحیح کی۔ ''اور دوسری غلطی یہ کہ دعوت شبراتی نہیں دعوت شیرازی ہوتا ہے۔''

''دوسری غلطی پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں، میں دعوت شبراتی ہی کہنا پسند کروں گی ورنہ حلق تک کڑوا ہو جائے گا۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''دراج......'' زرکاش کے تنبیہی لہجے نے اسے کوفت زدہ کیا۔

''اور کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ بھی بتادیں؟'' وہ خفت سے بولی۔

''کھانا تناول کیا جاتا ہے نوش نہیں۔''

''تو پھر نوش کیا...... کیا جاتا ہے؟'' اس نے بیزاری سے پوچھا۔

''پانی یا کوئی مشروب یا جو چیزیں لیکوڈ فارم میں ہوں۔''

''توبہ ہے...... چل کر اب کھانا کھالیں۔'' وہ اکتا کر بولی۔

''ویسے مجھے لگتا ہے آپ کو اپنی یادداشت پر زور دینا چاہیے کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ آپ کی کوئی ایکس گرل فرینڈ ایسی بھی رہی ہے جس کا تعلق لکھنو سے رہا ہوگا۔'' زرکاش کے خاموشی سے دیکھنے پر روانی سے بولتی وہ یک لخت زبان دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

''آجائیں، کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' عجلت میں بولتی وہ اس سے پہلے ہی آگے بڑھ گئی تھی۔

''آج تو آپ نے بہت زبردست سرپرائز دیا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ مکمل صحت یاب ہونے سے پہلے یہاں آجائیں گے۔'' ٹیرس کا دروازہ بند کرتی وہ بولی۔ ''اتنے دن بعد آپ سے ملنے کی بہت خوشی ہے مگر مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا آپ کو اس طرح اسٹک کے سہارے چلتا دیکھ کر...... ڈاکٹر نے آپ کو زیادہ چلنے سے منع کیا ہے ابھی آپ کو احتیاط کرنی چاہیے۔''

"ہاں مگر میں اب مزید ایک کمرے تک محدود نہیں رہ سکتا تھا اور پھر تم سمیت یہ سب کچھ میں بہت مس کر رہا تھا' مجھے تم سے کچھ باتیں بھی کرنی تھیں جو میں نے فون پر بھی کئی بار تم سے کرنی چاہی تھیں مگر شاید تم میری وہ باتیں سننا ہی نہیں چاہتی تھیں اس لیے ہر بار موضوع بدل دیتی تھیں جبکہ میں بے چین رہا ہوں کہ اگر تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو اسے دور کروں' تم جانتی ہو میں کس بارے میں بات کر رہا ہوں۔"

"زرکاش...... ماضی میں آپ کا جس عورت سے تعلق رہا ہے وہ ایک حقیقت ہے' کسی نہ کسی صورت میں اگر وہ آپ سے رابطے میں ہے تو یہ حیران کن بات نہیں ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

"رابطہ بس اس حد تک ہے کہ وہ کبھی کبھی خیریت دریافت کرنے کے لیے کال کر لیتی ہے' وہ اپنی زندگی میں سیٹل ہے اور مجھے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں' تمہارے سامنے اس کی کال کا آنا میرے لیے شرمندگی کا باعث صرف اس لیے ہے کہ تم ہرٹ ہوئی تھیں۔"

"جی ہاں' یہ تو سچ ہے اور یہ بھی کہ جس شخصیت کا ذکر بھی مجھے پسند نہیں اس کے بارے میں آپ کی کوئی بات سننا بھی' میں اگنور کرتی رہی مگر آپ کو نہ شرمندہ ہونے کی ضرورت ہے نہ کچھ کلیئر کرنے کی' کیونکہ مجھے آپ پر مکمل بھروسہ و یقین ہے۔" سنجیدگی سے بولتی وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"دراج...... دعوت شیرازی میں بہت سادہ کھانا ہوتا ہے' تم نے چائنیز کھانے کو دعوت شیرازی کا نام دے کر میری بھوک کو ضرور چمکا دیا ہے۔" سوپ کا باؤل اٹھاتے ہوئے زرکاش نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا جو بہت خاموشی سے کھانے کی طرف متوجہ تھی۔

"آپ کو چائنیز پسند ہے اس لیے۔" وہ ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ اتنا ہی بولی تھی' کچھ بات کرنے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا' پچھلے کئی دنوں سے وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی' کیا سوچا تھا اور کیا ہوتا جا رہا تھا' کبھی کبھی تو اس کا دماغ ہی ماؤف ہونے لگتا تھا یہ سوچ کر کہ اسے ہوتا کیا جا رہا ہے۔ جانا کہاں تھا اور وہ جا کس طرف رہی ہے...... ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیا......؟ بے دلی سے کھانا کھاتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے زرکاش کو دیکھا' اس پیارے سے انسان سے صرف محبت ہی کی جا سکتی ہے' اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سو بار جنم لے کر بھی وہ اسے دغا دینے کی متحمل نہیں ہو سکتی' پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ کب' کس وقت اس شخص کی چاہت رگ و پے میں رچ بس کر تمام شاطرانہ چالوں پر غالب ہو گئی اور وہ کچھ نہ کر سکی سوائے اس شخص سے محبت' محبت اور صرف محبت کرتے رہنے کے......!

"دراج......" زرکاش کی پکار نے اسے چونکا دیا تھا۔

"تم مجھے صرف بولتی ہوئی اچھی لگتی ہو' سنجیدگی اور خاموشی سے سوچنے والا کام تم میرے سامنے مت کیا کرو...... ویسے کس سوچ میں گم تھیں؟" زرکاش کے خشمگیں لہجے پر وہ ذرا مسکرائی تھی۔

"کچھ نہیں' بس یونہی۔"

"مطلب' بتانا نہیں چاہتیں۔" زرکاش نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا جواباً وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"جانتا ہوں کہ کیوں نہیں بتانا چاہتیں' تمہیں یہ خدشہ ہوگا کہ میں تمہیں لیکچر دینے لگوں گا یا تمہاری سوچ کو خرافات کا نام دے دوں گا...... مگر میں یہ بہت غلط کرتا ہوں مجھے احساس ہو گیا ہے۔" زرکاش کے اس اعتراف نے اسے کچھ حیران کیا تھا۔

"دراج! مجھے یقین ہے کہ تمہیں واقعی مجھ سے کوئی دوسری خطرناک قسم کی محبت ہو گئی ہے کیونکہ مجھ پر بھی اس کا خاصا اثر ہوا ہے گزرے دنوں میں...... تم سے ملنا اور تمہیں دیکھنا میرے لیے اتنا ہی ضروری ہو گیا ہے جتنا کہ زندہ رہنے کے

لیے آکسیجن...... یعنی کوئی دوسری خطرناک قسم کی محبت صرف تمہیں ہی نہیں ہوئی' یہ اگر خبط ہے تو مجھے تمہاری طرح خبطی ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔'' سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولتا دراج کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

❁......❁......❁

آنکھیں کھولتی وہ شدید نقاہت کے ساتھ اٹھ بیٹھی' دائیں جانب اسے ایک دروازہ کھلا نظر آرہا تھا جس کے پار جانے وہ دھند تھی یا تیز دودھیا سی روشنی...... اپنے لاغر وجود کو بے جان قدموں پر کھینچتی وہ دروازے سے باہر نکلی تھی' سفید ریتلی زمین اس کے سامنے پھیلی ہوئی تھی' عجیب سی خنکی اور پراسرار سکوت ہر سمت طاری تھا' یہ زمین اور ماحول شاید اس دنیا کا نہیں تھا' یہ سب اس کے لیے اجنبی تھا' آگے بڑھتے ہوئے اس کی نگاہیں اس درخت کی جانب ٹھہر گئی تھیں جو ہریالی سے محروم تھا' اس کی سوکھی شاخیں سفید زمین پر جھک رہی تھیں' سوکھے درخت کے قریب ہی سفید لبادے میں اسے ایک ہیولہ سا دکھائی دے رہا تھا' خوف کے باوجود کوئی انجانی طاقت اسے درخت کی جانب کھینچے لے جا رہی تھی' دھند کے باعث وہ چندھیائی آنکھوں سے اس ہیولے کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی جو واضح ہوتا جا رہا تھا' یک لخت اس کے قدم سفید ریتلی زمین نے جکڑ لیے تھے' اس کی نظروں کے سامنے اس کا اپنا ہی تو ایک بھولا بسرا عکس تھا...... وہ مجسم اپنے ہی وجود کو دیکھ رہی تھی' فرق صرف یہ تھا کہ سفید لبادے میں جو چہرہ تھا وہ اس کا وہی بے داغ حسین چہرہ تھا جس کے ساتھ وہ دنیا میں آئی تھی' وہی چہرہ جو اس سے چھین لیا گیا تھا' ایک ٹک اپنے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر اذیت کی لہریں اٹھنے لگی تھیں' یہ چہرہ یہ وجود تو کہیں گم ہو گیا تھا' مگر اب نظروں کے سامنے موجود اسے امتحان میں ڈال گیا تھا۔

''رجاب...... تمہارے دل میں ہمیشہ اپنے چہرے' اپنی پہچان کو کھو دینے کی کسک رہے گی' تم چاہو تو اپنا یہ چہرہ مجھ سے واپس لے لو اور اپنے اس داغدار چہرے کو میرے حوالے کر کے مجھے اس کے ساتھ ختم ہو جانے دو......'' ساکت کھڑی وہ اپنے عکس کو مخاطب ہوتا دیکھ رہی تھی' اپنی ہی سرد آواز کو سن رہی تھی۔

''مگر تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ تمہارا یہ حسین چہرہ تو سب سے بڑا دھوکہ بنا رہا ہے تمہارے لیے...... یہ چہرہ تمہارے پاس تھا تو کتنے ہی کریہہ چہرے نقاب میں چھپے تمہارے پروانے بنے رہے تھے' اس حسین چہرے نے تمہیں سب اچھا اچھا دکھایا' ہر سچ کو چھپایا' تمہیں ان کی محبتوں کا مرکز بنایا جن میں سانپ سے بھی زیادہ زہر تھا' اس حسین چہرے نے تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈالے رکھا' کبھی پہچاننے ہی نہیں دیا ان کو جو اپنی غرض کے پجاری تھے' تمہارے ظاہری حسن کے شیدائی تھے' اس بے داغ چہرے نے تمہیں دنیا کی حقیقتوں اور سچائیوں کو دیکھنے سے محروم رکھا...... تم سے مخلص تو تمہارا یہ نیا چہرہ ہے جو خوب صورت نہیں مگر اس نے تمہاری آنکھوں سے تمام پردے ہٹا دیئے ہیں' تمہارے اسی چہرے نے تمہیں حقیقت سے روشناس کروایا کہ تم پر پھول نچھاور کرنے والے ہاتھ کس طرح تمہیں کانٹوں پر دھکیل گئے...... اسی داغدار چہرے نے تمہیں زندگی کا وہ روپ دکھایا جس سے تمہارے حسین چہرے نے تمہیں محروم اور بے خبر رکھا اور نام نہاد محبتوں کے سانپ تمہاری آستین میں پلتے رہے' اس حسین چہرے نے تمہیں کتنے فریب میں رکھا مگر اب جو چہرہ تمہارے پاس ہے وہی سچ ہے' یہ وہی سب تم پر آشکار کر رہا ہے جو حقیقت ہے' اس حقیقت کی تلخیوں کو تم گھونٹ گھونٹ پی کر ہر فریب سے آزاد ہو چکی ہو' تمہاری آنکھوں پر اب کوئی پردہ نہیں' کوئی غرض کا پجاری تمہیں اب فریب نہیں دے سکتا' اب تم دنیا کو شیشے کی طرح آر پار سے دیکھ سکتی ہو' چہرے کے پیچھے چھپے کئی چہروں کو پہچان سکتی ہو' جو زندگی پہلے تھی وہ سب فریب تھا' زندگی تو یہ ہے جس سے تم گزر رہی ہو...... کیا اب بھی تمہارے دل میں کہیں اپنے حسین چہرے کو پانے کی خواہش ہے؟ کیا تم حق اور سچ کو عیاں کر دینے والے اپنے داغدار چہرے سے بیزار ہو؟ اگر ہاں' تو دے جاؤ مجھے یہ

چہرہ اور اپنے حسین چہرے کے ساتھ لوٹ جاؤ فریبوں سے بھری دنیا میں۔''

''نہیں......'' وہ کانپتے لہجے میں انکار کرتی دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''مگر...... میرے ساتھ کیا یہ سب ہونا ضروری تھا...... کیا اس سب کے بغیر اس دنیا کی حقیقتوں کو نہیں پہچان سکتی تھی؟'' پہلی بار وہ اپنے آپ سے ہی شکوہ کررہی تھی' سوال کررہی تھی۔

''پہچان دنیا کی ہو یا زندگی کی لذتیں نہیں تلخیاں پہچان کرواتی ہیں' جو لبالب بھرے ہوں' ان میں کچھ جاننے پہچاننے کی طلب ہوتی ہے نہ پیاس...... زندگی کی حقیقتوں سے واقف ہونے کے لیے خالی ہونا پڑتا ہے' تلخیوں کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں' ایک بار فہم وادراک کے در کھل گئے تو ساری الجھنیں ختم ہوجائیں گی' پھر چاہے شہریار بن کے رہو یا فقیر بن کر' نجات تو باطن کی عاجزی اور فقیری میں چھپی ہے۔''

''میں اپنے اسی داغدار چہرے کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں چاہے لوگ مجھ سے خوف زدہ ہوکر دور بھاگیں مگر میں اللہ سے کوئی شکوہ' شکایت نہیں کروں گی' میں اب کسی فریب' کسی دھوکے میں نہیں رہنا چاہتی' زندگی کے تلخ گھونٹ پی کر اسے جاننا چاہتی ہوں' اپنی زندگی کے مقصد کو پہچاننا چاہتی ہوں۔'' لرزتے لہجے میں بولتی وہ یک دم خاموش ہوئی تھی۔

جب سفید لبادے میں چھپا اس کا وجود اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اور پھر سفید زمین پر گرتا ساکت و بے حس ہوگیا تھا۔ پتھرائی نظروں سے وہ ان کھلی ہوئی بے رونق آنکھوں کو دیکھ رہی تھی' جس کی گہری سبز پتلیاں اس کے ہی زرد چہرے پر ٹھہری ہوئی تھیں' کوئی تیز دھاری خنجر اس کے دل میں اندھا دھند وار پر وار کررہا تھا' اپنے آپ کو اپنے سامنے مرتے دیکھنا صفحۂ ہستی سے مٹتے دیکھنا صرف اذیت ناک نہیں تھا اس سے بھی بڑھ کر کچھ تھا' دل کے زخموں سے رستا لہو اس کی آنکھوں سے جاری ہوگیا تھا' وہ جانتی تھی کہ وہ آخری بار اپنے سنگ مرمر سے تراشے گئے حسین چہرے کو دیکھ رہی ہے اس چہرے کے ساتھ اس نے اپنی ماں کی آغوش میں آنکھ کھولی تھی' یہ حقیقت تھی' اس چہرے کو بے شمار بار اس کے ماں باپ نے محبت سے دیکھا تھا' چوما تھا' جس میں کوئی بناوٹ کوئی دھوکہ نہیں تھا' اس حسین چہرے کے کھو جانے کا دکھ فطری تھا مگر اس کے ساتھ کچھ حقیقتیں بھی منسلک تھیں جو اس کی آنکھوں کو نمکین پانی سے بھر رہی تھیں۔ یک دم تیز ہوا چلی' سفید اڑتی ریت کے غبار میں اس کا حسین چہرہ' بے جان وجود کے ساتھ غائب ہوتا چلا گیا تھا' ہوا کی شدت بڑھتی جارہی تھی' واپس پلٹتے ہوئے اس کے قدم نڈھال تھے' ہواؤں کے جھکڑوں میں اس کے قدم زمین سے اکھڑ رہے تھے مگر وہ چل رہی تھی ہوا کے تھپیڑوں کو پچھاڑتے ہوئے۔

''شہریار بن کے رہو یا فقیر بن کر......'' اپنی آواز اسے سماعتوں میں مستقل گونجتی محسوس ہورہی تھی۔

ایک تیز چنگھاڑتی آواز نے اسے بیدار کردیا تھا' اس کا وجود پسینے میں شرابور تھا' ابھی وہ خواب کے سحر سے نکلی بھی نہ تھی کہ وہی چنگھاڑ گونجی تھی جو اسے بیدار کرنے کا محرک بنی تھی' گیٹ پر کوئی موجود کال بیل دیئے جارہا تھا' بیڈ سے اتر کر وہ کمرے سے باہر نکلی۔

''رات کا ایک بج رہا ہے' جانے اس وقت کون آیا ہے؟'' ندا اسے مخاطب کرتیں تجسس میں خود بھی راسب کے پیچھے چلی گئی تھیں۔

گیٹ پر پولیس کے ایک اہلکار کی موجودگی سے زیادہ حیران وہ اسے دیکھ کر ہوئے تھے جو جھکے سر اور جھکے شانوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

''یہ کہاں سے ملا؟'' راسب نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

''یہ خود تھانے پہنچا تھا' آپ سے ملنے کی ضد لگائے ہوئے تھا' ہمارے صاحب جی نے اس کی بات مان کر آپ کے

پاس بھیجا ہے اب آپ بتائیں اس کا کیا کرنا ہے؟'' اہلکار کے سوال پر راسب نے ایک پل کو کچھ سوچا۔
''ٹھیک ہے اسے یہیں چھوڑ جاؤ' میں کل خود انسپکٹر صاحب سے بات کرلوں گا۔'' راسب کے کہنے پر وہ سر ہلاتا چلا گیا۔
''اندر آجاؤ تم......'' راسب نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا' نظر اٹھائے بغیر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اندر داخل ہوا' راسب کے قریب کھڑی ندا نے چونک کر حیران پریشان رجاب کو دیکھا جو تیزی سے قریب آئی تھی۔
''اب کیا چاہتے ہو تم...... بھاگ گئے تھے تو اب واپس کیوں آگئے؟'' کچھ سخت لہجے میں وہ مخاطب ہوئے۔
''بھائی جی...... میں نے اپنے ہاتھوں سے دنیا تنگ کرلی ہے' اتنی بددعائیں سمیٹ لی ہیں کہ موت بھی مجھے قبول نہیں کرے گی۔ مجھے اس زندگی سے نجات دلوادو' بھلے پھانسی لگوادو......'' ہاتھ جوڑے وہ گھٹی گھٹی آواز میں روتا جانے اور کیا کیا بول رہا تھا' ندا تو بس عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں مگر رجاب بغور اسے سن رہی تھی۔
''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم میرے اور میری بہن کے محسن ہو' ہم تمہارے احسان مند ہیں۔ پھانسی چڑھے بغیر بھی تم اس زندگی کو بدل سکتے ہو۔ مجھ سے جو ہوسکے گا تمہارے لیے کروں گا' مگر مجھے بھائی مت کہو' بھائی بول کر پشت میں خنجر گھونپوگے تو زیادہ تکلیف ہوگی۔'' راسب کے آخری سرد جملوں پر رجاب نے چونک کر انہیں دیکھا۔
''یہ ایسا بھی نہیں کرے گا آغا جان' اس نے مجھے دھوکہ نہیں دیا تو آپ کو بھی نہیں دے گا...... آپ نے غور نہیں کیا مگر اس کا آپ کو بھائی کہہ کر مخاطب کرنا مجھے بہت اچھا لگا ہے' آج سے یہ آپ کو بھائی ہی کہے گا کیونکہ اب یہ ہمارا بھائی ہے۔''
''لیکن رجاب......'' ندا نے اشارتاً اسے خاموش کرانا چاہا مگر ان کو خود خاموش ہونا پڑا راسب کے اشارے پر' رجاب کے چہرے پر ندا نے ایک ایسی سچی اور خالص مسکراہٹ دیکھی تھی کہ ساری مخالفت اور ناگواری ان کو بھول گئی تھی۔

❁......❁......❁

رات اپنے تمام اسرار کے ساتھ سیاہ پر پھیلائے سنسان سڑک پر طاری تھی' تیز برستی زرد روشنی میں وہ پول سے پشت ٹکائے ساکت بیٹھی تھی۔ بکھرے الجھے بال' ملگجا لباس' انگاروں کی طرح سرخ آنکھیں کسی صحرا کی طرح خشک تھیں جو زرد سوکھے پتوں پر جمی ہوئی تھیں' امید کے تمام دیے ایک ایک کرکے بجھ چکے تھے' آس کا دامن چھوٹے زمانہ گزر گیا تھا' نہ کوئی منزل رہی تھی نہ کوئی راستہ...... اسے اب یاد بھی نہیں رہا تھا کہ عرش کے فلیٹ تک وہ کتنی بار گئی تھی۔ وہاں اب کوئی اور لوگ آبسے تھے' فلیٹ کے مالک کو بھی عرش کی کوئی خبر نہیں تھی' اس نے زیادہ انتظار کیے بغیر عرش کا سامان جو کہ مختصر ہی تھا فروخت کروا کر دوسرے کرائے داروں کو فلیٹ رہائش کے لیے دے دیا تھا' اس نے زناشہ کو بتانے کی زحمت بھی نہیں کی تھی حالانکہ زناشہ کئی بار عرش کے بارے میں پوچھنے فلیٹ کے مالک تک گئی تھی مگر اس نے کوئی باز پرس نہیں کی تھی' گھر کا سامان فروخت کرنے کے سلسلے میں...... اسے یاد تھا کہ جو سامان یا چیزیں عرش کی نظر میں ضروری تھیں وہ اس نے کسی محفوظ جگہ پہنچادی ہیں اور یہ شاید اس کی بدقسمتی تھی کہ اسے موقع ہی نہ مل سکا تھا کہ عرش سے اس محفوظ جگہ کے بارے میں پوچھتی...... کوئی آس' کوئی امید تو باقی رہتی' اس کے مل جانے کی...... شہر کے جانے کتنے گیراج کے چکر اس نے عرش کی خاطر لگائے تھے' کون اس کی تلاش کو کس نظر سے دیکھ رہا ہے یا اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے' اس سب کی پروا کیے بغیر وہ سڑکیں ناپتی رہی تھی' مگر آخر کب تک......؟ وہ جان چکی تھی کہ یہ تلاش بے معنی اور لاحاصل ہے' جو اپنی مرضی سے گم ہوجائیں ان کی تلاش بے مقصد ہی رہتی ہے' محبت' انتظار بن جائے تو لہو تھوکوا دیتی ہے' انتظار بھی وہ جس میں واآس نہ ہو۔

اس کے دل ودماغ میں کوئی سوچ کوئی خیال نہیں تھا سوائے آگ کے جلتے بھانبڑوں کے..... البتہ سماعتیں کسی گاڑی کی آواز کی شدت سے منتظر تھیں..... کتنا عجیب دوراہا تھا یہ کہ وہ چاہتی تھی کہ کوئی گاڑی اس کے لیے آج آئے مگر رکے بغیر اسے کچلتی ہوئی گزر جائے' ہمیشہ کے لیے اسے ان پُر ہیبت سناٹوں سے نجات مل جائے' اس شہر خموشاں میں ہی اس کے پرخچے اڑ جائیں۔ ایک دم گردن موڑ کر اس نے دور سے آتی گاڑی کی ہیڈلائٹس کو دیکھا اور اگلے ہی پل اپنے نیم جاں وجود کو گھسیٹتی پول کا سہارا لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی' اس کی وحشت زدہ پھٹی آنکھوں کے عزائم بہت بھیانک تھے' سوکھے ہونٹ سختی سے آپس میں بھنچ گئے تھے' آگ بھڑکتی جارہی تھی' اس کے لاغر وجود میں طوفان اٹھ رہے تھے' وہ گاڑی بہت قریب آچکی تھی جب ایک انجانی قوت اسے کھینچ کر سڑک کے بیچوں بیچ لے آئی تھی اگلے ہی پل ٹائر کی بھیانک آواز نے سناٹوں میں غدر مچادیا تھا' سڑک پر ساکت کھڑی وہ پھٹی آنکھوں سے اس گاڑی کو ہی دیکھ رہی تھی' جو بروقت رخ بدل کر بری طرح بے قابو ہوتی گھڑی کے کانٹے کی طرح گھومتی چلی گئی تھی' یہ سب پلک جھپکتے ہی ہوا تھا' گاڑی اب سڑک کے وسط میں آڑی ترچھی حالت میں رکی ہوئی تھی' ایک بار پھر موت جیسا سناٹا طاری ہوگیا تھا۔

"دراج..... تم ٹھیک ہو؟" حواسوں میں لوٹتے زرکاش نے تڑپ کر اسے شانوں سے تھاما جو بمشکل سڑک پر ساکت کھڑی زناشہ سے نگاہ ہٹاتی جیسے ہوش میں آئی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا' آپ ٹھیک ہیں؟" دراج کے تشویش زدہ لہجے پر زرکاش نے کچھ کہنے کے بجائے غصیلی نظروں سے سڑک کی جانب دیکھا' اس سے پہلے کہ وہ گاڑی سے اترتا اس کے بگڑے تیور بھانپ کر دراج نے سرعت سے اس کا بازو تھام کر روک لیا۔

"اسے سبق سکھانا ضروری ہے دراج..... وہ اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتی یا تمہاری زندگی خطرے میں آجاتی خدانخواستہ تو دونوں صورتوں میں میری بربادی یقینی تھی' اب تم یہ مت کہنا کہ تم اس پاگل کی ہمدردی میں غرق ہورہی ہو....." دراج کے روکنے پر وہ اس پر ہی برس پڑا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ واقعی نارمل نہ ہو' آپ رکیں میں جاکر اس کی خبر لیتی ہوں۔"

"ہرگز نہیں' تم کسی خطرے میں بھی گرفتار ہوسکتی ہو' دیکھو ذرا وہ اب بھی کس طرح مرنے مارنے کے لیے تن کر کھڑی ہے۔" زرکاش کے بپھرے لہجے پر دراج نے ایک نگاہ دوبارہ زناشہ پر ڈالی۔

"وہ تنہا ہے' خالی ہاتھ ہے' نارمل بھی نہیں ہے اور پھر وہ لڑکی ہے' آپ کا اس وقت اس کے پاس جانا ٹھیک نہیں...... مجھے اس کے پاس جانے دیں' کوئی مسئلہ ہوا بھی تو آپ بھی یہیں ہیں۔" دراج کے التجائی اور اصرار بھرے لہجے پر زرکاش کو نا چاہتے ہوئے بھی خاموش ہونا پڑا۔

احتیاطاً وہ دراج کے ساتھ ہی گاڑی سے اترا جبکہ زناشہ ہنوز سڑک کے وسط میں کسی مجسمے کی مانند ایستادہ تھی' جیسے جیسے دراج اس کے قریب بڑھ رہی تھی اس کے سپاٹ تاثرات اور انگارہ آنکھوں سے زیادہ اس کے واضح ہوتے نقوش نے دراج کو دنگ کرنا شروع کردیا تھا..... ایسے مومی نقوش تھے اس کے کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا مشکل تھا' یوں لگ رہا تھا کہ جیسے واقعی وہ کسی بے جان مومی مجسمے کے سامنے کھڑی ہے' ایسا مومی مجسمہ جس کے چہرے کا ایک ایک نقش بڑی مہارت سے تراشا گیا ہو' جس کے ایک ایک انگ میں بہت ناپ تول کا خیال رکھا گیا ہو' اس کے شفاف ترشے نقوش میں پاکیزگی کا نور گھلا ہوا تھا' گندمی رنگت بے نام سی چمک میں ڈھلی ملی ہوئی تھی' اس کی بڑی بڑی آنکھیں اندر لگی آگ سے دہک رہی تھیں' وحشت سے کچھ اور پھیل گئی تھیں' دراج نے اپنی زندگی میں آج سے پہلے کبھی اتنی لانبی' گھنی خمدار پلکیں نہیں دیکھی تھیں' طلوع ہوتے ماہتاب جیسے چہرے کے گرد سیاہ الجھے بال بکھرے تھے' گھنے بالوں کی لمبی چوٹی

آگے کی طرف گری ہوئی تھی‘ ایک شانے پر اٹکی رہ جانے والی چادر کے سرے سڑک کو چھو رہے تھے۔ ایسا ملکوتی جلوہ اور اس جگہ‘ اس وقت‘ اس حالت میں‘ دراج گنگ اور متعجب تھی‘ موی مجسمے کی نازک لمبی سی کھڑی گردن جس میں ذرا بھی خم نہ تھا اپنی حرکت پر بھی‘ اس کے کسی اچھے اور غیرت مند خاندان سے تعلق ہونے کا ثبوت تھی۔ تب ہی موی مجسمے کے پنکھڑیوں جیسے لب حرکت میں آئے تھے۔

”اب تم مجھے برا بھلا کہہ کر اپنا غصہ نکالو گی...... تو کیا یہ بہتر نہیں کہ واپس جاکر گاڑی میں بیٹھو اور مجھے اپنی گاڑی سے کچلتی ہوئی گزر جاؤ......“ اس کے پھنکارتے لہجے نے دراج کو ہک دک کر دیا تھا‘ ہونقوں کی طرح وہ اسے دیکھتی ہی رہی۔

”گھبراؤ مت‘ کوئی میرے خون کا حساب لینے تمہارے پیچھے نہیں آئے گا‘ لاوارث ہوں‘ میری لاش پر ماتم کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا‘ مجھے گڑھے میں دفن کرنے میں دیر نہیں کی جائے گی۔“ اس کے سرد لہجے پر اس بار دراج نے گہری سانس بھر کر کچھ کہنے کے لیے خود کو تیار کیا۔

”بہت جلدی ہے تمہیں دنیا سے تعلق توڑ جانے کی...... یعنی تم اپنی ہار پر سمجھوتا کر چکی ہو۔“ بغور اسے دیکھتے ہوئے دراج نے کہا۔

”پتہ نہیں...... جب داؤ پر لگانے کے لیے کچھ بچا ہی نہ ہو تو کیسی جیت‘ کیسی ہار...... جاؤ چلی جاؤ۔ کوئی دوسری گاڑی آجائے گی۔“ تلخ لہجے میں کہتی وہ دراج کے سامنے سے ہٹ گئی تب ہی زرکاش کی پکار نے اسے متوجہ کیا‘ گاڑی ایک طرف لگائے تھوڑے فاصلے پر منتظر کھڑا زرکاش ناگواری سے اسے واپس آنے کا اشارہ کر رہا تھا‘ تذبذب میں مبتلا دراج نے ایک بار پھر پول کے ساتھ بیٹھی زناشہ کو دیکھا‘ سچ تو یہ تھا کہ وہ اس لڑکی کو اس طرح موت کے انتظار میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی لہٰذا زرکاش کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر وہ اسے رکنے کا اشارہ کرتی پول کی جانب بڑھ گئی۔

”تم چلی کیوں نہیں جاتیں یہاں سے؟“ اپنے سامنے پنجوں کے بل بیٹھتی دراج کی جانب دیکھے بغیر وہ خشک لہجے میں بولی۔

”ضرور چلی جاتی...... اگر تمہارے اندر مجھے اپنا ہی عکس دکھائی نہ دے جاتا۔“ دراج کے جواب پر زناشہ نے اسے دیکھا۔

”زیادہ وقت نہیں گزرا جب میں بھی اس کیفیت میں مبتلا تھی جس سے تم گزر رہی ہو...... اپنے باپ کو اذیت میں دن رات دیکھنا‘ اپنی ماں کو تکلیف سے کراہتے دیکھنا اور خود کو بے بس دیکھنا...... بہت بار چاہا موت کو گلے لگا کر نجات حاصل کرلوں مگر...... یا تو میں بہت بہادر تھی یا پھر بے حس ہو چکی تھی...... پھر یوں ہوا کہ اردگرد نہ اذیتیں رہیں نہ کراہیں‘ بس میں تھی اور تنہائی......“

”تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو‘ چلی جاؤ یہاں سے......“ دراج کی بات کاٹتی وہ ناگواری سے بولتی چہرہ دوسری طرف پھیر گئی تھی۔

”تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہی ہوں کہ میں یہ سب صرف تم سے ہی کہہ کر دل ہلکا کر سکتی ہوں اور اس لیے بھی کہ صرف تم ہی ہو جو میری ان باتوں کو سمجھ سکتی ہو...... بالکل اسی طرح جس طرح میں تمہیں سمجھ رہی ہوں......“ دراج کے کہنے پر وہ کچھ بولی تھی نہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

”غربت و مفلسی نے میرے سر سے ہر سائبان چھین لیا اس سے پہلے کہ میرے قدم کسی غلط راستے کی طرف جاتے یا پھر میں اپنی زندگی ختم کرنے کا ارادہ کرتی کہ میرے دماغ نے مجھ سے بات کرنی شروع کردی۔“ اس کے ایک پل کو

خاموش ہونے پر زرناشہ نے اسے دیکھا۔

"میں خود سے اپنی زندگی سے ناراض تھی شاید اس لیے دل سے میرا ہر رابطہ ختم ہوگیا تھا' ایسے میں دماغ کی باتیں زیادہ پُراثر ہوتی ہیں' ذرا ادھر دیکھو......" دراج کے متوجہ کرنے پر اس نے سڑک کے کنارے گاڑی کے پاس محوانتظار زرکاش کو دیکھا۔

"اس شخص کو دیکھ کر پہلا خیال یہی آتا ہے' شاندار اور مجھے دیکھو...... مجھ جیسی مفلس زدہ' ہر پل خودکشی کے بارے میں سوچتی ناکام' ناامید' مایوس لڑکی' آج اس شاندار شخص کے ساتھ اس کی گاڑی میں تمہیں دکھائی دی...... جانتی ہو کس وجہ سے؟" دراج کے سوال پر وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"صرف اپنے اس دماغ کی وجہ سے۔" اپنی کنپٹی کو شہادت کی انگلی سے بجاتی وہ خود ہی جواب دے رہی۔

"میرے دماغ نے مجھے بتایا کہ مجھے زندگی جیسی نعمت اس لیے نہیں ملی کہ ایک دن تنگ آ کر میں اپنے ہاتھوں سے اس نعمت کو اجاڑ دوں...... تم بھی ایک بار اپنے دماغ کو بولنے کا موقع دو' وہ تم سے یہی کہے گا کہ اس دنیا میں تمہارا بھی حصہ ہے' حق ہے' اسے حاصل کرنے کے لیے کوشش تمہیں خود کرنی ہے' خود راستے تلاش کرنے ہیں کسی بھی سہارے کی محتاجی کے بغیر...... ایک بار اگر تم نے ٹھان لیا تو راستے خود بخود کھلنے لگیں گے' سہارے خود آئیں گے تم تک مگر تمہیں ان کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔"

"مجھے اب کچھ حاصل نہیں کرنا اس دنیا سے...... جو کچھ مجھ سے چھن گیا ہے اس کے بعد مجھے کسی منزل' کسی راستے پر جانے کی خواہش نہیں۔" زرناشہ سرد لہجے میں بولی۔

"یہ ہاتھ دیکھو......" دراج نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا اور پھر اس کی مٹھی بنالی تھی۔ "میری اس مٹھی میں بہت کچھ ہے' تم بھی اپنی مٹھی میں اتنی طاقت پیدا کرو کہ جتنا کچھ چھن گیا ہے اس سے دوگنا بلکہ کئی گنا زیادہ تمہاری مٹھی میں آ کر قید ہوجائے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ دل کا رونا' سننا بند کرو اور صرف دماغ کی سنو' سمجھیں کچھ......؟" دراج نے بغور اس کی متورم آنکھوں میں دیکھا جو بالکل خاموش تھی۔

"میرے ساتھ چلو گی......؟" دراج کے اچانک اس سوال نے پہلی بار اسے چونکایا تھا۔ "میں ہاسٹل میں رہتی ہوں گھر موجود ہے لیکن...... خیر ابھی اس بات کو رہنے دو...... تمہارا کوئی گھر ہے...... کہاں رہتی ہو تم......؟" دراج کے سوال پر اس نے مختصراً اپنے گھر کے بارے میں بتایا۔

"تمہارے پاس تو سب کچھ ہے پھر مجھے اپنے ساتھ کیوں لے جانا چاہتی ہو؟" زرناشہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں بتاچکی ہوں کہ تمہارے اندر مجھے اپنا ہی عکس دکھائی دیا ہے...... میں نہیں چاہتی کہ تم کسی دوسری گاڑی کے نیچے آ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرو...... رہی بات یہ کہ میرے پاس سب کچھ ہے تو...... نہیں' بہت کچھ ضرور ہے لیکن ابھی سب کچھ حاصل کرلینے کا سفر جاری ہے' چند گنے چنے رشتے بھی ہیں لیکن سب تقسیم شدہ ہیں' ایک سچے اور خالص دوستی کے رشتے کی کمی ہے میری زندگی میں' جو کئی حصوں میں بٹا ہوا نہ ہو' جس کا تعلق صرف مجھ سے ہو' جس سے میں اپنے دل کی ہر بات کہہ سکوں...... اس کمی کو صرف تم پورا کرسکتی ہو...... اگر تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے تو چلو میرے ساتھ...... ان سناٹوں' ان مایوسیوں سے باہر نکل کر دیکھو' یہ دنیا بہت خوب صورت بھی ہے' جہاں خوشیاں' قہقہے' شرارتیں اور ہم دونوں بھی اگر تم چاہو......" دراج نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں نے سنہری خوابوں کا انجام بھگت لیا ہے' اب اور کسی خواب کی گنجائش نہیں۔" زرناشہ کا لہجہ تلخ ہوا۔

"میں نے صرف دنیا کا ایک ایک روپ اور سچا روپ بیان کیا تھا' تمہیں سنہرے خواب کے جال میں پھانس کر مجھے

کیا حاصل ہوگا......؟ کیا تمہیں یہ لگ رہا ہے کہ مجھے تم سے کوئی لالچ ہے یا پھر مجھ سے خوفزدہ ہو؟“
”نہیں تمہیں مجھ سے کیا لالچ ہوسکتا ہے اور جسے موت کا خوف نہ رہا ہو اسے پھر کسی چیز سے خوف نہیں ہوتا۔“ زناشہ بولی۔
”تو پھر اٹھو تمہارے گھر چلتے ہیں اپنی ضروری چیزیں سمیٹ لو باقی باتیں ہاسٹل پہنچ کر کریں گے۔ اس جگہ سے نکل کر تم خود دیکھنا کہ دنیا اجاڑ ویران ہی نہیں اس کے اور بھی رنگ و روپ ہیں......“ دراج نے عجلت میں خوشی سے کہا۔
”وہ شخص تمہارا کون ہے؟ کیا وہ تمہیں اتنی آسانی سے اجازت دے سکتا ہے کہ تم ایک انجان لڑکی کو سڑک سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاؤ؟“
”وہ میرے کزن ہیں تایا کے بیٹے اور یہ تو سچ ہے کہ آسانی سے نہیں مانیں گے بہت پکائیں گے جرح کر کر کے۔“ آخری جملہ دراج نے کوفت سے کہا۔
”پھر......؟“ زناشہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
”پھر کیا......ارے بھئی وہ میرے محبوب بھی تو ہیں ورنہ اتنی فرماں برداری سے وہاں کھڑے وہ میرا انتظار نہ کر رہے ہوتے...... بہر حال بات تو میری مانی ہے ان کو تم رکو میں آتی ہوں ابھی۔“ دراج اس کے سامنے سے اٹھتی سڑک کی جانب بڑھ گئی جبکہ زناشہ کی جلتی نگاہیں گھنے درخت تلے پھیلی تاریکی سے آگے باؤنڈری پر جا ٹھہری تھیں دو مانوس ہیولے اسے ایک دوسرے سے دور بیٹھے دکھائی دیئے تھے سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ ان دونوں ہیولوں کو دھیرے دھیرے گم ہوتا دیکھتی رہی تھی دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی تھی خالی باؤنڈری سے نگاہ ہٹا کر اس نے اپنے ہاتھ میں دمکتی انگوٹھی کو دیکھا اور پھر اس انگوٹھی کو انگلی سے اتار دیا تھا۔

در و بام سب نے سجا لیے سبھی روشنی میں نہا لیے
میری انگلیاں بھی جھلس گئیں مگر اک چراغ جلا نہیں
غم زندگی تیری راہ میں شب آرزو تیری چاہ میں
جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں

❁......❁......❁

گونجتی آوازیں اسے کسی کھائی کی گہرائیوں اور تاریکیوں سے باہر کھینچ رہی تھیں...... بہت دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ بالآخر اس کی کھلتی آنکھیں چبھتی روشنی سے پوری طرح نہ کھلنے کے باوجود کچھ کھل ہی گئی تھیں آنکھوں کے سامنے چھائی دھند میں اسے کچھ چہرے خود پر جھکے دکھائی دے رہے تھے مگر ہر چہرہ دھندلایا ہوا تھا۔
”کیا تم میری آواز سن سکتے ہو...... کیسا محسوس کر رہے ہو تم......؟“ ایک مرد کی بھاری آواز اسے بہت دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔
”تم جانتے ہو تم کہاں ہو اس وقت...... تمہیں اپنا نام یاد ہے؟“ ایک اور اجنبی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی...... بس کچھ الفاظ اسے سمجھ آئے تھے اس نے اپنا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر...... سر کی پچھلے حصے میں اٹھتی تیز ٹیسوں نے اسے مہلت نہیں دی۔ دھند گہری ہوتی جا رہی تھی۔ آوازیں بہت دور کہیں چلی گئی تھیں اور پھر اس نے دوبارہ خود کو گہری تاریکیوں میں گرتا محسوس کیا تھا۔ کاریڈور میں ٹہلتے شہرام تیزی سے روم سے باہر آتے ڈاکٹر کی طرف بڑھے۔
”پوری امید ہے کہ وہ کومہ سے مکمل طور پر باہر آچکا ہے لیکن سر کی اندرونی چوٹ کو ٹھیک ہونے میں مزید وقت لگ سکتا ہے لہٰذا کچھ ٹیسٹ ہمیں آج ہی کروانے ہوں گے۔“ شہرام کے استفسار سے پہلے ہی ڈاکٹر نے بتایا۔

''لیکن وہ اس سے پہلے بھی ہوش میں آتا رہا ہے مگر پھر کومہ میں چلا جاتا ہے اس بار بھی تو ایسا ہوسکتا ہے۔'' شہرام نے خدشے کا اظہار کیا' سچ تو یہ ہے کہ گزرے چھے ماہ میں ان کو پہلی بار ڈاکٹر سے اس اچھی خبر کی امید تھی نہ ہی یقین آرہا تھا۔

''نہیں' اب ایسا نہیں ہوگا' اس بار اس کے ہوش میں رہنے کا دورانیہ طویل تھا' ری کوری میں مزید کتنا وقت لگ سکتا ہے یہ ٹیسٹ کی رپورٹس دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے' لیکن ایک اندیشہ موجود ہے' آپ کو بھی ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہنا ہوگا......'' ڈاکٹر کے آخری جملوں نے شہرام کو زیادہ دیر تک پُرسکون نہیں رہنے دیا۔

''اس کی یادداشت سلامت ہو' اس کے ففٹی پرسینٹ چانسز ہیں......لیکن آپ پریشان مت ہوں' اس کی یادداشت بحال آہستہ آہستہ ہو جائے گی' یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ اس کے دماغ پر لگنے والی چوٹیں جان لیوا ثابت ہوسکتی تھیں......'' ڈاکٹر کی بات سو فیصد درست تھی' شہرام دن رات کے لمحوں میں جانے کتنی بار اللہ کے اس کرم پر شکر ادا کرتے رہے تھے کہ اس اجنبی لڑکے کا زندہ رہ جانا بھی کسی معجزے سے کم نہ تھا' وہ رات ان کو نہیں بھولتی جب ان کی گاڑی سے وہ بھیانک ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔

روم کی خنک خاموش فضا میں وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہے جو اب ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ گیا تھا' جانے کس گھر کا چشم و چراغ تھا' جانے اس کے اہل خانہ پر کیا بیت رہی ہوگی...... ہر دم شہرام یہ سوچ کر اپنے ضمیر کی عدالت میں مجرم بن چکے تھے لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ انہوں نے ہر ممکن' سر توڑ کوشش کی تھی کہ اس لڑکے کے اہل خانہ یا دوست احباب تک پہنچ جائیں مگر ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا' جب ان کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ اس لڑکے کا ہوا تو ساتھ کچھ قریبی دوست بھی گاڑی میں تھے' یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان سے کوئی چوک نہیں ہوئی لڑکا اچانک ان کی گاڑی کے سامنے آ گیا تھا مگر وہ بری طرح گھبرا گئے تھے' دوستوں نے بہت ڈھارس دی' ان کی مہربانی سے کوئی پولیس کیس بھی نہیں بنا لیکن بعد میں شہرام کو اس چیز کا بہت پچھتاوا ہوا تھا جو اب تک موجود تھا' ذرا ہمت کر کے وہ اگر پولیس کو انوالو کر لیتے تو اس لڑکے کا کوئی نام و نشان مل جاتا' دل پر بوجھ تو نہ ہوتا......مگر اس وقت حالات ہی کچھ ایسے تھے' کچھ ایسے مسئلے میں وہ گرفتار تھے کہ ان کو یہی مناسب لگا تھا پولیس کو رپورٹ نہ کی جائے...... بہرحال اس لڑکے کو بہترین علاج فراہم کرنے میں اور اس کی تیمارداری میں شہرام نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی' یہ ان کی محنت' صبر اور دعاؤں کا ہی ثمر عطا ہوا تھا کہ اس کے کومہ سے باہر آنے کی نوید ڈاکٹر نے دے دی تھی لیکن شہرام سکون کی سانس اس وقت ہی لے سکتے تھے جب تک کہ وہ لڑکا مکمل صحت یاب نہ ہو جائے' اس وقت ان کے دل سے بوجھ ہٹ سکتا تھا جب تک کہ وہ اس کے گھر والوں تک نہ پہنچ جاتے......سیل فون پر آتی کال نے شہرام کو سوچوں سے باہر نکالا تھا۔

''شہرام......اور کتنا وقت لگے گا آپ کو ہاسپٹل میں......؟''

''ایک اچھی خبر ہے وہ کومے سے باہر آ گیا ہے' اس کے کچھ ضروری ٹیسٹ ابھی ہوں گے' فارغ ہو کر آتا ہوں پھر تفصیل بتاؤں گا۔''

''میں بس یہ دعا کر رہی ہوں کہ وہ مکمل ہوش میں آجائے' اپنا اتا پتہ بتانے کے قابل ہو جائے تاکہ آپ کو تو نجات مل جائے اس دن رات کے سوشل ورک سے......اس کی وجہ سے آپ نے ہم سب کو پس پشت ڈال دیا ہے' اتنے ماہ میں آپ اپنا وقت' پیسہ' توانائی بے دریغ اس پر آنکھیں بند کر کے لگا رہے ہیں' اب اللہ کے لیے اسے کسی ویلفیئر ٹرسٹ وغیرہ کے حوالے کریں' آپ نے جو غلطی کی نہیں اس کا ہرجانہ بہت ادا کر چکے ہیں آپ۔''

''سحر......پھر وہی تکرار مت شروع کرو' تمہاری نظر میں انسانیت کی کوئی اہمیت ہے بھی یا نہیں؟ تم اچھی طرح جانتی

ہوکہ جانے انجانے میں ہی سہی مگر یہ بے چارا میری ہی وجہ سے اس حال میں پڑا ہے...... میں کیسے اسے بے یارومددگار چھوڑ دوں۔ تمہاری کون سی حق تلفی کی ہے میں نے‘ کسی چیز میں کمی کی ہے میں نے جو تم یہ چاہتی ہوکہ میں اسے کسی خیراتی اسپتال یا ادارے کے حوالے کرکے اپنے روپے بچاؤں۔‘‘ شہرام سخت ناگواری سے بول رہے تھے۔’’یہ جب تک اپنے قدموں پر چلنے کے قابل نہیں ہو جاتا نہ میں اس سے غافل ہوسکتا ہوں‘ نہ ہی خود کو معاف کرسکتا ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے‘ آپ کو جو بہتر لگے کیجیے‘ میں اب اس معاملے میں نہ کچھ بولوں گی نہ ہی کچھ سنوں گی‘ بس اتنا آپ کو یاد دلانا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اور بچوں کو تو ایک طرف کردیں لیکن آپ کے گھر میں آپ کا ایک بھائی بھی ہے جسے آپ کی ضرورت ہے‘ جو دنیا سے کٹ کر ایک کمرے میں قید ہوکر رہ گیا ہے‘ ایک غیر انسان کے لیے آپ اپنے دن رات ایک کررہے ہیں اور گھر میں آپ کا اپنا بھائی جو آپ کے لیے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر اہم رہا ہے وہ آپ کے چند لمحوں پر بھی حق نہیں رکھتا‘ اس کی ایک غلطی اس قدر ناقابل معافی ہے کہ آپ نے اس کے وجود کو ہی بھلا دیا ہے...... یہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کی لاتعلقی اور خاموشی اسے کس طرح زندگی سے دور کررہی ہے۔‘‘ شدید غم وغصے میں بات ختم کرکے سحر نے رابطہ منقطع کردیا تھا‘ کچھ لمحوں تک شہرام غائب دماغی سے سفید چادر میں چھپے کمزور اور لاغر وجود کو دیکھتے رہے پھر بھاری دل کے ساتھ قریب ہی رکھی کرسی پر بیٹھ گئے...... وہ جانتے تھے کہ سحر غصے میں یہ سب کچھ کہہ گئی ہیں ورنہ ان سے یہ چھپا تو نہیں تھا کہ وہ کس طرح اس سے لاتعلق ہوسکتے ہیں جو ان کے وجود کا حصہ ہے‘ جس میں ان کی جان قید ہے‘ ماں باپ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بہت کچھ دیا تھا ان کو اور اس بہت کچھ میں سب سے اہم‘ سب سے قیمتی صرف وہی تھا جو ان کے ماں باپ کی سب سے خوب صورت نشانی بھی تھا‘ کہنے کو تو وہ ان کا چھوٹا بھائی تھا مگر شہرام کے لیے ماں‘ باپ‘ دوست‘ ساتھی‘ سب ہی رشتے اس کے وجود میں یکجا ہوگئے‘ ماں باپ کی جدائی کے بعد بھی انہوں نے کبھی خود کو تنہا محسوس نہیں کیا تھا کیونکہ ان کا شریک ان کا غم گسار ان کا سایا ان کا بھائی جو پاس تھا‘ حالانکہ باپ کی وفات کے کچھ ہی عرصے کے بعد جب ماں بھی آخری سفر پر روانہ ہوئیں تو شہرام کے لیے آسان نہیں تھا اپنے بھائی کو اس غم میں سنبھالنا کیونکہ وہ بہت زیادہ سمجھدار بھی نہیں تھا ایسے میں شہرام کو بروقت فیصلہ کرنا پڑا اور وہ سحر کو اپنے گھر‘ بیوی کے روپ میں لے آئے جو کہ ان کی خالہ زاد بھی تھیں...... شادی کے پانچ سال گزر جانے کے بعد ایک سال پہلے تک شہرام اولاد کی نعمت سے محروم تھے مگر ان کو کبھی اس محرومی نے بے چین نہیں کیا تھا کیونکہ ان کے پاس ان کا بھائی تھا‘ ان کے لاڈ پیار اور تمام تر محبتوں کا مرکز وہی تو تھا‘ زندگی بہت پُرسکون اور خوب صورت تھی‘ ماں باپ گھر‘ جائیداد بہت کچھ ان دونوں بھائیوں کے لیے بنا گئے تھے فارن کمپنی میں شہرام بہت اعلیٰ پوسٹ پر کام کررہے تھے آسائشوں کی کمی نہیں تھی‘ گھر کا سکون حاصل تھا‘ اولاد کی صورت میں چہیتا بھائی پاس تھا‘ وہی ان کے گھر اور زندگی کی رونق تھا‘ وقت بہت خوشگواری اور سبک روانی سے گزر رہا تھا کہ اچانک وہ رات آئی جو ان کا چین سکون سب غارت کرگئی‘ یہ وہ رات تھی جس میں ان کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا‘ ان کی زندگی میں آنے والی یہ دونوں ہی راتیں بہت بھاری ثابت ہوئی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

فیس بک کی کہانی

صباء احمد خان

نائٹ بلب کی روشنی کمرے کے ماحول کو پراسرار بنائے ہوئے تھی۔ بیڈ پہ لیٹے دونوں نفوس ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کیے سو رہے تھے۔ اچانک الارم بجا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ آج اسے اپنے شوہر کے اٹھنے سے پہلے اس کے لیے ناشتہ تیار کرنا تھا۔ ورنہ اس کی آنکھ تو دس بجے سے پہلے نہیں کھلتی تھی۔

سات بجے سے پہلے پہلے اس نے ایان کی پسند کا ناشتہ تیار کر میز پر لگا دیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ آج ایان کو حیران کر دے گی، مگر حیرانگی تو اسے تب ہوئی جب اس نے ایک نظر بھی اس پر یا ناشتے پر ڈالنا گوارہ نہیں کی۔ سارہ اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی مگر قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے، اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ پاگلوں کی طرح میز پر موجود ہر چیز کو اٹھا کر زمین پر پھینکنے لگی۔ وہ اس وقت ایک نفسیاتی مریضہ لگ رہی تھی۔

☆☆......☆☆......☆☆

سارہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ بے جا لاڈ پیار نے اسے ضدی اور خودسر بنا دیا تھا۔ ایان ایک ویل ایجوکیٹڈ فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک دوست کی شادی میں اس کی نظر سارہ پر پڑی تو پلٹنا بھول گئی۔ وہ نازک سی نخرے کرتی لڑکی اس کے دل میں اترتی چلی گئی۔ اس کا ذکر اس نے گھر آ کر اپنی ماں سے کیا۔ ساجدہ بیگم تو جیسے اپنے چھوٹے بیٹے کی دلہن لانے کو تیار بیٹھی تھیں فوراً چل دیں۔ سارہ کے گھر کا ایڈریس لے کر وہ ان کے ہاں باقاعدہ رشتہ لے کر گئے اور وہاں سے بھی ہاں ہو گئی۔ سارہ کے والدین ایان کے سیلف بزنس سے بہت خوش ہوئے۔ ان کو لگا ایان ہی وہ لڑکا ہے جس کے ساتھ سارہ بہت خوش رہ سکتی ہے۔

کچھ ہی ماہ میں ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ ایان سارہ کی نیچر کو پہلے ہفتے ہی سمجھ گیا اور اسی وجہ سے اسے لے کر ایک الگ بنگلے میں شفٹ ہو گیا تھا۔

☆☆......☆☆......☆☆

''سارہ، پلیز اٹھو ناں مجھے دیر ہو رہی ہے آفس سے۔'' ایان نے تیسری بار سارہ کو جگانے کی کوشش کی۔

''پلیز ایان، مجھے سونے دیں میں رات بہت دیر سے سوئی تھی۔'' سارہ نے نیند کے خمار میں کہا۔

''ارے رانی صاحبہ، کم از کم ہمیں اپنا ٹھیک سے دیدار تو کروا دیا کریں۔'' ایان نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ وہ اس پہ جھکا ہی تھا جب وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا آپ کو کسی نے یہ نہیں سکھایا کہ جب کوئی سو رہا ہو تو ایسی غلط حرکتیں نہیں کرتے۔'' سارہ نے منہ پھلا کر کہا۔

''جانے من، بیوی ہو تم میری، حق ہے مجھے تم پر۔'' ایان نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پیار بھری گستاخی کرتے ہوئے کہا۔

''ایان پلیز تنگ مت کریں۔'' وہ ناگواری سے سمٹی۔

ایان اس کی ناگواری محسوس کر کے فوراً اٹھ گیا۔ اس کے جذبات کو یوں ہی تو وہ لڑکی بے مول کیا کرتی تھی۔ اس کی محبت کا جواب محبت سے دینا اسے آتا ہی نہیں تھا۔ مرد کا اعتماد ایک کچے گھڑے کی طرح ہوتا ہے جسے بیوی کا رویہ چند لمحوں میں چکنا چور کر دیتا ہے۔

☆☆......☆☆......☆☆

آفس سے واپسی پر اس نے سارہ کے لیے بہت خوب صورت پھولوں کا بکے لیا اور اس کے ہاتھوں کے

لیے گجرے بھی لیے۔ وہ گاڑی پارک کر کے کمرے میں آیا تو وہ کمرے میں نہیں تھی۔ اسے آواز دیتا ہوا وہ باہر نکلا ہی تھا جب اس کے کانوں میں سارہ کا قہقہہ گونجا۔ وہ شاید فون پر کسی سے بات کررہی تھی۔ ایان کچھ سوچ کر رہ گیا۔ اس کو دیکھتے ہی سارہ نے اپنی گفتگو ختم کردی۔

''آپ کب آئے؟'' وہ اس کی طرف آتے ہوئے بولی۔

''آپ کو اس فون سے فرصت ہوتی تو میری گاڑی کا ہارن سنائی دیتا...... خیر مجھے بھوک لگی ہے جلدی سے کھانا لگادو۔'' وہ بیزاری سے کہتا ہوا واپس پلٹا۔

''میں ملازمہ سے کہہ دیتی ہوں۔'' سارہ نے پیچھے سے کہا۔

''مگر میں نے کھانا تم سے مانگا ہے سارہ' سارے کام ملازمہ ہی کرتی ہے مگر پلیز کھانا مجھے خود دیا کرو۔'' ایان نے واپس پلٹ کر احتجاجی لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے میں فیس بک پر اسٹیٹس لگا کر آتی ہوں۔'' وہ بے پروا لہجے میں کہتی ہوئی ایک بار پھر فون پر مصروف ہوگئی۔ یہ بات سن کر ایان کا دل جلا مگر وہ کوئی بدمزاجی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے خاموش رہا۔ گجرے اور پھولوں کا بکے میز پر پھینکتے ہوئے وہ شدید غصے میں کمرے میں چلا گیا۔

کبھی کبھی کسی کی خاموشی میں بھی بلند احتجاج ہوتا ہے۔ جسے سننے کے لیے دل کا متوجہ ہونا ضروری ہیں۔

☆☆......☆☆......☆☆

''ایان یہ دیکھو میرے اسٹیٹس پر کتنے لائکس ہیں۔'' وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولی۔

''ان کا کیا فائدہ سارہ؟'' ایان نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''ارے کیوں نہیں فائدہ' اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ میرے اسٹیٹس کا کتنا انتظار کرتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں خوشی کے ساتھ فخر بھی جھلک رہا تھا۔

''اور کیا تمہیں یہ پتہ ہے کے تمہارے شوہر کو بھی تمہارا انتظار ہے۔ میرا دل بھی چاہتا ہے کے تم میرے پاس بیٹھو تو تمہارے دل میں کسی اور چیز کا خیال نا ہو۔ تمہارا ہر خیال مجھ سے شروع ہو اور مجھ پہ ختم ہو جائے مگر......'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ لہجے میں بولا۔

''ایان آپ بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں' میں نے تو بس فیس بک......''

''بس ایک لفظ نہیں مزید سارہ' میں تنگ آگیا ہوں تمہارا فیس بک نامہ سنتے سنتے' صبح تمہاری نیند خراب ہوتی ہے اور رات کو تمہاری فیس بک تمہارے ساتھ ہوتی ہے' آخر میں کہاں ہوں؟ میری اہمیت کیا اس ایپ سے بھی کم ہے جو تم مجھے وقت دینا گوارا نہیں کرتی

گھنٹوں یہاں آن لائن رہتی ہو۔'' ایان اس کی بات کاٹتے ہوئے سخت لہجے میں گویا ہوا۔ اس کا صبر ان چار ماہ میں جواب دے گیا تھا۔ ہر طرح سے تو کوشش کی تھی اس نے سارہ کو اپنے وجود کا احساس دلانے کی مگر وہ اپنی دنیا سے نکلتی تو اسے کسی اور کی دنیا نظر آتی۔

انسان جب اپنی دنیا میں کھو جاتا ہے تو باقی دنیا کے لوگ آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

☆☆......☆☆......☆☆

ایان کو ایک ہفتہ ہوگیا تھا اس نے سارہ کو جگانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ صبح چپ چاپ آفس نکل جاتا اور ناشتہ آفس جا کر کرتا۔ اس کی سیکرٹری ماہین کافی دنوں سے یہ سب نوٹ کر رہی تھی۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور اس نے ایان کو مخاطب کر ہی لیا۔

''سر کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتی ہوں؟'' ماہین نے ڈرتے ہوئے اجازت چاہی۔

''ارے مس ماہین کیوں نہیں' آپ مجھ سے جو چاہیں پوچھ سکتی ہیں۔'' ایان نے مصروف لہجے میں جواب دیا۔

''سر...... آپ اتنے ڈسٹرب کیوں ہیں؟ میں کافی دنوں سے یہ بات نوٹس کر رہی ہوں۔'' ماہین نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

''ایسا تو کچھ نہیں......'' ایان نے مختصر جواب دیا۔ اس کے چہرے پر چھانے والی اداسی ماہین کی آنکھوں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

''آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں سر۔'' ماہین نے دھیمے لہجے میں کہا۔

ایان چونک کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوا۔ عورت کی بے پروائی مرد کو کسی اور طرف جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ بھی ماہین سے سب کہتا چلا گیا۔ ماہین یکسوئی سے ان کو سنتی رہی۔ ایان اپنے دل کا بوجھ اس سے شیئر کر کے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

☆☆......☆☆......☆☆

ایک ماہ گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ سارہ کو لگا شاید ایان اب اسے سمجھنے لگا ہے' تبھی وہ اسے بے جا تنگ نہیں کرتا مگر یہ اس کی محض خام خیالی تھی۔ عورت جب اپنے حصے کی جگہ خود چھوڑتی ہے تو خلاء کو پورا کرنے کے لیے مرد کوئی نا کوئی سہارا ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ سارہ اسے اکثر فون پر کسی سے چیٹ کرتے ہوئے نوٹ کرنے لگی۔ وہ ایان جو گھر آ کر صرف اس کے گرد چکر لگایا کرتا تھا اب ہر وقت اپنے فون پر مصروف رہتا۔ سارہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں فیس بک پر فیلنگ سیڈ کا اسٹیٹس لگایا تو وجہ پوچھنے والے حلقے کی ایک لمبی قطار لگ گئی۔

بالآخر مریم جو اس کی اسکول فرینڈ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی فیس بک فرینڈ بھی تھی، اس سے وہ سب کہتی چلی گئی۔ دل پر ایان کی بے رخی نے جو چوٹ لگائی تھی وہ اسے اندر تک چھلنی کر گئی تھی۔

اسے اپنے شوہر سے بے پناہ محبت تو تھی مگر ہر وقت فیس بک پر دوستوں کے ساتھ گپے لڑانا اس کا من پسند مشغلہ تھا جسے وہ شادی کے بعد بھی نہیں چھوڑ سکی۔ مریم نے اس کے حالات سن کر بے انتہا افسوس اور اس کی عقلی کا ماتم کیا تھا۔

''تم نے یہ کیسے سوچ لیا سارہ کے تم اپنی جگہ بار بار خالی چھوڑ گی اور تمہاری جگہ کوئی اور نہیں لے سکے گا؟'' مریم نے فون پر اسے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

''مگر میں کیا کرتی مریم' مجھے اس کی اتنی قربت عجیب سی لگتی تھیں۔ مجھے چڑ سی ہونے لگی تھی اس کی قربت سے مگر اب اس کی بے رخی میرے دل میں اس کی قربت کی خواہش جگا رہی ہے' اب وہ نہیں مان رہے۔ میری طرف نظر اٹھانا بھی گوارا نہیں کرتے۔''

وہ افسردہ لہجے میں کہتے ہوئے بے آواز رونے لگی۔
''اچھا بس رونا بند کرو اور ہوش کے ناخن لو۔ آج ہی اس فیس بک کو نکالو ذہن سے اور صرف ایان کے بارے میں سوچو اس کی پسند ناپسند سب کچھ اپنالو۔ وہ تمہاری طرف لوٹ آئے گا۔ بس ہمت مت ہارنا۔''
مریم نے اسے رسانیت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔
سارہ کو ایک ایک کر کے اپنی ساری زیادتیاں یاد آنے لگیں۔

☆☆......☆☆......☆☆

وہ معمول کی طرح آج بھی دیر سے گھر لوٹا تھا۔ ماہین کو اس کے گھر ڈراپ کرتے ہوئے اس کے دل کو پھر سے اداسی نے گھیرا تھا۔ گھر جا کر وہی معمول کی صورت حال اسے بیزار کیے ہوئے تھی۔ گاڑی پارک کر کے وہ بے دھڑک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اندر داخل ہوا ہی تھا جب حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔
''ارے امی جان آپ......'' صوفے پر بیٹھے وجود کو دیکھ کر وہ چہکتے ہوئے لہجے میں بولا۔
''ہاں بیٹا جی میں مگر کیا میں یہ پوچھ سکتی ہوں آپ سے اس وقت' میرا مطلب ہے اتنی دیر سے گھر کیوں آئے ہیں؟'' ساجدہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
''ماما...... وہ ایک دوست کی طرف پارٹی تھی تو......''
''تو تمہیں اتنا احساس بھی نہیں ہوا کہ تمہاری بیوی گھر میں اکیلی ہے۔'' ساجدہ بیگم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے کہا۔ ''مجھے تم سے اس غیر ذمہ داری کی امید نہیں تھی۔ سارہ کو کچھ ہو جاتا تو اس کے پیرنٹس تمہیں کبھی معاف نہیں کرتے ایان۔'' وہ مزید گویا ہوئیں۔

''کیا مطلب امی' کیا ہوا سارہ کو؟'' ایان کے ماتھے پر پریشانی کی سلوٹیں ابھری۔
ساجدہ بیگم سے اس کی حالت جان کر ایان کے دل کو دھچکا لگا۔ اپنے آپ پر سرد مہری کی چادر لپیٹے وہ ہر بات سے لاتعلق بن بیٹھا تھا۔

☆☆......☆☆......☆☆

سارہ سر جھکائے ساجدہ بیگم کے سامنے بیٹھی تھی۔ ساری صورت حال جان کر ساجدہ بیگم کو بہت دکھ پہنچا تھا۔
''قصور تمہارا بھی ہے سارہ' میں نے تم دونوں کو اس لیے نہیں روکا کہ تم لوگوں کی ذاتی زندگی میں کوئی ایشو پیدا نا ہو مگر......'' ساجدہ بیگم کہتے ہوئے چپ ہوئیں۔
''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں غلطی میری ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ غلطی صرف ہے ہی میری' اگر میں ایان کو خوش رکھتی تو وہ کبھی مجھ سے دور نہیں ہوتے۔'' سارہ نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔
''سارہ' یہ مرد ذات بہت بے اعتبار ہوتی ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں عورت سے پہلے کھو جاتے ہیں اور یوں گم ہوتے ہیں کہ واپسی کی کوئی راہ نہیں بچتی۔'' ساجدہ بیگم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
سارہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ زندگی کے مشکل دور میں احمقوں کو بھی عقل آ جاتی ہے اور شاید اسے بھی عقل آ گئی تھی۔

☆☆......☆☆......☆☆

وہ دونوں شہر کے مشہور ہوٹل میں داخل ہوئے۔ آج ماہین کی تیاری ایان کو کچھ زیادہ ہی پیاری لگ رہی تھی۔ تبھی وہ بار بار مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ زندگی کے سب ہی رنگ اسے ماہین کے چہرے پر بکھرے دکھائی دیے۔ ایک پل کے لیے بھی مسکان ماہین کے لبوں سے جدا نہیں ہوئی۔ آنکھوں میں سجے سب خواب آج

پورے ہونے جارہے تھے۔وہ خوش تھی۔بہت خوش۔
''کیا منگوایا جائے آج؟'' ماہین نے خوشگوار لہجے میں ایان کی رائے جاننا چاہی۔
''بھئی آج تو تمہارا دن ہے۔ جو دل چاہے وہ منگوالو۔'' ایان نے کمال فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔تب ہی اسے سفیان آتا دکھائی دیا۔
ماہین کے چہرے پر حیا کا رنگ بکھرا۔ جسے ایان بس نظر بھر کر دیکھ کر ہی رہ گیا تھا۔اس نے بھی تو کسی کے چہرے پر یوں ہی حیا کے رنگ بکھرتے دیکھنے کی خواہش کی تھی۔
''سوری سوری سوری آج میں لیٹ ہوگیا۔'' سفیان نے آتے ہی کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ماہین سے سوری کی۔
''آج کے دن بھی۔'' ماہین نے مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
''وہ تمہارا سالگرہ کا تحفہ خریدتے ہوئے بہت دیر ہوگئی۔کوئی پسند ہی نہیں آرہا تھا۔'' سفیان نے اس کی طرف ایک گفٹ پیک بڑھاتے ہوئے کہا۔
ماہین کی آنکھوں میں اچانک ایک نمی سی اُمڈ آئی۔ سفیان کا اتنا پیار اس کی سب سے بڑی دولت تھا۔ان کی منگنی چند ماہ پہلے ہی ہوئی تھی اور اس میں ایان کا ہاتھ ہی تھا۔پھر دونوں کے درمیان کچھ شکوک وشبہات نے جنم لیا تو ایسے میں ان دونوں کی بدگمانیاں ختم کرتے ہوئے اس کے دل سے بھی سارہ کے لیے ساری بدگمانیاں ختم ہوگئی تھیں۔ بس اب انا ہاتھ باندھے کھڑے رہنے پر مجبور کیے ہوئے تھی اور اوپر سے امی کا غصہ۔
ماہین، سفیان اور ایان نے کیک کاٹا۔وہ دونوں اب ایان کو اپنے آپ سے انا کا خول اتارنے کا کہہ رہے تھے اور ایان بس ان دوستوں کو دیکھ کر مسکراتا رہا۔

جنہوں نے اسے اس وقت سنبھالا جس وقت وہ کوئی بھی غلط قدم اٹھانے کو تیار تھا۔

☆☆......☆☆......☆☆

اس کی طبیعت پھر سے خراب ہوگئی تھی۔بار بار بی پی کا لو ہونا اس کے لیے اور آنے والے مہمان کے لیے کوئی مشکل پیدا کرسکتا تھا۔ساجدہ بیگم تو پریشانی سے نڈھال تھیں۔ ایان کے بھائی ظفر نے ساجدہ بیگم کو بے خبر رکھتے ہوئے ایان کو کال کرکے ساری صورت حال سے آگاہ کردیا تھا۔ایان سب جان کر حیرت اور صدمے کی حالت میں کچھ بول ہی نہیں سکا۔ساجدہ بیگم نے اس دن اس سے مزید کوئی بات کیے بغیر سارہ کو وہاں سے چلنے کا کہا۔
سارہ نے جاتے ہوئے اسے بہت حسرت بھری نظروں سے دیکھا کہ شاید وہ اس کا ہاتھ تھام لے اسے روک لے مگر ایان نے رخ پھیرلیا۔وہ جاتے ہوئے اپنا فون توڑ کر بیڈ پر پھینک گئی تھی۔اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ فیس بک کی دنیا میں جیتے جیتے اس کی اصل دنیا تباہ ہورہی ہے۔فیس بک کے دوستوں کے قریب ہوتے ہوئے وہ ان سب سے دور ہوگئی جن کے پاس اسے ہونا چاہیے تھا۔
ایان نے فون بند کرتے ہی گاڑی نکالی اور اس راستے پر چلنے لگا جس پر چلنے کے لیے اس نے بہت وقت صرف کیا تھا۔

☆☆......☆☆......☆☆

ڈاکٹر ساجدہ بیگم کو آنے والے خطرے کے بارے میں آگاہ کررہی تھی۔
''آپ ان کا خیال رکھیں ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے ان کو شدید قسم کا ڈپریشن ہے جو ان دونوں کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔'' ڈاکٹر نے پیشہ وارانہ لہجے میں کہا۔

''بس پتہ نہیں میری بچی کو کس کی نظر لگ گئی۔'' ساجدہ بیگم نے پریشانی سے سارہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو نڈھال سی بیٹھی تھی۔

''اگر آپ برا نا منائیں تو میں ایک بات پوچھوں؟''

''جی ڈاکٹر صاحبہ کیوں نہیں۔'' ساجدہ بیگم متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

''ان کے شوہر کہاں ہیں؟ پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت ان کو سب سے زیادہ ان کی مینٹلی سپورٹ کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر نے اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''وہ کام کے سلسلے میں بیرون ملک گئے ہیں۔'' سارہ نے ساجدہ بیگم کے جواب سے پہلے جواب دیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ مجبوراً ساجدہ بیگم کو بھی اٹھ کر اس کے ساتھ چلنا پڑا۔

☆☆......☆☆......☆☆

وہ کمرے میں آتے ہی بیڈ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اپنی غلطیوں کی سزا جھیلنا بہت مشکل کام ہے جسے صرف ہمت والے ہی کر سکتے ہیں۔

''پلیز ایان لوٹ آئیں...... مجھے آپ کی ضرورت ہے۔'' وہ بے آواز روتے ہوئے بولی۔

''میں فیس بک کی کہانیاں پڑھتے پڑھتے اپنی کہانی پر توجہ ہی نہیں دے سکی۔ میں یہ سوچ ہی نہیں سکی کے میرے شوہر کو میری توجہ، میری محبت چاہیے۔ کیسا لگتا ہوگا آپ کو جب میں آپ کے ساتھ برا سلوک کرتی تھی۔ آپ کو بھی تو یونہی تکلیف ہوتی ہوگی۔ میں کیوں نہیں سمجھ سکی، کیوں نہیں سمجھ سکی۔'' سارہ کہتی ہوئی بیڈ سے اٹھ کر شیشے کے سامنے آ گئی۔ اس میں اپنی نظروں کا سامنہ کرنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

''آپ کی قربت کی طلب مجھے مار ڈالے گی، آپ کا وہ لمس میرا دل چیر دے گا۔ پلیز ایان لوٹ آئیں، میرا دل بند ہوجائے گا اب۔'' وہ اپنے خیالوں میں اسے پکار رہی تھی جب کسی نے پیچھے سے آ کر اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

اس کی مہک محسوس کرتے ہی اس نے فوراً پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ نم آنکھیں بند کیے اس پر اپنا حصار بنائے ہوئے تھا۔

''مجھے معاف کر دیں ایان۔'' وہ بلک کر روتے ہوئے بولی۔

''شش......'' وہ اس کے لبوں پر انگلیاں رکھتے ہوئے بولا۔

''بہت رولیا تم نے، بہت سہہ لی یہ جدائی میں نے اب بس تمہاری اور میری زندگی میں اب کوئی تیسری چیز نہیں آئے گی۔'' وہ اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی مہر ثبت کرتے ہوئے بولا۔

''مگر تیسرا تو آ رہا ہے ناں۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی اور اب حیا سے اس کا چہرہ لال ہوگیا تھا۔

''اب تو پوری ٹیم آئے گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس پر جھکا۔

سارہ کے لبوں سے بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا جسے ساجدہ بیگم نے بخوبی سنا تھا۔ ان کے دل میں سکون کی ایک لہر اتر گئی تھی۔

محبت کے رنگ ہر طرف بکھرتے ہوئے ان کو اپنے حصار میں لے رہے تھے۔

"اتوار کے روز بھی ساتھ والے گھر سے اتنا شور' آخر کیا ماجرا ہے اس گھر کا' جو ایک پل سکون کا بھی میسر آ جائے۔ صبح' دوپہر' شام ان کے یہاں شور شرابہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔" زبیر صاحب کے یہاں سے آتی آوازوں پر احسن کی نیند ہمیشہ کی طرح ڈسٹرب ہوئی تھی اس لیے اس کا جھنجھلانا فطری عمل تھا۔ ناجیہ نے ایک نظر احسن کو اور پھر کچن کی دائیں جانب کی دیوار کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہاں کوئی فلم چل رہی ہو جبکہ چہرے پر دکھ اور سنجیدگی تھی۔

"ان لوگوں کے جھگڑے نجانے کب ختم ہوں گے؟"

"جب تک صالحہ کی چپ نہیں ٹوٹ جاتی۔" ناجیہ کے تاسف بھرے انداز پر احسن استہزائیہ ہنسا تھا۔

"وہ بہت بزدل ہے اور پھر اس کو میکے کی طرف سے بھی سپورٹ نہیں ہے اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ کبھی اس کی چپ ٹوٹے گی۔"

"جب بچے ذرا سے بڑے ہوں گے تب وہ ان کا مقابلہ کریں گے۔"

"بیگم خوابوں کی دنیا سے نکل آئیں اور حقیقت کی دنیا کو دیکھیں بچوں کے سامنے ماں اور باپ دونوں ہی ڈرے سہمے رہتے ہیں پھر کیونکر وہ ماں اور باپ کو سپورٹ کریں گے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس ماحول سے فرار چاہیں اور کسی غلط کام میں پڑ جائیں۔" احسن نے ناجیہ کو حقیقت بتائی اور وہ ایک دم سے سہم گئی فوراً سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے تو دیوار کی جانب دیکھنے لگی جہاں سے آوازیں ابھی بھی آ رہی تھیں ساتھ بچوں کے رونے کی آواز جو سکون تلاش کر رہے تھے۔

"آپ وجاہت کو سمجھاتے کیوں نہیں کب تک وہ......"

"ہزار بار سمجھا چکا ہوں۔" احسن اس کی بات کاٹ کر جھنجھلا کر بولا۔ "اور اس کی اپنی منطق ہے کہ میں اپنے والدین کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا۔"

"جب ہی تو سب ہی شیر بن گئے ہیں' صالحہ الگ چپ رہتی ہے بچے بھی ڈرے سہمے رہتے ہیں مجھے تو ترس آتا ہے ان پر اور وجاہت صاحب پر غصہ' کم از کم بیوی' بچوں کا تو سوچے۔"

"اچھا اب تم صالحہ اور وجاہت نامہ پڑھنا بند کرو' مجھے صبح کا اخبار اور ناشتا دو جلدی۔ ان لوگوں کے شور سے تو میرا سر درد کرنے لگا ہے' میں تو اب اس محلے سے ہی شفٹ کرنے کا سوچ رہا ہوں کم از کم دوسرے محلے میں یہ شور شرابہ تو نہیں ہوگا۔" زبیر صاحب کے گھر سے اب آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں اس لیے ناجیہ پورا دھیان اپنے گھر کی طرف مرکوز کرتی مصروف ہو گئی تھی۔ احسن پہلے نیوز چینل دیکھتے رہے پھر اخبار پڑھنے بیٹھ گئے جبکہ بچے ابھی تک سو رہے تھے۔ ناجیہ اپنا کپ لے کر ٹی وی پر اپنا من پسند پروگرام دیکھنے کے ساتھ صالحہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

ناجیہ جس وقت احسن کے ساتھ بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی اس وقت زبیر صاحب کی دو بیٹیوں کی شادی ہوئی تھی بڑی سلمیٰ آپا بیاہ کر دوسرے شہر گئی تھیں جبکہ چھوٹی افشاں اسی شہر میں تھی۔ اس وقت زبیر صاحب کا گھر سکون و طمانیت لیے ہوئے تھا اور زبیر صاحب کی زوجہ محترمہ رضیہ بیگم تو نیک سیرت اور خاموش طبع خاتون تھیں۔ ضرورت کے تحت بات کرتیں ورنہ خاموش بیٹھی بس ذرا سا مسکرانے پر اتفاق کرتی تھیں' ناجیہ سے ان کی پہلی ملاقات اپنی پہلی اولاد کی ولادت پر ہوئی تھی۔ عطروبہ نام بھی انہوں نے ہی رکھا تھا اور اس کے بعد

شروع کے دنوں کی دیکھ بھال بھی بخوشی اپنے سر خود ہی لے لی تھی ناجیہ کو ساس اور امی کی کمی ایک پل کو محسوس نہیں ہوئی تھی پھر اس کے بعد جب ناجیہ اپنے کام خود کرنے لگی تو رضیہ بیگم سے مزید تعلقات بڑھا لیے۔ انہی دنوں رضیہ بیگم کے بڑے بیٹے خرم زبیر کی شادی کے ڈھول بجنے لگے تو ناجیہ نے مہمانوں کی خاطر تواضع کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی اور سلمٰی اور افشاں جو بھائی کی شادی میں شرکت کرنے آئی تھیں ان کے ساتھ مل کر ہر تقریب کو یادگار بنا دیا تھا۔

ابھی عطروبہ چار سال کی ہوئی تھی جب ناجیہ ایک بار پھر اپنے دامن میں خوشیاں کشید کرتے ہوئے ایک صبح نوید کا اضافہ اپنے گھر میں کر گئی تھی اس وقت اس کی دیکھ بھال کرنے والی رضیہ بیگم اپنی بیٹی کا غم دور کرنے اس کے گھر گئی ہوئی تھیں اور ابھی نوید چار دن کا ہی تھا کہ افشاں بیوگی کی چادر اوڑھے اپنے دو معصوم بچوں کے ساتھ رضیہ بیگم کو غم سے دوچار کرتی ان کی ہمراہی میں ہی زبیر ہاؤس ہمیشہ کے لیے واپس آ گئی تھی۔ دکھ حقیقت میں ناجیہ کو بھی ہوا تھا لیکن پھر چند دنوں میں افشاں کی حرکتیں دیکھ کر رخصت بھی ہو گیا تھا۔

''ہائے میں بیوہ اور میرے یتیم بچے......'' روز افشاں کی صبح ان جملوں سے ہوتی اور ساتھ سسرال والوں کو کوسنے کے ساتھ مرحوم شوہر کی شان میں گستاخی کرنے کے بعد اسے جنت میں جگہ ملنے کی دعا کرنا لیکن ساتھ ہی سسرال والوں کو نہ بخشنے کا عہدہ بھی کرنا شامل ہوتا تھا۔

''کون سا ظلم نہیں جو میرے سسرال والوں نے مجھ پر توڑا نہیں، کہنے کو پڑھے لکھے لوگ لیکن جاہلوں سے بھی بدتر نکلے۔ میری ساس تو زبان چلانے کے ساتھ مجھے میرے مرحوم شوہر سے بھی پٹواتی تھی' اللہ جنت نصیب کرے میرے شوہر کو لیکن اس نے میری زندگی تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ارے دو وقت کی روٹی بھی میری ان پر بھاری تھی پھر کیونکر میں شوہر کے مرنے کے بعد بھی سسرال میں رہتی۔''

افشاں کی ایسی باتیں شروع میں تو ہر ایک کی توجہ اور ہمدردی سمیٹتی رہیں لیکن جب اس کے سسرال والوں کی آمد اور ان کے سامنے افشاں کی زبان چلنا شروع ہوئی تو حقیقت سمجھ میں آنے کے ساتھ ہی ہر ایک نے اپنی راہ لی تھی۔ سچ ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ورنہ افشاں کی جھوٹی داستان اپنے پورے قد کے ساتھ ہمیشہ کھڑی رہتی۔ کچھ عرصے بعد خرم کا ملک سے باہر جانے کا سلسلہ شروع ہوا تو افشاں کی حسد و جلن بھابی کو اپنا نشانہ بنا گئی اس نے بہت زیادہ دن برداشت نہیں کیا اور اپنے میکے چلی گئی اور خرم ملک سے باہر یوں گھر کا سکون وقتی طور پر بحال ہوا تھا لیکن شاید قسمت کو اور ہی کچھ منظور تھا کہ اسی گھر کے فرزند وجاہت کو اپنے دوست کی بہن صالحہ پسند

آ گئی اور اب کی بار صرف افشاں ہی نہیں گھر کا ہر فرد وجاہت کی محبت کے سامنے نا صرف دیوار بن کر کھڑا ہوا بلکہ گھر سے بے دخل ہونے کے ساتھ اور بھی بہت سی دھمکیاں دے ڈالی تھیں۔ وجاہت نے کسی کی نہیں سنی اور صالحہ کو اپنانے کا اٹل فیصلہ کرلیا تھا' ناجیہ بچوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے کم ہی رضیہ بیگم کی طرف جاتی تھی لیکن سارے معاملات سے باخبر احسن اور دیوار کے اس پار سے آتی آوازیں کردیتی تھیں۔

بالآخر وجاہت اپنی محبت کو پانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا لیکن دوسرے بہن بھائی کی نسبت اس کی شادی تقریباً سادگی سے طے پائی تھی وہ بھی اس صورت کہ شادی سے چند دن پہلے ہی صالحہ کے والد انتقال کر گئے تھے اور زبیر صاحب نے دنیا دکھاوے کے لیے ہی سہی صالحہ کے سر پردست شفقت رکھا تھا اور وجاہت کی خوشی اسی میں تھی۔

صالحہ خاموش طبع اور صلح پسند لڑکی تھی یہ ہی باتیں اس کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی تھیں لیکن وجاہت کے گھر والوں کی مخالفت مول کر گھر آئی تھی اس لیے کسی کو بھی اس سے کوئی غرض نہیں تھی سوائے کام کے معاملات میں اور صالحہ خوشی سے ہر ایک کے کام کردیتی۔ اس کی نیت گھر کے مکینوں کے دلوں میں جگہ بنانے کی تھی لیکن جگہ اس وقت بنتی ہے جب دوسرا فریق بھی چاہے یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا بجائے اسے قبول کرنے کے سب نے اس کے لیے محاذ بنالیا تھا اور یہاں وجاہت کمزور پڑ گیا تھا نجانے ایسی کیا بات تھی جو وہ شروع دن سے ہی صالحہ اور گھر کے معاملے میں نہیں بولا تھا۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ جو اپنی حالات بدلنا نہ چاہے اللہ بھی اس کی حالت نہیں بدلتا تو یہ معاملہ صالحہ کے ساتھ بھی ہوا کہ اوپر تلے دو بچوں کی پیدائش نے اسے جسمانی طور پر کمزور تو کیا مگر بجائے تحفظ دینے کے مزید بزدل بنادیا تھا۔

بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ اب گھر کی تمام تر ذمہ داری اس کے ذمہ تھی اور اگر اس میں ذرا سی بھی دیر ہوتی تو طوفان بدتمیزی کا سامنا صالحہ کو کرنا پڑتا' اب اس میں افشاں کے بچے بھی بولنے لگے تھے۔ جیسے آج صبح ناشتا اور زبیر صاحب کو صبح کی چائے دیر سے ملنے پر ہوا تھا۔

❁......❁......❁

''کیا بات ہے ناجیہ؟'' وہ مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی لیکن اس کی سوچ صالحہ کی طرف بھٹک رہی تھی جب ہی احسن نے مخاطب کیا تو وہ ہونٹوں کی قید سے سانس آزاد کرتی اسے دیکھنے لگی۔

''بات تو کچھ نہیں ہے' میں صالحہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔''

''کیا؟'' احسن کو حیرت ہوئی۔ ''وہ بھی کوئی سوچنے کی چیز ہے۔''

''ایسا تو ناں کہیں احسن' بے چاری کتنے مسائل میں گھری ہے اور وجاہت تو اس کا ساتھ دیتا ہی نہیں۔ کیسی محبت ہے اس کی کہ اپنی بیوی کے لیے گھر والوں کے سامنے نہیں کھڑا ہوسکتا۔''

''کیا بے وقوفی والی باتیں کررہی ہو؟'' وہ ایک دم بولا۔

''اس میں بے وقوفی والی کیا بات ہے بھلا' شوہر کے فرائض میں ہے بیوی کو تحفظ دینا۔'' ناجیہ کا انداز سمجھانے والا تھا وہ مسکرا کررہ گیا۔

''میں کچھ غلط کہہ رہی ہوں؟''

''غلط تو نہیں کہہ رہیں لیکن خود سوچو کبھی تمہیں ان آوازوں میں صالحہ کی کوئی آواز آئی' کچھ بھی کہنے یا رونے کی نہیں ناں اور وہ وجاہت کو بھی کچھ نہیں کہتی تو وہ کیونکر کچھ کہے گا جبکہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن اپنی بیوی پر بھی جھنجھلاتا ہے۔ دیکھو مظلومیت کے خلاف جب تک آواز بلند نہ کی جائے کوئی بھی آپ کا ساتھ نہیں

دے گا بلکہ اس پر مزید بوجھ لادا جائے گا' اسے ہر لحاظ سے دبایا جائے گا جیسے صالحہ کو.....''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن پھر بھی کسی حد تک وجاہت قصوروار ہے کہیں تو بول کر گھر والوں کو چپ کروائے تاکہ صالحہ میں ہمت پیدا ہو۔ بچے بھی بے چارے کیسے سہمے رہتے ہیں ان لوگوں کو تو اپنے خون کا بھی احساس نہیں اور حیرت تو مجھے رضیہ بیگم پر ہوتی ہے کیسے چپ رہا کرتی تھیں لیکن اب ان ہی کی آواز سب سے زیادہ بلند ہوتی ہے۔'' اس کے لہجے میں حیرت جبکہ نگاہوں میں ماضی کی رضیہ بیگم آ ٹھہری تھیں' اس نے شاید کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس مزاج کی خاتون ہوں گی۔

''لڑکیوں کو بیاہنے کے لیے ان کی ماؤں کو بہت سے جتن کرنے پڑتے ہیں اگر وہ یہ جوہر پہلے دکھا دیتیں تو ان کی دونوں بیٹیاں گھر بیٹھی ہوتیں اب اگر وہ بہو کو باتیں سناتی ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ انہیں اب کوئی ڈر نہیں۔ سلمٰی سسرال سے نکل کر الگ گھر میں زندگی گزار رہی ہے تو افشاں میکے آ بیٹھی ہے۔''

''پھر بھی احسن اتنی سفاکی۔''

''یہ دنیا ہے یہاں بہت بہروپ نظر آئیں گے۔'' وہ اپنا تکیہ سیدھا کرتا ہوا بولا۔ ''اب سو جاؤ مجھے صبح آفس بھی جانا ہے۔'' ناجیہ ٹی وی اور لائٹ آف کرتی اپنی جگہ پر لیٹ گئی تھی۔

❁......❁......❁

صالحہ کے دونوں بچے (علی اور حسن) نوید کے اسکول میں ہی پڑھتے تھے جبکہ عطروبہ فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی اس لیے وہ نوید کے ساتھ علی اور حسن کو بھی پڑھا دیا کرتی تھی شروع میں وہ زبیر ہاؤس ہی جا کر پڑھا دیا کرتی تھی لیکن پھر ان لوگوں کے تلخ رویے کے بعد علی اور حسن گھر آنے لگے تھے لیکن بچوں کی آنکھوں اور چہرے پر جو خوف اپنے گھر میں تھا وہ یہاں بھی قائم تھا۔ علی اور حسن کو لینے صالحہ ہی آتی تھی کبھی پانچ منٹ ناجیہ کے پاس بیٹھ جاتی تو کبھی دروازے سے ہی لے کر پلٹ جاتی لیکن اس پر بھی افشاں اور رضیہ بیگم خوب شور مچاتی تھیں شاید صالحہ نے سوچ لیا تھا کہ ان گھر والوں کی چیخنے چلانے کی عادت ہے جب ہی اس نے اس عادت کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا جبکہ ناجیہ کو لگنے لگا تھا کہ وہ پتھر دل عورت ہے جس پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ناجیہ کو صالحہ کی تو نہیں علی اور حسن کی فکر ہونے لگی تھی کہ بچے ماں کی خاموشی سے خوف زدہ ہونے لگے تھے اور ایسی حالت میں بچے بے راہ روی کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ وہ گھر کے ماحول کی نسبت باہر کے ماحول میں اپنے لیے سکون تلاش کرتے ہیں اور یہ ہی اب صالحہ کے بچے کر رہے تھے کہ وہ گھر جانے کے بجائے ناجیہ کے گھر پڑھائی کا بہانہ بنا کر بیٹھے رہتے تھے۔

''مجھے اب پریشانی کے ساتھ ان بچوں کی فکر ہونے لگی ہے۔'' ناجیہ نے احسن کے سامنے شام کی چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

''اپنے گھر جانا نہیں چاہتے صرف جھگڑے کی وجہ سے یہیں بیٹھے رہتے ہیں جبکہ ہوم ورک بھی مکمل ہو جاتا ہے۔''

''تو تمہیں کیا پریشانی ہے' تمہیں تو کچھ نہیں کہتے۔''

''بات صرف میری حد تک نہیں ہے احسن......'' وہ تقریباً جھنجلائی۔ ''آج بچے اسکول میں ہیں' کل جب کالج یونیورسٹی والے ہوں گے تو باہر کی دنیا کو اپنا لیں گے۔''

''تو یہ ہمارا درد سر نہیں۔'' احسن نے بے پروائی سے کہا تو وہ جز بز ہو کر رہ گئی پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔

''بے شک یہ ہمارا درد سر نہیں لیکن وہ ہمارے ہمسائے ہیں ہم ان کو سمجھا سکتے ہیں۔ بیٹھ کر آرام سے

بات کی جاسکتی ہے وہ اپنے ماحول کے ساتھ ہمارا ماحول بھی خراب کررہے ہیں۔انسانیت بھی کوئی چیز ہے جس کو سمجھ کر عمل پیرا ہو کر ہم اچھے اخلاق کے ساتھ بہتر زندگی ناصرف خود گزار سکتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی سکون پہنچا سکتے ہیں۔''

''تم عورتوں کے دماغ میں جو بات سما جائے اس کو کر کے ہی چھوڑتی ہو۔'' وہ استہزا انداز میں بولا۔

''لیکن......''

''بس ناجیہ......'' وہ ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکتا قدرے غصے سے بولا۔ ''یہ ان کا میٹر ہے تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کسی کے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کرنے کا اور آئندہ مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات مت کرنا۔'' وہ کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔

مرد کے لیے تو قابل فخر ہے وہ عورت جو چار دیواری میں رہے اور ظلم بھی سہے لیکن زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہے تو احسن کہاں یہ برداشت کرتا کہ ناجیہ صالحہ کو ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے پر اکساتی۔ اس لیے اسے ہی خاموش کروا کر ایک طرح سے ظالم کا ہی ساتھ دینے کا کہا تھا کیونکہ ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھانا بھی ظلم کرنے کے برابر ہے۔

❁......❁......❁
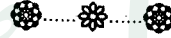
اس وقت ناجیہ خود کو بے بس محسوس کررہی تھی' چاہنے کے باوجود وہ صالحہ کے لیے کچھ نہیں کرپارہی تھی اور اب احسن نے بھی اس معاملے میں مداخلت کرنے سے منع کردیا تھا لیکن اس کے اندر کی صلح جو عورت مسلسل کروٹ لے رہی تھی اگر کبھی کبھی کا معاملہ ہوتا تو وہ بھی سرسری طور پر لیتی مگر یہاں تو مسئلہ ہی روز کا تھا اور اس روز روز کے جھگڑے اور آوازوں کو خاموش کروانے کا بالآخر اسے حل مل گیا تھا' بس اسے انتظار تھا تو صالحہ کا۔ انسان بہت کچھ سوچتا ہے مگر ضروری نہیں کہ سب ویسا ہی ہو اور اگر ویسا ہو بھی جائے تو پھر کہیں پہلے سے یہ بات درج تھی اور اس کا وقت بھی مقرر تھا اسی وجہ سے ناجیہ کو بہت زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔

اس روز احسن کے آفس میں میٹنگ تھی اس لیے اس نے دیر سے گھر آنے کا میسج کردیا تھا۔ روز کے مطابق صالحہ بھی ابھی تک اپنے بچوں کو لینے نہیں آئی تھی اس لیے علی اور حسن نوید کے ساتھ پڑھائی کے بعد کھیل رہے تھے جبکہ عطروبہ ناجیہ کے ساتھ کچھ دیر ٹی وی دیکھنے کے بعد پڑھائی کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا تھا ناجیہ صالحہ کی طرف سے تشویش و فکر میں مبتلا ہوتی جارہی تھی کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ بچے اتنی دیر ناجیہ کے پاس رہ جائیں احسن کی طرف سے اجازت بھی نہیں تھی کہ وہ خود جا کر بچوں کو چھوڑ آئے۔ عشاء کی اذان ہونے لگی تب صالحہ بچوں کو لینے آئی تھی۔

''معذرت چاہتی ہوں آج ذرا دیر ہوگئی۔'' صالحہ ذرا مسکرا کر بولی۔

''ذرا نہیں کافی دیر ہوگئی ویسے تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن سب ٹھیک تو ہے ناں؟''

''کہاں ناجیہ بھابی سب پتا تو ہے آپ کو۔'' وہ افسردگی میں گھر کر بولی۔ ''ایک کام ختم ہوتا نہیں کہ دوسرا منتظر ہوتا ہے اور کرنے والی واحد میں' گھن چکر بنی رہتی ہوں میں سارا دن۔''

''وجاہت کچھ نہیں کہتا؟'' ناجیہ سب جاننے کے باوجود اسے کھوج رہی تھی اور صالحہ کو ایک مہربان کاندھے کی ضرورت تھی اشک آنکھوں کی باڑ توڑ کر رخسار پر بہہ نکلے۔

''نہیں' پسند سے شادی کی ہے ناں بس یہ ہی خمیازہ بھگت رہے ہیں سو خاموش رہتے ہیں اور مجھے بھی اسی کی تلقین ہے اب آپ بتائیں کیا کرسکتی ہوں میں؟''

''اور بچے' ان کا نہیں سوچا تم دونوں نے؟'' وہ تاسف

سے صالحہ کو دیکھنے لگی اور وہ فوراً بولی۔

''انہیں تو کوئی کچھ نہیں کہتا سب مجھے ہی کہتے ہیں۔''

''کل کو یہ بھی ان میں شامل ہوں گے۔''

''مطلب؟'' وہ چونک کر ناجیہ کو دیکھنے لگی۔

''مطلب واضح ہے ناجیہ' تمہارے بچے ڈرے سہمے رہتے ہیں اور ڈرا ہوا انسان بے راہ روی کا شکار ہوجاتا ہے۔ اللہ نہ کرے جو تمہارے بچوں پر ایسا وقت آئے لیکن اس وقت کو آنے سے بھی تم نے ہی روکنا ہے۔'' ناجیہ قدرے توقف کے لیے خاموش ہوئی' صالحہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔

''آپ جو بھی کہنا چاہتی ہیں کھل کر کہیں۔''

''صالحہ ظلم سہنے والا بھی ظالم میں شمار ہوتا ہے یہ بات تو تم بھی جانتی ہوگی۔ زندگی کے کام اگر حد سے بڑھ جائیں تو انسان خود کو بوجھ تلے محسوس کرتا ہے اور پھر اس سے چھٹکارا چاہتا ہے۔ کیا تم نہیں چاہتی کہ دو گھڑی تمہیں بھی آرام کرنے کو ملے' تم بھی سکون سے اپنے بچوں کے پاس بیٹھ کر ان سے بات کرو جیسے افشاں کرتی ہے یا اور مائیں؟''

''کیوں نہیں چاہتا بھابی...... بس فرصت ہی نہیں ملتی۔'' وہ ناجیہ کے خاموش ہوتے ہی فوراً بولی۔

''تو پھر فرصت کے لمحات تلاش مت کرو بلکہ حاصل کرو اپنے حق کے لیے آواز بلند کرو' صرف اپنے بچوں کے لیے اپنی طرف توجہ دو۔'' ناجیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مزید بولی۔

''تم کوئی ملازمہ نہیں ہو جو سارے گھر کا کام تمہاری ذمہ داری میں شامل ہوگیا ہے اور پھر صلہ کے طور پر تمہیں ملتا کیا ہے صرف باتیں جنہیں تم اپنا حق سمجھ کر وصول کررہی ہو۔''

''تو میں کیا کروں۔'' وہ عاجزی اور بے بسی سے بولی۔ صالحہ جیسے اس مسئلے پر سوچ سوچ کر تھک گئی تھی کوئی

سرااس کے ہاتھ ہی نہیں آرہا تھا۔

''اپنی اہمیت جتلانے کے لیے میکے چلی جاؤ۔''

''وہاں مجھے کوئی رکھنے کو تیار نہیں۔'' وہ آزردگی میں گھر کر بولی۔

''میں نے اپنے بھائی اور امی سے اس حوالے سے بات کی تھی یہ تو نہیں کہا تھا کہ میں یہاں آجاتی ہوں لیکن بھائی چونکہ وجاہت کے دوست بھی ہیں تو انہیں سمجھانے کو کہا تھا۔ بھابی نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ تمہارے گھر کا معاملہ ہے خود حل کرو اور امی بھائی کی حامی تھیں تو اب میں وہاں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' اس کی بات پر ناجیہ سوچ میں پڑ گئی یہ معاملہ کافی پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا اگر وہ کوئی اور حل صالحہ کو بتاتی تو کہیں اس کے لیے مزید کوئی مشکل کھڑی نہ ہو جاتی اور پھر اکیلی عورت کو تو ہمارا معاشرہ بہت بری نظروں سے دیکھتا ہے مرد اگر اپنا مطلب نکالنے کے لیے دیکھتا ہے تو دوسری عورت کی نظر میں بھی وہی عورت بُری ہوتی ہے' چاہے وہ کتنے ہی پاک دامن ہو۔

''پھر تم آر یا پار کا معاملہ سامنے رکھو۔''

''لیکن وجاہت' وہ مجھے چھوڑ ناں دے۔'' اس کے لہجے میں واضح خوف تھا جبکہ ناجیہ اطمینان سے بولی۔

''ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ تم اس کے بچوں کی ماں ہو اور انہی بچوں کو ہتھیار بنا کر بولو تا کہ ان کے اندر سے بھی خوف نکلے۔''

''مگر......''

''اگر مگر چھوڑ دو صالحہ' بس یہ بات یاد رکھو کہ بہادر ماں بنو گی تو بچے بہادر ہوں گے ورنہ بزدل۔'' اپنی بات کے اختتام پر ناجیہ کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی جبکہ اس کی آنکھوں میں سوچ اور سراثبات میں ہل رہا تھا۔

اس روز اتوار تھا احسن ناشتا کر کے اپنے دوستوں کی محفل میں چلا گیا تھا جبکہ ناجیہ دوپہر کا کھانا پکانے کے ساتھ گھر کی صفائی میں لگ گئی تھی۔ موسم روز کی نسبت کچھ زیادہ ہی گرم و حبس زدہ تھا کہ اچانک دوپہر سے ذرا پہلے آسمان کو کالے سیاہ بادلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور تیز ہوا کے ساتھ بارش برسنا شروع ہو گئی تھی۔

''مجھے اگر پتا ہوتا کہ موسم اس قدر خوب صورت ہو جائے گا تو میں گھر سے جاتا ہی نہیں۔'' ناجیہ کے دیکھنے پر احسن نے شرارتاً اپنا جملہ تبدیل کیا جبکہ وہ جانتی تھی کہ چھٹی والے دن احسن بھی اور مردوں کی طرح اپنے دوستوں کے ساتھ انجوائے کرنا چاہتے تھے گو کہ اس نے کبھی شکوہ نہیں کیا تھا لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ احسن اپنی اس روش سے ہٹ کر اس کے ساتھ بھی کچھ وقت گزارے اور کتنی ہی دفعہ وہ باتوں ہی باتوں میں اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر گئی تھی لیکن سیدھے سے انداز میں۔ اس سے پہلے کہ ناجیہ کچھ کہتی زبیر ہاؤس سے ایک دم شور کی آواز بلند ہوئی تھی' ایک نامانوس سی آواز۔ ناجیہ کے ساتھ احسن بھی اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''دیکھو......دیکھو کیسی میسنی بنتی تھی زبان دیکھو اس کی کیسے قینچی کی طرح چل رہی ہے۔''

''اسی قینچی سے تمہاری گردن بھی کاٹ دوں گی۔'' ناجیہ کو دوسری آواز پہچاننے میں دیر نہیں لگی تھی جبکہ احسن ابھی تک یونہی کھڑا آواز سننے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

''بہت برداشت کر لیا میں نے تم سب کو اور بہت کچھ خاموشی سے سہہ بھی لیا لیکن اگر میرے بچوں کو کسی نے کچھ کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' ناجیہ کے ہونٹوں پر صالحہ کی بات سن کر اطمینان بھری مسکراہٹ ابھری جبکہ اب احسن سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''چیونٹی بھی جب پاؤں کے نیچے آتی ہے تو کاٹتی ضرور ہے اور اب وہ بھی اپنے حق کے ساتھ اپنے بچوں

کے لیے لڑ رہی ہے۔''

''کون......؟'' احسن اب بھی نہیں سمجھا تھا اور وہ اپنے ہی انداز میں بولی۔

''صالحہ اور کون' کب تک خاموش رہتی آخر آج برداشت جواب دے گئی۔''

''اور کہیں اس کے پیچھے آپ محترمہ کا ہاتھ تو نہیں؟''

''کیا فرق پڑتا ہے کہ ہاتھ میرا ہے یا کسی اور کا۔'' وہ رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔ ''بات تو یہ ہے کہ ایک عورت گھر کو سنوارنے کے ساتھ اسے بسانے کی بھی کوشش کرتی ہے لیکن دوسری عورت اسے توڑنے میں اپنی کوشش کرتی ہے ایسے میں مرد کیا کرتے ہیں؟'' وہ ایک دم سے سوال کرتی اسے دیکھنے لگی۔

''ہر بات مرد عورت کے کھاتے میں ڈال کر خود بری الذمہ ہوجاتا ہے کیوں؟ صالحہ جیسے کئی کردار اس معاشرے میں موجود ہیں اور آواز بلند کرنے پر انہیں چھوڑ بھی دیا جاتا ہے کیوں؟''

''اس میں غلطی کسی حد تک عورت کی ہی ہوتی ہے کیونکہ تربیت بھی تو عورت ہی کرتی ہے وہ ہی مرد کو برتری اور عورت کو کم تری پر رکھتی ہے اور پھر شادی جیسے رشتے کو نبھانے کے لیے کمپرومائز تو دونوں کو ہی کرنا پڑتا ہے اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہوتے ہیں لیکن غلطیاں دوسروں کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں اور ہم انہی کو درست کرتے ہوئے آپس میں الجھتے ہیں۔ صالحہ بھی پہلے مرحلے پر سب کو نہیں تو وجاہت کو سمجھاتی۔'' ناجیہ کے چہرے پر سوچ کی پرچھائی دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر مزید کہنے لگا۔

''اب یہ ہی دیکھو تم اور میں بات کر رہے ہیں تو دوسروں کی' ان کے گھر اور زندگی کی' ہماری اپنی باتیں تو کہیں پس منظر میں چلی گئی ہیں۔ کتنے دن ہوگئے ہم کہیں باہر نہیں گئے' ہم نے اپنے حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا کہ زندگی میں اپنے گھر کی ذمہ داری پہلے ہے بعد میں دوسروں کے مسئلے پر غور کرنا اور اس کی باتیں ٹھیک تھیں وہ صالحہ کی ذات میں الجھ کر اپنے گھر سے غافل ہو رہی تھی۔

''اگر تمہاری ان مصروفیات کی وجہ سے میں کہیں اور متوجہ ہوجاتا تو؟'' احسن کی بات پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تب بھی تم الزام مجھے ہی دیتیں' ہے ناں۔'' وہ آنکھوں میں شرارت لیے جواب طلب بھی تھا اور وہ کیا جواب دیتی خود لاجواب ہو رہی تھی۔

صحیح تو کہہ رہا تھا وہ' کافی دن سے وہ اپنے شوہر اور بچوں سے غافل ہی تھی۔ اس نے کسی بھی دن شوہر اور بچوں پر توجہ نہیں دی تھی' صرف دیوار کے اس پار سے آنے والے شور کی وجہ سے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' غلطی کبھی بھی ایک کی نہیں ہوتی۔'' وہ کہہ کر سر جھکا گئی تھی۔

''میری بھولی چڑیا...... جب سب غلط فہمی دور ہوگئی تو پریشان کیوں ہو رہی ہو انسان کی زندگی میں اگر نشیب و فراز نہ آئیں تو پھر زندگی کا کیا مزہ۔'' وہ کہہ کر ناجیہ کا رخ اپنی طرف کرتا اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ کے جواب میں ناجیہ بھی مسکرا دی تھی۔

حصہ 8

(پچھلی قسط کا خلاصہ)

مسٹر اینڈ مسز انصاری بظاہر ایک آئیڈیل خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انصاری ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آبائی شہر منتقل ہو جاتے ہیں جہاں سالوں کی تگ و دو کے بعد وہ ایک خیراتی ہسپتال احسن طریقے سے چلا رہے ہوتے ہیں۔ اس کام میں ان کی بیوی ڈاکٹر نور انصاری ان کی معاونت کررہی ہوتی ہیں۔ مسٹر اینڈ مسز انصاری کے دونوں بچے سمیر اور فریحہ بھی اپنی چھٹیوں میں ان کے پاس رہنے آجاتے ہیں۔ سمیر اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پہ فائز ہوتا ہے جبکہ فریحہ ڈاکٹر ہوتی ہے جو اسلام آباد سے حال ہی میں اپنی ہاؤس جاب مکمل کر کے آئی ہوتی ہے اور دوبارہ اسلام آباد کے ہی ایک بہت بڑے ہسپتال میں اپنی ملازمت جاری رکھنے کی خواہش رکھتی ہے لیکن ڈاکٹر نور اسے چند دن ہسپتال میں ان کی مدد کرنے پہ بخوشی راضی کر لیتی ہیں۔ علینہ ایک کم گو الجھی ہوئی اور معاشرتی مسائل کا شکار لڑکی ہوتی ہے۔ وہ مقامی کالج میں زیر تعلیم ہے اور امتحانات کے آخری دن مونس کے ساتھ ہونے والے مڈبھیڑ کے بعد مونس کو ایک تھپڑ رسید کرتی ہے لیکن حواس باختہ ہو کر کالج کی عمارت سے نکلتے ہوئے وہ اچانک سمیر کی گاڑی سے ٹکرانے لگتی پر سمیر وقت پر بریک لگا دیتا ہے۔ علینہ بے ہوش ہو جاتی ہے اور سمیر اسے زینب وقار ہسپتال اپنی والدہ کے پاس لے آتا ہے۔ علینہ کو جلد ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا جاتا ہے۔ مونس غصے میں بھرا پہلے اپنے دوستوں کو باتیں سناتا ہے اور پھر اپنی والدہ رخشندہ سے علینہ کی شکایت کرتا ہے جو اپنے لاڈلے بیٹے سے بھی دو ہاتھ آگے ہوتی ہیں۔ خاور علینہ سے ملنے آتا ہے پر وہ اس سے جان چھڑا کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ شاکرہ شکایت اس کی ماں سے کرتی ہے پر علینہ کا انداز ہمیشہ کی طرح لاتعلق اور احساسِ کمتری کا مارا ہی ہوتا ہے۔ شہباز سفینہ کو بے دردی سے مارتا ہے۔ بازو ٹوٹنے کی وجہ سے فاطمہ چاروناچار اسے ہسپتال لے آتی جہاں ڈاکٹر کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا بلکہ اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر کے سوالوں کا گول مول جواب دے کر وہ گھر چلی جاتی ہے پر فاطمہ دل ہی دل میں ماں کی بے جا خاموشی پہ شکوہ کناں رہتی ہے۔ شہباز گھر اور بیوی سے لاپروا جوا کھیلنے چلا جاتا ہے جہاں اس کا اوباش دوست عارف اسے ادھار دیتا ہے۔ ڈاکٹر فریحہ تشدد کا شکار عورت کی بے بسی اور لاچاری پہ جہاں درد محسوس کرتی ہے وہیں اسے اس عورت کی خاموشی پہ کوفت ہوتی ہے۔ سمیر اور اس کے درمیان اس موضوع پہ ہونے والی بحث ڈاکٹر نور کو انتہائی اپ سیٹ کر دیتی ہے اور پریشانی کے سائے ڈاکٹر انصاری کے چہرے پہ بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ سمیر اتفاقاً ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر الجھ سا جاتا ہے۔ اسے یقین ہے اس کے والدین کے درمیان کشیدگی ان کے ماضی کے کسی راز سے وابستہ ہے۔ علینہ کو لے کر عامر اپنی بیوی کو بے نکت سناتا ہے۔ دونوں کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے جس میں عامر اسے حال اور ماضی کے طعنے دیتا ہے پر وہ خاموشی سے سن کر صبر کرتی ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتی ایک بار پھر اس کا گھر ٹوٹے اور اس کی اولاد کو خمیازہ بھگتنا پڑے۔ سمیر اور کشمالہ کے درمیان ملاقاتوں کے سلسلے بڑھتے چلے جاتا ہیں۔ دونوں کی سالوں پرانی دوستی ایک نئے رشتے کی طرف قدم بڑھا رہی ہے یا ایسا صرف کشمالہ سمجھتی ہے۔ علینہ کی سہیلیاں آکر اسے مونس کے حوالے سے ڈراتی ہیں۔ وہ اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ کہیں واقعی مونس اسے کوئی نقصان نہ پہنچادے لیکن وہ خاور سے مدد

لینا نہیں چاہتی۔ اندھیرے میں چھت کی طرف جاتے گھر کا داخلی دروازہ کھلا پاکر وہ ٹھٹک جاتی ہے۔ دروازے میں کھڑے سائے کو دیکھ کر علینہ بے اختیار چیخ مارتی ہے پر اچانک سایہ آگے بڑھ کر مضبوطی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے جس سے علینہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر زبیر اپنی طرف سے سفینہ کو خود پہ ہوتے ظلم سہنے سے باز رکھتا ہے پر سفینہ کے اندر عزتِ نفس کو نہ تو ڈاکٹر کی کاؤنسلنگ جگا پائی نہ ہی فاطمہ کا شکوہ۔ آسیہ کی بیماری اور آپریشن کی خبر جہاں شاکرہ کو پریشان کرتی ہے وہیں علینہ کی ناراضگی میں دراڑ ڈالتی ہے۔ وہ بے چین ہوتی ہے پر وہاں نہیں جانا چاہتی اور شاکرہ اسے اکیلے گھر میں چھوڑنے پر راضی نہیں ایسے میں فریحہ کی خواہش پر اور بیگم انصاری کی ذمہ داری پہ وہ علینہ کو انصاری ہاؤس چھوڑ کر وہاں چلی جاتی ہے۔ علینہ کو انصاری ہاؤس میں بہت محبت سے رکھا جاتا ہے۔ شہباز ایک بار پھر مار پیٹ کر سفینہ سے فاطمہ کی داخلہ فیس کے پیسے لے کر نو دو گیارہ ہو جاتا ہے۔ فاطمہ گھبرا کر زخمی ماں کی مدد کے لیے زبیر کو بلا لاتی ہے۔ خاور کو آسیہ کی بیماری کا پتا چلتا ہے تو دکھ اور پچھتاوا اسے آگھیرتا ہے۔ سمیر لاہور سے واپس آرہا ہوتا ہے کہ راستے میں اس کی گفتگو کشمالہ سے ہوتی ہے۔ علینہ خواب میں بری طرح ڈر کر چیخ مارتی ہے گھر کے تمام افراد بھاگ کر اس کے کمرے تک پہنچتے ہیں جہاں سمیر گن تھامے پہلے سے موجود ہوتا ہے چند پل کو وہ شک کے دائرے میں آتا ہے مگر اندر جا کر ساری بات کھل جاتی ہے سمیر شدید طیش پا اس ذلت پہ کڑھتا ہے۔ دفتر میں سمیر کا پہلا دن اور مصروف زندگی کا آغاز ہوتا ہے کشمالہ کی ذو معنی گفتگو اور سمیر کا محتاط رویہ۔ آسیہ اپنی والدہ کو علینہ کی ذہنی کیفیت کے متعلق بتاتی ہے۔ عامر کا نازیبا رویہ اور علینہ کی مشکلات کا سن کر شاکرہ بری طرح پریشان ہو جاتی ہیں اور فیصلہ کرتی ہیں جلد از جلد پاکستان واپس جا کر علینہ کی شادی کر دیں گیں۔ فریحہ فارس کی وجہ سے اندر ہی اندر کھل رہی ہے تو دوسری طرف فارس گھٹا گھٹا اور پریشان رہتا ہے پر دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ڈٹے رہتے ہیں۔ فاطمہ کے آخری امتحان والے دن ڈاکٹر زبیر اس سے ملنے آتا ہے اس کا انداز سرسری پر فکر مندانہ ہوتا ہے۔ فاطمہ کو زبیر کی فطرت سیرت اور سوچ متاثر کرتی ہے وہ اس کے لیے عقیدت کا جذبہ رکھتی ہے۔ شہباز کا دوست عارف اپنی مکارانہ فطرت کا استعمال کرتے شہباز کو جوئے اور قرض میں بری طرح جکڑ دیتا ہے اور جوئے کی آخری بازی کھیلتے شہباز اپنی ہی بیٹی کو جوئے میں ہار دیتا ہے۔ عارف سے نکاح کی خبر سن کر فاطمہ سن رہ جاتی ہے جبکہ سفینہ جیتے جی مر جاتی ہے۔ حالات کی ماری سفینہ بیٹی کی عزت بچانے کی خاطر مجبور ہو کر ڈاکٹر زبیر سے مدد مانگتی ہے۔ زبیر سے فاطمہ کے نکاح کے بعد وہ راتوں رات اسے لے کر اپنے گھر چلا جاتا ہے پیچھے سے شہباز سفینہ کو بہت بری طرح مارتا ہے۔ علینہ بغیر بتائے انصاری ہاؤس سے اپنے گھر کی طرف نکل جاتی ہے۔ مطلوبہ چیزیں لے کر واپس آتے ہوئے راستے میں اس کا سامنا مونس سے ہوتا ہے۔ سمیر بروقت پہنچ کر علینہ کو سمیر سے بچاتا ہے۔ مونس کو پولیس کے حوالے کر کے وہ علینہ کو خوب سناتا ہے مگر اپنی والدہ سے کچھ نہیں کہتا۔ علینہ کچھ پریشان اور شرمندہ ہوتی ہے جب سمیر اس سے مونس کے متعلق بات چیت کرتا ہے۔ وہ اسے ماضی کے متعلق بتاتی ہے سمیر اسے سمجھاتا ہے کہ اب اسے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ زبیر انصاری نور فاطمہ کو باعزت طریقے سے اپنا کر اپنے گھر میں اس کا جائز مقام دیتا ہے یہی نہیں شادی کے بعد بھی وہ اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے میڈیسن کا انتخاب کرتی ہے۔ سفینہ کی موت اور ٹیپو کی گمشدگی کا غم اپنی جگہ پر ڈاکٹر نور فاطمہ پہ قسمت مہربان ہوتی ہے جس کا سارا کریڈٹ ایک قدر کرنے والے اچھے شوہر کی بدولت ہے۔ گھر میں زبیر انصاری کی بہن نگہت آپا کا بیٹا عمیر لندن سے مہمان بن کر آتا ہے۔ سب کی طرح وہ علینہ سے بھی کھلنے ملنے کی کوشش کرتا ہے جس پہ سمیر کچھ معیوب محسوس کرتا ہے۔

(اب پڑھیئے آگے)

❁ .... ❁ .... ❁

میرے چارہ گر!
تیری چپ کھلے

کہ

ہوا کو اذنِ سفر ملے!

میرے زخم کھل کے گلاب ہوں!

یہ جو سانس سانس ہیں وحشتیں

یہ سراب و خواب کی منزلیں

یہ دیے کی لو سی جو آس ہے

تیرا حکم ہو......

تو یہ جل بجھے!

مجھے عشق کا یہ صلہ ملے

تیرے ہاتھ روح کی گرہ کھلے

یہ بدن کی قید سے ہو رہا

تیرا یہ کرم

مجھے کیمیا!

نہ سوال ہوں

نہ جواب ہوں

کسی طور ختم یہ عذاب ہوں۔

نیم تاریک کمرے کے وسط میں بستر پہ لیٹے شہباز کے بے دم وجود میں زندگی کی واحد رمق اس کی تیز چلتی سانسیں تھیں۔ کمرے کی خاموشی میں گونجتی اس کے تنفس کی آواز عجیب ہولناکی برپا کر رہی تھیں۔ بیڈ کے پاس کرسی پہ بیٹھے ٹیپو کی نگاہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کے سینے پہ جمی تھی۔ ابھرتی ڈوبتی سانسوں کا تسلسل سینے پہ نمایاں ہو رہا تھا۔ ہر سانس کے ساتھ ٹیپو کے اپنے اندر بہت کچھ ٹوٹتا' بکھرتا اور نئے سرے سے سمٹ جاتا۔ پچھلے دو دن سے شہباز کی حالت شدید خراب تھی۔ اس نے کھانا پینا مکمل چھوڑ دیا تھا۔ اب بھی تمام دن میں اس نے بمشکل چند چمچ پانی ہی پیے تھے اور اب بہت دیر سے مستقل غشی کے عالم میں وہ بستر پہ بے سدھ پڑا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق اب تو بس دعا ہی تھی جو اس کے لیے آسانی کر سکتی تھی۔ دوا اور علاج دونوں ناکام ہو چکے تھے۔ ایک سانس تھی جو اب تک اٹکی ہوئی تھی ورنہ بستر پہ پڑی اس زندہ لاش کو دیکھ کر خوف آتا تھا۔ شاید اسی لیے دو دن سے کوئی ملازم اور نہ ہی اس کی بیوی کمرے میں آ رہی تھی پر وہ اس سے خوف نہیں کھاتا تھا۔ اس کا ڈر بہت سال پہلے اس کے دل و دماغ سے نکل گیا تھا۔ دس سال کی عمر میں وہ اس سے بری طرح خوف زدہ تھا۔ اس کی مار' گالیاں' ماں اور بہن کو دیے جانے والے طعنے سوتے میں بھی اسے ڈرایا کرتے تھے۔ سفینہ کی دردناک موت کا آسیب سالوں اس کا پیچھا کرتا رہا لیکن اس سے بڑھ کر بہن کی بدکرداری اس کی روح کا داغ بنی اس سے لپٹی رہی اور اس سب کی وجہ یہ ایک شخص تھا جو برسوں سے بے بسی کی انتہا کو چھوتا اس کے رحم و کرم پہ پڑا تھا۔ جو ہل کر خود سے پانی بھی نہیں پی سکتا تھا اور اپنی ہر ضرورت کے لیے اپنی اس اولاد کا محتاج تھا جس کی زندگی کو دردناک عذاب میں بدلنے والا وہ اس کا اپنا باپ تھا۔

''اللہ'' اس کے بے جان وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔ حلق کے زور پہ کراہتے ہوئے ٹیپو نے اس کے کانپتے لبوں سے یہ لفظ سنا تھا۔ بے اختیار اس نے باپ کا ہاتھ تھام لیا۔ ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں کا پانی صاف کرتے اس کا ذہن ماضی کی دھندلی یادوں میں کھو گیا تھا۔

❁......❁......❁

انصاری ہاؤس کے لان میں رات کے اس وقت دن کا سماں محسوس ہو رہا تھا۔ مناسب فاصلے پہ گروپ کی شکل میں گول میز کے گرد کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ اس سے کچھ فاصلے پہ بوفے ٹیبل سجی تھی۔ پاس ہی باربی کیو کا انتظام تھا جس کی اشتہاء انگیز خوشبو مہمانوں کی بھوک میں اضافہ کر رہی تھی۔ باوردی خدمت گار وقفے وقفے سے مہمانوں کو ڈرنکس سرو کر رہے تھے۔ بطور ڈی سی یہ پہلا عشائیہ تھا جس میں سمیر اور اس کی فیملی کے پروفیشنل اور پرسنل سبھی دوست شامل تھے۔ سبھی کے چہروں پہ مسکراہٹ نمایاں تھی۔ سمیر' نور اور زبیر انصاری سب سے خوشدلی سے ملتے مبارکباد وصول کر رہے تھے۔ سمیر ابھی اس ڈنر کو کچھ عرصہ موخر کرتے ہوئے اپنے کام پہ توجہ دینا چاہتا تھا۔ وہ ان دنوں بے حد مصروف تھا لیکن یہ نور انصاری کی خواہش تھی کہ عمیر آیا ہے تو اس بہانے ایک گیٹ ٹو گیدر ارینج ہو جائے پھر خود سمیر کو بھی اپنے حلقۂ احباب کی جانب سے پریشر کا سامنا تھا۔ تقریباً

سب مہمان وقت پہ آچکے تھے سوائے کشمالہ کے اور اس کے انتظار میں کئی بار سمیر نے کلائی پہ بندھی گھڑی کی طرف دیکھا تو کبھی نگاہ اینٹرنس کی طرف گئی۔ اتنا تو اسے یقین تھا وہ اس ڈنر کو کسی صورت مس نہیں کرے گی۔ اس کے یقین کو تقویت کشمالہ کی آمد سے ہوئی۔

بلیک سلک کرتے اور ٹراؤزر میں ہائی ہیلز کے ساتھ وہ اپنی اکڑی ہوئی گردن اور مخصوص مسکراہٹ چہرے پہ سجائے لان میں داخل ہوئی تو بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی۔ سب سے پہلے سمیر نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ وہ خود اس وقت بلیک ڈنر سوٹ میں تھا۔ ایش گرے ٹائی کی ناٹ کو درست کرتے متانت سے چلتا وہ اس تک پہنچا۔ اس کے چہرے پہ وہی رسمی مسکراہٹ تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی اور کشمالہ کے اندر طوفان برپاء کر دیتی تھی۔ مگر افسوس جب بھی وہ اس مسکراہٹ کو کوئی معنی دینے کی کوشش کرتی سمیر اس کا ہر تجزیہ غلط ثابت کر دیتا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس سے اتنے ہی وقار سے ملا تھا۔ اس کی تاخیر سے آمد کا شکوہ کرنے اور کچھ خیر مقدمی جملوں کے بعد وہ اسے اپنی فیملی سے ملوانے کے لیے آگے بڑھا۔

”بڑا ذکر سنا تھا آپ کا آج ملاقات بھی ہوگئی۔“ فریحہ نے بالخصوص اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے پُر جوش لہجے میں کہا۔ وہ نور انصاری کی زبانی کشمالہ کی کہانی سن چکی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ نور کو کشمالہ سمیر کے لیے دل و جان سے پسند آگئی ہے مگر سمیر اسے اپنی سب سے اچھی دوست اور کولیگ سے زیادہ کچھ نہیں مانتا یہ بات بھی اسے نور بتا چکی تھیں لہٰذا اس وقت کشمالہ سے ملاقات فریحہ کے لیے خاصی پیچیدہ تھی کیونکہ وہ کشمالہ کو ہر اس اینگل سے جانچ رہی تھی جو اسے اس کی متوقع بھابی بنانے میں مددگار ہوں اور ہر اس پیرائے پہ تول رہی تھی جس کی بناء پہ سمیر اسے ریجیکٹ کر رہا تھا۔ کشمالہ کے لبوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی اور اس بار اس نے گردن گھما کر قریب کھڑے سمیر کی طرف دیکھا جو لاتعلق سا پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے ان سب کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کشمالہ کی نگاہوں کو خود پہ محسوس تو کیا پر اس کی طرف دیکھا نہیں بلکہ وہ فریحہ کی شرارتی مسکراہٹ سے چڑ رہا تھا۔

”آئی وش وہ ذکر، ذکرِ خیر ہی ہو۔“ کشمالہ نے ذومعنی انداز میں غیر سنجیدگی سے کہا۔ سمیر نے خاموشی میں ہی عافیت جانی کیونکہ وہاں اس وقت نا صرف اس کے پیرنٹس کھڑے تھے بلکہ ضلع انتظامیہ کے ہائی آفیشلز بھی موجود تھے۔ یوں بھی کشمالہ اس کی باقاعدہ گیسٹ تھی اور وہ ایک اچھے میزبان کی طرح اسے کسی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

”ڈیفینیٹلی یس۔ آپ سے ملاقات کے بعد ممی تو آپ کی تعریفیں کرتی نہیں تھکتیں۔“ فریحہ نے ناسمجھی سے بے ساختہ کہا۔ وہ کشمالہ کی بات کا مطلب سمجھ نہیں پائی تھی ویسے بھی اس کا دھیان اس وقت علینہ کی طرف تھا جو اس کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اب تک لان میں نہیں آئی تھی۔

”شی از ریئلی ویری سویٹ۔ سمیر بالکل آپ کے جیسا نہیں ہے آنٹی۔“ کشمالہ نے بے ساختہ کہا تو فریحہ کو اس کی بات بالکل اچھی نہیں لگی جبکہ سمیر خاصہ محظوظ ہوا۔ مسٹر اینڈ مسز انصاری نے بھی بس مسکرانے پہ اکتفا کیا۔ وہ لوگ اب کشمالہ سے اس کی خیریت اور تاخیر سے آمد کی وجہ دریافت کر رہے تھے۔ فریحہ ایکسکیوز کرتی ان سے کچھ فاصلے پہ کھڑے عمیر کی طرف بڑھی تاکہ علینہ کے متعلق پوچھ سکے۔ ویٹر اب کشمالہ کو ڈرنک سرو کر رہا تھا۔

”آپ نے بھی دوبارہ اسے آنے کا نہیں کہا۔“ فریحہ نے منہ بناتے ہوئے عمیر سے شکوہ کیا۔

”یار میں اسے اب یہاں اٹھا کے لانے سے تو رہا۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے اور سوری تو سے تھوڑی سرپھری سی بھی ہے تو ایسی بندی کو اب کوئی کتنا سمجھا سکتا ہے۔“ عمیر نے بے بسی سے کندھے اچکاتے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نور کے ساتھ عمیر نے بھی اسے بہت سمجھایا لیکن اس کا انکار اقرار میں نہ بدلا اور پھر فریحہ کی دھونس اور بلیک میلنگ سے وہ بمشکل راضی ہوئی تھی کہ کچھ دیر کے لیے ہی سہی وہ وہاں ضرور آئے گی۔ پھر بھی کافی دیر گزرنے کے بعد بھی وہ اب تک

وہاں نہیں آئی تھی تو فریحہ کی تشویش بڑھتی جارہی تھی۔

"سمیر بھائی ہوتے تو یوں چٹکیوں میں منا لیتے۔" فریحہ دونوں ہاتھ باندھے لب بھینچے پھولے منہ کے ساتھ وہاں کھڑی شدید بدمزہ ہورہی تھی۔ اسے سمیر سے بھی تھوڑا سا شکوہ تھا کہ اس نے ایک بار بھی علینہ کو پرسنل انوائیٹ نہیں کیا تھا حالانکہ یہ دعوت تو اسی کی طرف سے تھی اور علینہ پہ تو ڈھیر سارا غصہ تھا جس نے اس دعوت میں شمولیت سے صاف انکار کردیا تھا۔ علینہ کا بھی اس میں کیا قصور تھا اس کا مسئلہ ہی اتنا روائتی اور جینوئن تھا کہ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو ایسے ہی ری ایکٹ کرتا۔ اس کے مطابق یہ ایک چھوٹا سا پرسنل ڈنر تھا اور علینہ کے پاس نارمل سے کپڑے تھے جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی مگر جب اس نے فریحہ کی زبانی مہمانوں کی لسٹ سنی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ گئے۔ وہ بہت بننے سنورنے والی لڑکی نہیں تھی ایسے میں چار چھ ڈھنگ کے جوڑوں کے ساتھ وہ آرام سے ایک سیزن گزار لیا کرتی تھی۔ گھر یا کالج کے سوا اس کا کہیں جانا نہیں ہوتا تھا تو اس مناسبت سے کپڑوں کا انتخاب بھی کرتی۔ گرمی کے دن تھے تو اس حساب سے وہ اپنے اچھے لان کے سوٹ ساتھ لائی تھی مگر وہ اس قابل تو ہرگز نہیں تھے کہ ایک شاندار دعوت میں پہنے جاتے۔ ڈنر کا پلان اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ اتنی افراتفری میں کچھ بھی شاپنگ نہیں کرسکتی تھی۔ حالانکہ نور نے اس سے کہا بھی تھا کہ وہ اسے شاپنگ پہ لے چلیں گیں مگر اس نے سہولت سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ وہ اس ڈنر میں شامل نہیں ہوگی اور گھر کے اندر رہے گی۔ سمیر تک اس کا انکار پہنچا تو اسے شدید غصہ آیا مگر اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا کیونکہ اس کے خیال میں یہ ایک ڈفر ایکسکیوز تھا۔ ویسے بھی علینہ اس کے لیے اتنی وی آئی پی نہیں تھی لیکن یہ فریحہ تھی جس نے اسے اپنی دوستی کے واسطے دے کر راضی کیا تھا کہ وہ چاہے دس منٹ کے لیے ہی سہی پر وہاں ضرور آئے اور ڈنر کرے کیونکہ سمیر کو برا لگے گا۔

"حالانکہ میرے خیال میں میری غیر موجودگی انہیں زیادہ سکون دے گی۔" اپنے زریں خیالات کا اظہار اس نے بس دل میں ہی کیا تھا کیونکہ وہ فریحہ کو اپنی وجہ سے مزید ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس پُرخلوص لڑکی کی محبت کو مزید آزمانا نہیں چاہتی تھی۔

"ایسے ہے تو پھر ایسے ہی سہی۔ اب سب کچھ کپڑے تو نہیں ہوتے۔" علینہ نے بھی آج ڈھٹائی کی سب حدیں ختم کرتے اپنے صبح کے پہنے ہوئے لان کے فیروزی جوڑے میں دعوت اٹینڈ کرنے کا قصد کیا۔ ویسے بھی کپڑے بدلنے سے کون سا شکل بدل جاتی ہے۔ یہی سوچ کر وہ مزے سے اپنے کمرے سے نکلی اور لان میں پہلا قدم رکھتے اسے پہلا چکر آیا تھا۔ باقی مہمانوں کی تو خیر خود فریحہ اور نور انصاری اتنے شاندار انداز میں تیار تھیں۔ فریحہ نے شارٹ شرٹ کے ساتھ سلک ایمبرائیڈڈ ٹراوزر پہن رکھا تھا جبکہ نور انصاری نفیس شیفون کی ساڑھی میں بے حد ڈیسینٹ لگ رہی تھیں۔ علینہ نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کرتے واپسی کی دوڑ لگانی چاہی لیکن فریحہ کی نظر اس وقت تک اس پہ پڑ چکی تھی۔ اسے کھینچ کر زبردستی کسی فاتح کی طرح وہ لان کے وسط میں لے آئی تھی۔ علینہ کو عجیب سی شرمندگی نے آگھیرا حالانکہ اس وقت کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"آپ کے کہنے پہ آئی ہوں لیکن صرف تھوڑی دیر کے لیے اور پلیز یہاں سے تو چلیں۔" علینہ ایک کونے میں چھپ کر بیٹھنا چاہتی تھی جبکہ فریحہ اسے اب کچھ رشتے داروں سے ملوانے کے موڈ میں تھی مگر سب سے پہلے وہ اسے کشمالہ سے ملوانا چاہتی تھی۔ کیا پتا کل کو وہ اس کی بھابی بن جائیں کم سے کم علینہ کو دکھا تو دے۔ یہی سوچ کر وہ اسے زبردستی دھکیلتی لان کے اس کونے میں پہنچی جہاں اس وقت وہ سب کشمالہ کے ساتھ کھڑے باتیں کررہے تھے۔ کشمالہ کی ان دونوں کی طرف پشت تھی۔ علینہ کو یہ سب نہایت آکورڈ لگ رہا تھا اس لیے وہ وہاں جانا نہیں چاہ رہی تھی اور اسی کھینچا تانی میں وہ غیر دانستہ طور پہ کشمالہ سے جاٹکرائی۔ اپنے دھیان میں کھڑی کشمالہ کے ہاتھ میں پکڑے سوفٹ ڈرنک کا گلاس چھلکا تو اس کے قیمتی سلک

کرتے پہ نشان نمایاں ہوگیا۔

"یو ایڈیٹ' آنکھیں کیا محض دکھاوے کے لیے رکھی ہیں۔" کشمالہ نے پلٹ کر شرمندہ سی علینہ کو دیکھا جس کے کچھ فاصلے پہ کھڑی فریحہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس کے عام سے لباس سے وہ اسے گھر کی کوئی ملازمہ سمجھتی اس پہ برہم ہوئی تھی۔ وہاں کسی کو بھی اس وقت کشمالہ سے اس شدید ری ایکشن کی امید نہ تھی۔ خود علینہ کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا تھا۔

"کشمالہ۔" نور انصاری نے کچھ کہنا چاہا پر کشمالہ پلٹ کران کی طرف متوجہ ہوئی اور تیز لہجے میں بولی۔

"سوری آنٹی میں نے آپ کی ملازمہ کو ڈانٹ دیا۔ پلیز ڈونٹ مائنڈ لیکن اس جیسا غیر ذمہ دار اور بے مہار ایک نوکر ہماری حویلی میں ہوتا تو بابا اسے اٹھوا کر ہماری جاگیر سے میلوں دور پھنکوادیتے۔" مسٹر اینڈ مسز انصاری نے بے بسی سے پہلے ایک دوسرے کو اور پھر شرمندہ سی پاس کھڑی علینہ کو دیکھا جو سر جھکائے بمشکل اپنے آنسو ضبط کیے وہاں کھڑی تھی۔ فریحہ کو کشمالہ سے اس چھوٹے پن کی امید نہیں تھی۔ اس کا پُرغرور لہجہ فریحہ کو باور کرا گیا تھا کہ کس بنیاد پہ سمیر اسے آج تک اپنے شریکِ حیات کے طور پہ قبول نہیں کرسکا اور پہلی بار اسے اس بات نے بے حد خوشی دی تھی۔ اسے علینہ پہ بھی شدید غصہ تھا جو چپ چاپ سہم کر ایسے کھڑی تھی جیسے کوئی گناہ کر بیٹھی ہو۔ غلطی سے ٹکرائی تھی معذرت کر کے دو سنا تی۔ لیکن یہ لڑکی بھی ناں اس کا سارا زور بس آنسو بہانے پہ رہتا ہے۔

"یہ ملازم نہیں تمہاری طرح ہماری مہمان ہے انفیکٹ یہ میری کزن ہے۔" سمیر دوٹوک لہجے میں اپنے ہر حرف پہ زور دیتا خاصے غصے میں بولا تھا۔ اس کے چہرے اور لہجے سے جھلکتی واضح ناپسندیدگی کو محسوس کرتے کشمالہ نے اپنا نچلا لب کاٹا۔ علینہ کے لیے اب وہاں مزید کھڑے ہونا مشکل تھا۔ آتے ہی اتنا بڑا تماشہ بن گیا تھا جبکہ وہ تو وہاں پہلے ہی آنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ تیزی سے لان عبور کرتی گھر کے پچھلے حصے کی طرف چلی گئی۔ نور انصاری کی تو سمجھ میں ہی نہیں آیا وہ کیا کریں۔ خوامخواہ چھوٹی سی بات کا اتنا پتنگو بن گیا تھا۔ پھر بھی انہوں نے آنکھ کے اشارے سے سمیر کو منع کرنا چاہا۔

"اوہ...... مگر اس کا حلیہ۔" کشمالہ کو سمجھ نہیں آیا وہ اب کیا کہے۔

"جب اپنا آپ بہت اونچائی پہ کھڑا کرلیا جائے ناں تو نیچے کھڑے سب لوگ کیڑے مکوڑے ہی نظر آتے ہیں۔ سب کچھ ظاہر نہیں ہوتا اس لیے لوگوں کو ان کے حلیے سے جج کرنے کی رسم کو اب متروک ہوجانا چاہیے۔" سمیر کی بات پہ کشمالہ کو شاک لگا تھا۔ وہ کم سے کم سمیر سے اتنی معمولی سی بات پہ اتنا شدید ردِعمل ایکسپیکٹ نہیں کررہی تھی وہ بھی اس صورت جبکہ وہ خود اس کی مہمان تھی اور خود کو اس کے بے حد قریبی لوگوں کی فہرست میں پہلے نمبر پہ تصور کرتی تھی مگر کچھ ایسا ہی تو ابھی کچھ دیر پہلے اس نے علینہ کے ساتھ کیا تھا۔ سامنے سمیر تھا جو اپنی ازلی بے مروتی اور دل جلا دینے والی صاف گوئی کی بدولت اس کی کمزوری بنا ہوا تھا لیکن اس کے اس انداز کا سامنا کشمالہ کو اس سچویشن میں کرنا پڑے گا یہ تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اس بار دھواں دھواں ہونے کی باری کشمالہ کی تھی۔

❁......❁......❁

اپنے کمرے میں جانے کی بجائے وہ گھر کے پچھلے حصے کی طرف بنے صحن میں چلی آئی تھی جہاں ملازموں کے کوارٹر لانڈری اور ایک چبوترہ بنا ہوا تھا۔ یہاں ایک لوہے کی گرل کا بڑا سا دروازہ لگا تھا جہاں سے گھر کے اندر داخل ہوا جاسکتا تھا مگر عام حالات میں یہ ہمیشہ بند رہتا تھا اور ملازم گھر کے سائیڈ سے گزرتی گلی کا استعمال کرتے تھے۔ علینہ جانتی تھی وہ اگر کمرے میں گئی تو کوئی نا کوئی اسے منانے وہاں آجائے گا جبکہ وہ اس وقت کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ زمانہ ہوا اسے روٹھنے پہ منانے کوئی نہیں آتا تھا لیکن اس گھر میں آکر یہ تبدیلی علینہ کی زندگی میں آئی تھی کہ اسے خاموشی سے جلنے کڑھنے نہیں دیا جاتا تھا۔ اس کے رونے دھونے پہ پابندی لگ گئی تھی۔ ایک ایک منٹ محبت

سے پچکارنے والی نور فاطمہ انصاری اسے خفا ہونے ہی نہیں دیتی تھیں اور بہنوں سے بڑھ کر محبت دکھانے والی فریحہ پورے حق اور مان کے ساتھ دھونس جماتی تھی۔ اتنی بہت سی محبتوں نے زندگی سے اتنے برسوں کی کڑواہٹ کم کرنا شروع کردی تھی۔ ایسے میں غصے والی باتوں پہ بھی غصہ نہیں آتا تھا۔ لیکن آج کشمالہ کی باتوں نے اسے عجیب انداز میں اپنی اوقات کا احساس دلایا تھا۔ وہ کتنی مس فٹ تھی ان سب لوگوں میں یہ احساس تو یہاں آنے کے کچھ دن بعد یہاں کے مکینوں نے ختم کردیا تھا شاید اسی لیے اسے کشمالہ کی صورت یہ آئینہ دیکھ کر تکلیف ہوئی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی اس تکلیف کے لمحے میں کوئی اس سے وہی روائتی باتیں کرکے اس سے اس غلطی کی معافی مانگے جو انہوں نے کی ہی نہیں۔ قریباً دس منٹ تک وہ وہاں اکیلی بیٹھی جی بھر کے روتی رہی۔ چھت پہ بس ایک ساٹھ وولٹ کا بلب روشن تھا جس کی مدہم سی روشنی ناکافی تھی۔ اچانک اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی اور پھر کوئی دھیمے قدموں سے چلتا اس کے برابر اسی چبوترے پہ آبیٹھا جہاں پہلے سے پاؤں لٹکائے علینہ بیٹھی تھی۔ علینہ نے گردن گھما کر آنے والے کو نہیں دیکھا لیکن اس کے رونے کو ایک دم بریک لگا تھا۔ دانتوں سے نچلا لب کاٹتے اس نے خود پہ قابو پانے کی کوشش کی اور پھر ہاتھ کی پشت سے اپنے گالوں پہ بہتا نمکین پانی صاف کیا۔ اتنے بہت سے لوگوں کے بعد اب اس کے سامنے اپنا تماشہ بنوانا اور بھی تکلیف کا باعث تھا۔ ساتھ بیٹھا شخص کچھ نہیں بولا جیسے وہ شاید اسے سنبھلنے کا وقت دے رہا تھا۔ کچھ لمحے خاموشی کے گزرے اور پھر جب علینہ کو اس طویل خاموشی سے وحشت ہونے لگی تو اس نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

''آئی تھنک اِٹ واز جسٹ آمس انڈراسٹینڈنگ۔''

عمیر نے اس کی طرف دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر عام سے لہجے میں تبصرہ کیا۔ علینہ نے کچھ بھی کہے بناء گردن جھکا لی۔ وہ اب خاموشی سے اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں پتا ہے ایک بار لندن میں میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔'' اچانک عمیر کی آواز ابھری۔ علینہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف خائف نظروں سے دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''سیریسلی۔'' اپنی بات پہ زور دیتے عمیر نے علینہ کو اپنی سچائی کا یقین دلانے کی کوشش کی۔ علینہ اب بھی خاموش رہی۔

''میں ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گیا۔ میں نے وائٹ شرٹ اور بلیک ٹراوزر پہنا ہوا تھا اور اتفاق سے اس ریسٹورنٹ کے ویٹرز کا ڈریس کوڈ بھی بالکل وہی تھا۔'' اپنی سفید قمیص کے بازو فولڈ کرتے وہ اب علینہ کو تفصیل بتانے لگا۔ جملے کے اختتام پر وہ لمحہ بھر کو رکا لیکن علینہ کو یہ رکنا محال گزرا۔ اس میں اچانک بچوں والا تجسس ابھرا تھا۔

''پھر؟'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی بولی۔

''میں اندر داخل ہوا تو ایک ٹیبل پہ کیا ہی شاندار قسم کی گوری بیٹھی تھی۔ اس نے ایک شان سے مینیو کارڈ سے نگاہ اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر میں کچھ احساسِ تفاخر میں مبتلا ہو کر اس کی طرف بڑھا اور جانتی ہو اس نے میرے پہنچنے پہ کیا کیا میرے ساتھ......'' عمیر نے بھرپور سسپنس کا مظاہرہ کرتے نہایت سنجیدگی سے کہا تو علینہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

''اپنا آرڈر لکھوانا شروع کردیا۔'' ہاتھ پہ ہاتھ مارتے عمیر نے دل برداشتہ لہجے میں کہا۔

''آپ کو بہت غصہ آیا ہوگا ناں؟'' علینہ بے ساختہ بولی۔ اس کے ساتھ بھی تو ابھی کچھ دیر پہلے ایسی ہی دردناک سچویشن ہوئی تھی۔

''بالکل نہیں۔ میں نے بھی اس سچویشن کو انجوائے کرتے ہوئے تحمل سے اس کا آرڈر سنا اور سر جھکا کر اسے یس میم کہتا اس کی ٹیبل سے آگے بڑھ کر ایک خالی میز پہ جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر وہ حیرت سے میری اس حرکت کو دیکھتی رہی اور پھر جب اس کی ٹیبل کا سرور وہاں پہنچا تو الٹا وہ

خود شرمندہ ہوگئی۔" عمیر کی بات پہ علینہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسی۔ عمیر خود بھی ہنسنے لگا اور ان دونوں کی زوردار ہنسی کی آواز نے وہاں سمیر کو چونک کر رکنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ جو کشمالہ کی انسلٹ کے بعد روتی دھوتی علینہ کو اس لیے ڈھونڈ رہا تھا کہ اس سے معذرت کر کے اسے واپس لے جائے گا علینہ کے ساتھ عمیر کی موجودگی پہ حیرت زدہ سا وہیں رک گیا۔

"یہ تو واقعی لطیفہ ہوگیا۔" اچانک اپنی آپ بیتی بھول کر وہ اب واقعی عمیر کے قصے میں انوالو ہو چکی تھی۔ سمیر دھیمے قدموں سے آگے بڑھا۔ علینہ اور عمیر اس کے سامنے تھے جبکہ علینہ کا چہرہ بھی واضح نظر آرہا تھا۔ البتہ عمیر کی پشت تھی۔ علینہ پوری طرح عمیر کی طرف متوجہ تھی۔ ہنستے ہوئے علینہ کی آنکھوں سے پانی نکلنے لگا تھا۔ انگلی سے آنکھ کا کونہ صاف کرتے اس نے بمشکل ہنسی پہ کنٹرول کیا۔ اس کے معصوم چہرے پہ ہنسی کے یہ رنگ اس دھیمی روشنی میں بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ سمیر قدم آگے نہیں بڑھا پایا۔

"ایسے لطیفوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے انسان میں حسِ مزاح کا ہونا بہت ضروری ہے۔ جس کی تم میں شدید قلت پائی جاتی ہے۔" چبوترے پہ بیٹھے پاؤں ہلاتے عمیر نے چوٹ کی تو علینہ نے برا مانے بغیر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرا سینس آف ہیومر بہت برا ہے۔ جوک اول تو مجھے سمجھ ہی نہیں آتے اور اگر آجائیں تو ہنسی نہیں آتی۔" وہ بھی اب اسی ریلیکس انداز میں بیٹھی پاؤں ہلا رہی تھی۔

"لیکن میری خفت پہ تو خوب ہنسی آرہی ہے محترمہ کو۔" عمیر نے جتایا تو ایک دم علینہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ واقعی وہ عمیر کی بے عزتی کو تو بھول ہی گئی تھی۔

"سوری۔" اس نے باقاعدہ کان پکڑے۔ پیچھے کھڑے سمیر کو ان دونوں کی اس بے تکلفی پہ بے خوامخواہ غصہ آیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اسے اس ملکۂ جذبات کے لیے پریشان ہو کر پارٹی چھوڑ کر یہاں آنے کی۔ اس پہ تو کوئی اثر ہی نہیں ہوا الٹا مزے سے بیٹھی عمیر کے گھٹیا جوک پہ قہقہے لگا رہی ہے۔ وہ ایک دم ہی پلٹ کر واپس لان کی طرف چل دیا تھا۔

"کم آن علینہ۔ زندگی کی لائیٹر سائیڈ کو انجوائے کرنا سیکھو۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے جو ہر وقت اتنی شدید مایوسی اور سنجیدگی خود پہ طاری کیے رکھتی ہو۔" عمیر اب سنجیدگی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا وہ اس نے بھی دیکھا مگر وہ اس سب پہ تاسف کر کے علینہ کی بے چارگی میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پچھلے دو تین دن میں اس نے علینہ کو جتنا سمجھا تھا اس کے مطابق وہ ایک شارپ اور ذہین لڑکی تھی جس کی خود اعتمادی اس کے والدین کی علیحدگی اور موجودہ حالات کی نذر ہو چکی تھی مگر وہ قابلِ رحم نہیں قابلِ ستائش تھی کیونکہ ان حالات میں اپنی ذہانت کا مثبت انداز میں استعمال کر رہی ہے۔

"کچھ چیزیں آپ کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہیں۔ آپ کو ان پہ کنٹرول نہیں ہوتا۔" علینہ اب قدرے سنجیدہ ہوئی۔ ناخن کو دانت سے کترتے اس نے لاپروائی سے کہا جیسے شاید وہ اب اپنی ذات کے متعلق مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"آئی ایم ناٹ کنوینسڈ۔ وحشی درندوں اور سمندر کی بے لگام موجوں کو کنٹرول کرنے والا انسان اپنے ہی سامنے اتنا بے بس نہیں ہوسکتا۔ مجھے یقین ہے تم نے کبھی کوشش ہی نہیں کی خود کو ایسے فیز سے نکالنے کی۔" عمیر نے اپنے انداز سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" علینہ نے موضوع بدلنا چاہا مگر عمیر نے اس سے پہلے ہی موضوع لپیٹ دیا۔ ظاہر ہے وہ فریحہ کے کہنے پہ اسے منا کر واپس لے جانے آیا تھا ناکہ ہمیشہ کے لیے یہاں بیٹھنے۔

"خیر جو بھی بات ہے۔ فی الحال ہم ڈپریسنگ باتیں نہیں کریں گے۔ دیکھو ابھی اپنی درگت کا اتنا اندوہناک نقشہ کھینچا میں نے وہ بھی ایک سنہرے بالوں والی حسینہ کے ہاتھوں۔ کچھ تو میرے روگ کا خیال کرو۔" اپنے سینے پہ ہاتھ مارتے عمیر نے مصنوعی تاسف سے کہا تو پہلی بار علینہ

کو اندازہ ہوا کہ عمیر کی وہ کہانی سچ نہیں تھی۔

"آپ مجھے ہنسانے کے لیے مذاق کررہے تھے ناں۔ آپ کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے باقاعدہ منہ بنایا۔

"یہ بتاؤ تمہارا موڈ ٹھیک ہوا؟" علینہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"مشن اکمپلیشڈ' چلو اٹھو ہم یہاں بیٹھے کیوں بور ہوں بھلا۔ وہاں چل کر باربی کیو انجوائے کرتے ہیں۔" عمیر نے دونوں ہاتھوں کو تالی بجانے کے سے انداز میں مارتے پُر جوش انداز میں کہا اور پھر اپنا کوٹ اٹھاتے چبوترے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ علینہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ جس وقت وہ دونوں واپس لان میں پہنچے نور انصاری اور فریحہ دونوں نے ایک ساتھ سکون کا سانس لیا۔ فریحہ نے بھاگ کر اسے گلے لگایا اور پھر وہ تینوں ڈنر کے لیے چلے گئے جبکہ کمشنر کے ساتھ بیٹھے کھانا کھاتے سمیر کی بھوک بالکل ختم ہوگئی تھی۔

❁❁❁

"یار پیسے تو سب وہ تیرا نشئی باپ چھین لیتا ہے۔ تیرے سے اچھا تو میں ہوں کم سے کم اپنی محنت کا پیسہ تو اپنی جیب میں ڈالتا ہوں۔" اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے وہ زیادہ وقت خاموش ہی رہتا تھا۔ ٹیپو تسلیم کرتا تھا کہ وہ ان جیسا دلیر کبھی نہیں بن سکتا۔ اس ورکشاپ میں کام کرتے اسے کئی سال بیت گئے تھے۔ اب تو گریس اور آئل کی چکنی سیاہ تہوں میں اَٹے بدرنگ کپڑے پہنے وہ خود بھی اس تاریک ماحول کا حصہ بن چکا تھا پر آج بھی اس کے دل میں شہباز کا خوف قائم تھا۔ وہ خوف جو مار کے ساتھ ساتھ سفینہ اور فاطمہ پہ لگائے جانے والے بہتانوں کی صورت شہباز نے اس کے اندر منتقل کیا تھا۔ اس کے سامنے زبان بندی کرکے وہ اس کی مار سے بچ جاتا تھا لیکن اس کی ماں اور بہن پہ کیچڑ اچھالنے کا کوئی موقع شہباز ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ شہباز کی زبان کے شعلے سوتے میں بھی اس کو ڈراتے تھے۔ حالات بدلے تھے نہ واقعات' بس زندگی چند قدم اور آگے بڑھ گئی تھی۔

"ابا پہلے ہی استاد سے پیسے لے جاتا ہے۔ میں کیا کرسکتا ہوں۔" اپنے کھانے کا آخری لقمہ چباتے دھیمے لہجے میں ٹیپو بولا تو ساتھ بیٹھا اقبال عرف بالا ہنسنے لگا۔ وہ بھی اسی کی عمر کا تھا پر چالاکی میں وہ بڑوں بڑوں کا استاد تھا۔

"تو بات کرکے تو دیکھ آخر تیری محنت کی کمائی ہے کچھ تو تیری جیب میں بھی آئے۔" منیر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"وہ ہوش میں ہی کہاں ہوتا ہے کہ کوئی بات سن سکے۔ پھر کچھ کہو دو گالیاں بکنے لگتا ہے لیکن تم دیکھنا جب میں بڑا ہوجاؤں گا ناں تو ابا کو چھوڑ کے بھاگ جاؤں گا۔" ٹیپو بے بسی سے کہتا کپڑے سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔ شہباز نے پچھلے چند سالوں میں جوا چھوڑ دیا تھا لیکن اب وہ ہر قسم کا نشہ کرنے لگا تھا جو ان حالات اور اس جگہ پہ میسر تھا۔ اس دوران ایک بار بھی اسے یہ احساس چھو کر نہ گزرا تھا کہ وہ اپنے معصوم بچے کے ننھے ہاتھوں کی کمائی کو کس حرام طریقے سے اڑا کر اپنی رگوں میں جو زہر بھر رہا ہے ایک دن وہ زہر اسے کہیں کا نہیں چھوڑے گا اور واقعی اس زہر نے شہباز کو آج کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ موت اور زندگی کی کشمکش میں گھرا وہ بس نشانِ عبرت بنا آج اپنے اسی بیٹے کے ہاتھوں میں تھا جس سے سالوں پہلے قلم اور کتابیں چھین کر اس کے ہاتھ میں اوزار پکڑا دیے تھے۔

"تم بس اپنے پچھلوں کو ہی روتے رہنا میرا ابھی مت سوچنا۔" اسے ماضی کی سوچوں سے رخشندہ کی تیز آواز نے نکالا تھا۔ وہ خود بری طرح رو رہی تھی اور اسے اس طرح روتا دیکھ کر ایک منٹ کو تو خاور بھی گھبرا گیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھامے وہ اسے کمرے سے باہر لے آیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا اس شور شرابے سے اس کے باپ کی آنکھ کھل جائے۔

"ہوا کیا ہے رخشندہ بتاؤ تو کیا آفت ٹوٹی ہے تم رو کیوں رہی ہو؟" کمرے سے نکل کر اس نے پانی کا گلاس رخشندہ کے ہاتھ میں پکڑایا۔ اسے صوفہ پہ بٹھاتے وہ خود بھی اب اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس دوران اس نے ان تمام ممکنات کے متعلق سوچنا شروع کردیا جو رخشندہ کو

اس طرح پریشان کر رہے تھے۔

"مونس کا کچھ پتا نہیں۔ تین چار دن ہو گئے ہیں۔ موبائل بند جا رہا ہے گھر پہ بھی نہیں۔ اس کا باپ یہی سمجھتا رہا وہ میرے پاس ہے اور مجھے لگا وہ اپنے گھر ہوگا۔" تو اس کا اندازہ درست تھا۔ رخشندہ کے لیے مونس سے زیادہ اہم ایسا کوئی نہیں تھا جو اس حد تک اسے بوکھلا دے۔

"کہیں دوستوں کے ساتھ نکل گیا ہوگا۔ اس کے دوستوں کو کال کر کے پوچھنا تھا۔" خاور اس کی عادتوں سے واقف تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ پتا نہیں کہاں کہاں نکل جاتا تھا۔ اس کی لاابالی فطرت سے خود رخشندہ بھی اچھی طرح واقف تھی۔ ہمیشہ ایک دو دن بعد جب اس کی ڈھونڈ مچتی یا پھر فون سے رابطہ ہوتا تو وہ چین سے بیٹھ جاتی۔ شہباز کو لگا اب بھی یقیناً وہ چھٹیاں منانے کہیں اور نکل گیا ہوگا۔

"سب طرف پتا کر چکی ہوں۔ ہائے میرا بچہ۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آ رہا ہے سوچ سوچ کر اللہ جانے کس حال میں ہوگا۔" رخشندہ نے سینہ پیٹتے شور مچایا۔ اس بار خاور کو بھی تشویش ہوئی۔

"حوصلہ کرو میں پتا کرواتا ہوں کیوں بری باتوں کو ذہن میں لا رہی ہو۔ مل جائے گا ان شاء اللہ۔" اس کی تسلی نے بھی رخشندہ کے آنسوؤں کی برسات میں کوئی کمی نہیں کی۔ خاور جو پہلے ہی اپنے باپ کی وجہ سے شدید پریشان تھا اب اس نئی ٹینشن پہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا مگر یہاں بیٹھ کر رخشندہ کی سینہ کوبی و بین سننے سے تو بہتر تھا وہ باہر جا کر مونس کو ہی ڈھونڈ لے۔ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتے وہ بالآخر گھر سے باہر نکل آیا' لیکن سوائے افسوس اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا کیونکہ مونس کی کہیں سے بھی کوئی خبر نہیں مل سکی تھی۔ تھک ہار کر وہ گھر واپس آ گیا مگر اس نے رخشندہ کو تسلی دی تھی کہ صبح سب سے پہلے وہ پولیس اسٹیشن جائے گا مونس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروانے۔

❁ ❁ ❁

آج کی صبح انصاری ہاؤس میں سستی سے نمودار ہوئی تھی۔ رات ڈنر کے بعد سب کو رخصت کرتے اچھا خاصہ وقت ہو گیا تھا۔ پھر انصاری صاحب کی دونوں بہنیں رات کو وہیں رک گئیں تھیں اور اب اپنی واپسی کی تیاری کر رہی تھیں۔ ناشتہ سب نے قسطوں میں کیا کیونکہ ہر کوئی آج اپنی مرضی سے جاگا تھا۔ دوپہر تک سب کچھ معمول پہ واپس آ چکا تھا۔ سمیر اپنے کسی کام کے سلسلے میں نکل گیا تھا جبکہ زبیر و بیگم انصاری کو آج اپنے ایک مشترکہ فرینڈ کے بیٹے کا ولیمہ اٹینڈ کرنے قریبی شہر جانا تھا۔ گھر میں بس اب علینہ' فریحہ اور عمیر تھے۔ فریحہ اور عمیر لاؤنج میں تھے جبکہ علینہ اس وقت کتابوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ باتوں باتوں میں فریحہ کا عمیر کے ساتھ ڈنر کا پلان بن گیا۔ عمیر کا ارادہ تو فریحہ کو اکیلے ساتھ لے جانے کا تھا لیکن اس محترمہ نے خود ہی علینہ اور سمیر کو اس پروگرام میں شامل کر لیا تو وہ بے چارہ خاموش ہو گیا۔ اب انکار تو کر نہیں سکتا تھا حالانکہ اسے فریحہ سے ایک اہم بات شیئر کرنی تھی مگر اب اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

"بھائی کہاں ہیں آپ' جلدی گھر پہنچیں۔" وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے سمیر کو کال ملائی۔

"کوئی ایمرجنسی ہے کیا؟" وہ اس طرح اس کے جلدی جلدی بولنے پہ گھبرا گیا تھا۔

"عمیر بھائی آج ہم تینوں کو ڈنر پہ لے جا رہے ہیں۔" سمیر کے سینے سے ایک سکون کی سانس خارج ہوئی تھی ورنہ اس نے تو واقعی سمیر کو پریشان کر دیا تھا۔

"تین کون؟" اس نے لاپروائی سے سوال کیا۔

"میں' آپ اور علینہ۔" فریحہ کے جواب نے سمیر پہ بم پھوڑا تھا۔ حلق خوامخواہ ہی کڑوا ہو گیا تھا۔

"مجھے دیر ہو جائے گی۔ اس وقت ایک جگہ بزی ہوں۔ تم جاؤ۔" اسے یقین تھا یہ ڈنر ان دونوں بھائی بہن کی بجائے یقیناً علینہ کی شان میں دیا جا رہا ہے۔ رکھائی سے کہتے اس نے فریحہ کی اگلی بات سنے بغیر کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ سمیر سے ناامید ہو کر وہ بھاگم بھاگ علینہ کے پاس گئی جو اس کے کمرے میں بیٹھی فنانس کی کتاب کھولے نوٹس بنا رہی تھی۔ حالانکہ پیچھے بیٹھے عمیر کی امید بحال ہوئی تھی۔

"چلو علینہ جلدی سے ریڈی ہوجاؤ۔ تمہارے پاس پورے دس منٹ ہیں۔" فریحہ نے جلدی سے سامنے پڑی کتاب بند کرتے افراتفری میں کہا۔

"کہاں جانا ہے فریحہ باجی؟" علینہ نے اسے دیکھتے سوال کیا۔ فریحہ الماری سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔ ساتھ ہی علینہ کا ایک سوٹ اس نے اس کی طرف اچھالا۔

"عمیر بھائی کے ساتھ ڈنر پہ۔" علینہ کے سوال کا جواب دے کر وہ اب ڈریسنگ روم میں گھس گئی تھی۔

"میرا موڈ نہیں آپ لوگ جائیں۔" وہیں بیٹھے بیٹھے علینہ نے بیزاری سے کہا۔ اسے ویسے بھی آؤٹنگ وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر ان دونوں کے درمیان وہ بیوقوف لگتی۔

"کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ یار عمیر بھائی نے ہم سب کے لیے پروگرام بنایا اور ایک ایک کر کے سب ہی ڈراپ ہورہے ہیں۔ سوچو انہیں کتنا برا لگے گا۔" فریحہ کا موڈ واقعی خراب ہوگیا تھا۔

"اور کون نہیں جارہا؟" علینہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"سمیر بھائی۔" فریحہ نے منہ بنایا۔ "وہ کسی میٹنگ میں ہیں شاید اور اب تمہارا موڈ نہیں۔" اسے تفصیل بتاتے وہ ایک بار پھر اس کا ہاتھ کھینچ کر اٹھانے لگی۔ "چلو ناں میری بہن۔ تھوڑی سی آؤٹنگ سے ذہن فریش ہوجاتا ہے اور تم نہیں جاؤ گی تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔ منع کردیتی ہوں عمیر بھائی کو۔" علینہ کو اس کی اسی دھونس سے ڈر لگتا تھا۔ اسی لیے وہ اسے کسی بات پہ ناں نہیں کہہ سکتی تھی لیکن کل اس کی بات مان کر بھی دیکھ چکی تھی۔ نتیجہ اچھا خاصہ شرمندہ کروا گیا تھا۔ آج کچھ سر میں بھی درد تھا اور اب پڑھائی کا موڈ بنا تھا وہ بلاوجہ اپنی مرضی کے خلاف فقط فریحہ کو خوش کرنے کو تو نہیں جاسکتی تھی۔

"فریحہ باجی پلیز مجھے فورس مت کریں اور دیکھیں ناراض بھی مت ہوں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ کے ساتھ زبردستی چلی بھی جاؤں گی تو نہ خود انجوائے کرسکوں گی نہ آپ کو کرنے دوں گی۔" اس نے التجائیہ کہا تو فریحہ خاموش ہوگئی۔ اس کی سنجیدگی سے بھی ڈر لگ رہا تھا وہ کہیں ناراض نہ ہوجائے۔ فریحہ جو کپڑے بیڈ پہ پھینک کر اب ایک کونے پہ منہ پھلائے بیٹھی تھی، علینہ اس کے ساتھ جا بیٹھی اور محبت سے بولی۔

"آپ جائیں اور زبردست سا ڈنر انجوائے کریں۔" وہ اب فریحہ کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔

"لیکن مجھے تمہاری بھی فکر لگی رہے گی۔ ممی بھی گھر نہیں ہیں اور بھائی......" فریحہ کی بات پہ علینہ کو جی بھر کے پیار آیا۔ وہ اسے دو تین گھنٹے اکیلا چھوڑنے پہ اداس ہورہی تھی۔ ایک اس کے اپنے ہیں جو سالوں سے اسے چھوڑ کر بیٹھے ہیں۔ دل ایک دم ہی بوجھل ہوا تھا مگر خود پہ قابو پاتے اس نے فریحہ کو سمجھایا۔

"میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔ آپ بس اچھا سا ٹائم اسپینڈ کرکے آئیں عمیر بھائی کے ساتھ۔ وہ اتنی دور سے آئے ہیں اور آپ کے کہنے پہ ہی انہوں نے یہ پروگرام بنایا تھا پھر آپ نہیں جائیں گی تو انہیں کتنا برا لگے گا۔" فریحہ بمشکل راضی ہوگئی تھی۔ پھر علینہ نے باقاعدہ اس کی تیاری میں مدد کی جس سے اس کا موڈ مزید بہتر ہوا تھا۔ عمیر نے بھی اسے سرسری سا ساتھ چلنے کا کہا لیکن اس نے معذرت کرلی تو عمیر نے بھی اصرار نہیں کیا۔ ان دونوں کے نکلتے ہی علینہ دوبارہ اپنی کتابوں میں مگن ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

رخشندہ نے رات بمشکل رو دھو کر گزاری تھی۔ صبح ہوتے ہی اس نے ایک بار پھر مونس کا نام لے کر رونا دھونا شروع کردیا تھا۔ خاور خود بھی اب کچھ پریشان تھا۔ وہ چاہتا تھا پولیس میں رپورٹ ضرور ہوجائے مگر اس سے پہلے ہی مونس خود گھر پہنچ گیا تھا۔ ملازم نے دروازہ کھولا تو بے حال سا مونس تقریباً روتا دھوتا رخشندہ سے لپٹ گیا۔

"لو وہ آگیا۔" خاور کو اس کی حالت دیکھ کر تشویش تو ہوئی مگر ساتھ ہی ایک پرسکون سانس سینے سے خارج ہوئی تھی یہ سوچ کر کہ وہ صحیح سلامت ہے۔

"شکر ہے اللہ جی میرا بچہ صحیح سلامت واپس آگیا۔

کہاں چلا گیا تھا میر العل اور یہ کیا حال بنایا ہوا ہے؟'' رخشندہ نے اس کا ماتھا چومتے شکر ادا کیا مگر وہ اس کی بری حالت کو نظر انداز نہ کرسکی۔

''کہاں تھے تم اور یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ تمہاری ماں کتنی پریشان تھی۔'' خاور نے پوچھ ہی لیا۔

''میں کہاں تھا اور میری یہ حالت کیسے ہوئی یہ تو آپ ان کی لاڈلی بیٹی سے پوچھیں۔ وہ آپ کو زیادہ بہتر بتا سکتی ہے۔'' مونس نے زہر خندہ لہجے میں کہا تو خاور کی پیشانی پہ بل واضح ہوئے۔

''تم علینہ کی بات کررہے ہو اس کا یہاں کیا ذکر؟'' اس بار وہ کچھ سخت لہجے میں بولا۔ اسے مونس کا اس انداز میں علینہ کا ذکر کرنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

''یہ سب کچھ اسی کی وجہ سے ہوا۔ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گھوم رہی تھی اس دن۔ میں نے دیکھ کر منع کیا آخر کو رشتے داری کا سوال ہے اب ہماری بھی اس شہر میں کوئی عزت ہے۔ لیکن اس کی بد دماغی سے تو آپ واقف ہیں۔ اپنی غلطی پہ شرمندہ ہونے کی بجائے اپنے کھڑوس بوائے فرینڈ سے کہہ کر مجھے تھانے میں بند کروادیا۔'' مونس نے جھوٹ پہ جھوٹ بولتے کمینگی کی ہر حد پار کرڈالی۔ اپنے گھٹیا پن کا ملبہ علینہ کے سر پھینکتے وہ ساری سچائی گول کرگیا۔ رخشندہ کا منہ تو حیرت سے کھلا رہ گیا تھا۔

''کیا بکواس کررہے ہو تم۔ کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں تم میری بیٹی پہ کیسا گھٹیا الزام لگا رہے ہو۔'' خاور بولا نہیں دھاڑا تھا۔ ایک منٹ کو تو مونس بھی سہم گیا۔ اس نے آج تک خاور کو کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات کرتے نہیں سنا تھا۔ وہ تو اس کی بدزبان ماں سے بھی ہمیشہ تحمل سے بات کرتا تھا۔ علینہ سے وہ اتنا لاتعلق تھا کہ مونس کو لگتا تھا وہ باآسانی علینہ پہ بہتان تراشی کرکے اس کے کردار کی دھجیاں اڑا سکتا ہے لیکن وہ یہ بھول گیا خاور سے اس کی بیٹی کے متعلق بات کررہا ہے جس سے وہ لاکھ دور سہی پر لاپرواہ ہرگز نہیں تھا۔

''ارے میرے بچے کو کیا ضرورت ہے اس منحوس ماری پہ الزام لگانے کی۔'' رخشندہ نے خاور کو غصے میں کھولتا دیکھ کر تیز لہجے میں کہا مگر آج کا دن یقیناً مختلف تھا۔

''تم چپ رہو۔'' خاور نے بے اختیار اسے جھڑکا تو وہ بھی ایک پل کو چپ رہ گئی پر پھر وہ رخشندہ ہی کیا جو خاموش ہوجائے۔

''میری زبان بند کرانے سے کیا ہوگا اس نواب زادی سے کیوں نہیں پوچھتے جاکر۔'' رخشندہ کی بات خاور کے اشتعال میں مزید اضافہ کرگئی تھی۔ ایک آگ تھی جو سالوں سے اس کے اندر لگی تھی۔ کئی سال پہلے اس کی بہن کی کردار کشی کرتے اس کے باپ نے بھی یونہی زہر اگلا تھا اور آج لوگوں کا نشانہ اس کی بیٹی تھی۔

''اس سے کیوں پوچھوں تمہارے بیٹے سے کیوں نہ پوچھوں۔ اس نے میری بیٹی کا نام بھی کیسے لیا۔'' وہ تقریباً چلایا۔

''انکل مجھ پہ بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو خوامخواہ بھلائی کرتا پھنس گیا ہوں۔ آپ جاکر دیکھ لیں خود وہ جن کے گھر رہتی ہے ان کے بیٹے کے ساتھ ہی چکر چل رہا ہے اس کا۔ دونوں کھلے عام گھوم پھر رہے تھے۔'' مونس پہ ڈھٹائی ختم تھی۔ پہلے علینہ کا تھپڑ اور اب سمیر کے ہاتھوں ہوئی ذلت نے اس میں بدلے کی آگ بھڑکادی تھی۔ اس کی کچھ سزا تو علینہ کو بھگتنا تھی۔ وہ خاور کو علینہ سے اس حد تک بدگمان کردینا چاہتا تھا کہ وہ اسے کوئی سخت سزا دیتا۔

خاور اس بار کچھ بول نہیں پایا تھا۔ وہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا سوائے اس بات کے کہ وہ لوگ اس کی نانی کے اعتبار والے ہیں۔

''اور سچ مانیں تو وہ لڑکا ایک نمبر کا فلرٹ ہے۔ میں نے کچھ دن پہلے اسے ایک اور آئٹم کے ساتھ ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا۔'' مونس اس دن کی تفصیل بھونڈے انداز میں مرچ مصالحہ لگا کر بتانے لگا جبکہ خاور کو لگا شاید نور فاطمہ کی بدکرداری علینہ میں منتقل ہوچکی ہے۔

❁.........❁.........❁

فریحہ اور عمیر کی روانگی کے بعد کچھ دیر تو وہ کتاب کھولے بیٹھی رہی پر اب کچھ سستی محسوس ہورہی تھی تو سوچا کیوں نا

تھوڑی سی واک ہی کرلے۔یہی سوچ کر وہ باہر لان میں چلی آئی۔شام سے موسم قدرے بہتر تھا' ہلکی ہوا چل رہی تھی اور موسم میں حدت کم تھی۔علینہ کو یہاں آ کر اچھا لگا تھا۔کل والے واقعے کے بعد اسے آج خود پہ بڑی حیرت ہو رہی تھی۔وہ جو معمولی معمولی باتوں کو سر پہ سوار کر کے ہفتہ ہفتہ قنوطیت میں گزار دیا کرتی تھی آج اتنی جلدی نارمل کیسے ہوگئی۔کتنی آسانی سے اس نے ایک ناخوشگوار واقعہ کو بھلا کر اپنی فیلنگز پہ قابو پالیا تھا۔تو کیا یہ سب اس گھر کے لوگوں کی بدولت ہے جو اس کی دل جوئی اور مورال سپورٹ اس انداز میں کر رہے ہیں کہ اسے محسوس بھی نہیں ہوتا۔وہ مدد کرتے احسان نہیں جتاتے' ان کی توجہ بوجھ نہیں لگتی۔صرف چند دنوں میں وہ کتنی بدل گئی ہے۔اسے خوش رہنا اچھا لگنے لگا تھا۔کچھ ایسی ہی سوچوں میں گھری وہ سینے پہ ہاتھ باندھے چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی لان کے ایک سرے سے دوسرے تک جا پہنچی۔وہ اس وقت اتنی مگن تھی کہ اپنے پیچھے کھڑے سمیر کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوا جو کافی دیر سے اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ ٹھٹک کر پلٹی۔وائٹ شرٹ اور بلیو ڈینم میں وہ ہاتھ میں اپنی گاڑی کی چابی گھماتا بڑی فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے آج اسے کوئی دوسرا کام ہی نہ ہو۔علینہ کچھ شرمندہ ہوئی مگر دوسرے ہی پل اسے غصہ سمیر پر بھی آیا۔(یہ تو اچانک کیسے آ گیا اور میں کون سے دھیان میں تھی جو مجھے خبر ہی نہیں ہوئی) خود کو کوستی وہ کچھ خجل تو ہوئی پر جلد ہی خود پہ قابو پالیا اور بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"پیڑ پودوں سے کانفرنس۔" سمیر کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری جسے اس نے نچلا لب دبا کر چھپانا چاہا۔وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر پہنچا تھا۔اتفاق سے گاڑی اندر لانے کی بجائے اس نے باہر ہی پارک کر دی اور علینہ کو لان میں دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس کے مطابق تو وہ عمیر اور فریحہ کے ساتھ تھی۔وہ پہلے تو اگنور کرتے گزر جانا چاہتا تھا لیکن کچھ سوچ کر وہ اس کی جانب چلا آیا۔اسے حیرت ہوئی تھی کیونکہ علینہ کا موڈ خاصہ خوشگوار تھا اور وہ اکیلی انجوائے کر رہی تھی۔

"وہ تو تم آدھی رات میں کرتی ہو۔ویسے اس رات واقعی میں تمہیں کوئی چڑیل سمجھا تھا۔" سمیر نے باقاعدہ بدلہ چکایا۔علینہ کی طرف سے اب وہ مزید کسی چبھتی ہوئی بات کا منتظر تھا لیکن وہ نظر انداز کر کے جانے لگی۔سمیر نے روکنا چاہا۔

"کہاں جا رہی ہو" علینہ کے بڑھتے قدم رک گئے۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" مزید کہتا وہ چند قدم آگے بڑھا اور علینہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔علینہ نے سر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے پہ بے پناہ سنجیدگی تھی پر وہ علینہ کی آنکھوں میں دیکھتا اسے بے تحاشہ کنفیوز کر رہا تھا۔علینہ نے نظریں جھکالیں۔

"علینہ کل رات جو بھی ہوا مجھے اس کا افسوس ہے۔کشمالہ کو تم سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی بہرحال جو بھی ہوا کشمالہ کی طرف سے میں تم سے معذرت کرتا ہوں۔" حالانکہ علینہ کے سامنے ہی سمیر نے کشمالہ کو فوراً جواب دے دیا تھا پھر بھی وہ کل سے اس کی طرف سے معذرت کا ایک لفظ سننے کی خواہاں تھی۔گھر کے ہر فرد نے اسے اس مسئلے میں سپورٹ کیا تھا' اس کی دلجوئی کی ماسوائے سمیر کے تو علینہ کو اس کی بے نیازی نے تکلیف پہنچائی تھی۔(باتیں سنا سکتا ہے تو سوری بھی کر سکتا تھا) وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ سمیر تو اسی وقت اس کے پیچھے آیا تھا لیکن بھلا ہو عمیر کا جس نے اس سے پہلے پہنچ کر علینہ کا موڈ چٹکیوں میں ٹھیک کر دیا اور سمیر کو پتنگے لگا دیے تھے۔

"ایسی معذرت کس کام کی جس میں تاسف شامل نہ ہو۔" علینہ جل کر بولی تو سمیر کا دماغ گھوم گیا۔وہ اس کرسی پہ یہ الزام تراشی سننے تو نہیں آیا تھا۔

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ کشمالہ نے جو کیا میری مرضی سے کیا؟" اسے شدید حیرت نے آ گھیرا تھا۔آخر اس لڑکی کی بدگمانی کب ختم ہوگی۔

"میں اس موضوع پہ کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اور مجھے کسی کی جھوٹی معذرت بھی نہیں چاہیے۔" علینہ کچھ

اور تپ کر بولی تو سمیر کا پارا آسمان کو چھونے لگا۔ وہ ان لہجوں کا عادی نہیں تھا پر سامنے بھی علینہ تھی۔ اپنی بات کہہ کر وہ فوراً ہی وہاں سے جانے لگی تو سمیر نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے؟" اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس بار کچھ سخت لہجے میں بولا۔

"میرا ہاتھ چھوڑیں۔" علینہ نے ہلکا سا سسکتے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"میری بات سنے بغیر تم یہاں سے نہیں جا سکتی۔" سمیر کی مضبوط گرفت سے نکلنا اتنا بھی آسان ناں تھا وہ بھی اس وقت جب وہ اس ایشو کو کلیئر کرنا چاہتا تھا وہ اسے یونہی الزام لگا کر جانے نہیں دے سکتا تھا۔

"کس حق سے مجھ پہ یہ دھونس جماتے ہیں آپ۔ جب دل چاہا منہ اٹھا کر شرمندہ کر دیا کبھی خود کبھی آپ کے دوست۔ آپ کو کیا لگتا ہے آپ کے گھر چند دن رہنے آئی ہوں تو ایسے ہی سڑک پہ پڑی تھی۔" ایک ہاتھ سے اپنا بازو چھڑاتے وہ اب تقریباً رونے کو تھی۔ اس نے اگلا پچھلا سارا شکوہ اس کے منہ پہ دے مارا تھا۔

"تم جانتی ہو اس دن تمہیں کیوں ڈانٹا تھا میں نے اور تم سے سوری بھی کیا تھا۔" سمیر نے اچانک اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔ علینہ چند قدم پیچھے ہوئی اور اپنے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی سے اپنی کلائی مسلنے لگی۔ سمیر کا لہجہ اس بار نرم تھا۔

"نہیں چاہیے آپ کی سوری۔ تب نہ اب اور جیسے میں تو احمق ہوں ناں نہیں جانتی ایسی باتوں سے آپ کو کتنی تسکین مل رہی ہوگی۔ انجانے میں آپ کے ساتھ جو کچھ میری وجہ سے ہوا اس کا بدلہ مل گیا۔" سمیر کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ یہ لڑکی اب تک جانے انجانے زیادتی بھی اسی کے ساتھ کرتی رہی ہے۔ غلطی اس کی تب بھی نہیں تھی اور آج بھی نہیں پھر بھی وہ اس کے پاس معذرت کرنے آیا تو بدگمانی بھی اسی سے۔

"شٹ اپ۔" بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا آج اس کی طبیعت صاف کر ہی دے۔

"ایک لفظ اور منہ سے نکالا تو ایک لگاؤں گا الٹے ہاتھ کا ساری عمر کے لیے دماغ سے بدگمانی کا کیڑا نکل جائے گا۔" علینہ کانپ ہی تو گئی تھی۔ اس نے اس سے پہلے سمیر کو اتنی اونچے لہجے میں بولتے نہیں سنا تھا۔

"تم مجھے اتنا چیپ انسان سمجھتی ہو جو ایک لڑکی سے بدلہ لینے کی خاطر اپنے گھر پہ اس کی تذلیل کروائے گا۔" اسے رہ رہ کر اس پہ غصہ آ رہا تھا۔ وہ تو کب کا ان مس انڈر اسٹینڈنگز کو بھول چکا تھا۔ مونس کے معاملے میں بھی اس نے علینہ کا بھرپور ساتھ دیا تھا یہاں تک کہ اپنے گھر والوں کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ جس لڑکی کی عزت کی خاطر وہ اپنی ماں سے جھوٹ بول رہا تھا وہ اسے اتنا گھٹیا گردان رہی تھی یہ بات سمیر کی برداشت سے باہر تھی۔

"میں اس موضوع پہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" علینہ سینے پہ ہاتھ باندھے رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"کرنی پڑے گی بات مس علینہ خاور۔ آپ کسی انسان کے خلوص اس کی شخصیت پہ بہتان تراشی کر کے خاموشی کی راہ فرار اختیار نہیں کر سکتی۔" سمیر نے اسے کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ سمیر کے چہرے پہ سنجیدگی اور غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ تیز نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ علینہ نے لب بھینچے اور نظریں چرائیں۔

"جس کے اپنے خلوص سے عاری ہوں اسے غیروں سے ایسی توقعات نہیں رکھنی چاہیے سو میں نے بھی نہیں رکھیں۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

"تمہارے اپنوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور کیوں کیا اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ تمہیں ان سے جو شکایات ہیں ان کی وجہ سے تم میری تذلیل ہرگز نہیں کر سکتی۔" سمیر کو اندازہ تو تھا وہ ہر بات کو اپنی زندگی کی مایوسی سے جوڑ کر ہمیشہ منفی رنگ دینے کی کوشش کرتی ہے مگر اس طرح وہ کسی دوسرے کے خلوص کے ساتھ زیادتی کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ "لیکن نہیں اس میں تمہارا بھی کیا قصور، تمہاری

پرسنیلٹی ہی نفسیاتی ہے۔" علینہ کو سب سے زیادہ آگ سمیر کے اس جملے نے لگائی تھی۔

"جب جانتے ہیں قصور کس کا ہے تو مجھ پہ چلانے کا کیا فائدہ سمیر صاحب۔ کیا لینے آئیں ہیں آپ ایک نفسیاتی مریضہ کے پاس۔" تیز لہجے میں کہتی وہ سمیر پہ دو حرف بھیج کر ایک بار پھر آگے بڑھی لیکن سمیر کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ یہ معاملہ اب اس طرح تو ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ بات ابھی ادھوری تھی اور سمیر اس لڑکی کے دماغ سے بدگمانی کا کیڑا ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بے اختیار اس نے علینہ کو روکنے کے لیے اس کا بازو کھینچا تو وہ لڑکھڑاتے ہوئے سمیر کے سینے سے جاٹکرائی۔ اس سے پہلے کہ اسے پرے دھکیلتی اور پیچھے ہوتی کسی نے درشتی سے اس کا نام پکارا تھا۔

"علینہ......!" سمیر اور علینہ نے ایک ساتھ آواز کی سمت دیکھا اور پھر علینہ کو اپنی سانسیں تھمتی ہوئی معلوم ہوئی تھیں۔

❁......❁......❁

"تھینک یو فار دس ٹریٹ۔ لیکن اگر بھائی اور علینہ بھی ساتھ ہوتے تو زیادہ مزا آتا۔" فریحہ نے اسٹیک کاٹتے خوشگوار موڈ میں کہا ساتھ ہی ساتھ ہلکی سی آہ بھی بھری کہ وہ اس وقت علینہ اور سمیر کو کتنا مس کررہی تھی۔

"یعنی مجھ ناچیز کی کمپنی نے مایوس کیا ہے آپ کو۔" عمیر نے باقاعدہ برا مانتے احتجاج کیا۔

"بالکل نہیں۔ میں نے کہا ناں ان دونوں کے ساتھ ہونے سے زیادہ مزا آتا۔" فریحہ نے کچھ شرمندہ ہوتے وضاحت دینا چاہی پر عمیر آج کچھ الگ ہی موڈ میں تھا۔

"یعنی قابلِ برداشت ہوں۔" ابرو اٹھائے اس کے کیے جانے والے ذومعنی سوال پہ چونکتے فریحہ تقریباً خاموش ہوگئی تھی۔

"اور اگر ساری عمر برداشت کرنا پڑے تو؟" وہ ابھی پہلی بات کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھی کہ عمیر نے اس کی مشکل میں مزید اضافہ کردیا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں میں سمجھی نہیں؟" بالآخر فریحہ نے پوچھ ہی لیا۔

"شادی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" عمیر نے اس بار ڈائریکٹ سوال کیا۔ فریحہ کچھ کہہ نہیں پائی۔

نور فاطمہ کا اندازہ بالکل درست تھا کہ نگہت آپا کی باتوں میں چھپا اسرار انہیں کچھ اسی بات کا اشارہ دے رہا تھا۔ عمیر کے لیے فریحہ کو پسند نگہت آپا نے کیا تھا جس پہ اسے ہرگز اعتراض نہ تھا اور یقیناً اس کے ماموں ممانی کو بھی اعتراض نہیں ہونا تھا لیکن عمیر ایک بار اپنی تسلی کے لیے فریحہ کی مرضی بغیر کسی دباؤ کے جاننا چاہتا تھا اور وہ اسی صورت ممکن تھا جب وہ خود بغیر کسی کو انوالو کیے فریحہ سے مل لے۔ وہ فریحہ کو کافی عرصے سے پسند کرتا تھا مگر اس کے لیے فریحہ کی رائے بھی بے حد اہم تھی۔ نگہت کا خیال تھا عمیر کو اس بات کو اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیے کیونکہ زبیر انصاری بھی فریحہ کی مرضی جانے بغیر اس کی شادی طے نہیں کریں گے لیکن عمیر کی اپنی الگ سوچ تھی۔ وہ اپنی فیملی ویلیوز سے اچھی طرح واقف تھا اور نہیں چاہتا تھا فریحہ پہ کوئی فیصلہ مسلط کیا جائے۔ بلکہ اچھا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ کر اس رشتے کی بات چلائیں۔

"میں نے اب تک اس موضوع پہ کچھ سوچا نہیں۔" فریحہ نے جان چھڑاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا پر دل میں اس پل ایک ٹیس اٹھی تھی۔ کسی کی بے حسی یاد آئی تھی۔ خود پہ قابو پانے کی کوشش میں بے اختیار وہ اپنے کھانے کی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"میں نے بھی نہیں سوچا تھا لیکن ممی کی خاطر سوچنا بھی پڑا اور فیصلہ بھی کرنا پڑا۔ لیکن میں کوئی بھی فیصلہ اکیلے نہیں کرنا چاہتا۔ اس سے پہلے کہ بات بڑوں تک پہنچے میں سمجھتا ہوں میرے لیے سب سے اہم تمہاری مرضی اور خوشی جاننا ہے۔" عمیر نے گرما گرم بیک پوٹیٹو پہ چھری چلاتے ڈائریکٹ بات کی۔ فریحہ کا اسٹیک کاٹتا ہاتھ رک گیا تھا۔

"عمیر بھائی آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کون سا فیصلہ اور کس کی مرضی۔" اسے واقعی شدید شاک لگا تھا۔

"فری ممی چاہتی ہیں میں تم سے شادی کرلوں۔" فریحہ کو

سمجھ نہیں آیا اسے اس بات پہ کس طرح ری ایکٹ کرنا چاہیے۔

''میں اچانک پاکستان اسی مقصد کے لیے آیا تھا' اگر ہمارے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ ہوجاتی ہے تو ممی ہمارے رشتے کی بات ماموں ممانی سے کریں۔'' عمیر نے تفصیل سے بتایا۔

''اچھا تم کھانا تو کھاؤ' کھانا کیوں چھوڑ دیا۔'' اسے ہاتھ روکتے دیکھ کر عمیر نے مزید کہا۔ وہ اسے کیا بتاتی اس کی تو بھوک ہی ختم ہوگئی تھی۔

''لیکن ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔'' فریحہ کو یقین نہیں آرہا تھا یا پھر وہ یقین کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''ایسا کچھ ناممکن بھی نہیں ڈاکٹر فریحہ انصاری۔ دنیا کی نظر سے دیکھا جائے تو ایک دم پرفیکٹ میچ ہے ہمارا۔'' عمیر نے ایک نگاہ فریحہ کے سنجیدہ چہرے پہ ڈالی جہاں اس شرارت بھرے جملے کا بھی کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔

''لیکن میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔'' خاصی بودی اور احمقانہ توجیح دیتے اس نے عمیر کو اپنے طور پہ کنوینس کرنے کی ناکام کوشش کی۔

''تو اب سوچ لو مجھے کوئی جلدی نہیں۔'' وہ بے دلی سے مسکرائی۔

''میں شادی کے لیے ذہنی طور پہ بالکل تیار نہیں ہوں۔ مجھے ابھی آگے پڑھنا ہے۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد بالآخر اسے ایک مناسب بہانہ مل ہی گیا۔

''اپنی پڑھائی اور پریکٹس تم شادی کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہو۔ میری یا میرے گھر والوں کی طرف سے تم پہ اس سلسلے میں کوئی پریشر نہیں ہوگا۔'' عمیر نے اس کی وضاحت کو رد کرتے اسے کھلی آفر کی۔ اب میڈیسن جیسی پڑھائی کے بعد کرئیر کو جاری رکھنے کے لیے تعلیم کا سلسلہ تو ہمیشہ ہی چلتا رہتا ہے۔ یہ بات ان سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا کہ فریحہ کے لیے یہ مسئلہ کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں۔

''شادی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اور میں دو کشتیوں میں سوار ہوکر ڈوب جاؤں گی۔'' فریحہ اب واقعی ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔ گو اس کا رویہ عمیر کو بھی حیرت میں مبتلا کررہا تھا لیکن وہ اس پہیلی کو سلجھانا چاہتا تھا۔

''یہ اپروچ نور ممانی کی بیٹی کی تو ہرگز نہیں ہوسکتی۔'' عمیر نے تمسخر سے کہا۔ وہ سمجھ چکا تھا فریحہ اسے صاف دوٹوک انکار نہیں کرپارہی۔

''ممی میں اور مجھ میں بہت فرق ہے اور پھر......'' ہاتھ میں پکڑا کانٹا پلیٹ میں پٹختے وہ زچ ہوئی۔ عمیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش ہونے کا کہا۔

''فری......!'' وہ اب نہایت سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ وہ پہلے والی ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں کی شرارت رخصت ہوچکی تھی۔

''بھول جاؤ میں نے ابھی تم سے کیا کہا۔ کوئی رشتہ نہیں ہورہا' کوئی شادی نہیں ہورہی۔ اب بتاؤ پرابلم کیا ہے؟'' عمیر کے سوال پہ فریحہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اس نے باقاعدہ انکار نہیں کیا تھا لیکن جس طرح وہ مزاحمت کررہی تھی بہانے بنارہی تھی عمیر کی جگہ کوئی بھی ہوتا وہ اسے انکار ہی سمجھتا اور جب وہ اس کا انکار سمجھ چکا تھا تو کیسے ممکن تھا اس سے وجہ دریافت نہ کرتا۔

''پرابلم......؟ کوئی...... کوئی پرابلم نہیں۔'' خود کو کمپوز کرتے اس نے بمشکل کہا۔

''تم مجھ سے اپنا ہر راز شیئر کرسکتی ہو اینڈ ٹرسٹ می یہ بات ہمیشہ ہم دونوں کے درمیان رہے گی۔'' فریحہ نے نگاہ اٹھا کر عمیر کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے جواب کا منتظر تھا۔

''عمیر بھائی......'' فریحہ نے وہ الفاظ ڈھونڈنے کی کوشش کی جن سے وہ عمیر کو اپنا مسئلہ بتا سکے۔ عمیر اب خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

(باقی آئندہ ان شاءاللہ)

بے بسی اور دکھ کی انتہا کو چھوتی کیفیت سے مغلوب ہوکر وہ کچھ دیر کے لیے باہر نکلی تھی۔ ذہنی حالت اتنی قابل رحم ہورہی تھی کہ کسی ایک بھابی کو بھی بتانے یا ان سے پوچھنے کی اس کی ہمت نہیں ہوئی کیونکہ اگر وہ انکار کردیتیں تو شاید اس کا دم ہی گھٹ جاتا۔ شام ڈھل رہی تھی‘ وہ سست روی سے روڈ کے کنارے چلتی گھر کے قریب بنے چھوٹے سے پارک میں داخل ہوئی اور پارک کے نسبتاً ویران گوشے کی طرف آگئی۔ وہ ڈھیر سارا روکر اپنے دل کے درد کو اشکوں کے ذریعے باہر نکالنا چاہتی تھی۔ پارک میں کھیلتے بچوں‘ چہل قدمی کرتے ان کے والدین اور بے فکری سے قہقہے لگاتی اپنی ہم عمر لڑکیوں کو دیکھ کر وہ مزید خود ترسی کا شکار ہوگئی۔ اسے لگا اس پوری دنیا میں اس سے زیادہ تنہا اور کوئی نہیں۔

ڈھیر سارا رونے کے بعد جب دل کا بوجھ تھوڑا ہلکا ہوا تو اس نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا اور چونک گئی۔ پارک میں اب اس کے علاوہ اکا دکا لوگ ہی نظر آرہے تھے اور وہ بھی گھروں کو واپس جانے کی تیاریاں کرتے کیونکہ شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ بڑے بھیا کی آفس سے واپسی کا ٹائم تقریباً پورا ہوچکا تھا اور گھر پر اسے نا پاکر اگر وہ بھابیوں سے اس کے متعلق استفسار کرتے اور بھابیاں لاعلمی کا اظہار کردیتیں تو...... وہ اٹھی اور بے تحاشا گھبرائی ہوئی حالت میں تیز تیز چلتی ہوئی پارک سے باہر نکلی اور روڈ سائیڈ پر تیزی سے چلنے لگی۔ اب اسے خود پر بھی غصہ آرہا تھا کہ اس نے کیوں بڑی بھابی سے اجازت نہیں لی یا کم از کم اطلاع تو دے دیتی پر اس وقت اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج تھیں‘ اب اسے رہ رہ کر بڑے بھیا کا خیال آرہا تھا۔

وہ ہر صورت ان سے پہلے گھر پہنچ جانا چاہتی تھی اسی مقصد کے تحت وہ تقریباً سڑک پر بھاگنے والے انداز میں چل رہی تھی۔ ابھی اس نے تھوڑا سا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اپنے پیچھے گاڑی کا مانوس ہارن سن کر اس کی سٹی گم ہوگئی وہ مڑے بغیر بھی بتاسکتی تھی کہ اس کے پیچھے آتی گاڑی میں ڈرائیونگ کرتے بھیا نہ صرف اسے دیکھ بلکہ پہچان بھی چکے ہیں۔ وہ مردہ دلی سے پلٹی اور دھڑکتے دل کے ساتھ گاڑی کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگی۔ بڑے بھیا نے اس کے قریب لاکر گاڑی کو بریک لگائے‘ ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو مجبوراً زوبیہ کو بیٹھنا پڑا۔

”اس وقت کہاں گئی تھی تم اور وہ بھی اکیلی؟“ بڑے بھیا کے لہجے میں شدید حیرت اور دبا دبا سا غصہ محسوس کرکے زوبیہ کا دل زور سے دھڑکا۔

اب وہ بڑے بھیا کو شام کے وقت یوں اکیلے گھر سے نکلنے کا کیا جواز پیش کرتی وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ جانتی تھی کہ بڑے بھیا کو اپنے گھر کی عورتوں کا شام کے وقت گھر سے نکلنا بالکل پسند نہیں۔

”تم سے پوچھ رہا ہوں میں‘ اکیلی کہاں گئی تھی تم اس وقت؟“ وہ جو دل ہی دل میں کوئی مناسب جواب دینے کے لیے الفاظ ترتیب دے رہی تھی۔ بڑے بھیا کے درشت لہجے میں سوال دہرانے پر سہم گئی۔

”وہ...... بھیا...... م...... میرا دل گھبرا رہا تھا اس لیے تھوڑی دیر کے لیے قریبی پارک میں......“ منمناتی آواز میں وضاحت دیتی ہوئی وہ بڑے بھیا کو مزید غصہ دلاگئی۔

”یہ کوئی وقت ہے گھر سے نکلنے کا وہ بھی اکیلے؟ شہر کے حالات سے واقف نہیں ہو کسی اور جہان میں رہتی ہو کیا؟“ اور وہ بڑے بھیا کو نہیں بتاسکتی تھی کہ واقعی وہ آج کل کسی دوسرے جہان میں رہ رہی ہے ایسے جہان میں جہاں پل پل کی اذیت اسے پہروں رلاتی ہے۔ جہاں بے اعتباری کی اڑتی دھول اس کی آنکھوں کو اندھا کررہی ہے‘ جہاں لوگوں کے ہجوم میں رہتے ہوئے بھی وہ تنہا ہے‘

اس کے اپنے خون کے رشتے' اس کے بھائی بھی اپنے باپ کی لاڈلی اور معصوم بہن کی اذیت کو ایک پل کے لیے بھی محسوس نہیں کر پا رہے۔ ایسے میں اگر وہ اپنے تکلیف سے نڈھال ہوتے وجود کو لے کر کچھ دیر کے لیے ان بے حس لوگوں سے دور چلی گئی تھی کھل کر سانس لینے کے لیے تو اس کے نام نہاد رکھوالے اس کے بڑے بھیا کو اتنا غصہ کیوں آ رہا تھا۔ انہوں نے کب اس پر اتنی توجہ دی تھی۔

ہر ماہ اس کی پاکٹ منی کے طور پر اس کو ایک خطیر رقم دے کر اس کے بھائی سمجھتے تھے کہ وہ اس کے فرض سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ زوبیہ کو سوائے مالی ضرورت کے اور کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا' بھابیوں نے اس کو شہزادیوں کی طرح رکھا ہوا ہے' نہ اس پر روک ٹوک کرتی ہیں۔ بھابیوں نے اپنے شوہروں کو ہمیشہ یہی تاثر دیا تھا اور انہوں نے آنکھیں بند کر کے ان کی باتوں پر یقین کیا تھا اور پھر وہ لوگ خود بھی کبھی کبھی ناشتے یا کھانے کی ٹیبل پر اس کا حال احوال پوچھ لیتے۔ بس اس سے زیادہ اور کیا چاہیے تھا اسے' ان کے خیال میں تو وہ ایک آئیڈیل زندگی گزار رہی تھی پھر کس بات پر وہ یاسیت کا شکار ہوئی کہ شام کے وقت گھر سے اکیلی نکل گئی۔

''کوئی جواز ہے تمہارے پاس دینے کو؟'' اس کو مسلسل خاموش دیکھ کر بڑے بھیا کو بُری طرح تاؤ آ گیا تھا اور چبا چبا کر لفظ ادا کرتے ہوئے انہوں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

''سوری بھیا..... آئندہ کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی' کبھی نہیں جاؤں گی اکیلی کہیں۔'' اپنی آوارہ ہوتی سوچوں سے سر جھٹک کر رندھے ہوئے گلے کے ساتھ اس نے بڑے بھیا سے معافی مانگ کر بات ختم کرنی چاہی۔

''یہی بہتر ہوگا' آئندہ مجھے شکایت کا موقع ملا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' انگلی اٹھا کر وارننگ دیتے ہوئے بڑے بھیا کی بات پر ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے زوبیہ نے سر ہلا کر ان کی بات کی تائید کی۔ بڑے بھیا ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگے۔

''کاش بھیا آپ ہر معاملے میں میرے لیے اتنے ہی حساس اور سخت گیر ہوتے تو میں اس تکلیف سے کبھی نہ گزرتی جس نے میرے دل سے جینے کی خواہش ہی چھین لی ہے۔'' دل ہی دل میں بڑے بھیا کو مخاطب کرتے ہوئے زوبیہ پھر سے اس تکلیف کو خود پر حاوی ہوتے ہوئے محسوس کرنے لگی جس سے چھٹکارے کی خاطر وہ کھلی فضا میں سانس لینے نکلی تھی۔

❀......❀......❀

''مجھے سمجھ نہیں آتی زوبیہ کہ اتنے تیز رفتار اور سفاک قسم کے دور میں تم اتنی فنٹیسی میں کیوں اور کیسے رہ رہی ہو۔ یہ دنیا ہے یار اور یہاں پر بسنے والے لوگوں کی زندگی ایسی ہی عام سی ہوتی ہے جیسی ہم سب جی رہے ہیں۔ یہاں پر ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں' آج کل کے تیز رفتار دور میں جب کہ ہر کوئی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہا

ہے۔ کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں ہے کہ کسی کے فراق میں آہیں بھرتا پھرے۔ محبت اب صرف قصے کہانیوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے آج کل کے دور میں جو شخص تم سے محبت کا دعویٰ کرے سمجھو کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا انسان ہے۔'' ایمن جو زوبیہ کو مزید لتاڑنے اور لیکچر دینے کا ارادہ رکھتی تھی اسے رونے کے لیے پر تولتا دیکھ کر ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

''ایمن وہ عام مردوں کی طرح نہیں تھا۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں اس ''خاص'' مرد کی حمایت کرنے کی کوشش کی جس نے آج اسے اس حال تک پہنچایا تھا۔

''اچھا......!'' ایمن نے غصے کی زیادتی سے ''اچھا'' کو خاصا لمبا کر کے کھینچا۔ ''کون سے سرخاب کے پر لگے تھے اس میں...... کون سے سیارے کی عظیم مخلوق تھا وہ جناب...... یا کون سے اس نے دنیا کے لڑکوں سے مختلف ڈائیلاگز جھاڑے تھے آپ کے سامنے؟'' ایمن کا انداز اب استہزائیہ ہوا۔

''ایمی پلیز......'' زوبیہ نے التجائیہ انداز میں کہتے ہوئے اپنے بہتے آنسو صاف کیے۔ ''اس طرح کی باتیں کر کے میرے زخموں پر نمک مت چھڑکو' میں پہلے ہی بہت تکلیف میں ہوں۔'' زوبیہ کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی تو بے اختیار ایمن کو اس پر ترس آگیا' وہ مزید لیکچر دینے کا ارادہ ترک کر کے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گئی اور قدرے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

''دیکھو زوبی...... تمہارے ساتھ کچھ نیا نہیں ہوا' نہ ہی اس طرح دھوکے سے کسی کا شکار ہونے والی تم پہلی لڑکی ہو۔ یہاں آئے دن یہی سب ہوتا ہے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے معصوم اور تجھ جیسی بے وقوف لڑکیوں کو محبت کے جال میں پھنسا کر لڑکے اپنا الو سیدھا کرتے ہیں اور جب انہیں دال گلتی نظر نہیں آتی تو یونہی گھسے پٹے بہانے بنا کر کنارہ کر لیتے ہیں اور انہیں کچھ دن بعد اس لڑکی کا نام تک یاد نہیں رہتا۔ تم خوامخواہ خود کو روگ لگا کر بیٹھ گئی ہو' اس بندے کو تو اب تک یاد بھی نہیں ہوگا کہ کبھی کسی زوبیہ نامی لڑکی سے اس کا واسطہ پڑا تھا' تم بھی بھول جاؤ سب' زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے' آج کل نیٹ پر ہر لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو بے وقوف بنا رہے ہیں' مجھے دیکھو خود میرے بھی کئی نیٹ فرینڈز ہیں' پر میں تمہاری طرح الو نہیں ہوں جو اس وقتی تفریح کو اپنی جان کا روگ بنا کر بیٹھ جاؤں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''میں بھی ٹائم پاس کرتی ہوں اور کبھی کبھی محبت محبت کا کھیل بھی کھیل لیتی ہوں' پر جو بھی لڑکا میرے ساتھ سیریس ہونے لگتا ہے اور وہ میرے مطلب کا نہ ہو تو اسے بلاک کر کے قصہ ہی ختم کر دیتی ہوں' تم بھی یہی کیا کرو۔'' شرارت سے آنکھ مار کر کہتی ہوئی ایمن' زوبیہ کو بہت بُری لگی۔

''میں تمہاری طرح نہیں ہو سکتی ایمن...... میں لوگوں کو ان کے رویوں کو اتنا ہلکا کبھی نہیں لے سکتی۔ میں خود فیئر ہوں اور توقع کرتی ہوں کہ اگلا بندہ بھی میرے ساتھ فیئر ہی رہے۔ ریحان میرا ایک سچا دوست تھا' باتوں سے بہت کھرا اور مخلص لگتا تھا' اسے کیا ضرورت تھی مجھے محبت کے نام پر دھوکا دینے کی' میں تو صرف اسے ایک اچھا انسان اور غمگسار دوست سمجھ کر اپنے پرسنلز شیئر کیا کرتی تھی۔ محبت کی ابتدا تو اسی کی طرف سے ہوئی تھی پھر...... پھر وہ کیوں مجھے دھوکا دیتا؟ اس راہ پر لا کر مکر جاتا' بہانے بناتا۔ تم...... تم یہ بات کیسے اتنے یقین سے کہہ سکتی ہو ایمی؟'' بے یقین اور روہانسے لہجے میں ایک بار پھر اس شخص کی صفائی پیش کرتی ہوئی زوبیہ کو خود شدت سے اپنے الفاظ کے کھوکھلے پن کا احساس ہوا' اس کی بات سن کر زوبیہ کو بجائے اس پر ترس آنے کے بے ساختہ ہنسی آئی۔

''سنو...... احمقوں کی ملکہ' تم نے کبھی کسی لڑکی کو کسی لڑکے کے ساتھ محبت کا اظہار کرنے میں پہل کرتے دیکھا ہے' کبھی نہیں۔'' اس نے خود ہی اپنی بات کی نفی کر دی۔

''ابتدا ہمیشہ لڑکوں کی طرف سے ہی ہوتی ہے محترمہ اور اس طرح کے قصے کو انتہا تک پہنچانے والے بھی یہی لڑکے ہوتے ہیں۔'' بے پروائی سے کہتے ہوئے اس نے

زوبیہ کی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑی چلغوزوں کی پلیٹ اٹھا کر اپنے سامنے رکھی اور چلغوزے کھانے لگی۔ زوبیہ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ ایمن سے کچھ بھی کہنا فضول ہے وہ کبھی بھی اس کا درد نہیں سمجھ سکتی کیونکہ وہ خود ایسی تکلیف سے کبھی نہیں گزری ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے زوبیہ نے اپنے آنسو پیچھے دھکیلے اور بیڈ پر خاموشی سے ایمن کے برابر بیٹھ گئی۔

❀.......❀.......❀

چار بھائیوں کی اکلوتی اور چھوٹی بہن ہونے کے باوجود زوبیہ کو وہ مقام حاصل نہ تھا جو ایسی حیثیت کی حامل لڑکی کو ہوتا ہے وہ چھوٹی اور اکلوتی تو تھی پر لاڈلی ہرگز نہ تھی۔ اس کی امی تب ہی اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں جب وہ ابھی اسکول جاتی تھی تب اگرچہ اسے اتنا شعور تھا کہ اپنے ساتھ ہونے والے اس عظیم نقصان کی سنگین نوعیت کا اندازہ کر پاتی مگر پھر بھی کچے ذہن کی معصوم سی بچی تھی جسے جلد ہی ابو جان کی بھرپور توجہ اور محبت نے اس عظیم صدمے کو فراموش کرنے پر مجبور کردیا تھا جو اسے ماں کی دائمی جدائی کی صورت میں سہنا پڑا تھا۔

ابو جان ایک ریٹائرڈ فوجی افسر تھے سو زوبیہ کو دینے کے لیے ان کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ وہ اس کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت اور کھانے پینے کا ایسے خیال رکھتے کہ اسے کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ اس کی ماں نہیں ہے۔ بھائی بھی اگرچہ زوبیہ کو پیار کرتے تھے مگر ان کے انداز میں والہانہ پن مفقود ہوتا تھا' تھوڑی بہت جو محبت تھی وہ بھی شاید خون کی کشش کا نتیجہ تھا۔ ان کے والد ان سب بھائیوں کے مقابلے میں زوبیہ کو زیادہ اہمیت اور توجہ دیتے تھے پر چونکہ زوبیہ خود بہت پیاری اور بے ضرر سی بچی تھی تو بھائیوں کو اپنی معصومیت سے اپنی طرف متوجہ کر ہی لیا کرتی۔

زوبیہ کے ابو کو بھی شاید زمانے کی تیز رفتاری اور انسانی رویوں کے تغیر وتبدیل کا اچھی طرح سے احساس تھا تبھی اپنی زندگی میں ہی اپنے تمام بچوں کو ان کا جائز حق قانونی طور پر دے دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے باپ کی وفات کے بعد ان بھائیوں کے درمیان کم از کم وراثت کے معاملے میں کوئی تنازعہ نہیں اٹھا۔ چاروں بیٹوں کی شادیاں انہوں نے اپنی زندگی میں ہی کردیں تھیں اور وہ سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن تھے۔ ایک زوبیہ ہی تھی جس کے لیے ان کے ارمان اور اسے کسی محفوظ ہاتھوں میں دینے کی خواہش دل میں ہی رہ گئی تھی اور یوں انہیں زوبیہ کو اس کے بھائیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر اپنے ابدی سفر پر روانہ ہونا پڑا تھا۔ ابو کی وفات کے بعد زوبیہ کو بالکل ہی چپ لگ گئی تھی' وہ اپنے کمرے تک ہی محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ بھابیوں کے ساتھ اس کے تعلقات بس نارمل ہی تھے نہ زیادہ پُر جوش نہ ہی سرد' نہ اس نے کبھی ان میں گھلنے ملنے کی کوشش کی' نہ ہی انہوں نے کبھی اس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی ضرورت سمجھی۔ خود زوبیہ کو بھی تنہائی کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اسے بھابیوں کی سرد مہری اور بھائیوں کی لاتعلقی کا احساس ہی کم ہوتا تھا یا شاید اس نے اپنے حالات سے سمجھوتا کرلیا تھا۔ اسکول کالج میں بھی اس کی زیادہ دوستیں نہیں تھیں کیونکہ وہ اپنی ذات میں گم رہنے والی کافی کم گو اور ریزرو لڑکی تھی۔ ایک ایمن تھی جو اس کے پڑوس میں رہنے کے علاوہ اس کے کالج میں بھی پڑھتی تھی مگر اس کے بارے میں بھی زوبیہ دعویٰ سے یہ بات نہیں کرسکتی تھی کہ وہ اس کی اچھی یا مخلص دوست ہے کیونکہ ایمن فطرتاً کافی بے باک اور موڈی لڑکی تھی۔ دل کرتا تو اس کی دکھ درد شیئر کرنے والی غمگسار سہیلی بن جاتی' موڈ نہ ہوتا تو اس کی بڑی سے بڑی بات کو چٹکیوں میں اڑا دیا کرتی تھی۔

زوبیہ کوئی کچے کردار کی عام سی لڑکی نہیں تھی مگر بھائیوں کی بے توجہی اور بھابیوں کی گھریلو مصروفیات اور لیے دیئے انداز نے اسے یہ رستہ دکھایا کہ وہ زیادہ سے زیادہ سوشل نیٹ ورک کی عادی ہوتی چلی گئی اور یہیں سے وہ روایتی اور گھسی پٹی کہانی شروع ہوگئی جس کا کردار سوشل نیٹ ورک کی عادی بہت سی لڑکیاں ہوا کرتی ہیں۔ فیس بک پر کسی ''ریحان'' نامی ایک لڑکے کے ساتھ اس کی

دوستی ہوئی جو بظاہر بہت مہذب اور سلجھا ہوا لگتا تھا' زوبیہ چونکہ تنہائی اور اپنوں کی بے اعتنائی کا شکار ایک محروم لڑکی تھی سو جلد ہی ریحان کے مہربان رویہ کی عادی ہوگئی اور آہستہ آہستہ وہ اس کے اتنے قریب ہوگئی کہ اس پر اندھا اعتبار کرنے لگی اور شروع سے آخر تک اسے اپنے حالات زندگی' جیسے ماں باپ کی وفات' بھائیوں کی بے اعتنائی اور بھابیوں کی سرد مہری کے بارے میں بتاتی چلی گئی۔ ریحان اس کی بہت دلجوئی کیا کرتا تھا' آہستہ آہستہ اس نے زوبیہ کو فون پر بھی بات کرنے کے لیے آمادہ کرلیا تھا یوں وہ کبھی کبھی اس سے فون پر بھی بات کرلیا کرتی اور اس طرح جلد ہی وہ زوبیہ کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوگیا کہ وہ اس کی معصومیت اور سادگی کا اسیر ہوچکا ہے اور ان دونوں کو مل کر اب اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ کرلینا چاہیے اور زوبیہ کو دیکھنے اور ملنے کا اس کا اصرار زور پکڑتا گیا۔ زوبیہ بے حد گھبرائی کیونکہ فون پر بات کرنا الگ بات تھی پر اس طرح کسی لڑکے سے اکیلے میں ملنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی' ریحان نے اسے دیکھنے کے لیے بہت اصرار کیا پر کچھ معاملات میں زوبیہ بہت ضدی ثابت ہوئی یہاں تک کہ جب ریحان نے اسے دور سے اپنی جھلک دکھانے کو کہا تو اس پر بھی وہ متفق نہ ہوئی اور اس کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی اسے اپنا حلیہ تک نہیں بتایا۔ اس کا اصرار تھا کہ اگر ریحان واقعی اس کی ذات میں دلچسپی رکھتا ہے اور اس کے اخلاق و سے متاثر ہے تو ظاہری شکل و صورت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سیدھے طریقے سے اس نے ریحان کو اپنے گھر رشتہ بھیجنے کے لیے راضی کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گیا اور اس کو دقیانوس ڈرپوک اور تنگ ذہن قرار دے کر قطع تعلق کرلیا۔ زوبیہ نے اسے منانے کی کافی کوشش کی پر ریحان کو احساس ہوگیا تھا کہ یہاں دال گلنے والی نہیں سو یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ اس کی ماما نے اس سے پوچھے بغیر ہی اس کا رشتہ کہیں اور طے کردیا ہے اور انکار کی صورت میں دھمکی دی تھی کہ اسے گھر سے نکال کر جائیداد میں سے بھی عاق کردیا جائے گا اور وہ نہ تو اپنی ماما کو ناراض کرسکتا ہے نہ ہی سڑک پر آنے کا رسک لے سکتا ہے چنانچہ اسی طرح کے چند اور گھسے پٹے بہانے بنا کر اس نے زوبیہ سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کرلیا۔ زوبیہ کو بُری طرح شاک لگا کیونکہ ہر لڑکی کی طرح اسے بھی یہی خوش فہمی لاحق ہوچکی تھی کہ یہ لڑکا اس پر جان چھڑکتا ہے اور اس کو چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا پر اس کا ہر اندازہ غلط ثابت ہوا۔

کئی راتوں تک جاگ کر وہ روتی رہی کیونکہ اس جیسی حساس اور سیدھی سادی لڑکی کے لیے یہ بات کسی عظیم صدمہ سے کم نہیں تھی کہ اس نے ایک مخلص مرد کو ہمیشہ کے لیے کھودیا ہے اسے لگتا تھا کہ وہ ریحان کو کبھی بھول نہیں پائے گی۔ اس کی دلچسپی ہر چیز میں ختم ہوگئی تھی' کھانا پینا برائے نام رہ گیا تھا' گھر میں اس کا دھیان رکھنے والا تھا ہی کون جو اس کی اجڑی کیفیت کا نوٹس لے کر اس کی فکر میں ہلکان ہوتا۔ بھابیوں کے ذمہ ان کے بچوں اور شوہروں کی ذمہ داریاں بہت تھیں' بھائیوں کے ساتھ بھی اس کا تعلق سرسری ہی تھا اور شادیوں کے بعد ویسے بھی بھائی اپنی بیوی بچوں کے ہی ہو کر رہ گئے تھے سو زوبیہ اندر ہی اندر گھٹتی رہی۔ وہ اتنی زرد و رنجور ہوگئی تھی کہ کبھی کبھی دل کرتا خود کو ہی ختم کرلے پر یہ سوچ کر کہ اس کے مرنے سے کسی اور کو تو کیا فرق پڑے گا ہاں اس کی عاقبت ضرور برباد ہوجائے گی سو دل پر پتھر رکھ کر خود کو اس ارادے سے باز رکھتی۔

اس دن بھی اس کا دل اپنے غم اور تنہائی کے احساس سے اتنا بوجھل ہوا کہ وہ وقت اور گھر والوں کی پروا کیے بغیر میکانکی انداز میں گھر سے نکلی تھی۔ بڑے بھیا نے گھر آنے کے بعد بھی اسے کافی لتاڑا تھا کیونکہ بھابی نے ان کے استفسار پر بتادیا تھا کہ انہیں کچھ نہیں پتا کہ وہ کس ٹائم باہر گئی کیونکہ اس نے کسی سے پوچھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔ بڑے بھیا کی ڈانٹ اور باز پرس کے جواب میں اس نے زار و قطار رونا شروع کردیا اور انہیں کافی دیر تک صفائیاں پیش کرتی رہی تھی کہ اسے امی ابو کی یاد نے اتنا بے اختیار کردیا تھا کہ وہ سوچے سمجھے بغیر ہی گھر سے نکل گئی تھی'

اسے اس طرح روتے دیکھ کر بڑے بھیا کو تھوڑا تاسف بھی ہوا۔ وہ کافی دیر تک اس کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔

❁......✿......❁
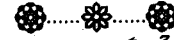
ایمن کا بہت اچھی جگہ رشتہ طے ہوا تھا اور وہ خوشی سے اٹھلاتی کھلکھلاتی سب سے پہلے یہ خوش خبری سنانے زوبیہ کے پاس آئی تھی۔

''اُف زوبی میں بہت خوش ہوں' آصف میرے اندازوں سے بھی بڑھ کر ہینڈسم اور کھاتے پیتے گھرانے سے ہیں۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ کوئی افسانوی ہیرو قسم کا بندہ میری زندگی میں آ گیا ہے۔'' خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ ایمن پورے کمرے میں گھومتے ہوئے زوبیہ کے ساتھ اپنے احساسات شیئر کر رہی تھی' شادی بھی جلدی ہی ہو رہی تھی اس کی۔ زوبیہ نے پورے خلوص سے اسے مبارک باد دی۔

''اور سنو...... تمہیں میری شادی سے کم از کم ایک ہفتہ پہلے میرے گھر آنا ہوگا۔'' تنبیہی انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے ایمن نے اسے وارن کیا۔

''ایک ہفتہ پہلے......'' زوبیہ گھبرائی۔

''تمہیں تو پتا ہے ایمن مجھے ہنگاموں سے گھبراہٹ ہوتی ہے اور اتنا دل بھی نہیں لگتا کہیں۔'' بات کرتے ہوئے زوبیہ کی آواز بھرا گئی تو ایمن کو بے حد کوفت ہوئی' اس وقت وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھی اور اسے ایک ''سامع'' کی ضرورت تھی جو اس کے ہونے والے شوہر کی وجاہت اور سسرال والوں کی امارت کے قصیدے رشک بھرے انداز میں سنتا مگر یہ زوبیہ بھی ناں۔ دانت پیستے ہوئے اس نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا مگر اپنی بے زاری پر قابو نہ رکھ سکی۔

''او پلیز زوبی...... اب پھر سے شروع مت ہو جانا' میں اس وقت تمہاری ناکام محبت کی کتھا سننے کے موڈ میں بالکل بھی نہیں ہوں۔'' اس نے زوبیہ کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تو اس نے شاکی نظروں سے اپنی واحد سہیلی کی طرف دیکھا۔

''یار کب تک اس فراڈیئے کو روتی رہو گی دفع کرو بھاڑ میں گیا کمینہ۔'' وہ دانت کچکچا کر بولی۔

''آگے کا سوچو بدھو آگے کا' ویسے بھی تمہاری بڑی بھابی آج کل بڑی شدومد سے تمہارے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں۔'' اپنا غصہ اور کوفت زوبیہ کا سکون غارت کرنے کی کوشش کر کے اس نے نکالا اور اس میں کامیاب بھی رہی' اس کی باتوں کو بے دلی سے سنتی زوبیہ نے یکلخت گھبرا کر اسے دیکھا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''تمہاری بھابی میری امی کو بتا رہی تھیں کہ تمہارے بھائی آج کل کافی فکر مند ہیں تمہارے رشتہ کے لیے اور انہوں نے بھابیوں کو جلد سے جلد تمہارے لیے کوئی اچھا سا رشتہ دیکھنے کی ہدایت کی ہے۔'' دھک دھک کرتے دل کے ساتھ ایمن کی بات سنتی زوبیہ کی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

''یار تم کیا چیز ہو؟'' اس کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں دیکھ کر ایمن کو ایک بار پھر غصہ آیا۔

''بھول کیوں نہیں جاتی تم اس خبیث انسان کو۔'' غصہ سے دانت پیستے ہوئے وہ ایک بار پھر زوبیہ کی کلاس لینا شروع کر چکی تھی' پہلے ہی اپنی بات ادھوری رہ جانے پر کافی کوفت زدہ ہو رہی تھی۔

''اس کم بخت کو تمہارا نام تک یاد نہیں ہوگا' نئے جہان دریافت کرنے نکل پڑا ہوگا' ہوسکتا ہے تمہارے بعد اور بھی کئی لڑکیوں کو رخصت کر چکا ہو اور تم بے وقوفوں کی ملکہ ابھی تک اس کے لیے آنسو بہا رہی ہو' تھا کیا وہ ایک عام سا سطحی مرد' جس نے اپنا وقت رنگین کرنے کے لیے تمہیں ذریعہ بنایا۔ دیکھو زوبی...... ہر لڑکا لڑکی شادی سے پہلے چھوٹے موٹے چکر چلاتے رہتے ہیں' محض ٹائم پاس کرنے کے لیے۔ پر کوئی خود کو تمہاری طرح خوار نہیں کرتا۔'' ایمن کی آواز دھیمی ہوئی تھی۔

''اب یہ ہی دیکھ لو مجھے اتنا اچھا سسرال مل گیا' ایک

بہترین جیون ساتھی ملا' کل میری شادی ہوجائے گی اور میں اپنے شوہر کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزاروں گی۔ میں اپنے ماضی کا ایک ایک لمحہ بھی بھلا کر اپنی نئی زندگی کا آغاز کروں گی' ایک آئیڈیل زندگی ایک بہترین انسان کے ہمراہ میرا انتظار کررہی ہے۔ میری خوش گوار ازدواجی زندگی دیکھ کر کون یہ بات سوچ سکے گا کہ ماضی میں' میں کیا کرتی رہی ہوں۔'' زوبیہ کے احساسات سے بے خبر مطمئن ومسرور لہجے میں آنکھ مار کر کہتی ہوئی ایمن زوبیہ کو بے حد سطحی اور خودغرض لگی تھی' دل ہی دل میں اسے ایمن پر رشک بھی آیا تھا جو ایسی بے ایمان فطرت کے باوجود بھی ایک بہترین انسان کی سنگت میں اپنی زندگی گزارنے جارہی تھی اور خود وہ۔

''یہ دنیا واقعی ایمن جیسے لوگوں کی ہے' میرے جیسی لڑکیوں کو تو جینے کا بھی کوئی حق نہیں ہونا چاہیے۔ جنہیں زندگی گزارنے اور لوگوں کو برتنے کا ڈھنگ ہی نہ آتا ہو' جو خوامخواہ ہی خالص دل اور جذبات لے کر پھرتی ہیں اور ریحان جیسے نفس پرستوں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتی ہیں جن کی قسمت میں صرف اور صرف دکھ اور تنہائیاں ہی لکھی ہوتی ہیں۔ کاش میں بھی ایمن جیسی ہوتی تو میں دیکھتی کون مجھے یوں دوستی یا محبت کے نام پر بے وقوف بناتا۔'' انتہائی آزردگی سے سوچتی ہوئی زوبیہ گویا آج خوداذیت کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی تبھی ایمن کی حرکتوں کی وجہ سے اس سے شاکی رہنے کے باوجود وہ اس جیسی ہونے کی خواہش کر بیٹھی تھی۔

❁......❁......❁

''کیا ہورہا جناب؟'' اپنی شادی کی البم کھولے تصویریں دیکھتی ایمن آصف کی آواز پر چونک کر سیدھی ہوئی جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''کچھ خاص نہیں' تصویریں دیکھ رہی تھی شادی کی' دیکھیں تو کتنا اچھا لگ رہا ہے ہم دونوں کا کپل۔'' خوش دلی سے اس کی بات کا جواب دیتی ایمن نے ساتھ ہی البم بھی اس کے آگے کردی۔

''ہوں بھئی دیکھیں ہم بھی۔'' بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے آصف نے البم اپنی طرف کھسکایا اور ایک کے بعد ایک تصویر پلٹنے لگا۔

ایمن کی شادی کو دو ماہ ہوچکے تھے' شروع کے تین ہفتے تو اس نے خوشیوں کے پنڈولے میں جھولتے ہوئے اور اپنی قسمت پر نازاں ہوتے ہوئے گزارے پر پچھلے ایک ماہ سے وہ نوٹ کررہی تھی کہ آصف بہت مصروف رہنے لگا تھا۔ گھر بھی بہت دیر سے آتا اور کھانا تو اکثر باہر ہی کھا کے آتا' گھر پر اگر موجود بھی ہوتا تو زیادہ تر اپنے فون پر ہی مصروف رہتا یا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ جاتا۔ ایمن نے ایک دوبار گلہ بھی کیا تو اسے یہ کہہ کر بہلا دیا تھا کہ شادی کی چھٹیوں کے باعث کام کا لوڈ بہت بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے اسے آفس میں زیادہ دیر تک رکنا پڑتا ہے مگر وہ اتوار کو بھی گھر پر کم ہی ٹکتا۔ دوپہر بارہ بجے تک ایک بھرپور نیند لینے کے بعد وہ ایمن کے ہاتھ کا صرف ناشتا ہی کرتا اور پھر بن ٹھن کر گھر سے نکلتا تو رات گئے ہی اس کی واپسی ہوتی۔

ایمن اگرچہ اس کے رویے سے بُری طرح جھنجھلانے لگی تھی مگر شادی کے ابتدائی مہینوں میں ہی شکایات کا دفتر کھول کر وہ اپنے شوہر کا دل برا نہیں کرنا چاہتی تھی' وہ بھی اس صورت میں جبکہ آصف نے شادی کے شروع دنوں میں ہی اسے بڑے پیار اور سے یہ بات سمجھادی تھی کہ اسے شوہر سے ان کے شب وروز کے سلسلے میں باز پرس کرنے والی عورتیں بالکل بھی اچھی نہیں لگتیں۔ ایمن کو اس کی بات بہت عجیب اور کافی بُری بھی لگی تھی پر اس نے اپنی ناگواری آصف پر ظاہر کرنے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی پھر اس کے خیال میں یہ کوئی ایسی سنگین صورت حال بھی فی الحال نہ بنی تھی کہ وہ تشویش کا شکار ہوکر آصف سے بدگمان ہوکر بیٹھ جاتی' وہ جتنی دیر بھی گھر پر ہوتا ایمن کو بھرپور توجہ دیتا اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا اور کبھی کبھار اگر خوش قسمتی سے گھر جلدی آجاتا تو اسے باہر گھمانے بھی لے جاتا۔ اچھا سا ڈنر اور ڈھیر ساری شاپنگ کرواتا' یہ الگ بات ہے کہ تب بھی وہ زیادہ تر اپنے فون

کے ساتھ ہی مصروف رہتا۔ لحہ بہ لحہ بجتی میسج کی ٹون ایمن کا موڈ آف کردیتی پر کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ اپنی ناگواری کو چھپالیتی۔ اس کی ماں نے اس کو نصیحت کی تھی کہ عورت اگر شادی کے پہلے سال صبر کے ساتھ مرد کے اشاروں پر چلے تو بقیہ ساری زندگی شوہر اس کے اشاروں پر چلتا ہے اور ایمن نے یہ بات گرہ سے باندھ لی تھی۔ ایمن اگرچہ ایک ہوشیار اور تجربہ کار لڑکی تھی، جانتی تھی کہ مرد کن باتوں پر ناگواری محسوس کرتے ہیں اور کن باتوں سے خوش ہوتے ہیں مگر وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ جب تقدیر کا الٹ پھیر شروع ہوتا ہے تو انسان کی ساری معاملہ فہمی دھری کی دھری رہ جاتی ہے اور پھر کچھ لوگوں کو اپنے فاسد اعمال کا بھی تو حساب دینا پڑتا ہے ایک نہ ایک دن۔

"یہ کون ہے؟" آصف کی آواز پر اپنے خیالات کی یلغار سے چونک کر ایمن نے البم کی طرف دیکھا جہاں اس کے ساتھ تصویر میں مہندی کے فنکشن میں سوگوار صورت لیے بیٹھی زوبیہ کے متعلق آصف استفسار کررہا تھا۔

"یہ...... دوست ہے میری، میرے پڑوس میں ہی رہتی ہے۔ اسکول سے کالج تک ساتھ ہی پڑھا ہے ہم نے۔" زوبیہ کے بارے میں آصف کو بتاتے ہوئے اچانک ہی اسے اس کا خیال آیا تھا اور ساتھ میں یہ بھی یاد آگیا تھا کہ اسے زوبیہ کو فون کرکے منگنی کی مبارک باد بھی دینی تھی اور اس کا ردعمل بھی جاننا تھا۔

ایک ہفتہ پہلے زوبیہ کی بھابی نے اسے فون کرکے اس کا رشتہ طے ہونے کی اطلاع دی تھی اور ساتھ میں منگنی پر بھی انوائٹ کرلیا تھا۔ چھوٹی سی تقریب تھی جس میں لڑکے کے چند عزیز واقارب کے سوا زوبیہ کی طرف کے قریبی رشتہ دار مدعو تھے۔ ایمن جا نہیں سکی تھی کیونکہ اس کی ساس کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی جس کی وجہ سے انہیں ہاسپٹلائزڈ ہونا پڑا تھا مگر تقریب میں عدم موجودگی کے باوجود ایمن کو اپنی امی کے ذریعے منگنی کی ساری روداد پتا چل چکی تھی۔ اس کی امی کے بیان کے مطابق بہت

سلجھے ہوئے اور رکھ رکھاؤ والے لوگ تھے زوبیہ کے سسرال والے لڑکا بھی خوش شکل اور کافی نیک فطرت لگ رہا تھا۔

ایمن کو زوبیہ کے احساسات جاننے کی بہت بے چینی اور تجسس تھا مگر اپنی ساس کی تیمارداری اور آصف کے رویے کی پریشانی میں اس کے ذہن سے زوبیہ نکل گئی تھی ابھی اس کی تصویر دیکھ کر ہی اسے اس کا خیال آیا تھا۔

''بہت حسین ہے یار......'' آصف کی آواز پر ایمن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جس کی ستائش بھری نظریں زوبیہ کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں ایمن بری طرح چونکی۔

''سو تو ہے آپ اگلی تصویر دیکھیں مہندی میں میرا ڈریس کتنا پیارا لگ رہا ہے۔'' آصف کا دھیان زوبیہ سے ہٹانے کے لیے ایمن نے تصویر پلٹنی چاہی پر آصف نے اس کا ہاتھ ہلکے سے جھٹک دیا۔

''ایک منٹ یار......اس آفت کو تو دیکھنے دو' تمہیں تو اب ساری زندگی دیکھنا ہے۔'' شرارتی انداز میں کہتے ہوئے آصف نے دوبارہ نظریں البم پر ٹکالیں۔ ایمن کو بے حد عجیب اور برا لگا پر اپنی شروع دن کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے اپنی ناگواری چھپا گئی اور لہجہ کو بشاش بناتے ہوئے بولی۔

''ویسے میری دوست صرف خوب صورت ہی نہیں بلکہ بے وقوفی کی حد تک معصوم بھی ہے۔'' یہ بات کرکے وہ شاید اپنے شوہر کو یہ باور کروانا چاہ رہی تھی کہ وہ کوئی شکی مزاج اور حاسد قسم کی بیوی نہیں ہے جسے شوہر کا دوسری عورتوں کو سراہنا ناگوار گزرتا ہے حالانکہ شروع دن سے جب سے آصف کی مصروفیت بڑھی تھی اور سرگرمیاں مشکوک ہوئی تھیں تب سے ہی ایمن اس کے بارے میں شدید شکوک وشبہات میں مبتلا تھی پھر خاص عورت بننے کے چکر میں ہلکان ہو رہی تھی مگر آصف پر اپنے دلی جذبات اس نے ابھی تک عیاں نہیں ہونے دیئے تھے ابھی بھی زوبیہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے اس نے آصف کی نظر میں اپنے نمبر بڑھانے چاہے تھے مگر آصف کا اگلا جملہ سن کر وہ بری طرح حیران ہوئی۔

''معصوم...... ہونہہ...... مائی فٹ......'' آصف نے اتنے تنفر سے ہنکارا بھرا کہ ایک لمحہ کو ایمن سن رہ گئی۔

''تم لڑکیاں سب کچھ ہوسکتی ہو پر معصوم یا پارسا نہیں' ہاں پارسا بننے کی ایکٹنگ خوب کرتی ہو۔'' استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے وہ اسے بری طرح خوفزدہ کرگیا۔ اس کے اپنے دل میں چور تھا تبھی وہ گھبرائی تھی مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا زوبیہ کے حق میں ایک جملہ بولنا آصف کو یوں کڑوا کرگیا تھا کہ وہ خود اپنی ہی اصلیت دکھانے پر اتر آیا تھا' انتہائی بے دلی اور لرزتے ہاتھوں سے تصویریں والی البم اٹھا کر وہ دراز میں رکھنے لگی۔

''زوبیہ بھی بڑی پارسا بنتی تھی۔'' آصف کی آواز پر بری طرح چونک کر وہ پلٹی۔

''کون زوبیہ؟''

''نیٹ فرینڈ تھی میری۔'' اپنا موبائل اٹھا کر میسجز چیک کرتے ہوئے بے پروائی سے آصف نے جواب دیا تو ایمن کو جہاں یہ لگا کہ آصف کے متعلق اس کے شکوک و شبہات بھیانک حقیقت کا روپ دھارنے والے ہیں وہاں دوسری طرف ''زوبیہ'' کے نام نے اس کے کان کھڑے کردیئے۔

''اچھا کہاں رہتی تھی؟'' سپاٹ لہجے میں سرسری انداز اختیار کرتے ہوئے بظاہر اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے ایمن نے پوچھا حالانکہ اس کا دل اس کے کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ ایک تو زوبیہ کا نام سن کر اور دوسرا آصف کا انکشاف کہ وہ لڑکیوں کے ساتھ تعلقات رکھنے والا مرد تھا۔ اس بات کا اندازہ تو شروع سے ہی اسے ہوگیا تھا مگر دل کی تسلی کے لیے خود کو دھوکا دیتی رہی۔

''یہیں......اسی شہر میں۔ روایتی کہانی کا کردار ایک مظلوم اور بے وقوف لڑکی' جس کے والدین کی ڈیتھ کے بعد بھائیوں کی بے توجہی نے اسے چور رستوں سے پرائے مردوں کی توجہ حاصل کرنے کا رستہ دکھایا۔'' حقارت سے بھرپور لہجے میں کہتے ہوئے آصف نے قہقہہ لگایا تو

ایمن کولگا اس کا وجود برف کی طرح سُن ہوگیا ہے۔

''لگتی تو کافی بدھو ٹائپ تھی پر بڑا زچ کیا اس لڑکی نے مجھے' گوڈے گوڈے میرے عشق میں مبتلا تھی محترمہ پر ملنے پر آمادہ نہ ہوئی' اچھا خاصا ٹائم پاس ہو رہا تھا کہ میڈم کو مجھ سے شادی کا شوق چرا گیا تھا۔ ایسی لڑکیوں سے کوئی شادی کرتا ہے بھلا؟ جو نجانے ایسے ہی کتنے لڑکوں سے محبت کی پینگیں بڑھاتی ہوں گی' چند رومانوی جملوں اور جذباتی مکالموں سے لڑکوں کے آگے ڈھیر ہونے والی لڑکیاں کسی کی عزت بننے کے لائق نہیں ہوتیں۔ ان کو تو صرف بے وقوف بنا کر ان کی وقتی قربت سے ہی فیض اٹھایا جاسکتا ہے میں نے ہمیشہ یہی کیا ہے۔'' بات کے اختتام پر ایمن کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے خباثت سے آنکھ ماری۔ اڑی ہوئی رنگت اور برف بنے وجود کے ساتھ اپنے آئیڈیل شریک حیات کے نیک خیالات سنتی ایمن کو لگا کسی نے اسے آئینہ دکھایا ہو جس میں نظر آتے اپنے مکروہ عکس سے وہ نظر بھی نہ چرا سکی۔

''بس ایک یہ محترمہ عزت مآب زوبیہ صاحبہ ہی تھی جو کسی صورت ملنے پر آمادہ نہ ہوئیں حالانکہ اس پر ہاتھ صاف کرنا زیادہ آسان تھا کیونکہ اس کا کالج میرے آفس کے رستے میں ہی پڑتا تھا' با آسانی اسے پک کرسکتا تھا میں' پر افسوس......'' غصہ اور بے بسی سے مٹھیاں بھینچتا' اپنی ہار کا غم مناتا آصف آخری بات پر ایمن کے بدترین اندیشے کی پوری طرح تصدیق کر گیا' یہ بات تو وہ بھی جانتی تھی کہ آصف کے آفس کے رستے میں ہی ان کا کالج پڑتا ہے اسے شاید اب بھی تھوڑی بہت امید تھی کہ شاید وہ زوبیہ کوئی اور ہوگی اس کی ہم نام' پر اب ہر امید ختم ہوگئی تھی۔ ہر بات کی تصدیق ہوگئی تھی اب تو بس اپنی قسمت اور تقدیر کے انصاف پر رونا ہی رہ گیا تھا تو یہ تھا زوبیہ کا ریحان جس کے لیے وہ اپنے قیمتی آنسو بہاتی تھی۔

''خیر...... زوبیہ بی بی نہیں تو اور کوئی سہی اور نہیں' کوئی اور سہی۔'' شرارت سے گنگناتے ہوئے آصف اٹھا اور تیار ہونے ڈریسنگ روم میں گھس گیا' نجانے آج کس کم فہم اور نادان کی قربت سے فیض اٹھایا جانا تھا۔ اب تک بڑے ضبط سے اس کی بکواس سنتی ایمن وہیں زمین پر ڈھے جانے والے انداز میں بیٹھ گئی اور کسی لٹے پٹے مسافر کی طرح دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا تھا۔

زوبیہ کو ہمیشہ الٹی پٹیاں پڑھانے اور ڈی گریڈ کرنے والی معاملہ فہم ایمن کو لگا آج وہ بالکل تہی دامن رہ گئی ہے اور زوبیہ اسے یقیناً اپنی معصومیت اور اندر کی اچھائی کا انعام ایک نیک فطرت اور بلند کردار انسان کی صورت میں مل گیا ہوگا کیونکہ یہی قانونِ قدرت ہے ہر انسان کو اپنے برے بھلے عمل کا خمیازہ ایک نہ ایک دن بھگتنا تو پڑتا ہی ہے۔

''اپنا وقت رنگین کرنے کے لیے میرے بہت سے لڑکوں سے بے ضرر سے افیئر تھے پر میں نے کبھی ان کو سیریس نہیں لیا۔''

''اب دیکھو...... مجھے اتنا اچھا جیون ساتھی مل گیا' کل کو میری شادی ہوجائے گی اور میں اپنے شوہر کے ہمراہ ایک مکمل زندگی گزاروں گی...... ایک بہترین انسان کے ہمراہ ایک حسین اور مکمل زندگی میرا انتظار کر رہی ہے۔'' زوبیہ سے کہے ہوئے اس کے اپنے ہی الفاظ بازگشت بن کر ہر طرف چکراتے ہوئے اس کا منہ چڑا رہے تھے اور اس ذیت ناک بازگشت سے بچنے کے لیے اس کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں رہی تھی۔

کیونکہ...... بے ضرر دل پشوریوں کا انجام بہر حال بے ضرر ہرگز نہیں ہوتا۔

بنا بٹنوں کے فون

بشریٰ تنویر

نفیس سی ساڑھی میں باوقار انداز میں تیار کھڑی وہ بظاہر تو اپنے تینوں بچوں کو کھڑکی سے باہر کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی لیکن حقیقت میں اس کا دل و دماغ اپنے شوہر مظہر احسان علی کے لیے محو انتظار تھا۔ مزید انتظار کے بعد اس کی سماعتوں سے مظہر کی گمبھیر آواز ٹکرائی۔

''شادی کی سالگرہ مبارک ہو' مسز شازیہ مظہر احسان علی۔'' وہ فوراً پلٹی اور بے اختیار مسکرائی۔

''آپ کو بھی مبارک ہو۔''

''خیر مبارک' یہ رہا تمہارا تحفہ۔'' قریب رکھے سائیڈ ٹیبل سے ایک پیک شدہ ڈبہ اٹھا کر اس نے اسے تھامایا۔

''شکریہ۔'' شرمیلی مسکان لبوں پہ سجائے اس نے بہت احتیاط سے پیکنگ ہٹا کر ڈبہ کھولا سامنے ہی چمکتی اسکرین والا ٹچ موبائل رکھا تھا' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حال کی کوئی چیز ماضی یاد دلا دیتی ہے اس کے ساتھ بھی یہی ہوا' موبائل دیکھ کر اسے بہت کچھ یاد آ گیا۔ جب پہلی بار وہ اپنے سسر احسان علی اور ٹچ اسکرین والے موبائل سے واقف ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کی خوشنما آنکھوں کے آگے بیتے دنوں کی داستان فلم کی صورت گزرنے لگی۔

☆......☆......☆......☆

گلابی دیواروں اور گلابی گیٹ والا وہ گھر پورے محلے میں بہت ممتاز تھا۔ اس کی ایک وجہ تو اس کا گلابی رنگ تھا اور دوسری وجہ اس گھر کی مقیم دو پوتیوں کی دادی ''اختر بیگم'' تھیں۔ اختر بیگم یعنی دادی ماں پورے محلے کی دادی تھیں۔ بچوں سمیت بڑے بھی انہیں دادی ماں کہتے تھے۔ دادی ماں ویسے تو بہت ہنس مکھ خوش مزاج خاتون تھیں لیکن اگر کوئی بات ان کی طبیعت کے برعکس ہوتی تو پھر غصے سے نتھنوں کو پھولائے اپنی مخصوص پاٹ دار آواز میں بڑوں بڑوں کا دل سہما دیتی تھیں۔ شوہر' بیٹا اور بہو عرصہ ہوا اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے بس دو پوتیاں شازیہ اور فائزہ ہی ان کی کل کائنات تھیں۔ دونوں کی ہر خواہش فرض سمجھ کر پورا کرتیں سوائے گیٹ اور دیواروں کا گلابی رنگ بدلنے کے۔ شازیہ اکثر بیزار سے لہجے میں ان سے کہتی تھی۔

''دادی ماں...... پلیز یہ گھر کی دیواروں کا رنگ بدل دیں۔ سچ یہ گھر کم اور سرکاری اسکول زیادہ لگتا ہے۔''

''ایسے کیسے بدل دوں' اللہ بخشے تمہارے دادا جی کا یہ پسندیدہ رنگ تھا۔'' جواباً وہ لہجے میں انتہا درجے کا پیار سمو کر یہ سچ بیان کرتیں جو سچ تو تھا لیکن ادھورا۔ درحقیقت شادی کے نئے نئے دنوں میں ایک روز دادی ماں نے گلابی جارجٹ کا سوٹ پہنا اور دادا جی نے زندگی میں پہلی اور آخری بار دادی ماں کی تعریف کردی تھی۔ پھر وہ دن اور آج کا دن' دادی ماں نے اس رنگ میں اپنی زندگی یوں رنگی کہ اب ان کی ہر چیز میں کہیں نہ کہیں اس رنگ کی جھلک پائی جاتی تھی۔ ابھی بھی وہ سبز رنگ کے کپڑوں پر گلابی دوپٹہ اوڑھے صحن میں بچھے تخت پر بیٹھی شازیہ سے مخاطب تھیں۔

''شازی پتر...... احسان علی بہت بڑے گھر کا لڑکا ہے' یہاں کسی کام کی وجہ سے آ رہا ہے تو کچھ دن ہمارے ہاں قیام کرے گا' تم اس کے لیے کمرہ تیار کردو۔ ہمارا مہمان ہے کوئی کمی نہ رہے اس کی مہمان نوازی میں۔ اللہ بخشے تمہارے دادا جی کہتے تھے......''

اور ہمیشہ کی طرح دادی ماں آج بھی بات کے اختتام تک دادا جی کا کوئی سنہری قول دہرانے لگیں۔ دادا جی کا ذکر وہ اتنی مگن ہو کر رہی تھیں کہ انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ جس سے وہ مخاطب ہیں وہ تو کب کی وہاں سے کھسک چکی ہے۔

''ہائے اللہ آپی...... اور کتنا تیار ہوں گی' وہ یہاں رہنے کے لیے آرہے ہیں' تمہاری بارات لے کر نہیں۔'' ہلکے نیلے رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس' آنکھوں میں بھر بھر کاجل لگائے' ہونٹوں پہ ہلکی لپ اسٹک اور بالوں میں بڑے شیشوں والا پراندا ڈالے وہ فائزہ کو کوفت میں مبتلا کرگئی۔

''پاگل لڑکی ایسے ہی موقعے ہوتے ہیں جب فلموں میں ہیرو ہیروئن پہ فدا ہوجاتا ہے' دیکھنا وہ بھی مجھ پہ لمحوں میں فدا ہوگا۔'' دوپٹہ شانوں پر درست کرتے ہوئے' اس نے آنے والے وقت کا سوچ کر مزہ لینے والے انداز میں کہا۔

''آپی وہ سب فلموں میں ہی ہوتا ہے۔'' فائزہ کا انداز ناصحانہ تھا۔

''میری جان...... فلمیں بھی حقیقت سے ہی جنم لیتیں ہیں۔'' وہ اب گھوم پھیر کر آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی۔

''اور اگر دادی ماں کو پتا لگ گیا تو......؟'' فائزہ نے ڈرانا چاہا مگر دوسری طرف پروا کسے تھی۔

''کیسے پتا لگے گا' وہ شام سے پہلے نہیں آئیں گی جب تک میں احسان صاحب کو موم کرچکی ہوں گی۔'' وہ گویا ہر پہلو پر غور کرچکی تھی۔ آج احسان علی کو آنا تھا اور آج ہی محلے کی جمیلہ آنٹی کے داماد کا انتقال بھی ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے دادی ماں دونوں کو ہزار تاکیدیں کرکے گھر سے چلی گئیں اور شازیہ صاحبہ کو لگا قدرت نے اسے ایک بہترین موقع دیا ہے تاکہ وہ سج سنور کر' پہلی ہی نظر میں احسان علی کو اپنا گرویدہ کرلے۔ فائزہ کے مزید کچھ بولنے سے پہلے ہی گیٹ پر لگی گھنٹی بج اٹھی۔

''لگتا ہے وہ آگیا ہے' تم یہیں ٹھہرو میں جا کر گیٹ کھولتی ہوں۔'' فائزہ سے کہتی' وہ گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ گیٹ کے پاس پہنچ کر اس نے ایک گہرا سانس لے کر خود کو پُراعتماد کیا اور اِدھر اُدھر ایک احتیاطی نگاہ ڈال کر اس نے گیٹ کھول دیا۔ لپ اسٹک لگے ہونٹوں پر ایک دل فریب مسکراہٹ تھی۔ ایک خاص ادا سے گیٹ کھول کر جیسے ہی اس نے آنے والے شخص کو دیکھا' لمحوں میں مسکراہٹ غائب ہوئی اور بے اختیار شانوں پر پڑا دوپٹہ سر پر جمایا۔ سامنے اس کے باپ کی عمر کا ایک معمر شخص کھڑا تھا۔ آنکھوں پہ نفیس سی فریم والی عینک اور بالوں سے جھانکتی سفیدی اس شخص کی وجاہت میں مزید اضافہ کررہی تھی۔

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' لہجہ خودبخود مؤدبانہ ہوگیا تھا۔

''بیٹا میں احسان علی ہوں' اختر خالہ سے ملنے آیا ہوں۔'' مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے اپنا تعارف کروایا جو شازیہ کے خوابوں کے محل پر بم کی طرح پھٹا اور چٹکیوں میں اس محل کو زمین بوس کرگیا۔ حیرت وغم کی ملی جلی کیفیت میں وہ بے ساختہ چیخی۔

''جی...... ای...... ای......''

''کیا ہوا بٹیا' کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟'' اس کے ایسے شدید ردعمل پر وہ بھی گھبرا گئے تھے۔

''نن...... نن...... نہیں...... کچھ نہیں...... کچھ نہیں ہوا...... آپ اندر آیئے ناں' باہر کیوں کھڑے ہیں انکل......'' خود پر قابو پا کر اس نے بمشکل لفظ انکل ادا کیا۔ ان کے اندر آنے کے بعد جب وہ گیٹ بند کر کے پلٹی تو کمرے کی کھڑکی میں کھڑی' مسکراہٹ ضبط کرتی فائزہ کو دیکھ کر وہ شرمندگی سے روہانسی ہوگئی۔

☆......☆......☆......☆

''آپی...... تمہارے انکل کے پاس میں نے آج بہت عجیب چیز دیکھی ہے۔'' حسب عادت وہ اونچا بولتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ تمہارے انکل پہ خاصا زور دیا گیا جس پہ شازیہ بری طرح چڑی۔ اسی لیے غصے سے بولی۔

''دفع ہو جاؤ مجھے کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں۔''

''ارے غصہ کیوں کر رہی ہو؟ تم وہ چیز دیکھو گی ناتو خود بھی حیران رہ جاؤ گی۔'' فائزہ قدرے اشتیاق سے بولی۔

''ایسا کون سا کوہ نور ہے ان کے پاس۔'' بظاہر تو لہجہ بے زار ہی تھا لیکن دل میں تو اس کے بھی تجسس پیدا ہو گیا تھا۔ فائزہ اس کے انداز سے بے پروا خود میں ہی مگن سی کہنے لگی۔

''کوہ نور سے کم بھی نہیں ہے۔''

''اچھا کیا نام ہے اس کا؟'' لہجہ ہنوز تھا۔

''تم میرے ساتھ چل کر خود دیکھ لو۔ انکل کے کمرے میں ہی رکھا ہے۔'' کہتے ہی اس نے شازیہ کو بازو سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا۔

''لیکن وہاں وہ ہوں گے۔'' احسان علی کو انکل کہتے ہوئے وہ ہچکچا سی جاتی تھی۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں' تم میرے ساتھ آؤ انکل عشاء کی نماز کے لیے مسجد گئے ہیں اور دادی ماں کوئی وظیفہ کر رہی ہیں۔'' فائزہ ہر طرف سے مطمئن تھی۔

اس کے اتنے اطمینان نے شازیہ کو بھی مطمئن کر دیا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھک کے ساتھ والے کمرے میں داخل ہوگئی جہاں آج کل احسان علی کا قیام تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی فائزہ نے لائٹ جلائی اور تیز قدموں سے لکڑی کے سنگل پلنگ کے دائیں جانب رکھی تپائی کی طرف بڑھ گئی جسے سائیڈ ٹیبل کے طور پر استعمال ہونے کا شرف حاصل تھا۔

''آپی ادھر آؤ اور یہ دیکھو۔'' فائزہ آہستہ آواز میں اسے اپنے پاس بلا رہی تھی۔

''ہائے یہ کیا چیز ہے فائزہ۔'' پاس پہنچ کر وہ اس چیز کو دیکھتے ہی چلائی۔

''اف ہو آپی آہستہ بولو۔'' فائزہ دانت پیس کر بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' موقع کی مناسبت سے اس نے بنا کوئی بحث کیے اس کی بات مان لی۔

''لیکن یہ تو بتاؤ' یہ چیز ہے کیا؟''

''فون ہے۔'' اس کے جواب پر وہ اپنی جگہ سے اچھل گئی لیکن بولتے ہوئے آواز دھیمی ہی رکھی۔

''یہ کیسا فون ہے جس کا کوئی بٹن ہی نہیں۔''

''یہی تو خاص بات ہے یہ بنا بٹنوں کے فون ہے۔'' فائزہ کا انداز ایسا تھا جیسے یہ فون اسی کی ایجاد ہو۔

''چلو اسے کھول کر دیکھتے ہیں۔'' تجسس مزید بڑھا' شازیہ اب وہ فون تھام چکی تھی۔

''اس سائیڈ والے بٹن سے آن ہوتا ہے۔'' بتانے کے ساتھ ہی اس نے بٹن دبا کے فون آن کر دیا۔ چھم سے پانچ انچ کی اسکرین پہ پہاڑ سے گرتے آبشار کا وال پیپر اس کی نگاہوں سے ٹکرا کر اسے مسحور کر گیا۔

''فائزہ...... کتنی پیاری تصویر ہے۔'' مسحور سا توصیفانہ لہجہ تھا۔

''تصویر کی تعریف بعد میں کر لینا' ابھی تو جلدی سے یہاں چیک کرو۔'' طنزیہ انداز میں بولتے ہوئے

اس نے دور سے ہی گیلری کی طرف اشارہ کیا۔
"ایسے کیسے ٹچ کردوں اگر کرنٹ لگ گیا تو......"
وہ فوراً بدکی۔
"کرنٹ کیسے لگ سکتا ہے' آخر انکل بھی تو استعمال کرتے ہیں۔" وہ خوب بدمزہ ہوئی۔
"تو تم خود کردو ناں۔" وہ چمک کر پکی عمر کی عورتوں کے انداز میں بولی۔
"مم......مم...... میں کیسے؟" اس کی آواز میں بھی کچھ خوف تھا۔
"تم بڑی ہو'تم کرو۔"
"خوب' میں بڑی ہوں تو میں کروں' بھلے اس بڑا پن جتانے میں میری جان ہی چلی جائے؟"
"آپی میرا یہ مطلب نہیں تھا' بس......" اس کے تمسخرانہ جملے نے اسے گڑبڑا دیا لیکن جلد ہی وہ اپنی گڑبڑاہٹ پر قابو پا کر پینترا بدل چکی تھی۔
"تو یہ کتنی بزدل ہو تم آپی' حالانکہ ہر وقت مجھ پر رعب جماتی رہتی ہو۔"
"تم سے بڑی بھی تو پورے تین سال ہوں۔"
ترنت جواب آیا۔
"پر بہادر ذرا بھی نہیں ہو۔" کمال چالاکی سے وہ اسے اصل موضوع کی طرف لائی۔
"بالکل غلط' میں بہت بہادر ہوں' میں تو......"
"اگر بہادر ہو تو پھر اس جگہ ٹچ کرو۔" اس کی بات کاٹ کر' فائزہ نے اسے واضح طور پر چیلنج کیا اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جب کوئی کام ہمارے سامنے ایک چیلنج کی صورت پیش کیا جائے تو پھر وہ خواہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو' ہم کر گزرتے ہیں جب کہ یہاں تو صرف موبائل کی اسکرین کو ٹچ کرنا تھا۔ تھوڑی سوچ بچار کے بعد اس نے ہمت کر کے ٹچ کردیا اور خوشی سے یوں پھولی جیسے اس کی کوششوں سے کشمیری آزاد ہو گئے ہوں اور پھر دونوں ہی پوری طرح اس فون کو سمجھنے میں مگن ہو گئیں۔ یہ تھی وہ پہلی بات جب شازیہ اور فائزہ بنا بٹنوں والے فون سے واقف ہوئیں تھیں۔

☆......☆......☆......☆

"کیا ہوا کہاں کھو گئی تم؟" مظہر کی آواز پہ وہ حال کی دنیا میں لوٹی۔ موبائل کا ڈبہ ہنوز اس کے ہاتھوں میں تھا اور وہ ماضی کے گلابی دیواروں والے گھر سے سفید دیواروں والے بنگلے تک کا سفر طے کر چکی تھی۔ حال سے ماضی کا یہ سفر بہت خوش گوار تھا۔
"شازیہ...... کہاں گم ہو؟" مظہر کی اس مدھم پکار پر وہ پوری طرح چونکی۔
"یہی ہوں' مجھے بھلا کہاں گم ہونا ہے۔" مسکراتے لہجے میں اس نے مزید کہا۔
"آپ کچھ کہہ رہے تھے۔"
"ہاں میں کہہ رہا تھا یہ عثمان (بیٹا) کتنا شرارتی ہو گیا ہے ناں۔" اس نے بہت پیار سے بیٹے کا ذکر کیا۔
"بیٹا جو آپ کا ہے۔" اس کا انداز شوخ تھا۔ جواباً وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا' اس کے ہنستے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے' اس نے دل میں خود سے کہا۔
"نوعمری کی عمر بھی زندگی کا ایک خوب صورت حصہ ہوتی ہے جب انسان خود ہی سپنوں کے محل تعمیر کرتا ہے پھر خود ہی وقت گزرنے کے بعد ان پر ہنستا ہے' جیسے آج میں ہنس رہی ہوں۔" دل ہی دل میں اس نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور پھر سب سوچوں کو جھٹکتی اپنے گلشن کے پھولوں کو تکنے لگی۔

❁

السلام علیکم!

آج بھی آپ کی خدمت میں ہم اپنی نانی کے ٹوٹکے اور مشورے لے کر آئے ہیں، پچھلے ٹوٹکے آپ نے پسند کیے اس کے لیے بہت بہت شکریہ۔ آئیے چلتے ہیں پہلے ٹوٹکے کی طرف۔

آج کل بہت گرمی ہے اور گرمی میں پیاس بھی بہت لگتی ہے تو پیاس بجھانے کے لیے پہلے تو آپ ٹھنڈا پانی پی لیں، پی لیا...... کیا پیاس نہیں بجھی اچھا تو اب آپ ایسا کریں کہ تخم لنگاہ کے بیج لے لیں جسے بہت سے لوگ (تک ملنگاہ) بھی کہتے ہیں جو سراسر غلط الفاظ ہے۔ تخم لنگاہ کو بھگو دیں جب یہ پھول جائے تو اس کو جگ میں ڈالیں، برف ڈالیں تھوڑا سا دودھ، چینی ڈال کر مکس کریں اور اپنے بھائی کو پلادیں، بے چارہ تھکا ہارا کرکٹ کھیل کر آیا ہے۔ آپ پھر سے ٹھنڈا پانی پئیں اور بھائی کی دعائیں لیں۔

اکثر چاولوں میں سرسریاں ہو جاتی ہیں اگر آپ نے بھی مہینوں سے چاول اسٹاک کر رکھے ہیں تو اسے کسی غریب کو دے دیں، نہیں تو اس میں سے سرسریاں تو نکلیں گی، نہیں تو پکاتے وقت چاول شمشو کرلیں۔ اب یہ شمشو کوئی محلے کا چوکیدار نہیں بلکہ چاول صاف کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ چاول میں پانی ڈالیں یا پانی میں چاول، آپ چاول ہلاتے ہوئے پانی گراتے جائیں، اس کے لیے بہت مشق کی ضرورت ہے دس سے بارہ مرتبہ کرتے کرتے آپ سیکھ جائیں گے۔ شمشو کرنا بھی اور آپ کے سلیقے کی دھوم مچ جائیں گی، آزمائش شرط ہے ہم نے بھی بہت شمشو کیے ہیں۔ چاول دس سیر میں سے پانچ سیر گرائے ہیں تب جاکر اچھا شمشو کرنا آیا ہے، ہمیں ماشاءاللہ۔

اکثر دال چاول بناتے وقت چاول تو پک جاتے ہیں پر دال نہیں گلتی، اب اس میں دال کا قصور ہے یا کھارے پانی کا، آپ دال گلانے کے لیے دال میں تھوڑا سا آئل ڈال دیں، اس سے دال ابل کر گرے گی بھی نہیں اور اچھی طرح گل بھی جائے گی۔ اب بھی نہ گلے تو اس میں چھ گلاس پانی ڈالیں اور ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ چھوٹے بھائی کو دوڑائیں ہوٹل سے مزیدار کڑاہی منگائیں، چاول پر ڈال کر مزے لے لے کر کھائیں، اللہ اللہ خیر صلا، شام تک دال تیار ہو جائے گی اور پھر چھوٹی بڑی پھوپو کو فون کر کے بلائیں کہ ان کی بہت یاد آرہی ہے۔ شام کو دال کے ساتھ پاپڑ اور اچار کا ڈنر ریڈی کرلیں ساتھ پودینہ کی چٹنی کیا زبردست ٹوٹکہ بتایا ہے، فہمیدہ غوری شاباش، واہ واہ، بہت اعلیٰ۔

اب آتے ہیں ایک اور ٹوٹکے کی طرف، دھوپ میں نکلنے سے رنگت جھلس جاتی ہے اور رنگ کالا ہو جاتا ہے اس کے لیے سب سے بہترین ٹوٹکہ ہے کہ آپ گرمی میں دھوپ میں باہر ہی نہ جائیں اگر زیادہ ہی ضروری ہے تو فیئر اینڈ لولی کریم ساتھ رکھیں اور بار بار لگاتی رہیں، بہترین ہے یا سن بلاک لگائیں یہ بھی نہیں تو پہلے سے کالے بھائی کو پچاس روپے دے کر بھیج دیں، دوپٹہ پیکو کرانے یا قمیص میں اور لاک کرانے، اس سے زیادہ اچھا ٹوٹکا کوئی ہو ہی نہیں سکتا اور اتنی گرمی میں گھر میں بیٹھ کر ساتھیا کی نئی قسط دیکھیں، کوکیلا کی اور نجی بارڈر پر ہری سیل دیکھ کر اس کے بہتے پسینے سے نظر آتی کالی میلی گردن دیکھ کر سر دھنیں اور اس کی ہمت کو سلام کریں۔ مائی نے مئی کی گرمی میں بنارسی ساڑھی باندھ کر نقلی زیور کے ساتھ چہرے پر دو کلو کا میک اپ بھی کیا ہوا ہے، شاباش ہے انڈین عورتوں تمہاری عظمت کو۔ کریلے کی کڑواہٹ کم کرنے کے لیے اکثر خواتین پریشان رہتی ہیں، اب ہم ان سے پوچھتے ہیں اے بی ایسے ہی کڑوے لگتے ہیں تو پکائی کیوں ہو، بھنڈی پکالو نہیں تو توری تو ہے ہی یہ بھی نہیں تو آلو پکالو نہیں جی کریلے ہی پکیں گے، ان کو پسند جو ہیں آج فرمائش کر کے گئے ہیں کریلے کی تو اس کے لیے کریلے کو چھیل کر کاٹ لیں اب ان کو نمک میں مل مل کر دھولیں۔ کڑواہٹ دور ہو جائے گی اگر اب بھی کڑوے رہ گئے تو اس میں تھوڑا سا قیمہ چھڑک دیں، بی بی خالی کریلے کڑوے نہ ہو کر بھی کڑوے ہی لگیں

گے ناں۔ کچن کے نل کو اگر زنگ لگ جائے تو اس میں اپنی اماں سے چھپ کر کولگیٹ ٹوتھ پیسٹ لگا کر ملیں‘ لب تھوڑا پانی ڈال کر دوبارہ ملیں۔ اب دھولیں‘ نل ایک دم چمک جائیں گا اب خالی ٹوتھ پیسٹ کو کہیں چھپادیں‘ ورنہ آپ کی اماں آپ سے منجن کرائیں گی‘ صبح سویرے۔ ویسے تو آم کا سیزن چلا گیا ہے لیکن اب جب آئے گا تو اس کے لیے یہ ٹوٹکہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہے پہلے سے ہوشیاری ضروری ہے۔ آپ کے گھر میں بھی کوئی یہ تو نہیں کہتا ہمارے میاں کی طرح کے بارش نہ ہو تب تک آم نہیں کھانے چاہئیں کیا؟ کہتے ہیں تو اس کے لیے ایک ٹوٹکہ ہے کہ جب بھی لائیں چن چن کر پیلے پیلے خوب رس بھرے جن پر سرخ نشان ہوں میٹھے میٹھے ہوں ان کا رس مزے دار ہو خوشبو بہترین ہو۔ اوہ، ہم تو خیالوں میں آم کے باغ میں پہنچ گئے تو ہم کہہ رہے تھے کہ آم جب بھی لائیں کھانے سے دو گھنٹے پہلے ان کو پانی میں ڈال دیں‘ پانی ٹھنڈا ہونا شرط ہے ورنہ آم پک کر مربہ بن جائیں گے۔ آم ٹھنڈے پانی میں ڈالیں اس طرح آم کی تاثیر ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اب خوب مزے لے کر کھائیں اور ہاں ان حکیم صاحب کو ایک آم نہ دیں‘ جو بارش کا انتظار کر رہے ہیں۔ گرمی میں مچھر بھی بہت ہوتے ہیں جس سے بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ آج کل کے مچھر اتنے چالاک ہیں کہ کیا کوئی محلے کی خالہ ہوگی‘ پہلے کے مچھر کتنے اچھے شریف ہوتے تھے پہلے آتے تھے آپ کے کان میں ایک عدد گانا سناتے تھے پھر اجازت لیتے کہ حضرات‘ ہم کاٹ سکتے ہیں اور بڑے پیار سے کاٹ کر چلے جاتے اور آج کل کے یہ منحوس مچھر بیٹھتے ہی ڈنک مارتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں کسی نئے شکار کی تلاش میں۔ اب ان سے کیسے نجات حاصل کریں اب تو کوئی اسپرے یا کیا ہوتی ہے جنگل جلیبی...... جس کے دھوئیں سے مچھر بھاگ جاتے تھے اب تو ان میں بھی اثر نہیں بلکہ اب تو مچھر کو کچھ نہیں ہوتا بے چارے بچے استھما کا شکار ہو جاتے ہیں تو ان موٹے مچھروں کے لیے آزمودہ ٹوٹکا ہے۔ مغرب کے وقت گھر کی سب کھڑکیاں بند کرلیں اور ایک گھنٹے بعد کھولیں

یہ بدبخت مغرب کے وقت ہی گھر میں داخل ہوتے ہیں بڑے آئے وقت کے پابند یہاں تو سارے میاں جی آفس کی چھٹی کے بعد بھی گھر نہیں آتے نہ جانے کون سی خالہ کے گھر جاتے ہیں جو چھٹی ہی نہیں دیتی اور پھر بہانے ٹریفک جام تھا۔ اب یہ ٹریفک کہاں جام ہوا‘ بے چاری بیویاں کیا جانیں وہ تو میاں کے لیے گرم گرم روٹیاں توئے سے اتارتی ہیں جس کا پیٹ پہلے ہی بھرا ہوتا ہے مگر پھر بھی تین تین روٹیاں کھا جاتے ہیں حضرت...... ہائے بے چاری بیویاں۔ مہندی ہر ایک کو پسند ہوتی ہے لیکن کسی کسی کے ہاتھ پر مہندی کا اچھا کلر آتا ہے‘ اب سنئے مہندی کا اچھا سا کلر لانے کے لیے سب سے پہلے تو مہندی لائیں‘ لے آئیں...... اب اس کو املی ملے پانی میں بھگو دیں‘ بھگونے کے لیے محفوظ جگہ ڈھونڈیں کہیں آپ کی کوئی نند صاحبہ کھٹی مہندی کو چٹنی سمجھ کر چٹ نہ کر جائے‘ ایک بار ہماری منجھلی نند ہلدی ملے دہی کو کڑھی سمجھ کر چاول پر ڈال کر کھا رہی تھی۔ وہ تو ہماری نظر پڑ گئی اور ہمارا نقصان ہونے سے بچ گیا‘ پورا آدھا پاؤ دہی ڈکار رہی تھی محترمہ...... چلیں اب آتے ہیں مہندی کی طرف اب اس مہندی سے ہاتھ پر مچھلی بنائیں یا چٹائی‘ رنگ چوکھا ہی آئے گا۔ اب مہندی لگ گئی تو...... توے پر دو چار لونگ گرم کریں‘ ارے ارے اپنی ناک کی نہیں گرم مصالحے کی لونگیں گرم کر کے مہندی کو دھونی دیں۔ اب ہو گیا کلر پکا‘ اب بھی رنگ نہ آئے تو اس میں قصور ہمارے ٹوٹکے کا نہیں‘ آپ کی ساس محترمہ کا ہے جو آپ سے بالکل محبت نہیں کرتیں۔ کیونکہ سنا ہے مہندی کا رنگ ان کا ہی تیز آتا ہے جن کی ساس ان سے بہت پیار کرتی ہے اب یہ کتنا سچ ہے ہمیں نہیں معلوم ویسے یہ بات میاں جی کے لیے بھی سنی ہے۔ اچھا آپ کے ہاتھ پر نہیں چڑھا رنگ تو آپ خبر لیں‘ اپنی ساس کی یا میاں کی۔ ہمیں اجازت دیں‘ دوبارہ نئے نئے ٹوٹکوں کے ساتھ بہت جلد حاضر ہوں گے‘ رب راکھا۔

❀

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے
یہی کیا کم ہے کہ نسبت مجھے اس خاک سے ہے
خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روا دکھ مجھ سے
وہ رویہ جو ہوا کا خس وخاشاک سے ہے
بزم انجم میں قبا خاک کی پہنی میں نے
اور مری ساری فضیلت اسی پوشاک سے ہے
اتنی روشن ہے تری صبح کہ ہوتا ہے گماں
یہ اجالا تو کسی دیدۂ نمناک سے ہے
ہاتھ تو کاٹ دیے کوزہ گروں کے ہم نے
معجزے کی وہی امید مگر چاک سے ہے

(انکار)

لیکن صنف نازک کی مجبوریوں اور لاچارگی کو نہ بھولی، قلم اس کے لیے بھی چل رہا تھا۔

ایک دفنائی ہوئی آواز
پھولوں اور کتابوں سے آراستہ گھر ہے
تن کی ہر آسائش دینے والا ساتھی
آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا بچہ
لیکن اس آسائش اس ٹھنڈک کے رنگ محل میں
جہاں کہیں جاتی ہوں
بنیادوں میں بے حد گہری چنی ہوئی
اک آواز برابر گریہ کرتی ہے
مجھے نکالو!
مجھے نکالو!

(انکار)

کیا خوب کہا ہے ایسے گماں ہوتا ہے جیسے شاعرہ ہم جنس کی زبان وہم خیال بن گئی ہو۔

اے رنج بھری شام
دہلیز سماعت پہ کسی وعدے کی آہٹ
اترے کہ نہ اترے
اے رنج بھری شام
دکھتے ہوئے دل پر
کوئی آہستہ سے آ کر
اک حرف تسلی تو رکھے پھول کی مانند

(انکار)

زندگی کی تمام حقیقتوں سے روشناس ہونے کے باوجود اک خواہش اور دعا کا تسلسل نہیں ٹوٹا اس کی شاعری کی غذا یہی آس، امید، آرزو، انتظار اور حسرت ہیں۔

جب وہ مشاعرے میں غزل پڑھتی تھی تو انداز بے حد سادہ اور اس کے اندر کی تمام چاشنی اس کی زبان میں گھل جایا کرتی تھی اس کے تجربات ومشاہدات میں وہ زینے کا ایک ایک قدم اٹھانے کے بعد بلندیوں کی طرف گامزن رہی اور سب کو حیران وپریشان کرتی رہی۔

شاعرانہ مزاج

پروین کی شاعری میں امید وآس کے ساتھ محبت اپنی اڑان میں مگن ہے

دھنک دھنک مری پوروں کے خواب کردے گا
وہ لمس میرے بدن کو گلاب کردے گا
ایسے موسم بھی گزارے ہم نے
صبحیں جب اپنی تھیں، شامیں اس کی
وہ روز آکے مجھے اپنا پیار پہنائے
مرا غرور ہے بیلے کی ہار کا موسم

حقیقت کے قریب چند اشعار جنہیں پڑھ کر دوسروں نے محسوس کیا کہ یہ تو اپنا ہی حال دل ہے کیونکہ دوسروں کا حال دل بیان کرنے کا شعور اسے خوب آتا تھا۔

حال پوچھا تھا اس نے ابھی
اور آنسو رواں ہوگئے
ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
ہم نے تو ایک بات کی، اس نے کمال کردیا
لو میں آنکھیں بند کیے لیتی ہوں اب تم رخصت ہو
دل تو جانے کیا کہتا ہے لیکن دل کا کہنا کیا

اے آنکھ اب تو خواب کی دنیا سے لوٹ آ
مژگاں تو کھول، شہر کو سیلاب لے گیا
وہ اپنی ایک ذات میں کل کائنات تھا
دنیا کے ہر فریب سے ملوا دیا مجھے

میری پسندیدہ نظم جس کا میں نے اظہار کیا تو پروین نے بھی اپنی پسندیدگی کا اقرار کیا تھا۔

رات کی رانی کی خوشبو سے کوئی یہ کہہ دے
رات کی رانی کی خوشبو سے کوئی یہ کہہ دے
آج کی شب نہ مرے پاس آئے
آج تسکین مشام جاں کو
دل کے زخموں کی مہک کافی ہے
یہ مہک آج سر شام ہی جاگ اٹھی ہے
اب یہ بھیگی ہوئی بوجھل پلکیں
اور نمناک اداس آنکھیں لیے
رت جگا ایسے منائے گی کہ خود بھی جاگے
اور پل بھر کے لیے میں بھی نہ سونے پاؤں
دیو مالائی افسانوں کی کسی منتظر موسم گل راجکماری کی خزاں بخت
دکھی روح کی مانند
بھٹکنے کے لیے کو بہ کو ابر پریشاں کی طرح جائے گی
دور افتادہ سمندر کے کنارے بیٹھی
پہروں اس سمت تکے گی کہ جہاں سے اکثر
اس کے گمگشتہ جزیروں کی ہوا آتی ہے
گیے موسم کی شناسا خوشبو
یوں رگ و پے میں اترتی ہے
کہ جیسے کوئی چمکیلا، روپلا سیال
جسم صحراؤں کی شریانوں میں پہلی بارش
غیر محسوس سرودش نکہت
ذہن کے ہاتھ میں وہ اسم ہے
جس کی دستک
یاد کے بند دریچوں کو بڑی نرمی سے
ایسے کھولے گی کہ آنگن میرا
ہر دریچے کی الگ خوشبو سے
رنگ در رنگ چھلک جائے گا
یہ دل آویز خزانے میرے
میرے پیاروں کی عطا بھی ہیں
مرے دل کی کمائی بھی ہیں
ان کے ہوتے ہوئے اوروں کی ضرورت کیا ہے
رات کی رانی کی خوشبو سے کوئی کہہ دے
آج کی شب نہ مرے پاس آئے

(خوشبو)

پروین کی کئی غزلیں اور نظمیں پڑھنے والوں کو یہ تاثر بہت کھل کر دیتی ہیں کہ وہ جیسے انہی حالات کی چکی میں پسی ہو اس حقیقت سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ شاعر اور نثر نگار غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر اپنے اندرونی جذبات و احساسات کا عکاسی ضرور کرتا ہے لیکن بعض اوقات وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے بہت کچھ چرا کر قلم کی نذر کر دیتا ہے اس لیے پروین کی شاعری کا ہر لفظ اس کی زندگی کے بیتے دنوں کی گواہی نہیں دے سکتا۔

لکھنے والوں کی وقت مشاہدہ بہت تیز ہوتی ہے اور اچھا لکھنے والوں کو قدرت اس حد تک Empathy سے نوازتی ہے کہ قاری کو ایسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ لکھاری کے حالات زندگی ہیں یہ ضروری نہیں کہ ان کا کلام ان کی آپ بیتی کی داستان ہو۔

میرے ہمراہ بھی رسوائیاں ہیں میرے ماضی کی
تمہارے ساتھ بھی گزری ہوئی رتوں کے سائے ہیں

جب ایک شاعر اس قسم کے اظہار میں کنجوسی نہیں برتتا تو اس پر انگلی نہیں اٹھائی جاتی اس کے ماضی کو داغدار نہیں کیا جاتا جب ایک شاعرہ اس کا اظہار کرتی ہے تو اس کے ماضی کو ذاتی کمزوریوں سے منسوب کر دیا جاتا ہے اور انہی شعروں سے اس کا امیج چار سو گردش کرنے لگتا ہے یہ کہیں سے بھی انصاف نہیں سراسر زیادتی ہے۔

زہرہ احمد......کراچی
بڑا ہی خاموش سا انداز ہے تمہارا
سمجھ نہیں آتا فدا ہوجاؤں یا فنا ہوجاؤں
سلمٰی مغل......فیصل آباد
ٹوٹ نہ جائے تجھ پر میرے پیار کی شدت
تو سمندر کی طرح خاموش نہ رہا کر
خاموشی بھی سنا دیتی ہے حال دل کا
ہونٹوں سے نہ سہی آنکھوں سے کچھ کہا کر
قرۃ العین......کوٹ ادو
غضب کا پیار تھا اس کی اداس آنکھوں میں
گمان تک نہ ہوا کہ وہ بچھڑنے والا ہے
سمیرا چوہدری......گجرات
سنو! یاد آتے رہا کرو......!
ہمیں کوئی مطلب نہیں، پر دل چاہتا ہے
زینب فیصل......میر پور خاص
جو دل کو اچھا لگتا ہے اسی کو دوست کہتا ہوں
منافق بن کے رشتوں کی سیاست میں نہیں کرتا
حنا گل......منڈی بہاؤالدین
تجھے اداس بھی کرنا تھا خود بھی رونا تھا
یہ حادثہ بھی میری جان کبھی تو ہونا تھا
وہ مجھے توڑ کر پھر سے جوڑتا رہا اکثر
میں اس کے واسطے جیسے کوئی کھلونا تھا
عابدہ جبار......کراچی
مجھے اپنے کردار پہ اتنا تو یقین ہے
کوئی مجھے چھوڑ تو سکتا ہے مگر بھلا نہیں سکتا
زینب رضوی......کنری، سندھ
لحاظ عشق نہ ہوتا تو تجھ سے رنجشیں ہوتیں
شکایت صرف اتنی ہے کہ تو سمجھا نہیں مجھ کو
ثناء اعجاز......ٹنڈو الٰہ یار
یہ سوچ کر اس کو میں نے روکا ہی نہیں
دور جاتا ہی کیوں اگر وہ ہمارا ہوتا
اقرا سکندر......کراچی
کاسۂ دید میں اک جھلک کا سکہ
ہم فقیروں کی چاہ سے تجھے دیکھتے ہیں
صدف طارق......ڈگری
تیری یادوں کی الفت سے تو بجی ہے میری زندگی
میں پاگل ہوں جو تجھے بھول کے ویران ہوجاؤں
حنا مہر......فیصل آباد
آنسو، آہیں، تنہائی، ویرانی اور غم مسلسل
اک ذرا سا عشق ہوا تھا کیا کیا واشت میں دے گیا
نائلہ خان......ملتان
اے خدا ان کے ہر لمحے کی خاص حفاظت کرنا
معصوم سا چہرہ ہے اداس ہو، اچھا نہیں لگتا
ثمرین......ناظم آباد
تیرے ہاتھوں کی کرامت کی تو پھر بات ہی کیا ماں
مجھ کو تیرے قدموں کی مٹی بھی شفا دیتی ہے
فہمیدہ......کراچی
محبت کا جواب محبت نہیں عزت ہوا کرتی ہے
چاہے وہ محبت دے کر دی جائے یا چھپ کر
اقرا لیاقت......ڈسکہ گجرات
میں تمہیں چاند کہوں یہ ممکن تو ہے مگر
لوگ تمہیں رات بھر دیکھیں یہ مجھے گوارا نہیں
عروج ناز......سجاول
میرے آنسو بھی تمہیں نہ خرید سکے
لوگوں کی مسکراہٹوں نے تمہیں اپنا بنا لیا
راشدہ جلال......ہارون آباد
ہم نے چرچا بہت سنا تھا تیری سخاوت کا
کیا معلوم تھا تم درد بھی دل کھول کر دیتے ہو
خدیجہ نظامی......میر پور خاص

سزا یہ دی کہ آنکھوں سے چھین لیں نیندیں
قصور یہ تھا جینے کے خواب دیکھے تھے
نازیہ نظامی.....کراچی

غلطی ان کی نہیں قصور وار میری غریبی تھی
ہم اپنی اوقات بھول کر بڑے لوگوں سے دل لگا بیٹھے
سمیرا آغاز.....کوٹ ادو

ہوجائے گفتگو اگر تیری نگاہوں سے عباس
تیری سادگی کی قسم ہم زباں سے کلام کرنا چھوڑ دیں گے
نداعامر.....گوجرانوالہ

اصول عشق اتنا ہے جھکا کے سر حکم مانو
کیوں، کیا، کیسے کرنے سے خفا محبوب ہوتے ہیں
میمونہ وقار.....نیو کراچی

مجھ سا کوئی دنیا میں نادان بھی نہ ہو
کر کے جو عشق کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو
راشدہ احمد.....ملتان

کبھی بٹھا کے سامنے پوچھیں گے تیری آنکھوں سے
کس نے سکھایا ہے انہیں ہر دل میں اتر جانا
یاسمین قریشی.....پنڈدادن خان

اس دنیا میں وفا کرنے والوں کی کمی نہیں ہے
بس پیار ہی اسی سے ہوجاتا ہے جسے قدر نہ ہو
فاخرہ سرفراز.....رحیم یار خان

ترس گئے ہم کچھ سننے کو تیرے لب سے
پیار کی بات نہ سہی، کوئی شکایت ہی کردو
جویریہ وقار.....کراچی

آجا تجھے سمجھا دوں محبت کا یہ اصول بھی عباس
چھوڑ جائے گا تجھے وہی جس کے لیے تو چھوڑے گا سب کو یہاں
فاطمہ جلال.....ملتان

زباں تو کہہ نہیں سکتی تمہیں احساس تو ہوگا
میری آنکھوں کو پڑھ لینا مجھے تم سے محبت ہے
ہماعامر.....شادمان ٹاؤن، لاہور

مجھے سمجھایا نہ کرو کہ اب تو ہو چکی مجھ کو
محبت مشورہ ہوتی تو تم سے پوچھ کر کرتے
شمائلہ نیازی.....ملیر، کراچی

ٹوٹ سا گیا ہے میری چاہتوں کا وجود
اب کوئی اچھا بھی لگے تو ہم اظہار نہیں کرتے
ملیحہ عامر.....بہاول پور

نہ بادشاہ ہوں، نہ وزیر ہوں اور نہ ہی امیر ہوں
تیرا عشق ہے میری سلطنت، جس کا میں فقیر ہوں
نازش.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

ٹوٹ سا گیا ہے میری چاہتوں کا وجود
اب کوئی اچھا بھی لگے تو ہم اظہار نہیں کرتے
اقرا نشاط.....کورنگی، کراچی

میں نے تڑپ کر کہا بہت یاد آتے ہو تم
وہ مسکرا کر بولے تمہیں اور آتا ہی کیا ہے
ندافاروق.....حیدرآباد، سندھ

نا جانے زمانے والوں کو کیا عداوت ہے ہم سے
کہ جس کو ہم چاہیں سب اسی کے طلبگار ہوجاتے ہیں
عمارہ خان.....جامشورو

تقدیر بدل جائے گی اپنے آپ ہی
مسکرانا سیکھ لے بس وجہ تلاش نہ کر
رخسانہ تبسم.....سکھر

ٹھیک ہی کہتا تھا میرے مقدر کا ستارہ
تو محبت کرے گا تو میں گردش کروں گا
ایمان فاطمہ.....جہلم

کتنی محدود سی ہے دنیا میری صاحب
جس میں ایک میں ہوں ایک میری محبت
عشرت جہاں.....کراچی

میں کیوں کروں محبت کسی سے میں تو غریب ہوں
لوگ بکتے ہیں اور خریدنا میرے بس میں نہیں

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہر جبین

پسندے کی بریانی

اجزاء:۔

چاول	ایک سیر
گوشت	ایک سیر
گھی	ایک پاؤ
دہی	ڈیڑھ پاؤ
پیاز	ایک پاؤ
ادرک	ایک چمچ
لہسن	دو جوئے
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چمچ
زیرہ	آدھا چمچ
لونگ	چار عدد
زعفران	نصف چمچ
مغز بادام	بیس عدد
ناریل	نصف چھٹانک
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ	آدھا چمچ

ترکیب:۔

بغیر ہڈی کے گوشت کے تکونے پسندے بنوالیں۔ ان کو دھو کر چھری کی نوک سے چھید لیں۔ آدھی دہی میں نمک ادرک اور لہسن پیس کر ملائیں اور پسندوں پر لگادیں۔ ایک گھنٹہ تک رہنے دیں۔ پتیلی میں گھی گرم کر کے پیاز سرخ کرلیں۔ ناریل اور بادام کا مغز کاٹ کر ڈال دیں۔ اچھی طرح بھوننے کے بعد گوشت اور دہی بھی ڈال دیں۔ ڈھکن مضبوطی سے بند کر کے ہلکی آنچ پر گوشت کو پکنے دیں۔ جب دہی کا پانی بالکل خشک ہوجائے تو تین پاؤ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر نصف گھنٹہ تک گوشت کے پسندے پکائیں۔ جب پانی خشک ہوجائے اور پسندے گل جائیں تو پتیلی اتارلیں چاول صاف کر کے ایک گھنٹہ تک بھگوئے رکھیں۔ دوسری پتیلی میں گھی گرم کر کے ثابت سیاہ مرچ ایک چمچ سیاہ زیرہ لونگ اور ثابت گرم مسالا ڈال کر کڑکڑائیں اور ڈیڑھ سیر پانی ڈال دیں۔ جب پانی ابلنے لگے تو چاول ڈال دیں۔ چاول گلنے پر اتارلیں۔ اب دوسری پتیلی میں نصف چاول ڈالیں اور اس کے اوپر ایک تہہ چاولوں کی بچھائیں پھر باقی چاول بھی اوپر ڈال دیں اور دس منٹ تک پتیلی دم پر رکھنے کے بعد اتارلیں گرم گرم بریانی پیش کریں۔

ماریہ الطاف......کراچی

رس ملائی

اجزاء:۔

دودھ	ایک کلو
خشک دودھ	ایک کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
انڈہ	ایک عدد
چینی	ایک کپ
گھی	ایک کھانے کا چمچ
الائچی	پانچ عدد
بادام/پستے	حسب ضرورت

ترکیب:۔

دودھ میں چینی الائچی اور بادام پستے ڈال کر ابال لیں۔ خشک دودھ میں بیکنگ پاؤڈر انڈہ اور گھی ملا کر گوندھ کر رکھ لیں۔ (اگر گھی جما ہوا ہے تو زیادہ بہتر ہے) ہاتھ چکنے کر کے چھوٹی چھوٹی ٹکیہ بنائیں۔ دودھ میں جوش آجائے تو درمیانی آنچ کر کے ساری ٹکیاں ڈال دیں۔ چمچ چلاتے رہیں تھوڑی دیر بعد جب یہ پھول جائیں اور دودھ گاڑھا ہوجائے تو اتارلیں اور ٹھنڈا کر کے پیش کریں اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

فوزیہ یاسین......تونسہ شریف

کھڑے مسالے کا قورمہ

اجزاء:۔

مرغی	ایک کلو
لہسن (ہوائیاں کاٹ لیں)	ایک پوتھی
ٹماٹر (گول سلائس کاٹ لیں)	تین عدد
ثابت دھنیا (موٹا کوٹ لیں)	ایک کھانے کا چمچ
پیاز (درمیانی)	تین عدد
ادرک (باریک کاٹ لیں)	دو انچ کا ٹکڑا
دہی	ایک کپ
(ململ کے کپڑے میں ڈال کر پانی نچوڑ لیں)	
ثابت گرم مسالا	ایک چائے کا چمچ
لونگ	چار عدد
دار چینی	تین اسٹک
چھوٹی الائچی	چھ عدد
بڑی الائچی	تین عدد
زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
سیاہ مرچیں (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
جائفل پاؤڈر	ایک چٹکی
جاوتری پاؤڈر	ایک چٹکی
کڑھی پتے	تین عدد
تیل	دو کپ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا کھانے کا چمچ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں	تین عدد

ترکیب:۔

سب سے پہلے تیل گرم کریں اور مرغی میں ہلکا نمک لگا کر تل لیں۔ اب اس تیل میں ثابت گرم مسالا‘ لونگ‘ دار چینی‘ چھوٹی الائچی‘ بڑی الائچی‘ زیرہ‘ سیاہ مرچیں‘ جائفل پاؤڈر‘ جاوتری پاؤڈر اور کڑھی پتے ڈال کر تل لیں۔ اس کے بعد اس میں پیاز ڈال کر گلابی کر لیں۔ اس میں لہسن اور ادرک ڈال کر چمچ چلائیں‘ ہلکا گلابی ہو جائے تو ٹماٹر ڈال دیں۔ ساتھ ہی نمک‘ لال مرچ پاؤڈر اور ہلدی پاؤڈر ڈال دیں۔ اب تلا ہوا گوشت دوبارہ ڈال کر اس مسالے میں بھونیں (چاہیں تو پانی کا چھینٹا بھی دیں) اب دہی بھی شامل کر لیں اور اچھی طرح بھونیں جب لگے کہ گوشت مسالے میں اچھی طرح بھن گیا ہے تو کٹا دھنیا بھی شامل کر دیں اور ساتھ میں دو کپ پانی ملا دیں تاکہ حسب ضرورت گریوی رہ جائے۔ قورمہ تیار ہو جائے تو دھنیا اور ہری مرچوں سے گارنش کریں۔ چاہے تو گارنشنگ میں ہلکا سا کریم کا ٹچ بھی دے سکتے ہیں۔ پراٹھوں یا روغنی نان اور رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

کشف خان...... گجرات

آلو کی چاٹ

اجزا:۔

آلو	آدھا کلو
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
چاٹ مصالحہ پاؤڈر	ڈھائی چائے کا چمچ
املی کا پیسٹ	آدھا کپ
پودینہ	آدھا کپ
ہری مرچیں (چوپ کر لیں)	تین عدد
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

آلو کو ابال کر چوکور کاٹ لیں۔ اس کے بعد آلو میں نمک، لال مرچ، زیرہ پاؤدر، چاٹ مصالحہ پاؤڈر، املی کا پیسٹ، پودینہ، ہری مرچیں اور لیموں کا رس مکس کر دیں۔ مزیدار آلو کی چاٹ تیار ہے سرو کریں یہ چٹ پٹی ڈش آپ کو ضرور پسند آئے گی۔

صنم سجاد...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

کچے قیمے کے کباب

اجزاء:۔

قیمہ	آدھا کلو

پیاز	آدھا کپ (تل کر براؤن کرلیں)
لہسن ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
بیسن (بھون لیں)	چار کھانے کے چمچ
انڈا	ایک عدد
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں)	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں (چوپ کرلیں)	دو عدد
پیاز (باریک چوپ کی ہوئی)	آدھا کپ
پپیتا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ثابت لال مرچیں	دس عدد
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچ
ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچ
لونگ	چار عدد
دار چینی	ایک عدد
چھوٹی الائچی	تین عدد
بڑی الائچی	ایک عدد

ترکیب:۔

ثابت لال مرچوں، ثابت دھنیا، ثابت زیرہ، سیاہ مرچ پاؤڈر، دار چینی، چھوٹی الائچی اور بڑی الائچی کو بھون کر پیس لیں۔ قیمہ میں براؤن کی ہوئی پیاز، لہسن، ادرک پیسٹ، بیسن، انڈا، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، نمک، پیاز، پپیتا پیسٹ اور بھون کر پسا ہوا مصالحہ ڈال کر مکس کر کے آدھا گھنٹہ میرینیٹ ہونے کے لیے چھوڑ دیں۔ اب آمیزے کے چھوٹے چھوٹے کباب بنا کر تھوڑے گرم تیل میں فرائی کریں۔ مزے دار کچے قیمہ کے کباب تیار ہیں۔ ہری چٹنی، پیاز اور روٹی کے ساتھ سرو کریں۔

مہرین راجہ.....کوٹ ادو

پالک گوشت

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
پالک	آدھا کلو
ہری مرچ	چھ عدد
ٹماٹر	ایک عدد
میتھی	دو چھوٹی گٹھی
تیل	آدھا کپ
پیاز	آدھا کپ (تلی ہوئی)
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	ڈیڑھ چائے کا چمچ
دہی	ایک کپ
دودھ	آدھا کپ
قصوری میتھی	دو چائے کے چمچ

ترکیب:۔

پالک کو صاف کر کے ابال لیں۔ اب پالک کو ہری مرچ، ٹماٹر اور میتھی کے ساتھ بلینڈ کر کے رکھ لیں۔ پھر تیل گرم کر کے اس میں تلی پیاز، ادرک لہسن کا پیسٹ، پسی لال مرچ، ہلدی، پسا دھنیا، نمک اور بکرے کا گوشت ڈال کر دس منٹ کے لیے فرائی کریں۔ اب اس میں دہی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کرلیں۔ اس کے بعد ڈیڑھ کپ پانی ڈال کر ڈھکیں اور پکالیں، یہاں تک کہ گوشت تقریباً گل جائے۔ اب بلینڈ کیا ہوا پالک کا مکسچر شامل کر کے ڈھکیں اور پکالیں، یہاں تک کہ تیل اوپر آجائے۔ آخر میں دودھ اور قصوری میتھی ڈال کر فرائی کریں اور نکال لیں۔

صائمہ عمران.....کراچی

فروٹ سلاد

اجزاء:۔

سلاد کے پتے	۲۵۰ گرام
ناشپاتی	۱۰۰ گرام
کینو	ایک عدد
سنگترے	ایک عدد

لیموں	دو عدد
پسا ہوا سیاہ نمک	نصف چائے کا چمچ
ٹماٹر	۱۰۰ گرام
سرخ گاجریں	۵۰ گرام
پیاز	۵۰ گرام

ترکیب:۔

کینو اور سنگترہ چھیل کر اس کی پھانکیں نکالیں، پیاز چھیل کر لچھے دار کاٹ لیں۔ ٹماٹر دھو کر صاف کریں اور گول گول قتلوں میں کاٹیں، گاجریں چھیل کر گول گول ٹکڑوں میں کاٹ لیں لیموں کو چار چار ٹکڑوں میں کاٹ لیں اس کے بعد ایک ڈش میں سلاد کے پتے بچھائیں اوپر تمام اجزا ترتیب کے ساتھ سجا کر پسا ہوا سیاہ نمک چھڑک دیں اور دسترخوان کی زینت بنائیں۔

فضا بلال......کراچی

بینگن کا رائتہ

اجزاء:۔

بینگن	۲۵۰ گرام
نمک	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	آدھا چمچ
لہسن	۵ گرام
میتھی	۲ گرام
پسی ہوئی کالی مرچیں	ایک چمچ
پسا ہوا دھنیا	۲ گرام
پیاز	۱۰۰ گرام
گھی	حسب ضرورت
سرخ مرچیں	حسب ضرورت

ترکیب:۔

پیاز چھیل کر باریک کاٹ لیں بینگن کو پانی میں ابال کر باہر نکالیں اور ٹھنڈا ہونے پر چھلکا اتاریں اور گودا نکال کر الگ رکھ دیں پھر برتن میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھیں اس میں پیاز براؤن کر کے نمک پسی ہوئی کالی مرچیں سفید زیرہ اور میتھی ڈال کر مسالا بھونیں چند منٹ بعد لہسن، پسا ہوا خشک دھنیا، ابلے ہوئے بینگن کا گودا اور پسی ہوئی سرخ مرچیں ڈال کر ہلکی آنچ پر بھونیں پندرہ منٹ کے بعد جب مسالا گھی چھوڑ دے تو چولہے سے نیچے اتار لیں اور کھانے کے لیے پیش کریں۔

عشرت جہاں......میر پور خاص

پسندے

اجزاء:۔

گوشت	آدھا سیر
خشک دھنیا	ایک بڑا چمچہ
لہسن	ایک عدد
دہی	آدھا پاؤ
گرم مصالحہ	ایک بڑا چمچہ
نمک	ایک چھوٹا چمچ
سرخ مرچ	ایک چھوٹا چمچ
گھی	آدھا پاؤ
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب:۔

گوشت کے ڈیڑھ انچ لمبے اور نصف انچ موٹے پسندے بنوا کر کانٹے سے اچھی طرح گودھ کے دھولیں۔ لہسن، پیاز، نمک، سرخ مرچ، خشک دھنیا اور گرم مصالحہ باریک پیس کر اس میں نصف پاؤ پانی ملادیں۔ پتیلی میں گھی گرم کر کے تیار شدہ مصالحہ اس میں ڈال کر آدھا گھنٹہ تک اس کو ہلکی آنچ پر بھونتے رہیں۔ جب مصالحہ گھی چھوڑنے لگے تو اس میں پسندے ڈال دیں اور بھونتے رہیں بعد میں دہی اور نصف پاؤ پانی ڈال کر بھونیں جب ان کی نصف مقدار رہ جائے تو ڈھکن مضبوطی سے بند کردیں۔ چند منٹ بعد دیکھیں اگر پانی خشک ہو چکا ہے تو ہرا دھنیا ڈال کر اتار لیں۔ نان یا چپاتی کے ساتھ پیش کریں۔

امبرین......شاہ کوٹ

حدیقہ احمد

بالوں کی نگہداشت

جڑی بوٹیوں‘ پھلوں سبزیوں اور روغنیات کے استعمال سے بالوں کو نہ صرف خوبصورت اور مضبوط بنایا جاسکتا ہے بلکہ ان کی سفیدی کو بھی ان طریقوں سے روکا جاسکتا ہے۔

ایسے سٹائل جن سے بالوں کی جڑیں تازہ ہوا اور سورج کی روشنی سے محروم رہیں‘ بالوں کو کمزور بناتے ہیں ان کی قدرتی چمک دمک کو زائل کرتے ہیں اور انھیں وقت سے پہلے سفید کردیتی ہیں‘ ایسے ہیئر اسٹائلوں سے گریز کریں۔

بالوں کی صحت وتوانائی کے لیے کاسمیٹک ہیئر آئلز کی بجائے ہمیشہ نباتاتی روغنیات مثلاً روغن بادام‘ روغن زیتون‘ روغن ارنڈی کیسٹر آئل‘ روغن کنجد‘ تلوں کا تیل اور روغن کھوپرا گری کا تیل استعمال کریں۔ ان سے بال مضبوط ہوتے ہیں‘ ان کی چمک دمک قائم رہتی ہیں اور جلدی سفید نہیں ہوتے۔

پھل اور سبزیاں زیادہ استعمال کریں۔ ان سے بالوں کو نشوونما ہوتی ہے اور خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

پیشانی کے فالتو بال جو بدزیبی کا باعث ہوں‘ موچنے یا ہیئر ریموور سے صاف کرلیں۔

سرسوں کا تیل‘ انڈا اور دہی ان تمام اشیاء کو یکجا کرکے بالوں میں ملیں۔ سر پر سکارف باندھ لیں۔ ایک گھنٹے کے بعد دھولیں۔ یہ آمیزہ بالوں کی خشکی دور کرنے کے لیے اکسیر ہے۔

زمانہ قدیم میں عورتیں اپنے بالوں وغیرہ کو دلکش بنانے کے لیے طرح طرح کے پھول اور پرندوں کے پر سجالیا کرتی تھیں۔ آج بھی افریقہ کے کئی ممالک میں بعض ایسے قبائل ہے جن کی خواتین خود کو سجانے کے لیے کئی انوکھے طریقے اختیار کرتی ہیں برصغیر پاک وہند میں بھی خواتین خود کو خوبصورت بنانے کے لیے اپنے جسم میں طرح طرح کے پھول بنایا کرتی تھی۔ اور یہ طریقہ آج ہمارے اکثر دیہات میں رائج ہیں۔ ایسے پھول یا اپنی پسند کی کوئی بھی تصویر عام طور پر ماتھے‘ رخساروں‘ ہونٹوں‘ بازوؤں‘ پنڈلیوں‘ یا پھر ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر بنائی جاتی ہیں لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جارہا ہے یہ طریقے بھی ختم ہوتے جارہے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ جدید دور میں اب ضرورت نہیں رہی کہ خواتین اپنے بالوں رخساروں اور ہونٹوں کو خوبصورت بنانے کے لیے پھولوں اور پتوں کے رنگ کا سہارا لیں بلکہ اب تو کسی کا چہرہ بال ہاتھ پاؤں نامناسب ہوں تو میک اپ سے انہیں مناسب بنایا جاسکتا ہے۔ بیوٹی کلینک اسی مقصد کے حل کے لیے معروض وجود میں آئے ہیں۔ جب کہ اکثر وبیشتر خواتین اپنا میک اپ اپنے گھروں میں خود کرتی ہیں۔ آرائش جہاں کے یہ فارمولے اور طریقے جو یہاں پیش کیے جارہے ہیں اپنا میک اپ کرنے والی خواتین کو میک اپ گائیڈ کا کام دیں گے۔ ان کی رہنمائی میں وہ آرائش جہاں کے قدرتی اور غیر قدرتی طریقوں سے آگاہی حاصل کرسکیں گی۔ ابتدا سر کے بالوں سے ہورہی ہے اور پھر جسم کے مختلف حصوں کو بنانے سنوارنے کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ سلسلہ پیروں پر ختم ہوگا۔

خوب صورت وگھنے چمکدار بال ہر فرد کا خواب ہے۔ جتنے فیشن آئیں اور جائیں لیکن گھنے ومضبوط بالوں کی چاہ ہر ایک کے دل میں موجود ہوتی ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت کبھی بھی کوئی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کے سر کے بال ہلکے گھنے ہوجائیں۔ بالوں کی خوب صورتی وچمک کو برقرار رکھنے کے لیے خاص طور پر خواتین ہزاروں طرح کے نسخے وٹوٹکے آزماتی ہیں اور کچھ جلد نتائج حاصل کرنے کے لیے کیمیکل پروڈکٹس کا استعمال کرتی ہیں بالوں کی نگہداشت کے لئے اور ان کی افزائش کے لیے آج کل ارومہ آئلز یعنی خوشبودار تیل کا استعمال کیا جارہا ہے۔ جو بہت تیزی سے

بالوں کی نشوونما میں اضافہ کر کے بالوں کو خوبصورت وحسین بنا دیتے ہیں۔ان خوشبودار آئلز میں بالوں اور جلد کی حفاظت کرنے کی خصوصیات بڑی تعداد میں موجود ہوتی ہیں۔

ہم ان حسن افزاء اور فائدہ مند آئلز کو خوشبودار خالص تیل جس دکان پر فروخت ہوتا ہے وہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔آپ صرف اروما آئل کے ۲ قطرے ۱۰۰ گرام عام استعمال کے تیل میں ڈال کر استعمال کر سکتی ہیں اور اس کے فوائد سے مستفید ہوسکتی ہیں۔

ہمارے بالوں کو خشکی وسکری ڈینڈرف اور بال گرنے جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہمیں ان مسائل سے نمٹنے کے لیے فوری حل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ہم ان مسائل سے چھٹکارا پانے اور بالوں کی صحت کو بحال کرنے کے لیے مختلف کیمیکل اجزاء سے تیار کردہ شیمپو اور دیگر ہیئر کیئر پروڈکٹ کا استعمال کرتے ہیں جبکہ کیمیائی اجزاء اور مضر اثرات سے پاک یہ خوشبودار تیل آپ کے بالوں میں نئی جان وچمک پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

اروما تھراپی آئلز پودوں کے مختلف حصوں سے کشید کر حاصل ہونے والا قدرتی تیل ہوتا ہے۔ بھاپ کے ذریعے تیل کو کشیدہ جاتا ہے۔قدرتی طریقے سے حاصل ہونے والے تیل میں بہت سے فوائد موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اگر آپ بازار میں دستیاب اسکن کیئر ہیئر کیئر اور شیمپو استعمال کرتی ہیں جو کہ سانتھنک میٹریل پر موجود ہوتی ہیں جو آپ کے بال اور جلد دونوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل میں آپ کو ان آئلز کے کچھ فوائد بتائے جا رہے ہیں۔

روز میری آئل:

اس حسن افزاء تیل کا باقاعدگی سے استعمال کرنے سے آپ کے بال لمبے اور گھنے ہوجائیں گے۔یہ تیل آپ کے بالوں کو صحت مند کرنے اور چمک عطا کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔آپ ۱۰۰ گرام ناریل کے تیل میں چار قطرے روز میری اروما آئل کے شامل کر کے مکس کریں اور اس تیل کو سر کی جلد اور بالوں میں انگلیوں کے پوروں 2 بلکہ ضرور لگائیں تاہم کا باقاعدگی سے استعمال آپ کے بالوں کی خوبصورتی وحسن میں اضافہ کرنے کا سبب بنے گا۔

ملے جلے آئلز کا مرکب:

ایک سے زیادہ قدرتی خوشبودار تیل کا استعمال آپ کے بالوں کے لیے مفید واکسیر ثابت ہوسکتا ہے۔

۵ قطرے لیونڈر آئل ۱۵ قطرے لیمن آئل ۱۵ قطرے روز میری آئل اور ۱۰ قطرے ٹی ٹری آئل کے ۱۰۰ گرام ناریل کے تیل میں مکس کردیں اور اس کو روزانہ بہت کم مقدار میں اپنے بالوں پر لگائیں۔

کچھ ہفتوں کے استعمال سے ہی آپ کے بال لمبے گھنے اور چمکدار ہوجائیں گے کہ آپ کو خود بھی یقین نہیں آئے گا۔

بالوں میں برقی روکو ختم کرنے کے لیے

بالوں میں برقی روکی کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس وجہ سے بھی ہوسکتی ہے کہ آپ نے اپنے بالوں کو زیادہ خشک یا ہیئر ڈرائیر کا زیادہ استعمال کرلیا ہو۔اڑتے بالوں کو قابو میں کرنے کے لیے ایک اچھا ٹوٹکہ یہ ہے کہ ایک اسپرے بوتل میں پانی بھریں پانی کا اسپرے ہوا میں کریں اور اس طرح کریں کہ بعد میں پانی آپ کے بالوں پر گرتا رہے۔ براہ راست پانی کا اسپرے بالوں پر نہیں کریں۔ ورنہ بال دوبارہ گیلے ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ ایک اچھا کنڈیشنر آپ کے بالوں کو دوبارہ سے نمی فراہم کرنے کے لیے بہت مفید ہے۔

غزل

نام سنتا ہوں ترا جب بھرے سنسار کے بیچ
لفظ رک جاتے ہیں آ کر مری گفتار کے بیچ
دل کی باتوں میں نہ آ یار کہ اس بستی میں
روز دل والے چنے جاتے ہیں دیوار کے بیچ
ایک ہی چہرہ کتابی نظر آتا ہے ہمیں
کبھی اشعار کے باہر کبھی اشعار کے بیچ
ایک دل ٹوٹا مگر کتنی نقابیں پلٹیں
جیت کے پہلو نکل آئے کئی ہار کے بیچ
کوئی محفل ہو نظر اس کی ہمی پر ٹھہری
کبھی اپنوں میں ستایا کبھی اغیار کے بیچ
ایسے زاہد کی قیادت میاں توبہ توبہ
کبھی ایمان کی باتیں، کبھی کفار کے بیچ
کبھی تہذیب و تمدن کا یہ مرکز تھا میاں
تم کو بستی جو نظر آتی ہے آثار کے بیچ
جس طرح ٹاٹ کا پیوند ہو مخمل میں عدیل
مغربی چال چلن مشرقی اقدار کے بیچ

شاعر: عدیل زیدی

انتخاب: طلعت نظامی..... کراچی

غزل

جنون عشق کی رسم عجیب کیا کہنا
میں ان سے دور وہ میرے قریب کیا کہنا
یہ تیرگی مسلسل میں اک وقفہ نور
یہ زندگی کا طلسم عجیب کیا کہنا
جو تم ہو برق نشیمن تو میں نشیمن برق
الجھ پڑے ہیں ہمارے نصیب کیا کہنا
لرز گئی تیری لو مرے ڈگمگانے سے
چراغ گوشہ کوئے حبیب کیا کہنا

شاعر: مجید امجد

انتخاب: صابرہ ارم..... تلہ گنگ

غزل

اس قدر بھی تو نہ جذبات پر قابو رکھو
تھک گئے ہو تو مرے کاندھے پر بازو رکھو
بھولنے پائے نہ اس دشت کو وحشت دل سے
شہر کے بیچ رہو باغ میں آہو رکھو
خشک ہو جائے گی روتے ہوئے صحرا کی طرح
کچھ بچا کر بھی تو اس آنکھ میں آنسو رکھو
روشنی ہو گی تو آ جائے گا رہرو دل کا
اس کی یادوں کے دیے طاق میں ہر سو رکھو
یاد آئے گی تمہاری ہی سفر میں اس کو
اس کے رومال میں اک اچھی سی خوشبو رکھو
اب وہ محبوب نہیں اپنا مگر دوست تو ہے
اس سے یہ ایک تعلق ہی بہر سو رکھو

شاعر: افتخار نسیم

انتخاب: سدرہ شاہین..... پیرو وال

غزل

خبر کیا تھی نہ ملنے کے نئے اسباب کر دے گا
وہ کر کے خواب کا وعدہ مجھے بے خواب کر دے گا
کسی دن دیکھنا وہ آ کے میری کشت ویراں پر
اچٹتی سی نظر ڈالے گا اور شاداب کر دے گا
وہ اپنا حق سمجھ کر بھول جائے گا ہر احساں
پھر اس رسم انا کو داخل آداب کر دے گا
نہ کرنا زعم اس کا طرز استدلال یہ ہے
کہ نقش سنگ کو تحریر موج آب کر دے گا
اسیر اپنے خیالوں کا بنا کر یک دن محسن
خبر کیا تھی میرے لیے کامیاب کر دے گا

شاعر: محسن بھوپالی

انتخاب: صباء ایشل بھاگووال

غزل

بستیاں بسا لی ہیں دور آشناؤں نے

ملک گھیر رکھے ہیں قسمت آزماؤں نے
کیوں نہ بھول جائیں وہ گرم سانس رشتوں کو
جن کو کھینچ رکھا ہو سرد آبناؤں نے
راہ تکتی آنکھیں بھی بند ہونے والی ہیں
چٹھیوں میں لکھا ہے ان کی بوڑھی ماؤں نے
باپ کے جنازے کو غیر لے گئے آ کر
بہر مغفرت مانگی بس دعا ہواؤں نے
جن کی گردنوں میں ہوں طوق چاندی سونے کے
ان کا ساتھ چھوڑا ہے خیر کی دعاؤں نے
اپنے طور بھولے ہیں مشرقی سپوتوں کو
ان کو مار رکھا ہے مغربی اداؤں نے
چار سو چھلکتے ہیں جام عیش کامی کے
توبہ توڑ رکھی ہے خوش نما گھٹاؤں نے

شاعر: ڈاکٹر سعادت سعید

انتخاب: رخسانہ اقبال..... خوشاب

غزل

کانٹوں سی اس دنیا میں وہ پھولوں جیسی
جیون بھول بھلیوں میں وہ رستوں جیسی
اجلی اجلی مہکی مہکی روشن روشن
میری سوچوں جیسی، میرے جذبوں جیسی
جھلمل جھلمل کرتی اترے دل آنگن میں
رات اندھیروں میں وہ چاند اجالوں جیسی
جاگتی آنکھوں سے بھی اس کو دیکھتے رہنا
وہ خوابوں میں آنے والی پریوں جیسی
لو برساتی دوپہروں میں اس کی یادیں
ٹھنڈی کرنوں جیسی، ہلکے رنگوں جیسی
اک چہرے کا لپکا، میرے چاروں جانب
میں ہوں اور یہ دنیا ہے آئینوں جیسی

شاعر: عطاالحق قاسمی

انتخاب: راؤ رفاقت علی..... دنیا پور

غزل

تجھ سے بچھڑ کے تنہا نہ چلتے پر کیا کریں

دل نے قبول ہی نہ کیا ہم سفر کوئی
ساحل پہ ساری عمر بھی بیٹھے رہو تو کیا
کب آشنا ہوئی ہے کسی کی لہر کوئی
فرصت نہیں ہے جیب و گریباں سے ہاتھ کو
کیا تازہ واردات میں اب پیٹے سر کوئی
اس دور کی ہیلو سے کوئی فائدہ نہیں
کیا دستکوں سے ہوتا ہے آباد گھر کوئی
کر دیجیے غرق ساغر مے کائنات کو
کیا فکر بینوائی شام و سحر کوئی

شاعر: شاہد رضوی

انتخاب: ضوباریہ ساحر..... مظفر گڑھ

غزل

ارادہ ہو اٹل تو معجزہ ایسا بھی ہوتا ہے
دیے کو زندہ رکھتی ہے ہوا، ایسا بھی ہوتا ہے
سنائی دے نہ خود اپنی صدا ایسا بھی ہوتا ہے
میاں تنہائی کا اک سانحہ ایسا بھی ہوتا ہے
چھڑے ہیں تار دل کے خانہ بربادی کے نغمے میں
ہمارے گھر میں صاحب رت جگا ایسا بھی ہوتا ہے
بہت حساس ہونے سے بھی شک کو راہ ملتی ہے
کہیں اچھا تو لگتا ہے برا ایسا بھی ہوتا ہے
کسی معصوم بچے کے تبسم میں اتر جاؤ
تو شاید یہ سمجھ پاؤ خدا ایسا بھی ہوتا ہے
زباں پر آ گئے چھالے مگر یہ تو کھلا ہم پر
بہت میٹھے پھلوں کا ذائقہ ایسا بھی ہوتا ہے

شاعر: ظفر گورکھپوری

انتخاب: طیبہ ارشاد..... منڈی بہاؤالدین

غزل

مجھے کل اچانک خیال آ گیا آسمان کھو نہ جائے
سمندر کو سر کرتے کرتے کہیں بادباں کھو نہ جائے
کوئی نامرادی کی یلغار سینے کو چھلنی نہ کر دے
کہیں دشت انفاس میں صبر کا کارواں کھو نہ جائے
یہ ہنستا ہوا شور سنجیدگی کے لیے امتحان ہے

سو محتاط رہنا کہ تہذیب آہ و فغاں کھو نہ جائے
اسے وقت کا جبر کہیے کہ بے چارگی جسم و جاں کی
مکاں کھونے والوں کو ڈر ہے کہ اب لامکاں کھو نہ جائے
میں اپنے ارادوں کی گٹھڑی اٹھائے کہیں جا نہ پایا
ہمیشہ یہ دھڑکا رہا محفل دوستاں کھو نہ جائے
یہ قصوں کی رم جھم میں بھیگا ہوا حلقہ گفتگو ہے
یہاں چپ ہی رہنا کہ تاثیر لفظ و بیاں کھو نہ جائے
یہاں کس کو فرصت کہ آغاز و انجام کو یاد رکھے
سبھی کو یہ تشویش ہے وقت کا درمیاں کھو نہ جائے
یہ بازار نفع و ضرر ہے یہاں بے توازن نہ ہونا
سمیٹو اگر سود تو دھیان رکھنا زیاں کھو نہ جائے
اٹھو عزم اس آتش شوق کو سرد ہونے سے روکو
اگر رک نہ پائے تو کوشش یہ کرنا دھواں کھو نہ جائے

شاعر: عزم بہزاد

انتخاب: حنا اشرف...... کوٹ ادو

غزل

وہی یکسانیت شام و سحر ہے کہ جو تھی
زندگی دست بہ دل، خاک بہ سر ہے کہ جو تھی
دیکھ کر بھی ترے جلوے نہیں دیکھے جاتے
وہی پابندی آداب نظر ہے کہ جو تھی
تجھ سے مل کر بھی غم ہجر کی تلخی نہ مٹی
ایک حسرت سی بہ انداز دگر ہے کہ جو تھی
شعلہ درد بجھے دیر ہوئی ہے لیکن
وہی تابندگی دیدہ تر ہے کہ جو تھی
تو مری جان نہیں اب مگر اے جان عظیم
زندگی اب بھی تری دست نگر ہے کہ جو تھی

شاعر: عظیم مرتضیٰ

انتخاب: عائشہ رحمان...... مری

غزل

کوئی بھی خوش نہیں ہے اس خبر سے
کہ دنیا جلد لوٹے گی سفر سے
میں صحرا میں سفینہ دیکھتا ہوں
سمندر کوئی گزرا ہے ادھر سے
سنبھالو اپنا خرد داد و تحسین
میں کب ہوں مطمئن عرض ہنر سے
خطا ہے یہ جواز اپنی خطا کا
خطائیں ہوتی رہتی ہیں بشر سے
سبھوں میں خامیاں ہی دیکھتا ہے
وہ ہے محروم کیا حسن نظر سے
غضب کا آئے گا سیلاب یارو
کہ گزرا ہے بہت سا پانی سر سے
بلندی اتنی بھی اچھی نہیں ہے
اتاروں اب عطا کو دار پر سے

شاعر: عطا عابدی

انتخاب: صائمہ شیرازی...... جہلم

غزل

بے رنگ زندگی میں رعنائی چاہتا ہے
یہ دل ترے مقابل پسپائی چاہتا ہے
ملنے سے اس کو وحشت اور گفتگو سے الجھن
محفل سے دل گریزاں، تنہائی چاہتا ہے
لوگوں کو ہے عداوت سب کو بڑی شکایت
میکے میں مجھ کو میرا کیوں بھائی چاہتا ہے
پابندیاں لگائے مجھ کو چھڑانا چاہے
گھر والوں کو بھلا دوں ہرجائی چاہتا ہے
غیروں سے بڑھ کر ہمدم مجھ کو بھی تو سراہو
صحن چمن کا ہر گل زیبائی چاہتا ہے
میری محبتوں کا یوں امتحاں لیا ہے
جیسے کوئی دیوانہ دانائی چاہتا ہے
جو اس نے کہہ دیا ہے پورا کریں گے ہم بھی
اپنے کہے کی اب وہ شنوائی چاہتا ہے
اس کی ادائیں دیکھو آنکھیں دکھا رہا ہے
لگتا ہے اب وہ میری رسوائی چاہتا ہے

شاعرہ: شگفتہ شفیق

انتخاب: ماورا طلحہ...... گجرات

غزل

اتنے نزدیک سے آئینے کو دیکھا نہ کرو
رخ زیبا کی لطافت کو بڑھایا نہ کرو
درد و آزار کا تم میرے مداوا نہ کرو
رہنے دو، اپنی مسیحائی کا دعویٰ نہ کرو
حسن کے سامنے اظہار تمنا نہ کرو
عشق اک راز ہے اس راز کو افشاں نہ کرو
اپنی محفل میں مجھے غور سے دیکھا نہ کرو
میں تماشہ ہوں مگر تم تو تماشہ نہ کرو
ساری دنیا تمہیں کہہ دے گی تمہی ہو قاتل
دیکھو، مجھ کو غلط انداز سے دیکھا نہ کرو
کیسے ممکن ہے کہ ہم دونوں بچھڑ جائیں گے
اتنی گہرائی سے ہر بات کو سوچا نہ کرو
تم پہ الزام نہ آجائے سفر میں کوئی
راستہ کتنا ہی دشوار ہو ٹھہرا نہ کرو
وہ کوئی شاخ ہو، مضراب ہو یا دل ہو عزیز
ٹوٹنے والی کسی شے کا بھروسہ نہ کرو

شاعر:عزیز وارثی

انتخاب:نازیہ عباسی......ٹھٹھہ

غزل

تیرا چہرہ، تیرے گیسو، تیرا شانہ اے کاش
پھر ترے نقش دکھائے یہ زمانہ اے کاش
میں تو دن رات اسی سوچ میں گم رہتا ہوں
نہ سنا ہوتا وہ کوئل کا ترانہ اے کاش
کتنے مسرور تھے ہم زلف کے سائے سائے
کھولتی یوں نہ شب ہجر دہانہ اے کاش
ابھی جینے کی طلب تھی مجھے کچھ روز مزید
چوک جاتا میرے قاتل کا نشانہ اے کاش
آج خوش باش تھے وہ اور تھا موقع اچھا
میں سنا دیتا انہیں اپنا فسانہ اے کاش
ہم نہ یوں ہوتے ستاروں کی محبت میں اسیر
کھینچ لاتی نہ ہمیں بزم شبانہ اے کاش
ہر گھڑی دھن یہی رہتی ہے کہ ان سے شہزاد
بات کرنے کا نکل آئے بہانہ اے کاش

شاعر:آصف شہزاد

انتخاب:فرح اسلم......ملتان

غزل

لکھ دیا ہے لوح دل پہ میرا نام تو مٹانا کس بات کا
ستائے ہوئے ہیں زمانے کے ہمیں ستانا کس بات کا
جب کر بیٹھے ہو عشق ہم سے تو اقرار کرو
ہم ہی سے حال دل چھپانا کس بات کا
بس چکے ہو دل میں اب نا محرم نہ رہے
پھر سامنے یوں حجاب میں آنا کس بات کا
ان آنکھوں میں اب کہاں خواب بستے ہیں
انہیں اب تعبیریں بتانا کس بات کا
یہ عشق ہے اس میں کہاں کے شکوے
حال دل لوگوں کو سنانا کس بات کا
ہماری وفا ہمارے عشق کی خوب گواہ ہے
ہمیں اب یوں آزمانا کس بات کا
وہ سنگ دل کہاں نظر کرے گا اب ان پر
خرم، زخم دل کو یوں سجانا کس بات کا

شاعر:خرم کاظمی

انتخاب:ہالہ سلیم......کراچی

ایک سوال

میرے آباؤاجداد نے حرمت آدمی کے لیے
تاابد روشنی کے لیے
کلمہ حق کہا
مقتلوں، قید خانوں، صلیبوں میں بہتا لہو
ان کے ہونے کا اعلان کرتا رہا
وہ لہو حرمت آدمی کی ضمانت بنا
تاابد روشنی کی علامت بنا
اور میں پابرہنہ سر کوچہ احتیاج
رزق کی مصلحت کا اسیر آدمی
سوچتا رہ گیا

جسم میں میرے ان کا لہو ہے تو پھر یہ لہو بولتا کیوں نہیں؟

شاعر: افتخار عارف

جویریہ ضیاء...... کراچی

غزل

زمیں کی حد کو فلک سے ملانا چاہتا ہوں
میں اس جہاں سے بہت دور جانا چاہتا ہوں
تو چاہتا ہے مری روح کو کرے یکجا
میں اپنی خاک ہوا میں اڑانا چاہتا ہوں
جو میرے دل کی طرح جل رہا ہے صدیوں سے
میں آنسوؤں سے وہ سورج بجھانا چاہتا ہوں
میں زخم جاں کو چھپاتا ہوں اجلے پیڑوں سے
عجب ہوں راکھ میں شعلے دبانا چاہتا ہوں

شاعر: احتشام علی

انتخاب: فریدہ...... ملتان

عالم میں انتخاب

کچھ نفرتوں کی نذر ہوا میرا یہ وجود
باقی جو بچ گیا تھا محبت میں مر گیا
مجھ کو بھی حصار میں کب لے سکا کوئی
میں اس لیے بس اپنی حراست میں مر گیا

کلام: رضی الدین رضی

انتخاب: راحت وفا...... ملتان

نظم

اس کو میری چپ نے رلا دیا
جو رلانے میں باکمال تھا
میری چاہت میں شاید اتنا اثر نہ تھا
جو انا پرست تھا بہت وہ صدا ہی رہا
اس کو میری موت نے ہلا دیا جو ضد میں کبھی ہلا نہ تھا
تیری یاد تھی یا آتش فشاں
میری انگ انگ کو جلا دیا
شب غم گزری ہے کس طرح
مجھے کیا پتا مجھے کیا ہوا

جب شام ڈھلی میری زندگی میں غزل
پھر صبح کا سورج نہ چڑھ سکا

غزل فاطمہ

انتخاب: نور فاطمہ...... حیدر آباد

تم مجھ کو اچھے لگتے ہو

اک بات کہوں گر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو
کچھ چنچل سے
کچھ چپ چپ سے
کچھ پاگل پاگل لگتے ہو
میرے چاہنے والے اور بہت
پر تم میں ہے اک بات بہت
تم اپنے اپنے لگتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو
یوں بات بات پر کھو جانا
کچھ کہتے کہتے رک جانا
تم کس الجھن میں رہتے ہو؟
اک بات کہوں گر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو

کلام: ناصر کاظمی

انتخاب: سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا

alam@aanchal.com.pk

وحدانیت

لوگوں کی اکثر یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں نہیں سنتا کیا کبھی ہم نے یہ غور کیا ہے کہ ہم دعائیں کیا مانگتے ہیں۔ ان کی نیت کیا ہوتی ہے کیا ہم کامل یقین سے دعائیں مانگتے ہیں۔ نہیں قطعی نہیں مانگتے اگر ہم دعا مانگ بھی رہے ہوتے ہیں تو اس میں ہماری بھلائی اور دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً اے اللہ! تو آج اتنی بارش دے کہ دل بھر جائے اس دعا سے ہمارا دل تو بھر جاتا ہے مگر دوسروں کا حال برا ہوتا ہے۔ دعا میں کاملیت نہیں ہوتی۔ اللہ مجھے فلاں چیز دے میں اس سے یہ وہ کروں گا بھلا رب العزت کیسے وہ دعا قبول کرسکتا ہے جس میں ایک انسان کا بھلا ہو رہا ہو اور دس کا نقصان۔ میرا ایمان ہے کہ جب بھی سچے دل سے نفع نقصان سوچے بغیر دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ کہتے ہیں انسان سخت مشکل میں ہو تو اگر وہ کوئی دعا مانگے تو وہ قبول ہوجاتی ہے۔ اس وقت کی دعا کسی بھی نفع نقصان سے پاک ہوکر دل میں ایمان پختہ رکھ کر قبول ہونے کے یقین سے مانگی جاتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔

حنا ناز...... پنڈ دادن خان

انبیاء علیہ السلام کے القابات

- ابوالبشر حضرت آدمؑ کو کہا جاتا ہے۔
- شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔
- ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔
- خطیب الانبیا حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔
- خلیفہ الارض حضرت داؤدؑ کا لقب ہے۔
- ابوالعرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔
- ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔
- کلیم اللہ حضرت موسیٰؑ کا لقب ہے۔
- ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا لقب ہے۔
- خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے۔

انتخاب۔ مہرین آصف بٹ...... کشمیر

لفظ لفظ خوشبو

- اگر زندگی میں سکون چاہتے ہو تو کبھی کسی سے توقع مت رکھو کیونکہ توقع کا پیالہ ہمیشہ ٹھوکروں کی زد میں رہتا ہے۔
- جتنا کسی کا ساتھ پرانا ہوتا ہی اس کی بے وفائی کے لیے تیار رہنا چاہیے کیونکہ تبدیلی کائنات کا خمیر ہے۔
- رشتے اپنائیت کے ہوں یا خلوص کے اتنے ہی نازک ہوتے ہیں جیسے آبگینے کہ ذرا سی ٹھیس لگے تو ٹوٹ گئے، بدگمانی نے سر اٹھایا تو چکنا چور ہوگئے پھر ان پر فخر کیسا۔
- عورتیں مردوں پر بالکل اعتبار نہیں کرتیں لیکن کسی خاص مرد کے لیے اپنے اس اصول کو بھول جاتی ہیں۔
- قبرستان ایسے لوگوں سے بھرے پڑے ہیں جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کے بغیر دنیا اجڑ جائے گی۔
- دکھ کی دراڑیں چہروں سے تو رخصت ہوجاتی ہیں لیکن وہ انسان کے اندر اتر کر اس گوشے کو ویران کردیتی ہیں جو کسی ایک شخص کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

نادیہ عباس...... موسیٰ خیل

حکمت معرفت کی سوئی

- حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے، اے ابن آدم! ظالم بادشاہ اور امیر کبیر سے مت ڈر جب تک میری سلطنت ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے ہے۔
- اے ابن آدم! کسی سے کچھ مت مانگ، جب تک تو مجھ سے پائے اور مجھے جب تک چاہے گا پائے گا۔
- اے ابن آدم! میرے غصے سے بے باک نہ ہو، جب تک تو پل صراط سے گزر کر بہشت میں داخل نہ ہوجائے۔
- اے ابن آدم! میں تیرا دوست ہوں تو بھی میرا دوست بن رہ اور میری صحبت اور عشق کے غم سے خالی نہ ہو۔

ثمرین جعفری......تلہ گنگ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

☆امانت سے رزق بڑھتا ہے۔ خیانت سے افلاس لازم آتا ہے۔

☆وہ شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جو خود تو سیر ہوکر کھائے لیکن اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔

☆سادگی ایمان کی علامت ہے۔

☆دولت مند پر حسد نہ کرو۔ دولت کی لذتیں فانی و عارضی ہیں۔

☆جو شخص جھوٹی قسم کھائے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

زرش نعیم......چکوال

اقوال زریں

● بات ہمیشہ وہی یاد رہتی ہے کہ جس سے سچائی کی خوشبو آتی ہے۔

● ہمیشہ ایسی بات کریں جو آپ کو ہلکا نہ کرے۔

● کبھی بغیر سوچے اور بلا سمجھے نہیں بولنا چاہیے۔

● ہمیشہ یہ سوچ کر مانگنا چاہیے کہ ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔

● جو جس وقت ملے اسی وقت شاکر ہونا بہتر ہے۔

● سوالی کا سوال اسی وقت پورا کرو نہ کہ اسے دس سنا کہ جواب دو۔ بہتر ہے کہ آپ نہیں دینا چاہتے تو منع کر دیں بہتان لگا کر دیا ہوا خالی جاتا ہے۔

حنا ناز......لیہ

انسانی جسم کی کابینہ

دماغ......وزیراعظم

سر......وزیر تعلیم

کان......وزیر ڈاک و تار

معدہ......وزیر خوراک

دل......وزیر مالیات

ہاتھ......وزیر محنت

ناک......وزیر صحت

دانت......وزیر تعمیرات

آنکھیں......وزیر قانون

جلد......وزیر دفاع

ٹانگیں......وزیر مواصلات

زبان......وزیر نشریات

مسام......وزیر داخلہ

سحرش بٹ......حسن ابدال

جواہر پارے

☆بہت زیادہ بارش سے تو سنگ مرمر میں بھی سوراخ ہوجاتا ہے۔

☆جب تحائف دینے والے نامہربان ہوجائیں تو بڑے بڑے تحفے بھی اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔

☆ایک ایمان دار انسان اللہ تعالیٰ کا بہترین شاہکار ہے۔

☆جس شخص کو مفتوح ہونے کا خدشہ ہو وہ شکست ضرور کھاتا ہے۔

☆چیونٹی سے بڑھ کر کوئی خاموش تعلیم نہیں دیتا۔

☆صرف احمقوں کو ہی دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔

زینب فرحان......ملتان

دلچسپ اور عجیب

❁ انوکھا موسیقار۔ لندن کا موسیقار جان اسمتھ اپنی ٹھوڑی کو ڈھول کی طرح پیٹ کر برطانیہ کے تمام ہردلعزیز گانوں کے سر نکال سکتا تھا۔

❁ عجیب مینڈک۔ آسٹریلیا میں بلی جتنے بڑے مینڈک پائے جاتے ہیں جو کہ اٹھارہ فٹ لمبی چھلانگ لگاتے ہیں۔

❁ شیشے کا آدمی۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں چین میں ایک آدمی کا جسم اس قدر شفاف تھا کہ اس کے تمام اندرونی اعضا بخوبی نظر آتے تھے۔

❁ دو دماغ والا بندر۔ امریکہ میں آج بھی ایسے بندر پائے جاتے ہیں جو دو دماغ رکھتے ہیں۔ ایک دماغ ان کے جسم کو اور دوسرا ان کی دم کو کنٹرول کرتا ہے۔

ﷺ دنیا کا سب سے بڑا چمگادڑ۔ فروٹ بیٹ دنیا کا سب سے بڑا چمگادڑ ہے۔ یہ ملائیشیا میں پایا جاتا ہے اور اس کی لمبائی پانچ فٹ ہوتی ہے۔

شبانہ صابر..... جتوئی

اندھا شوہر اور بدصورت بیوی

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی کی ایک لڑکی نہایت بدصورت تھی اور وہ جوان ہوگئی تھی۔ مال سامان کے باجود کوئی اس سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں کرتا تھا (بدصورت دلہن کے اوپر اعلیٰ ریشمی لباس بھی برا معلوم ہوتا ہے) الحاصل ضرورت کی وجہ سے مجبور ہوکر ایک اندھے کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح کردیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مشہور حکیم ان ہی دنوں جزیرہ لنکا سے وہاں آیا تھا' جو اندھی آنکھوں کو اپنے علاج سے روشن کرتا تھا لوگوں نے اس آدمی سے کہا کہ تم بھی اپنے داماد کا علاج کرالو۔ اس نے جواب دیا: میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بینا (دیکھنے والا) ہوکر وہ میری بیٹی کو طلاق دے دے۔ (گلستان ص ۱۰۲)

فائدہ: دنیوی معاملات میں بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔

مرسلہ: شمع عندلیب..... حیدرآباد

جدید ضرب المثل

☆ دلہے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔

☆ خاوند وہ جو ساس کے کام آئے۔

☆ بھاگتے شوہر کی ریزگاری ہی سہی۔

محمد یعقوب حماس..... ڈیرہ غازی خان

حسد کی خرابی

مجھ سے کسی کو اذیت نہ پہنچے یہ تو میں کرسکتا ہوں لیکن مجھ سے حسد کرنے والوں کا میں کیا کروں' وہ خود ہی حسد کے سبب سے رنج اور تکلیف میں پڑے ہوئے ہیں۔

اے حاسد! تو مرجا اس لیے کہ دوسروں کے بارے میں جلاپا (تمناء زوالِ نعمتِ غیر) ایسی مصیبت ہے کہ اس کی ایذا اور خرابی سے سوائے موت کے چھٹکارا ملنا مشکل ہے۔ (گلستان ص ۱۵)

رفیعہ اے ڈوگر..... لاہور

سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ایاز کا قصہ

غزنی کے بادشاہ کی ایک شخص نے برائی بیان کی کہ تعجب کی بات ہے' ایاز میں کوئی حسن و جمال بھی نہیں اور بادشاہ اس سے محبت رکھتا ہے' جس پھول میں نہ رنگ ہو نہ خوش بو اس پر بلبل کا عاشق ہونا عجیب ہے۔ کسی نے یہ بات سلطان محمود سے کہہ دی۔ وہ رنج و غم میں پڑ گیا اور کہا: اے صاحب! مجھے اس کی عادت سے عشق ہے نہ کہ اس کے قد اور خوب صورتی سے۔ حضرت سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے سنا ہے کہ اونٹ ایک تنگ جگہ میں گر پڑا اور موتیوں کا صندوق ٹوٹ گیا' بادشاہ نے لوٹ لینے کی عام اجازت دے دی اور وہاں سے جلدی جلدی سواری ہنکادی' سوار لوگ بادشاہ سے غافل ہوکر موتی اور مونگے لوٹنے میں لگ گئے۔ بڑے بڑے نوکروں میں سے بادشاہ کے پیچھے ایاز کے سوا کوئی بھی نہ رہا۔ اس نے دیکھ کر کہا: اے خمدار زلفوں والے محبوب! لوٹ میں سے کیا لایا؟ اس نے کہا: کچھ بھی نہیں میں تو آپ کے پیچھے دوڑتا رہا' خدمت گزاری کی وجہ سے مال میں نہ لگا۔ (سبحان اللہ کیا وفاداری ہے)

فائدہ: درباریوں کو کسی حال میں بادشاہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے طریقت کے خلاف ہوگا اگر اولیاء خدا کے علاوہ دوسرے سے تمنا کرنے لگیں' اگر تیری نگاہیں دوست کے اسباب پر لگی ہیں تو تو اپنی فکر میں ہے نہ کہ دوست کی جب تک حرص سے تیرا منہ کھلا ہوا ہے' تیرے دل کے کان میں غیب سے کوئی راز نہیں آئے گا۔

ثوبیہ ناز..... کوئٹہ

دعا

اے اللہ! تو وہ ذات ہے کہ تیرے لیے سجدہ ریز ہے رات کی تاریکی اور دن کا نور' چاند کی چاندنی' سورج کی شعاعیں اور بہتے پانی کا شور' درختوں کی سرسراہٹ۔ اے اللہ! تو وہ ذات ہے کہ تجھ جیسا کوئی نہیں تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اے اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا۔

اور نہیں تھی۔ تھا۔ میں کوئی چیز' ظلم کیا میں نے خود پر اور

مجھ سے گناہ ہوئے اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا/کرتی ہوں۔"اے میرے رب! مجھے معاف کردے۔ اگر کردے تو مغفرت میرے لیے۔ اے میرے رب! پس نہیں کمی ہوگی تیری بادشاہت میں اور اگر تو مجھے عذاب دے۔ اے میرے رب! تو تیری سلطنت میں اضافہ نہ ہوگا کسی چیز کا۔ اے میرے رب! اور تیرے بغیر کسی سے میرے گناہوں کی مغفرت نہیں مل سکتی۔ اے میرے رب! پس مجھے بخش دے (آمین)۔

ماخوذ ترجمہ دعائے قدح معظم سے

اقصیٰ میر...... ناظم آباد

دل کی بات

منزل کی ترجیحات بدلتی رہتی ہیں۔ دراصل جو ہماری خواہش ہے ہم اسے منزل سمجھ لیتے ہیں۔ جب ہماری خواہشات پوری ہوتی رہتی ہیں ہم مطمئن اور آسودہ رہتے ہیں اور جب خواہش ادھوری رہ جائے تو ہم بے چین ہوجاتے ہیں۔ بہت سی چیزیں یا کام ایسے ہیں جو ہورہے ہوتے ہیں اور ہمیں نظر نہیں آتے مثلاً جیسے وقت کا گزرنا۔ وقت گزرتا ہے وقت گزرتا رہتا ہے ہمیں بہت کچھ دیتا رہتا ہے ہم سے بہت کچھ لیتا رہتا ہے اور وقت کے توسط سے ہی ماضی حال اور مستقبل وجود میں آتے ہیں اور ماضی کبھی لوٹ کر نہیں آتا اور مستقبل کی کسی کو خبر نہیں۔

یوں حال ہی ہے جس میں ہم رہ رہے ہوتے ہیں اور اگر ہمارا حال اچھا ہے تو ہمیں سب کچھ اچھا لگتا ہے ہم اپنے ماضی کو یاد نہیں کرتے اور اگر حال اچھا نہیں تو ہم ماضی میں جھانکتے ہیں اور اپنے ماضی کو اپنے حال سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں جو کبھی ہو نہیں سکتا۔

ماضی اور مستقبل ہم ان سے دور ہوتے ہیں اور حال ہی ہماری دسترس میں ہوتا ہے یا ہم حال کی دسترس میں ہوتے ہیں۔

شبانہ خالد...... کراچی

بکھرے ہیں موتی

❁ جو شخص اس لئے اپنی اصلاح کررہا ہے کہ دنیا اس کی تعریف کرے تو اس کی اصلاح نہیں ہوگی۔

❁ اپنی نیکیوں کا صلہ دنیا سے مانگنے والا انسان نیک نہیں ہوسکتا۔

❁ ریاکار اس عابد کو کہتے ہیں جو دنیا کو اپنی عبادت سے مرعوب کرنا چاہے۔

جویریہ قدوس...... کراچی

اقوال زریں

- بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔ عقل مند سوچ کر بولتا ہے۔
- تکبر، ظلم اور غصہ عدل کا دشمن ہے۔
- خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھنے کی سعی کریں۔
- کسی کی مدد کرکے اسے بھول جاؤ۔
- بڑی چھلانگ لگانے کے لیے تھوڑا پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔
- جھوٹ سے بہت دور تک جاسکتے ہیں لیکن واپس نہیں آسکتے۔
- دعائیں اس وقت کارگر ہوتی ہیں جب ان کے ساتھ جدوجہد بھی کی جائے۔
- جو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے بلاوجہ ہی دوست بن جاتا ہے۔
- پھٹی ہوئی بوری بے جا خواہشوں کی طرح ہوتی ہے جو کبھی بھی نہیں بھرتی۔
- چھوٹے بچے سونے نہیں دیتے جبکہ بڑے بچے آرام نہیں کرنے دیتے۔

بتول فاطمہ...... حسن ابدال

shukhi@aanchal.com.pk

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے۔ آپ بہنوں سے بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن جس وقت قلم ہاتھ میں آتا ہے تو الفاظ کہیں محو ہوجاتے ہیں اور پھر کچھ یاد نہیں رہتا۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ حجاب کو منزل کی طرف قدم بڑھائے دوسرا سال ہونے کو آیا ہے کچھ بہنیں اب بھی ہر ماہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں اور کچھ جیسے راہ میں ٹھہر گئی ہیں۔ حجاب کے ساتھ اس کی ٹیم بھی ان ساتھیوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہے پر وہ خاموش ہیں۔ کیا بات ہے کچھ ہم سے کہیں مگر منزل سے پہلے ساتھ مت چھوڑیں خیر یہ تو دل کی بات ہے۔ آپ قارئین سے گزارش ہے کہ آئندہ ماہ حجاب کی سالگرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اپنی نگارشات اور تبصرے بیس تاریخ تک ارسال کردیں اب بڑھتے ہیں حسن خیال کی جناب جہاں آپ کے تبصرے مصنفین کی تحریروں کو حسن بخش رہے ہیں۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ۔ السلام علیکم! ہم اپنے گھر کے آنگن میں اپنے اکلوتے اور لاڈلے شاہی تخت پر شاہانہ انداز سے براجمان اماں جان کو "آغوش مادر" من وعن سنانے میں محو تھے کہ دادی جان کی دھماکہ دار انٹری سے ہمارے ہوش وحواس کے طوطے آزاد فضا میں محو پرواز ہوگئے دادی جان کی بارعب آواز نے سماعتوں کو عزت بخشی۔ کیا سنایا جارہا ہے صد شکر قوت گویائی سے محروم ہوتے ہوتے بچے دادی جان ایک اچھی بچی (عائشہ نور محمد) نے اپنی پرنانی کے متعلق بتایا ہے کتنے مزے کا لکھا ہوا ہے بھائی نے ہنستے ہوئے دادی کو بتایا کہ ہاں ایک مرتبہ خالو نے اماں (ہماری پردادی) سے کہا کہ اب تو ٹکٹ کٹوالو اپنے پوتے، پڑپوتے اور نکڑ پوتے بھی دیکھ لیے اب تو آپ نکڑ دادی بن گئی ہیں لو جی دادی جان کو ہنستے ہوئے یادوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے دیکھ کر ہم نے بھی حجاب کی گہرائی میں چھلانگ لگادی (بچت ہوگئی ڈانٹنے کا سلسلہ موقوف ہوگیا) حجاب آنکھوں میں سمایا تو دل میں چہار سو ٹھنڈک سی اترتی محسوس ہوئی جس طرح سورج کے ساتھ روشنی چاند کے ساتھ چاندنی، جسم کے ساتھ روح دل کے ساتھ دھڑکن اسی طرح زندگی کے ساتھ آنچل وحجاب لازم وملزوم ہے (اپنی محبت کا پرچم دل کی سرزمین پر بلند کرکے حجاب نے تو دلوں کو فتح کرلیا ہے) ماڈل کے اوپر کو اٹھتے ہوئے بے قرار نین جنہیں شاید ہم کو دیکھ کر قرار مل گیا ہوگا (آہم) مگر آہ حجاب میں اپنا نام نہ دیکھ کر قلب وجاں انتہائی مضمحل وبے چین ہو کر سسک اٹھے "اوہو ہوجاتا ہے نہ کبھی ایسا" خود کو دلاسہ دیتے ہوئے قیصر آپا کی مہکتی بزم میں قدم بڑھائے۔ قیصر آپا کے مہکتے جملوں کی میٹھی میٹھی چاشنی کی برسات بوند بوند من کو سیراب کرنے لگی من کی کلیاں کھل کر گلاب ہوئیں تو اداسی وبے چینی نے باہر کا رخ کیا۔ "بات چیت" کے بعد حمد ونعت نے دل وروح کو روشن کردیا "ذکر اس پری وش کا" ثناء بشیر، ماریہ کنول ماہی، عارفہ ماہی اور مصباح بتول آپ کی دوستی قبول ہے جی۔ رخ سخن میں فاخرہ گل کو جاننے کا شرف حاصل ہوا دل خوشی سے رقص کرنے لگا شکریہ سباس آپی آخر کو آپ انہیں عدالت میں لے ہی آئیں۔ "گمان" سویرا فلک نے زندگی کے خاص پہلو کو نہایت خوب صورتی سے اجاگر کیا، واقعی ہمیں اللہ کی رضا میں خوش ہونا چاہیے ہم اپنے لیے بہتر مانگتے ہیں لیکن وہ پاک ذات ہمیں بہترین سے نوازتی ہے "چلو کچھ دیر ہنستے ہیں" حنا اشرف۔ جی ہاں ہنستے ہیں آپ نے بجا فرمایا بدگمانی کے بادل چھٹ جائیں تو من کے آنگن میں چہار سو خوشیاں ہی راج کرتی ہیں۔ حرا قریشی "آزاد فضا کے قیدی پنچھی" لفظوں کے غلافوں میں لپٹے ہوئی اس تحریر نے دل ودماغ کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا ویری گڈ جی۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" نادیہ احمد آہستہ آہستہ حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہیں، ہمیں خبر تھی فاطمہ ہی نور انصاری ہیں اب یہ علینہ کا ان سے کیا رشتہ ہے اس سے بھی عنقریب باخبر ہوجائیں گے۔ سفینہ کی موت نے ورطہ حیرت میں ڈال دیا شہباز نے تو ظلم کی انتہا کردی واقعی اس دور میں بشر تو لعل وگہر سے بھی سستا ہے۔ "ست رنگی عید" دلوں کو چھوتی ہوئی یہ تحریر حقیقت کے قریب لگی ویری نائس نور عین جی۔ آرٹیکل "وطن کی مٹی سلام تجھ پر" پاکستان کے لیے نوجوانوں کے خیالات سن کر آنکھیں نمکین پانیوں سے لبریز ہوگئیں یادوں کے دیئے من میں زندگی کی آخری شام تک جلتے رہتے ہیں اب یادیں اچھی ہوں تو دل روشن اور اذیت ناک ہوں تو من میں آگ ہی لگتی ہے۔ عبدالمجید نے تو پھر اپنے پیاروں کو

اپنی آنکھوں کے سامنے دنیائے فانی سے عالم آخرت کا سفر کرتے ہوئے دیکھا تھا اس ملک کے لیے اتنی قربانیاں دینے کے باوجود بھی ہم صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہیں۔ رفعت فاطمہ زبردست لکھا آپ نے ''قیمتی بکرا'' سدرہ فریال کی بہترین کاوش قلب پر نقش ہوگئی عبدالرحیم لوگوں کی وجہ سے یہ دنیا گلشن ہے حق دار پکڑ پکڑ کر سوال نہیں کرتے غربت کے نشان ان کے چہروں سے ظاہر ہوتے ہیں ہمیں اپنے اردگرد ایسے ہی لوگوں کو ڈھونڈنا چاہیے۔ ''قربانی'' مونا شاہ قریشی کن لفظوں میں سراہیں کس ادا سے داد دیں ہم لفظوں کے ہیر پھیر سے ناآشنا ہر زاویے سے حقیر' لکیر کے فقیر کس انداز سے بتائیں آپ تو اپنی مثال آپ ہیں۔ ''مدد'' عائشہ اختر بٹ نے خوب پیغام دیا اللہ اپنے بندوں کی ایسے ہی مدد فرماتا ہے اور غرور و تکبر اللہ کو سخت ناپسند ہے یہ اللہ کا احسان ہے وہ جس پر چاہے اپنی رحمت فرمادے۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' آخر کو دراج شیراز سے جیت ہی گئی وقت کی بے رحم موجیں عرش کو کس رخ لے جائیں گے' نائلہ طارق ہم تو سسپنس کی لپیٹ میں آگئے ہیں کہانی نے نیا موڑ اختیار کرلیا ہے۔ تحریروں کی بستی سے نکلے تو حسن خیال کے دربار میں جھانکا ارے واہ اب پھر سے تبصروں پر انعام ملنے والا ہے یقین جانیے جب ہمارا تبصرہ حجاب میں شامل ہوتا ہے تو یہ ہمارے لیے بہت بڑا انعام ہوتا ہے حجاب آتے ہی جب میری کزنز فرینڈز یہ کہتی ہیں اوئے اس بار تیرا نام نہیں آیا تو اداسی من میں پھیل جاتی ہے۔ سچ جب من آنگن میں ویرانیاں ڈیرے ڈال لیں اور آنکھوں کی طاق میں سجی امید کی قندیلیں بھی ماند پڑنے لگیں تو اداسی کا یہ سفر اکیلے ہی طے کرنا پڑتا ہے اور جب یہ کہتی ہیں تیرا نام بھی روشن ہے یہاں بھی اور یہاں بھی' یہ سن کر اتنی خوشی ہوتی ہے جیسے بہت بڑا انعام مل گیا ہو میرے دل کی بھرپور عکاسی کرتا ہوا یہ شعر آپ کی نظر۔

جب ہر سلسلہ میں ہمارا نام ہوتا ہے
پھر خوشی میں نہ ہم سے کوئی کام ہوتا ہے
آپ کا اتنا سا پیار بھی یقین مانیے
زندگی کے لیے ایک خوب صورت انعام ہوتا ہے

صائمہ سکندر سومرو' ثناء فرحان' صباء عیشل' منزہ عطا کے تبصرے شاندار رہے دیگر سلسلے بھی سپر ہٹ تھے فوزیہ ثمر بٹ 10 اکتوبر کو آپ کی سالگرہ ہے بہت مبارک ہو جی تبصرہ طویل ہوگیا ہے اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر گل! خوب صورت انداز بیان اور دلکش انداز میں لکھا آپ کا شوشل میڈیا سے موصول تبصرہ پسند آیا' شعر بھی خوب تھا۔ ادارے کی جانب سے آپ انعام کی حق دار ٹھہریں' مبارک ہو۔

شیریں...... کوری خدا بخش۔ السلام علیکم! سب سے پہلے میں حجاب کی ساری قارئین کو دل کی گہرائیوں سے سلام پیش کرتے ہوئے اس شعر کے ساتھ کہ

تو مجھے بس اپنی دعا میں یاد رکھا کر
پھر خوشی ملے یا غم میرا نصیب ہے

جی تو سنائیں کیسے ہیں آپ سب لوگ! امید کرتی ہوں کہ آپ لش پش مزے کی زندگی گزار رہے ہوں گے۔ چلیے جی اب آتے ہیں اپنے سویٹ سے کیوٹ سے حجاب کی طرف جو مجھے اس دفعہ جلدی مل گیا' بہت شکریہ حجاب ٹیم اور بہت شکریہ ماورا جس کی بدولت مجھے حجاب 10 تاریخ سے پہلے ہی مل گیا۔ اس دفعہ حجاب کو دیکھتے ہی دل باغ باغ ہوگیا کیونکہ اس بار ٹائٹل بہت ہی شاندار تھا۔ سب سے پہلے حمد و نعت پڑھ کر اپنے دل کو نور سے منور کیا اور دل کو بہت ہی سکون ملا۔ اس کے بعد ''ذکر اس پری وش کا'' سب دوستوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ چاروں دوستوں کی دلی جائز اور نیک خواہشات کو پورا فرمائے' آمین۔ ''رخ سخن' میں فاخرہ گل سے ملاقات کرتے ہوئے ایسا لگا کہ وہ میرے روبرو بیٹھ کر باتیں کررہی ہیں۔ بہت مزہ آیا آپ سے مل کر۔ ''آغوش مادر'' عائشہ نور بہت اچھا اور زبردست لکھا' والدین کا خاص کر ماں کا تو نعم البدل کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک درخواست ان لوگوں سے کہ جن کے ماں باپ حیات ہیں کہ ماں باپ کو آگے سے کسی بات کا جواب مت دیں۔ وہ کچھ بھی بولیں تم بس چپ کر کے سنتے رہو۔ وہ جو بھی کہتے ہیں ہمارے بھلے کے لیے کہتے ہیں۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' بہت ہی سپر اور اعلیٰ ناول' پلیز تھوڑا زیادہ شائع کیا کریں' جیسے ہی پڑھنا شروع کرو تو ختم۔ سونیا کو شوٹ کرنے کا دل کرتا ہے ایسے بھی کوئی کرتا ہے۔ مکمل ناول ''گمان''

بہت ہی زبردست تحریر۔ انسان بہت ہی بے صبرا ہوتا ہے حرص اور ہوس انسان کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑتی۔ ایک انسان کیسے یہ بھول جاتا ہے کہ وہ خدا جو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ کیسے برا کرسکتا ہے۔ وہ ہمیں جو دیتا ہے ہمارے لیے بیسٹ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں دیتا تو ہمیں اس سے کوئی گلہ شکوہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جو وہ نہیں دیتا وہ ہمارے حق میں اچھا نہیں ہوتا اور یہ بات تابندہ جیسی لڑکیوں کو بہت دیر سے سمجھ آتی ہے۔ ویلڈن سویرا بہت مبارک باد۔ ایسے ہی لکھتی رہیں تاکہ وہ لڑکیاں جو ظاہری حسن اور شان وشوکت میں کھو جاتی ہیں وہ سبق حاصل کرلیں۔ ''ست رنگی عید'' نورعین نے بھی اس دفعہ اس دور کی حقیقت کی زبردست عکاسی کی ہے۔ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی میں بہت سے گھر اجڑ گئے۔ اس نے اتنے کا سوٹ لیا تو میں نے تو اس سے دوگنی قیمت کا لینا ہے' عجیب لوگوں کی عجیب سوچیں مگر نورعین لکھا بہت اچھا آپ نے۔ ''دل کے دریچے'' فائزتم اب اپنی پرانی یادوں سے نکل آؤ یادوں میں کچھ بھی نہیں رکھا۔ روشنی کا بھائی اور بھابی کے ساتھ اس قدر تلخ لہجہ ویسے ہر نئی قسط پہلی قسط سے زیادہ مزے کی ہوتی ہے۔ افسانوں کی بات کی جائے تو ہر افسانہ اپنی جگہ پہ بہت ہی اعلیٰ اور سبق آموز تھا۔ ''قیمتی بکرا'' سدرہ فریال بہت ہی زبردست تحریر۔ اس دور میں ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں اور خدا کو ان کی یہی بات پسند آتی ہے تو ہی اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ نوازتا ہے۔ ''پیام عید'' ماورا طلحہ کا گھریلو سارو ٹھتا مناتا افسانہ بہت اچھا لگا۔ ''مفلس عید'' ریحانہ آفتاب دنیا کے ڈھنگ نرالے ہیں' بہت دکھی کر گیا آپ کا افسانہ' کاش کہ لوگ صرف اپنوں کے لیے تھوڑا دل نرم کرلیں تو بہت سے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ باقی سب افسانے بہت اچھے اور زبردست لگے۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بہت ہی اچھے لگے۔ بزم سخن کا ہر شعر بیسٹ تھا۔ کچن کارنر میں سب بہت مزے کا تھا۔ چلئے جی اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کہ ساتھ کہ جہاں رہیں خوش رہیں اور جب بھی ہاتھ دعا کے لیے اٹھائیں تو مجھے ضرور دعاؤں میں یاد رکھیں۔ سانسوں نے وفا کی تو اگلی بار پھر حاضر ہوں گی فی امان اللہ۔

تمہاری دعا سے ہو جائے شاید میرے لیے آسانیاں پیدا
یہی سمجھ کر مجھے اپنی ہر دعا میں یاد رکھنا

☆ پیاری شیریں آپ کا خوبصورت انداز میں ڈاک سے موصول ہونے والا تبصرہ انعام کا حق دار ٹھہرا۔ مبارک باد آئندہ بھی محفل میں شامل رہیے گا۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار حجاب ستمبر کا شمارہ نور راجہ کے سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے سرورق دیکھ کر ہونٹوں پر یہ شعر مچلنے لگا۔

''جانے کیا سحر تھا ان آنکھوں میں
اب کسی پہ نہ یہ نظر ٹھہرے''

قیصر آرا آپی! ہم پاکستانیوں کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں کہ ہم جوہری اور ایٹمی طاقت رکھنے والے ہیں ہمیں امریکہ سے نہیں ڈرنا چاہیے' جی ہاں! میں بھی آپ کی اس بات سے اتفاق کرتی ہوں۔ حمد ونعت پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا' رخ سخن میں صبا س گل نے فاخرہ گل کا خوب انٹرویو لیا' سلسلہ وار ناولز کے ساتھ ساتھ ''گمان' ست رنگی عید' نئے تعلق کی پہلی عید' قربانی' آزاد فضا کے قیدی' پنچھی' پسند آئے۔ میرے پاس جو حجاب آیا ہے اس میں صفحہ نمبر 227 سے صفحہ نمبر 258 تک صفحات نہیں تھے یہی 32 صفحات ڈبل ڈبل شائع ہوگئے یعنی آرٹیکل اور بزم سخن' کچن کارنر' آرائش حسن ہم پڑھنے سے محروم رہے۔ عالم انتخاب میں ہالہ سلیم' عائشہ سلیم' سدرہ شاہین' صائمہ شیرازی' صدف آصف' زوبار یہ ساحر۔ شوخی تحریر میں فائزہ بھٹی' انا مریم' نورین انجم اعوان' شازیہ اختر شازی' اقرا جٹ۔ حسن خیال میں نرمین سرحیو' صائمہ سکندر' طیبہ شیریں' صبا عیشل' ہنزہ عطا' ثناء فرحان چھائے رہے۔ عید کے حوالے سے اس میں زیادہ افسانے تھے' ہمیں یہ شمارہ عید نمبر ہی لگا۔ آپ سے گزارش ہے کہ جیسے آنچل میں سوال وجواب کا سلسلہ ہم سے پوچھئے کا ہے ایسے ہی حجاب میں بھی سوال وجواب کا سلسلہ شروع کیا جائے' اجازت' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر پروین آپ اپنا شمارہ شاپ کیپر کو دے کر بدلوا سکتی ہیں۔

عنایہ خالد...... راولپنڈی۔ پیاری جو ہی احمد السلام علیکم! اپنی انتہائی مصروف اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر اس دفعہ میں نے حاضری کی جرأت کرلی اصل میں میں این یو ایس ٹی یونیورسٹی سے کمپیوٹر سافٹ ویئر میں انجینئرنگ کررہی ہوں اور ہاسٹل

میں رہ رہی ہوں یونیورسٹی کا ڈسپلن تو اپنی مثال آپ ہے اور پڑھائی کا بوجھ بے تحاشا ہے سانس لینے کا وقت بھی مشکل سے ملتا ہے۔ ایسے میں ڈائجسٹ پڑھنا کتنا مشکل ہوگا آپ سمجھ سکتی ہیں لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ شوق کا کوئی مول نہیں کے مصدق میں اپنی ٹف روٹین میں ڈائجسٹ پڑھنے کا ٹائم نکال ہی لیتی ہوں چاہے اس کے لیے مجھے صبح چار بجے کیوں نہ اٹھنا پڑے خیر آپ بھی کیا سوچ رہی ہوں گی کہ میں اپنی روٹین بتا کر بور کیوں کر رہی ہوں' میں یہ سب اس لیے بتا رہی ہوں تا کہ آپ جان سکیں کہ میرا خط شائع کرنا کتنا ضروری ہے۔ ویسے تو آنچل اور حجاب میرے پسندیدہ رسالے ہیں لیکن عید نمبر تو رسالے کی جان ہوتا ہے۔ میری عادت ہے کہ میں رسالہ آخر سے پڑھنا شروع کرتی ہوں پہلے رفعت فاطمہ کی کہانی پڑھ کر حب الوطنی کے جذبے کو خوب تقویت ملی پھر جناب پڑھا ''ست رنگی عید'' اس کہانی کو پڑھ کر تو میں خود بھی رنگوں میں ڈوب گئی پختہ انداز تحریر اور چلبلہ انداز دل کو بھا گیا اور اس سین میں تو میرا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا جب ساس نے اس کو بھنا ہوا گوشت دیا اور دیور شیراز بیچارہ شوربے والا سالن کھا گیا اور ان کی سیاسی جملے بازیاں بھی بہت مزے کی تھیں اور شوہر صاحب کا کردار اف میں تو جھوم جھوم گئی پہلے تو مجھے عطروبہ پر بہت غصہ آیا جب اس کو ساس کا دیا گفٹ پسند نہیں آیا لیکن رائٹر صاحبہ نورعین اسے راہ راست پر جلد ہی لے آئیں ورنہ مجھے تو بہت غصہ آنا تھا لیکن شکر ہے کہ میں کہانی پڑھ کر ہنستے ہوئے اٹھی نورعین جی اب ایسی اور بھی بہت ساری کہانیاں لکھیں تا کہ انہیں پڑھ کر سبق اور مزا دونوں حاصل کرسکیں۔ قسط وار کہانیاں تو ہوتی ہی لاجواب ہیں ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' اور ''دل کے دریچے'' بھی بہت اچھے جارہے ہیں ان کے علاوہ ''گمان'' بھی بہت اچھی لگی۔ ''چلو کچھ د پر ہنستے ہیں'' یہ تحریر پڑھ کر بھی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ''جان تمنا'' نام پڑھ کر نجانے کیوں تمنا بیگم یاد آ گئیں حلانکہ وہ بہت پرانی اداکارہ تھیں لیکن میں ان کو اس لیے جانتی ہوں کیونکہ میرے بابا میری ماما کو ان کا نام لے کر اکثر چھیڑتے ہیں اور وہ چڑ بھی جاتی ہیں۔ خیر میں نے آپ کا بہت ٹائم لے لیا ہے اور اپنا دے بھی دیا ہے' صبح میری کلاس ہے اور اس ٹائم رات کے ڈیڑھ بج گئے ہیں' جاتے جاتے آپ سے ایک بات کہنی تھی کہ اگر میرا خط انعامی ہوگیا تو میرا انعام کسی اور کو دے دیں کیونکہ میرے ہاسٹل والے یہ پسند نہیں کریں گے کہ یہاں کوئی رسالہ وغیرہ آئے۔

مہ جبین ...... حیات آباد۔ السلام علیکم! کیسے احوال ہیں سب کے یقیناً فٹ فاٹ ہوں گے۔ حجاب عید نمبر کے کیا کہنے جناب مزہ ہی آ گیا' پورے کا پورا حجاب بیسٹ تھا یقین کریں ایک لمحہ کو دل نہ کیا کہ اٹھ کر ایک ہنڈیا ہی گوشت کی پکالیں ڈھیٹ بنے رہے اور مزہ لوٹتے رہے ہاہاہا۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' یہ قسط تھوڑی افسردہ کرگئی پلیز عرش کے ساتھ برامت کیجیے گا اس کا ایکسیڈنٹ ہونا بہت پریشان کرگیا ہمیں۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' سو سو تھی۔ ''گمان'' بھی اچھی رہی' ناولٹ کے کیا کہنے کیا شاندار ناولٹ تھا جناب بے ساختہ ہونٹوں پر ہنسی بکھر گئی جو چیز سب سے شاندار تھی ابو رجھے' بہت بہت پسند آئی وہ اس مہینے کے افسانے تھے یعنی عید بکرا' جھری' مزہ' رومانس' سبق آ گہی ہر چیز موجود تھی افسانوں میں۔ افسانوں میں نمبرون شائستہ جٹ کا افسانہ تھا' عید کی مناسب سے نٹ کھٹ افسانہ دل کو چھو گیا۔ شائستہ آپ کی شاعری بھی بہت لاجواب ہوتی ہے' مفلس عید نمبر دو پر تھی' نیلم شہزادی کا افسانہ بھی اچھا تھا باقی پورے کا پورا حجاب شاندار تھا۔ اشعار بھی اچھے تھے' شوبز کی باتیں اوپر سے گزر گئیں' میں بھی حجاب پڑھتی ہوں تو مجھے آنچل یاد آتا ہے اور جب آنچل پڑھوں تب حجاب کی کہانیوں کو مس کرتی ہوں' پتا نہیں کیوں؟ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ حجاب اور آنچل کو اسی طرح قائم رکھے اور دن دگنی رات چگنی ترقی کرے اور ہمیں شعور کی دنیا سے روشناس کرواتے رہیں' اللہ حافظ۔

ماورا طلحہ ...... وزیر آباد۔ السلام علیکم! حجاب انتظامیہ اور سب پڑھنے والوں کو دل سے سلام عرض ہے اور امید کرتی ہوں سب زندگی کے رنگوں سے خوشیاں کشید رہے ہوں گے۔ آپ سب بھی کہیں گے یہ کیا ہر ماہ منہ اٹھا کے چلی آتی ہے' پر مجھے کیا جو مرضی سوچیں میں تو آتی رہوں گی۔ سب سے پہلے بات چیت سے آغاز سے کیا۔ قیصر آراء آپا کی ہر بات سے اتفاق کروں گی' سب کچھ ہے اس پیارے پاکستان میں مگر ہمارے حکمران شاید عقل سے بے بہرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ ٹائٹل کی تعریف تو رہ ہی گئی۔ بہت خوب صورت ٹائٹل تھا میری طرح۔ خاک مجھ میں کمال رکھا ہے ''مصطفیٰ نے سنبھال رکھا ہے'' حمد اور نعت کی تعریف تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ لفظ لفظ دل میں اترتا گیا۔ ''ذکر اس پری وش کا'' سب کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا' کچھ کچھ عادات مجھ سے بھی ملتی تھیں مگر اچھی والی۔ رخ سخن میں حاضری دی فاخرہ گل آپی نے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بولیں تو ان کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ اصولوں پہ سمجھوتہ نہ کرنے والی فاخرہ آپی کے بارے میں جب بھی پڑھو اچھا لگتا ہے

فاخرہ آپی آپ کی غزل مجھے اتنی پسند تھی مگر معذرت میں اسے امجد اسلام امجد کی سمجھتی رہی۔ آج یہ غلط فہمی بھی ختم ہوگئی۔ ہمیشہ خوش رہیں آپی آمین۔ آغوش مادر عائشہ آپ نے میری کہانی لکھ دی بلکہ مجھے تو لگا آپ شاید میرے دماغ میں گھسی ہوئی تھیں۔ میری ماما میرے بچپن میں گزر گئی تھیں اور اگر آج میں ممتا لفظ سے واقف ہوں تو صرف اپنی پیاری نانی امی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی عطا کریں۔ ''گمان'' بہت زبردست لکھا سویرا فلک نے انسانی جبلت کو عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ انسان کی جلد بازی اسے کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ لڑکیوں کے لیے سبق آموز کہانی تھی۔ ''چلو کچھ دیر ہنستے ہیں'' سب سے پہلے حنا اک مرتبہ پھر بہت بہت مبارک ہو۔ بہت اچھا ناولٹ لکھا تم نے واقعی پڑھ کے ہنستے رہے، حازم اور زیاد کی حرکات اپنا دور یاد کرواتی رہیں۔ ہلکا پھلکا اور انٹرٹین کرتا ہوا ناولٹ، ہمیشہ کامیاب رہو۔ ''ست رنگی عید'' نورعین نے بھی اچھا لکھا، معاشرے کے چال چلن قلم کی نوک سے اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش تھی اور امید ہے مستقبل میں وہ اس سے بھی اچھا لکھیں گی اور ہمیں اچھی اچھی تحاریر پڑھنے کا موقع دیتی رہے گی۔ اب بات ہو جائے افسانوں کی سارے افسانے بہت ہی اچھے تھے۔ عید کے رنگ، قربانی کا مقصد اور اخلاقی پہلو کو اجاگر کرتیں سب تحریریں بہت اچھی تھیں۔ حرا قریشی نے بہت اچھا افسانہ لکھا لفظوں سے کھیلنا انہیں خوب آتا ہے۔ قرۃ العین سکندر نے بھی صلہ رحمی کو اچھے سے بیان کیا ہے۔ نیلم شہزادی نے بھی اچھا افسانہ لکھا۔ میں دو نام لینا چاہوں گی، جن کو پہلی دفعہ پڑھا اور دل خوش ہوا۔ مونا شاہ قریشی! بہت بہت اچھا لکھا، لکھتی ہو بہت آگے جاؤ گی۔ رفعت فاطمہ پاکستان کے حوالے سے آرٹیکل تھا۔ میں نہیں جانتی یہ بندی کون ہے مگر لکھا بہت کمال ہے، منظر نگاری پہ عبور حاصل ہے، دل خوش ہو گیا رفعت فاطمہ' میری مانو تو اگلا افسانہ بھیج دینا بہت ساری دعائیں۔ کچن کارنر میں بکرے کی کلیجی اور پائے چھائے رہے' زہرہ جبین چنگا نہیں کیتا، ظالموں میں گوشت نہیں کھاتی کچھ آسان سا مجھے بھی بتا دیتی۔ سارا شمارہ بہت زبردست تھا۔ آپ سب بھی سوچ رہے ہوں کہ کتنا بولتی ہوں لیکن دیکھ لیں اپنے افسانے کا میں نے نام ہی نہیں لیا۔ وقت رخصت سب کے لیے ڈھیر ساری دعائیں، خوش رہیں، ہنستے مسکراتے رہیں اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

راؤ رفاقت علی ...... دنیاپور۔ حجاب و آنچل اسٹاف رائٹرز و ریڈرز کو میرا محبت بھرا اسلام اس بار حجاب پانچ ستمبر کو ہی مل گیا تھا سرورق پر نظر ڈالتے ہی قیصر آپا سے بات چیت کرتے حمد و نعت سے فیض یاب ہوتے ہوئے دوڑ لگائی اپنے موسٹ فیورٹ ناول کی طرف دل کے دریچے میں سفینہ اور آفاق کو ایسے ہی خوش رکھیے گا اور رومیو صاحب کو روشنی کے ساتھ ہی جلدی سے سیٹ کر دیں نبیل بھی سلجھا ہوا لگ رہا ہے۔ آزرمہرین اور شرمیلا دیکھو ان کے درمیان کیا کھچڑی پکتی ہے باقی ساری کہانی زبردست رہی۔ دوسرے ناول کی طرف ''شب آرزو تیری چاہ'' میں نائلہ جی یہ کیا کر دیا آپ نے عرش کے ساتھ پلیز عرش کو زنائشہ سے دور مت کریں دل بہت دکھتا ہے ان دونوں کو جدا دیکھ کر۔ حازق کو ٹھیک کر کے جلدی سے رجاب کے ساتھ سیٹ کر دیں دراج اور شیراز کا لڑاکا سین بور کر گیا یہ دونوں ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار رہتے ہیں نائلہ آپی کہانی بہت زبردست ہے ایسے ہی خوب صورت لکھتی رہیے گا۔ نادیہ فاطمہ رضوی ''میرے خواب زندہ'' ہیں مہر و اور کامیش کو بھی آمنے سامنے کریں اور ماریہ کا نکاح فراز سے کروادیں اور ماریہ کو جیسکا سے دور رکھیں پلیز باقی اسٹوری ٹوسٹ لیے ہوئے ہے۔ نادیہ احمد ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' سمیر اور علینہ کزن ہیں یہ جان کر بہت اچھا لگا بس جلدی سے نور انصاری سمیر اور علینہ کو بھی اس حقیقت سے آگاہ کر دیں۔ خاور انور انصاری کا بھائی ہے ان کا ماضی پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ یہ قسط بہت سے رازوں سے پردہ اٹھاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ مکمل ناول میں سویرا فلک کا ''گمان'' اور نورعین کا ''ست رنگی'' دونوں نے بہت زبردست لکھا باقی افسانے بھی زبردست تھے۔ ناولٹ ''چلو کچھ دیر ہنستے ہیں'' حنا اشرف نے واقعی بہت ہنسایا۔ آغوش مادر عائشہ نور محمد کو پڑھا' بے شک ماں کا کوئی نعم البدل نہیں۔ عالم انتخاب صباء ایشل راؤ رفاقت علی اور باقی سب کے بھی انتخاب زبردست تھے۔ کچن کارنر میں گئے تو وہاں گوشت کو طرح طرح سے پکا کر مختلف نام دیے گئے باقی حجاب بھی زبردست تھا تبصرہ لمبا ہو گیا اس لیے باقی کے لیے معذرت جو ہی آپی خیال سے ردی کی ٹوکری میں مت پھینک دینا۔ اب اجازت اللہ حافظ۔

وریشہ بھٹو' نویرہ بھٹو ...... صادق آباد۔ السلام علیکم! کیا حال ہے جناب آپ سب پڑھنے والوں اور لکھنے والوں کا؟ 15 ستمبر جمعہ کی شام کو کزن نے حجاب لا کر دیا تو خوشی سے بھنگڑا ڈالنے کو دل چاہا مگر اس کے متوقع نتائج کا سوچ کر دل تھام کر رہ گئے (کیا سمجھے) ٹائٹل دیکھتے ہی کئی لمحوں تک ساکت رہ گئے ہم مبہوت سے ٹائٹل دیکھ رہے تھے کہ بہن نے کہنی ماری (اف یہ ظالم سماج بھی ناں) خیر ماڈل کی جیولری اتار کر خود پہن لینے کی شدید خواہش کو دل میں دباتے جلدی جلدی ورق پلٹنے لگے۔ سلسلہ وار

ناول، مکمل ناول، افسانے بغیر پڑھے گنتی کرڈالی آگے آئے تو مدیرہ جی بڑے میٹھے انداز میں عید کی مبارک باد دیتی نظر آئیں (عید کے کئی دن بعد بھلا کوئی تک ہے سوری) مذاق کررہی ہوں یار گھور گھور کرڈراؤمت اور مارے منہ سے بے ساختہ نکلا

نیلی نیلی روشنی کمرے میں بند ہے

ہم کیا کریں ہمیں قیصر آپی پسند ہیں

مدیرہ جی کے سحر سے بمشکل نکل کر "میرے خواب زندہ ہیں" تک پہنچے لیکن یہ کیا میرے اللہ یہ ماریہ بے وقوف جیسکا جیسی شاطر لڑکی سے مدد لینے جارہی ہے پلیز پلیز روکیں اس کو اور لالہ رخ اس کا کیا ہوگا ویسے مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ حورین لالہ رخ کے لیے بالکل ادااس نہیں ہوتی جیسا کہ عموماً کہانیوں میں ہوتا ہے۔ لالہ رخ، حورین اور احتشام کی بیٹی ہے ناں تو حوریہ کا رویہ ناقابل یقین ہے خیبر رائٹر ہم سے بہتر جانتی ہیں، قسط ہمیشہ کی طرح شاندار رہی پھر دیکھا "شب آرزو تیری چاہ میں" یہ...... یہ اف ہم تو ابھی رجاب والی ٹینشن سے ہی نہیں نکلے تھے کہ یہ عرش اور زرکاش پلیز پلیز عرش کو کچھ نہ ہو اور اللہ کرے دراج کو زرکاش سے اصلی والی محبت ہوجائے جو وہ ڈیز رو کرتا ہے۔ اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے "دل کے دریچے" بس ٹھیک ہے (معذرت کے ساتھ)۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" نادیہ احمد نام ہی کافی ہے عمیر اور فریحہ کی جوڑی بناد یں خوب رہے گی۔ "ست رنگی عید" وری امیزنگ، مزہ آ گیا پڑھ کر "چلو کچھ دیر ہنستے ہیں" زبردست۔ مجھے اس طرح کی کہانیاں بہت اچھی لگتی ہیں کزنوں کی نوک جھوک، وری فنی۔ "گمان" زیادہ پسند نہیں آئی (سوری) باقی افسانے سب کے سب بہت بہت اچھے تھے (بھئی ہوہی نہیں سکتا کہ آنچل اسٹاف کا انتخاب برا ہو) مستقل سلسلے بزم سخن میں نجم انجم، حمنی اقبال، نمرہ آزاد، تسنیم کوثر کے اشعار زبردست تھے۔ کچن کارنر اور آرائش حسن سے بے ساختہ نگاہ چرائی عالم میں انتخاب رابی کا انتخاب شاندار تھا۔ شوخئ تحریر میں سب نے زبردست لکھا کسی ایک کی تعریف دوسرے کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ حسن خیال میں سبھی کے تبصرے جاندار تھے، شوبز کی دنیا میں دعا جی کے کمنٹس کچھ پھیکے پھیکے سے لگے۔ مہندی کے ڈیزائن اچھے تھے مگر ہر ڈیزائن دو تین بار دیکھ کر بور ہوگئے۔ رخ سخن میں سباس آپی نے فاخرہ گل کو لاکر دل خوش کردیا، پلیز آپی فرحت اشتیاق کا انٹرویو کریں ناں اور قیصر آپی پلیز فرحت اشتیاق اسماء قادری سے مکمل ناول لکھوائیں، ٹوٹکے بھی اچھے تھے غرض یہ کہ پورا شمارہ شاندار، جاندار تھا۔ (ہم ایسے ہی تو نہیں آنچل وحجاب کے انتظار میں پاگل ہوتے) دعا ہے اللہ تعالیٰ پاکستان کی اور اس کے محافظوں کی حفاظت فرمائے اور آنچل وحجاب کو ہم سب مسلمانوں لڑکیوں پر قائم ودائم رکھے آمین۔

ماریہ ذوالفقار...... دولت۔ پیاری باجی! میں آنچل اور حجاب بڑے شوق سے پڑھتی ہوں اس بار حجاب سولہ تاریخ کو ملا بہت خوشی ہوئی میں نے اپنے بھائیوں اور کزنز کی دوڑیں لگوائی ہوئی تھیں۔ فاخرہ آپی کا انٹرویو پڑھ کر دل بڑا خوش ہوا ہمارے آنچل کی رائٹرز تو بڑے گنوں والی ہیں پھر سویرا فلک جی کا "گمان" پڑھا بہت دھماکے دار ناول تھا واقعی انسان وہ نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے۔ صلہ رحمی کچھ حقیقت سے دور لگی بھلا کبھی سگے بہن بھائی اتنے کٹھور ہوتے ہیں؟ "مدد" اور "آزاد فضا کے قیدی پنچھی" بھی اچھی کہانیاں تھیں پھر پڑھا "چلو کچھ دیر ہنستے ہیں" بہت ہنسی آئی بڑا ہی اچھا پلاٹ تھا کہانی کا دل خوش ہوگیا۔ ایسی کہانیاں پڑھ کر دل خوش ہوجاتا ہے ذرا سانس لینے میں آزادی مل جاتی ہے قسط وار کہانیاں تو ابھی بعد میں پڑھوں گی پھر میری نظر "ست رنگی عید" پر پڑی نام بہت اچھا تھا اور آغاز بھی ایک دفعہ پڑھنا شروع کیا تو مکمل پڑھ کر اٹھی بڑا شاندار ناول تھا شروع سے آخر تک ایک ہی دفعہ پڑھ ڈالا غضب کیا ہماری نورعین جی نے بس اب انہیں کہیں جلدی سے مزید کہانیاں لکھیں، عطروبہ کی معصومیت اور غلطی مان لینے کی عادت اچھی لگی اور اس کی ساس کا عیدی دینے کا انداز بھی بہت اچھا لگا۔ دل خوش ہوگیا کاش میری ساس بھی ایسی ہوں لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے شاید حسرت ہی رہے، خیر مجھے اس دفعہ کا رسالہ پورا بہت اچھا لگا بس کچھ کہانیاں رہ گئیں لیکن تبصرہ اس لیے جلدی بھیج دیا کہ شائع ہوجائے میری بھابی کو بھی کہانی، بہت اچھی لگی ان کا نام بھی نور ہے آپ کو سلام کہہ رہی ہیں باجی آپ کو بہت بہت سلام اسی طرح حجاب اور آنچل کو اچھا بناتی رہیں۔

حناء اشرف...... کوٹ ادو۔ حجاب ڈائجسٹ پڑھنے والے پیارے لوگوں کو میرا محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ امید ہے آپ سب بالکل خیریت سے ہونگے۔ اب ذرا بات ہوجائے حجاب ڈائجسٹ کی۔ چونکہ میری عادت سب سے پہلے فہرست دیکھنے کی ہے تو عادت کو برقرار رکھتے ہوئے ڈائجسٹ ہاتھ میں آتے ہی جھٹ سے فہرست دیکھی اور پھر بعد میں ٹائٹل دیکھا، ویسے ٹائٹل

اور فہرست نیٹ پر پہلے بھی دیکھ چکی تھی مگر جو مزہ ڈائجسٹ ہاتھ میں آتے ہی ورق گردانی کرنے کا ہے وہ کہیں اور کہاں پچھلے کچھ ماہ سے آنچل وحجاب دونوں کا ٹائٹل بہت خوب صورت ہوتا ہے اور بے حد پسند بھی آتا ہے۔ حجاب کی ٹیم جس قدر خوبصورتی سے ہر ماہ حجاب کو سجا سنوار رہی ہے یہ بات قابل تحسین ہے۔ اب آتے ہیں مصنفین اور ان کی تحاریر کی طرف، بات ہو آنچل حجاب کی اور نام نہ لیں ماورا طلحہ کا یہ تو جی ناانصافی ہے۔ ماورا جی ہماری پیاری سی بلکہ چھوٹی سی مصنفہ ہیں۔ ویسے تو جناب یہ دوسرے رسائل میں بھی لکھ رہی ہیں اور کیا ہی خوب لکھ رہی ہیں۔ بے شک ماورا بہت اچھا لکھتی ہو بھی تو تمہارے چاہنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے آہم ۔۔۔ ماشاء اللہ۔ ریحانہ آفتاب بھی اپنے افسانے کے سنگ حاضر تھیں۔ ریحانہ آپی کی تحریریں مجھے بہت پسند ہیں جس قدر اچھا مکمل ناول لکھتی ہیں افسانے بھی ویسے ہی بہترین لکھتی ہیں۔ قرۃ العین سکندر کا انداز بیاں بھی بہت اچھا ہوتا ہے لفظوں پر گرفت بہت مضبوط ہوتی ہے۔ حرا قریشی کے لیئے بہت سے لوگ کہتے کہ یہ محترمہ بڑا "اوکھا" لکھتی ہیں (مشکل الفاظ کا استعمال زیادہ کرتی ہیں) مگر حرا آپ کا لکھنے کا طریقہ بہت دلکش ہوتا ہے۔ مونا شاہ قریشی سے تو مجھے ہمیشہ ہی بہت انسیت محسوس ہوتی ہے جب بھی ان کی کوئی تحریر آتی ہے مجھے اچھا لگتا ہے۔ حجاب کے سلسلوں میں مجھے آغوش مادر بہت پسند ہے اس بار اس سلسلے میں اپنی پسندیدہ مصنفہ عائشہ نور محمد کو دیکھ کر بے حد اچھا لگا۔ پیارے لوگو! آپ سب کے لیے بہت سی دعائیں نیک تمناؤں کے ساتھ، خوش رہیں شادر ہیں آباد رہیں اور اپنی خاص دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیں، ان شاء اللہ پھر حاضر ہونگے۔ اللہ حافظ

صباء ایشل ...... السلام علیکم اس بار حجاب کا ٹائٹل بہت پسند آیا۔ سب سے پہلے حنا کا ناولٹ پڑھا۔ جس نے کچھ دیر ہنسنے پر مجبور کردیا۔ حنا ناولٹ دیکھ کر خوشی ہوئی اور پڑھ کر پسند آیا۔ اسی طرح بہتر سے بہترین لکھتی رہو۔ افسانوں میں ایک بار پھر جانا پہچانا ماورا کا نام جگمگار ہا تھا سو سب سے پہلے اسی کو پڑھا۔ ماورا بہت اچھا لگا۔ یکرا اسٹائل کہانی کا منفرد نام پسند آیا۔ ریحانہ آفتاب منجھی ہوئی رائٹر ہیں ان کا لکھا ہوا مجھے ہمیشہ سے پسند آتا ہے۔ قرۃ العین سکندر نے بھی اچھا لکھا۔ باقی افسانوں میں حرا قریشی، مونا شاہ اور نیلم شہزادی کو پڑھ کر اچھا لگا۔ سلسلے وار ناولز سب بہت اچھے چل رہے ہیں۔ صدف آصف بہت اچھی طرح کہانی کو اختتام کی جانب لے کر گامزن ہیں۔ لگ ہی نہیں رہا کہ یہ ان کا پہلا سلسلے وار ناول ہے۔ حجاب کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ محفل میں پھر شرکت ہوگی۔

میں لوٹنے کے ارادے سے جارہا ہوں
سفر، سفر ہے میرا انتظار نہ کرنا

☆ اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ پاک وطن عزیز کو ہر مشکل و پریشانی سے محفوظ رکھے اور دشمن کی بُری نظر سے بچائے آمین! پاکستان زندہ باد۔

قابل اشاعت:

جستجو تمنا، حیات ہوئی ماہتاب، حجاب، شکر و نمائش، تتلیوں کے رنگ، یہ راہ مشکل نہیں، سوال، تجھ سنگ عید منانی ہے، میری عید تم سے ہے، چاہت سنگ عید، حقیقی عیدئیوں نہ چاہا تھا، عید کا چاند، چاہتوں کی نوید، وجہ تم ہو، یہ وطن تمہارا ہے، انوکھی عید، دل پر نقش، ست رنگی عید، نہ کوئی آسمان، قربانی، خسارہ، تم سے مراد، ہم دکھاوا نہیں، قدر نعمت، پھر سے ٹوٹے۔

ناقابل اشاعت:

سنگ ہجر، زندگی کی حقیقت، موتی، بے رخی، اماں جی، دھرتی ماں، بلاعنوان، یوم آزادی، بارش، وہ لڑکی، نایاب کی زندگی، عید کے رنگ اپنوں کے سنگ، تربیت، بختاں، بددعا، محبت بوٹی۔

husan@aanchal.com.pk

شوبز کی دنیا

دعا فاطمہ

پاکستانی فلم "پنجاب نہیں جاؤں گی" کے پریمیئر شو کے موقع پر ٹی وی اور فلم کے اداکار عباس باجوہ نے کہا کہ یہ

ایک معیاری فلم ہے (سچ میں) اور گزشتہ چند برسوں کے دوران ہمایوں سعید نے عمدہ فلمیں بنا کر پاکستان فلم انڈسٹری کی بحالی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہم سب کو پاکستانی فلموں کے فروغ کیلئے کام کرنا چاہیے، پاکستانی فلم جب بھی سینما گھروں کی زینت بنے اسے دیکھنے کے لیے آنا چاہیے۔ میں پاکستانی عوام سے بھی یہی کہنا چاہوں گا کہ وہ فلم "پنجاب نہیں جاؤں گی" ضرور دیکھنے کے لیے آئیں، یہ ایک دلچسپ فیملی فلم ہے جس میں پنجاب کے کلچر کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

پرچی

اداکار اور مصنف عثمان خالد بٹ فلم "پرچی" کے لیے بطور ڈائریکٹر کوریوگرافی خدمات سرانجام دیں گے۔ عثمان خالد بٹ 2006ء سے 2013ء تک تھیٹریکل پروڈکشنز میں کوریوگرافر اپنی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ (اب فلم پر یہ وقت) عمران رضا کاظمی اور حریم فاروق کی سرپرستی میں بننے والی فلم "پرچی" مزاح پر مبنی فلم ہے جس کی کہانی دوستوں کے ایک ایسے گروپ کے گرد گھومتی ہے جو اپنی عادات کی وجہ سے حادثات و مشکلات کا شکار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ (کچھ سنی ہوئی اور دیکھی ہوئی لگ رہی ہے) عثمان خالد بٹ کا کہنا ہے کہ رقص میرا جنون ہے جس کا اندازہ لگانا ناممکن ہے، فلم کے لیے کوریوگرافی کرنا ہمیشہ سے میرا خواب تھا جو اس فلم سے پورا ہونے جا رہا ہے۔ کاسٹ میں علی رحمان خان، حریم فاروق، عثمان مختار، احمد علی اکبر، شفقت خان، ماہ نور، حیدر خان اور شفقت چیمہ شامل ہیں۔ مصنف شفقت خان جبکہ ڈائریکٹر افضل جعفری ہیں۔

آئینہ ٹو

فلم انڈسٹری کی ممتاز اداکارہ شبنم جو ان دنوں پاکستان کے دورے پر ہیں لاہور میں قیام کے دوران ایک نجی ٹی

وی کے شو میں شرکت کی، اور فلم انڈسٹری کے حوالے سے پرانی یادوں کا احاطہ کیا، نیز انہوں نے آئینہ ٹو کے سلسلہ میں ہدایتکار سید نور سے ملاقات کی اور شوٹنگ سمیت دیگر امور طے کیے۔ فلم میں سینئر اداکار ندیم بیگ مرکزی کردار ادا کریں گے، دیگر کاسٹ کے حوالے سے جلد کام مکمل کرلیا جائے گا۔ اداکارہ شبنم چند روز کراچی میں قیام کے بعد واپس ڈھاکہ روانہ ہوجائیں گی۔

خزانہ

پاکستانی اداکار اور گلوکار عزیر جسوال بہت جلد اپنا نیا ویڈیو گانا "خزانہ" ریلیز کرنے جا رہے ہیں، جس کا مداحوں کو بے صبری سے انتظار ہے۔(مداحوں کو یا رشتہ داروں کو......) میڈیا سے بات کرتے ہوئے 27 سالہ عزیر جسوال کا کہنا تھا کہ یہ ایک فن سانگ ہوگا، خزانہ کا مطلب کوئی قیمتی چیز ہے اور اس گانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جس سے آپ پیار کرتے ہیں وہ خزانہ ہے، اس

گانے میں ایک ایسی لڑکی کو پیش کیا گیا ہے جو علاقے میں نئی آئی ہے، کالج جاتی ہے اور اسے ایک لڑکا پسند کرنے لگتا ہے۔عزیر نے بتایا کہ سونیا حسین اس گانے میں کالج کی لڑکی کا کردار ادا کر رہی ہیں اور انہوں نے نہایت بہترین کارکردگی دکھائی ہے۔(آپ تو مطمئن ہوئے اب عوام کی باری ہے)

راگنی

گلوکارہ راگنی یورپ کا دورہ مکمل کرنے کے بعد وطن واپس پہنچ گئیں۔وہ گزشتہ ماہ یورپ کے دورہ پر گئیں تھیں۔ اس دوران انہوں نے مختلف یورپی ممالک میں ہونے والے میوزک کنسرٹس میں پرفارم کیا۔انہوں نے کہا کہ

میں اپنے رب کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے کیونکہ اس نے جتنی عزت بخشی ہے میں اسے لفظوں میں بیان ہی نہیں کر سکتی۔جو مقام آج مجھے گائیکی کی دنیا میں حاصل ہے میں نے اس کا سوچا بھی نہیں تھا۔گائیکی کی بدولت پوری دنیا گھوم چکی ہوں۔ہر ملک میں میرے پرستار موجود ہیں۔جہاں بھی جاتی ہوں بے پناہ پذیرائی ملتی ہے۔

خوب صورتی

اداکارہ صبا قمر نے کہا ہے کہ کوئی بھی فنکار صرف خوب صورتی کی بنا پر نام نہیں کما سکتا۔اس کے لیے فن کے

جراثیم ہونا ناگزیر ہے۔(یہ تو ہے) مشکل وقت میں دوستوں کو فراموش کیا ہے اور نہ ایسا کر سکتی ہوں۔ایک انٹرویو میں اداکارہ نے کہا کہ شوبز سمیت کوئی بھی شعبہ ہو،

اگر آپ اس کی مہارت نہیں رکھتے تو آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شوبز میں خوب صورت چہرے ہی کامیابی حاصل کرتے ہیں بلکہ اس کے برعکس فن پر عبور رکھنے والوں نے زیادہ نام کمایا ہے۔(ماریہ واسطی اور عظمیٰ گیلانی کی مثال سامنے ہے) میں اپنے ماضی کو کبھی نہیں بھولتی اور خاص طور پر مشکل حالات میں جن دوستوں نے ساتھ دیا۔

بالی وڈ ہیرو

اداکارہ شیبا رانی نے کہا ہے کہ شان بالی وڈ میں کام

کرنے والے تمام اداکاروں سے بڑے اسٹار ہیں۔انہوں نے اردو اور پنجابی فلموں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ایک انٹرویو میں اداکارہ نے کہا کہ شان واحد اداکار ہیں جنہوں نے خود کو ہر کردار کے مطابق ڈھال کر اور حقیقت کے قریب تر ہو کر کردار نبھائے ہیں۔(شان کی خوشامد) پاکستان میں بہت ٹیلنٹ موجود ہے لیکن انہیں تربیت دینے کے لیے کوئی مناسب ادارہ موجود نہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ اپنی سرپرستی میں اکیڈمی بنائے جس میں نوجوان ٹیلنٹ کو اداکاری اور دیگر شعبوں میں تربیت دی جائے۔

سائرہ نسیم

نامور گلوکارہ سائرہ نسیم نے کہا ہے کہ میڈم نور جہاں کا

انداز گائیکی بہت پسند ہے اور میں ان کو اپنا روحانی استاد بھی مانتی ہوں۔(اگر جو وہ حیات ہوتیں تو آپ کو شاگرد مانتی؟) بے سرے اور سفارشی گلوکاروں کی وجہ سے خالص میوزک سننے والوں کی تعداد میں دن بدن کمی ہوتی جارہی ہے جو بڑی تشویشناک بات ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم نے سینئر استادوں سے باقاعدہ میوزک کی بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گلوکاری کے میدان میں قدم رکھا تھا مگر آج کے گلوکار میوزک کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہے۔جس کے پاس دولت ہوتی ہے وہ پیسے کے بل بوتے پرنت نئے گانے بنا کر ٹی وی چینل پر قسمت آزمائی کے لیے پہنچ جاتا ہے۔

شیر کا بچہ

گلوکارہ واداکارہ رابی پیرزادہ کو شیر پالنے کا جنون سوار ہوگیا۔اس حوالے سے جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ ان کو جانوروں سے محبت ہے اور وہ اب شیر کے ایک بچے کو پالنے کی خواہشمند ہیں۔(اور بھی تو جانور ہیں صرف شیر ہی کیوں؟) اگر مجھے پاکستان سے کوئی شیر کا بچہ مل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں بیرون ملک سے شیر کا بچہ منگواؤں گی۔

کرن

فلم وٹی وی اداکارہ کرن تعبیر نے کہا ہے کہ میں آج بھی منفرد کردار نبھانے کی خواہش مند ہوں، اب تک جتنا بھی کام کیا وہ پہلے سے بہتر کرنے کی کوشش کی ہے، (پھر بھی کمی سی ہے) انسان کی کامیابیاں اُس کی محنت ہی میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سیکھنے کی جستجو ہمیشہ ہی سے رہی ہے، (لیکن سیکھا نہیں) اپنے ہر کردار کو سمجھ کر کرنے کی کوشش کرتی ہوں، فن ایک گہرے سمندر کی

مانند ہوتا ہے اس کی گہرائیوں تک نہ ہی کوئی پہنچ سکا ہے اور نہ ہی پہنچ سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو ہر جگہ فیملی ماحول ملا ہے، یہ فیلڈ بہت اچھی فیلڈ ہے، میں نے بہت کچھ سیکھا ہے، آئندہ بھی فلموں سے کوئی بہترین کردار کی آفر ہوئی تو میں ضرور کام کروں گی۔ اسکرپٹ جاندار ہو تو فنکار کی صلاحیتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔

مہر النساوی لب یو

اداکار دانش تیمور نے کہا کہ فلم "مہر النساوی لب یو" کی کامیابی پوری انڈسٹری کی کامیابی ہے، (جب ہی کراچی کے دیگر سینماؤں میں یہ فلم چند ماہ ہی رہی) شائقین فلم کی

سپورٹ کے شکر گزار ہیں۔ ہمارا مشن اپنی فلم انڈسٹری کی بحالی کے لیے جدوجہد کرنا ہے، اس کے لیے سب کو مل جل کر اپنے حصے کا کردار باخوبی نبھانا ہوگا۔ فلم دیکھنے اور ڈرامہ دیکھنے والوں کا نظریہ الگ ہوتا ہے، ڈرامہ کئی قسطوں پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ فلم کا دورانیہ گھنٹوں پر محیط ہوتا ہے۔ مجھے یاسر نواز کی ڈائریکشن میں کام کر کے بہت اچھا لگا، وہ ایک محنتی ڈائریکٹر اور بہترین انسان ہیں جسے اپنے کام سے بے پناہ محبت ہے۔ انہوں نے کہا کہ فنکار ہمیشہ محبتوں کا بھوکا ہوتا ہے اس کے کام کو ملنے والی پزیرائیاں اِس کے حوصلے پہلے سے زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں میرے لیے میرا سب سے قیمتی ایوارڈ میرے چاہنے والے ہی ہیں، (یعنی آپ کی بیوی) جن کے بغیر میں خود کو نامکمل

سمجھتا ہوں۔

ڈیڑھ عشقیہ

ٹی وی اداکارہ مہوش حیات بھی بھارتی فلموں میں کام کرنے کی خواہاں ہیں۔ (دل کی بات زباں پہ آ گئی) انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انہیں بھارتی فلم "ڈیڑھ عشقیہ" میں اہم کردار کی آفر ہوئی تھی لیکن فلم میں قابل اعتراض مناظر ہونے کے باعث انکار کردیا تھا۔ (انہوں نے بھی آپ کے آئٹم سانگ دیکھے ہوں گے) ان کا کہنا تھا کہ جب بھی کوئی اچھوتا اور پرفارمنس والا کردار ملا تو بھارتی فلم میں ضرور کام کروں گی۔ مہوش حیات کی عیدالاضحی پر ریلیز نئی فلم "میں پنجاب نہیں جاؤں گی" نے عوام کی بھرپور توجہ حاصل کی ہے۔

روہنگیا مسلمان

معروف گلوکارہ صومیہ خان نے میانمار میں روہنگیا مسلمانوں پر ریاستی تشدد کی مذمت کرتے ہوئے اقوام

متحدہ اور او آئی سی سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی رکوانے کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ روہنگیا مسلمان صدیوں سے وہاں آباد ہیں اور میانمار کی حکومت انہیں اپنا شہری تسلیم نہیں کرتی۔ وہ صحت و تعلیم اور روزگار کی سہولتوں سے محروم ہیں۔ 10 لاکھ سے زائد روہنگیا مسلمانوں پر میانمار میں زمین تنگ کردی گئی ہے۔ معصوم بچوں سمیت خواتین اور معمر افراد کو بھی ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ 90 ہزار سے زائد افراد کی ہلاکت لمحہ فکریہ ہے۔ صومیہ خان نے مزید کہا کہ میانمار قوانین کے مطابق وہ تمام نسلیں جو 1830ء میں میانمار میں آکر آباد ہوئی تھیں وہ قطعی طور پر میانمار کے شہری کے طور پر تسلیم نہیں کی جاتی ہیں یہ ظالمانہ قانون ہے جسے ختم کرانے کے لیے عالمی برادری کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ میانمار میں مسلمانوں پر مظالم کیخلاف فوری طور پر اقوام متحدہ اور برطانیہ اس سلسلے میں اپنا موثر کردار ادا کرے۔ مسلم ممالک کے بلاک کو بھی مسئلے کے موثر حل کے لیے جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔

انفرادیت

اداکار شامل خان نے کہا ہے کہ آج ہماری ڈرامہ انڈسٹری نے اپنی کامیابیوں کا سفر طے کرلیا ہے جس کی وجہ سے نیو ٹیلنٹ کو بھی بھرپور مواقع فراہم کیے جارہے ہیں۔ جن میں سے کچھ بہت ہی اچھا کام کررہے ہیں اور کچھ کو ابھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا وہی کام پزیرائی پاتا ہے جس میں محنت کے ساتھ ساتھ کچھ نیا مواد بھی شامل ہو ہمیں اپنے ڈراموں میں ہر بار کچھ منفرد پیش کرنا ہے تاکہ ہماری ڈرامہ انڈسٹری اس سے بھی زیادہ پزیرائیاں حاصل کرے۔ میں ان دنوں ایم ڈی پروڈکشن کی شوٹس میں زیادہ مصروف ہوں۔

گردن توڑ بخار یا سرسام

ماؤں کے لیے بطور خاص

یہ بیکٹیریا خون کے بہاؤ میں شامل ہوکر دماغ کی سوزش کا سبب بن جاتا ہے، ایسے مریض کوفوری طور پر قریب ترین اسپتال لے جائیں تاکہ ہنگامی علاج شروع کیا جاسکے۔

گردن توڑ بخار، بیکٹیریا کے باعث خون کو زہر آلود کرنے والی وہ سنگین صورتحال ہے جو بہت تیز رفتاری سے بڑھتی چلی جاتی ہے اور انتہائی مہلک ثابت ہوتی ہے۔

نوعیت:

دماغ کے اردگرد تین عدد باریک جھلیاں ہوا کرتی ہیں اور گردن توڑ بخار ان میں سے کسی ایک یا تینوں جھلیوں کی سوزش کا نام ہے۔اس کی وجہ سے بے شمار اقسام کے یک خلوی عناصر بشمول وائرس اور بیکٹیریا وغیرہ ہوسکتے ہیں جن کی وجہ سے پیچیدگیاں اور خرابیاں بڑھ جاتی ہیں۔وائرس کی وجہ سے پیدا ہونے والا گردن توڑ بخار بیکٹیریا کی خرابیوں سے کم خطرناک ہوا کرتا ہے۔حالانکہ بیکٹیریا سے پیدا ہونے والی خرابیاں مرض کی شروعات میں عموماً بے ضرر محسوس ہوتی ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔اس لیے ان پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ صورتحال فوری علاج کا تقاضا کرتی ہیں۔

علامات:

بچے اس مرض میں مبتلا ہونے کے بعد ان علامات کا اظہار کرتے ہیں۔

غنودگی اور چلنے پھرنے میں دشواری۔

غصہ اور تنک مزاجی یا چڑچڑاپن۔

کھانے سے بے رغبتی یا کھا کر اُلٹیاں کردینا۔

بچے کو سنبھالنا بہت دشوار ہوجائے۔

بخار۔

ناقابل فہم رویہ اور مزاج۔

گردن میں سختی یا اکڑن پیدا ہوجاتی ہے۔

تالو کا اچانک سخت ہوجانا یا بہت زیادہ اُبھر جانا۔

جلد کے کسی بھی مقام پر سرخ یا جامنی دھبے کا نمودار ہونا، جو بہت تیزی سے پھیلے اور بہت بڑا دکھائی دینے لگے۔اس کو چیک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک خالی گلاس لے کر اس دھبے کے اوپر رکھ کر دبائیں۔اس طرح دباؤ پڑنے کے بعد بھی دھبہ سرخ رنگ کا رہے گا جبکہ دوسرے دانے یا دھبے عام طور پر سفید ہوجاتے ہیں۔چند لمحوں کے لیے سہی لیکن ان کی رنگت ضرور بدل جاتی ہے۔

کانپتی ہوئی عجب انداز سے رونے کی آواز۔

کیا کرنا چاہیے:

فوراً ڈاکٹر سے رجوع کریں اور اُسے بچے کی ساری کیفیت سے آگاہ کردیں۔اگر گھر کے قریب ہسپتال ہے تو بجائے کسی ڈاکٹر کے کلینک لے جانے کے مریض کو سیدھے ہسپتال پہنچادیں۔اگر ڈاکٹر نے اس مرض کی تشخیص کرلی تو مریض کو ہسپتال لے جانے سے پہلے اس کی رگوں میں پنسلین کا انجکشن لگایا جائے گا۔اس کے علاوہ وہ بچے کی ناک اور گلے کی رطوبت کا نمونہ فوری طور پر ٹیسٹ کرنے کیلیے لیبارٹری روانہ کردے گا۔ڈاکٹر نے اگر آپ کے بچے میں Meningitis Meningococcal کے بیکٹیریا دریافت کرلیے تو اس کے بعد ہنگامی طور پر آپ کی ذمہ داری شروع ہوجاتی ہے۔آپ فوری طور پر اس کے اسکول دوستوں عزیزوں اور رشتہ داروں کو اس مرض کی خبر کردیں یعنی ان لوگوں کو جو پچھلے دنوں اس بچے کے قریب رہے ہوں۔صحت کا محکمہ اگر اس

کیس میں دلچسپی لے رہا ہے تو وہ فوری طور پر ان حفاظتی اینٹی بایوٹک کا استعمال کرائے گا جسے ری فام پائی سن کہا جاتا ہے۔اس مرض کی جسم میں پرورش کی مدت دو سے دس دنوں تک ہوا کرتی ہے۔

علاج:

اب یہ ہسپتال کے اسٹاف کی ذمہ داری ہے کہ وہ کتنی تیزی اور فرض شناسی کے ساتھ بچے کا علاج شروع کرتے ہیں۔ویسے اس مرض میں مبتلا بچے کا ہسپتال پہنچتے ہی ہنگامی طور پر اس کا علاج شروع کردیا جاتا ہے۔فوری طور پر بچے کی رگوں میں بیکٹیریا کو ہلاک کرنے کے لیے انجکشن لگایا جاتا ہے اسے ڈرپ دی جاتی ہے اور سوزش اور کھوپڑی کے گرد دباؤ کم کرنے کے لیے اسٹیرائڈ دی جاتی ہے۔اس کے ساتھ ہی حرام مغز یعنی اسپائنل کارڈ سے سوئی کے ذریعے مواد لے کر اس مرض کی مکمل اور صحیح تشخیص کی جاتی ہے۔بچے کو تندرست ہونے میں کچھ دن لگ سکتے ہیں لیکن اس دوران اسے انتہائی نگہداشت کے شعبے میں رکھا جاتا ہے تاکہ ہر وقت اس کی دیکھ بھال ہوتی رہے۔

احتیاط:

اگرچہ اس مرض میں مبتلا بچوں میں سے تین چوتھائی مکمل طور پر صحت یاب ہوجاتے ہیں لیکن کچھ ہمیشہ کے لیے معذور بھی ہوجاتے ہیں جیسے گونگا پن یا دماغ کی خرابی اور دس میں سے ایک کے لیے یہ مرض انتہائی مہلک ہوا کرتا ہے۔ہوسکتا ہے عارضی طور پر بچے کا اعصابی نظام بھی درہم برہم ہوجائے لیکن مسلسل علاج سے ٹھیک ہونے کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔تندرست ہوجانے کے بعد یہ ضروری ہے کہ بچے کا کان چیک کرالیے جائیں یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصے کے لیے بچے کی یاداشت غائب ہو جائے۔ایسی صورت میں نفسیاتی علاج بھی کرانا پڑتا ہے تاکہ بچہ پھر سے مکمل طور پر صحت یاب ہوجائے۔

وائرل انفیکشن کی صورت میں یہ دیکھا گیا ہے کہ تقریباً سارے ہی بچے تندرست ہوجاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا ضمنی اثر بھی نہیں ہوتا۔

ضمنی علاج:

اس مرض کے لیے بنیادی علاج کے ساتھ دوسرے علاج کا بھی سہارا لیا جاتا ہے۔یہ دوسری قسم کے علاج مریض کی مدافعتی قوت میں اضافے میں معاونت کرسکتے ہیں۔

ہمارے یہاں عام طور پر ہومیوپیتھی کے ڈاکٹر موجود ہیں۔جب تک بچے کو مکمل طبی امداد ہسپتال میں نہیں مل پاتی اس وقت تک سہارے کے لیے اسے (Bryonia 30c Bryonia brony) alba,white ہر پانچ منٹ کے وقفے سے دیا جاسکتا ہے۔

اور جب شیر خوار یا نوعمر بچہ سخت تکلیف محسوس کررہا ہو اور روشنی کی طرف نہیں دیکھ پا رہا ہو اس وقت اسے 30cAconnite napellus, Aconitum دیا جاتا ہے اور جب بچہ بہت بے چین ہوا سے بار بار پیاس لگ رہی ہو اور چھونے سے اس کا بدن گرم محسوس ہو اس وقت اسے 30cArnica Leopard's,montana(Arnica bone کی خوراک دی جاتی ہے۔بہر حال یہ ضمنی دوائیں بھی کسی ماہر ڈاکٹر کے مشورے سے دی جاتی ہیں۔

❀